ابن انشاء

انٹرویو

ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ)	700 روپے
ایشیا، افریقہ، یورپ	6000 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا	7000 روپے

مستقل سلسلے

جنوری 2016

جلد 38 شمارہ 10

قیمت 60 روپے

خط وکتابت کا پتہ

کرن

37- اردو بازار کراچی

خط وکتابت کا پتہ: ماہنامہ کرن، 37-اردو بازار، کراچی۔

پبلشر آزر ریاض نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: بی 91، بلاک W، نارتھ ناظم آباد، کراچی

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 92-21-32766872

Email: kiran@khawateendigest.com Website: www.khawateendigest.com

جنوری ۲۰۱۶ء کا شمارہ پیش کر رہے ہیں۔
تیزی سے گزرتے وقت نے ایک اور سال کی مسافت طے کر لی۔ ۲۰۱۵ء کا اختتام ہوا۔ سال نو کا سورج تمام تر روشن امکانات، امیدوں آرزوؤں کے ساتھ دستک دے رہا ہے۔
قارئین کو نیا سال مبارک ہو۔
زندگی نام ہی تبدیلی کا ہے۔ کائنات کی ہر شے تغیر پذیر ہے۔ ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں۔ زندگی میں کچھ بھی حتمی نہیں ہے۔ ناکامی کامیابی میں بدل سکتی ہے۔ غم ملا ہے تو خوشی بھی مل سکتی ہے۔ اگر پچھلے سال کچھ ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑا ہے تو بد دل نہ ہوں۔ اگر کوئی دکھ زندگی میں ہے تو مایوس نہ ہوں۔ دعا اور کوشش جاری رکھیں۔ کوشش کرنے والے ہی کامیاب ہوتے ہیں۔ اور دعا تقدیر کبھی بدل سکتی ہے۔
اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ نئے سال کا سورج ہم سب کی زندگی میں خوشیاں، کامیابیاں لے کر آئے۔ ہمارے وطن میں امن و امان اور خوش حالی ہو اور ملک دشمن دہشت گردوں کو ان کے مذموم ارادوں میں ناکام کرے (آمین)

انشاجی،

سب کے محبوب۔ سب کے پیارے انشاجی۔
کون ہے جو ان کی دلکش شخصیت کا اسیر نہیں، کون ہے جو ان کے تخلیقی جوہر کا معترف نہیں۔ شاعر، کالم نگار، سفرنامے بھی لکھے۔ اور ہر اسلوب میں اپنا ہی رنگ جمایا۔ شاعر ایسے کہ ان کے سندر بول دل میں گھر کر لیتے ہیں۔ کالم نگاری میں ایک دوسرے ہی انشاجی نظر آتے ہیں۔ ہنستے مسکراتے گہری بات کرنے والے۔ انتہائی لطیف اور شگفتہ انداز۔ سادہ آسان زبان، قلم سے موتی جھڑنے والے سفر نامے پڑھیں تو لگتا ہے سامنے بیٹھے باتیں کر رہے ہیں۔
11 جنوری سنہ 1978ء کو انشاجی اپنے چاہنے والوں کو روتا چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہو گئے لیکن ادب میں آج بھی زندہ ہیں۔

نیا ناول۔ من مورکھ کی بات نہ مانو،

اس ماہ سے آپ کی پسندیدہ مصنفہ آسیہ مرزا کا ناول شروع کیا جا رہا ہے۔ آسیہ مرزا کا شمار قارئین کی پسندیدہ ترین مصنفین میں ہوتا ہے۔ ان کا ناول "دل اک شہر جنوں" کرن میں شائع ہو کر پسندیدگی کی سند حاصل کر چکا ہے۔ ایک طویل عرصے بعد آسیہ مرزا نے قلم اٹھایا ہے۔ اور ہمیں توقع ہے کہ یہ ناول قارئین پہلے ناول سے بڑھ کر پائیں گی۔

اس شمارے میں،

- بیاد ابن انشا،   سال نو کے موقع پر قارئین سے سروے،
- اداکارہ "سارہ خان" سے شاہین رشید کی ملاقات،   اداکارہ سلمیٰ حسن کہتی ہیں "میری بھی سنیے"
- "آواز کی دنیا سے" اس ماہ مہمان ہیں انعم ریاض،   نیا سلسلہ "شادی مبارک ہو"
- سال نو کا تحفہ "من مورکھ کی بات نہ مانو" آسیہ مرزا کا سلسلے وار ناول،
- "ردائے وفا" فرحین اظفر کا سلسلے وار ناول اختتام کی طرف،   "رانپرل" تنزیلہ ریاض کا سلسلے وار ناول،
- نایاب جیلانی، بشریٰ گوندل اور صدف آصف کے مکمل ناول،
- فرح بخاری اور امت العزیز شہزاد کے ناولٹ،
- شفق افتخار، ماہم علی، شبینہ گل، ندا حسنین اور سعدیہ عزیز آفریدی کے افسانے اور مستقل سلسلے

مفت،
"ستارے کیا کہتے ہیں" کرن کے ہر شمارے کے ساتھ علیحدہ سے مفت پیش خدمت ہے۔

ذات وصفات میں ہے یکتا صرف تو ہی
حاضر ہیں تیرے دربار میں خدایا ہم بھی

معلوم و نامعلوم تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں
شکر گزار ہیں تیری نعمتوں کے خدایا ہم بھی

مالک ہے تو کائنات کے اک اک ذرّے کا
مالک ہے تو باسی ہیں جہاں کے خدایا ہم بھی

تجھ سا دوسرا کوئی ہو ہی نہیں سکتا مالک
ٹھہراتے نہیں تیرا کوئی شریک خدایا ہم بھی

سائل ہے فقط تیرے ہی در کا بھکاری
المدد المدد کہ تیرے ہی بندے ہیں خدایا ہم بھی

خالد ایاز سائل

میں بھی دیارِ شاہِ اُمم تک پہنچ گیا
اِک تشنہ کام بحرِ کرم تک پہنچ گیا

پہنچی تھی داستاں مہِ کنعاں کی مصر تک
شہرہ مہِ عرب کا عجم تک پہنچ گیا

اب مجھ کو غمگسار کی حاجت نہیں رہی
اب میرا حال شانِ کرم تک پہنچ گیا

کیا رحمتِ تمام کا یہ معجزہ نہیں
مجھ سا غریب اُن کے حرم تک پہنچ گیا

بیٹھا جو نعت لکھنے میں خیرالانامؐ کی
جبریلؑ لے کے لوح و قلم تک پہنچ گیا

اب جادہ آشنا بھی ہے منزل شناس بھی
مظہر کہ ان کے نقشِ قدم تک پہنچ گیا

حافظ مظہر الدّین

کیسا روپیا چاند

نسیمہ بنت سراج

ع جی ڈوب گیا' بجھ گیا چاند

یہ کیا کہا' یہ کیا سنا' کون مر گیا' کون کوچ کر گیا' یہ کیا دیکھا' کالا حاشیہ' بگز ذہی عینک کے موٹے موٹے شیشوں کے پیچھے سے جھانکتی روشن آنکھیں' زندگی سے بھرپور آنکھیں' ایک ذرا رکنا۔ ابھی آواز بھی آئے گی۔

کیسا روشن روشن' ہنستا باتیں کرتا چاند

اور بھی بول سنے تھے' ساز کی سنگت' سروں کے دوش پر۔ نغمہ رہ گیا۔ گانے والا کوچ کر گیا۔ چلتی پھرتی تصویر بھی دیکھی تھی اور بس ملنے کا شوق تھا' آرزو تھی' اتنی جلدی یہ حسرت میں بدل جائے گی' کسے معلوم تھا' ملتے بھی تو کیسے۔ ہماری دنیا اور' اور ادیبوں' شاعروں کی دنیا اور...... ہماری دنیا میں نہ ادب کی لطافتیں ہیں نہ اشعار کے گلاب...... بس پڑھتے رہتے ہیں' لطف لیتے رہتے ہیں' اور اپنی اس روکھی پھیکی دنیا کو سجاتے رہتے ہیں۔ ادبی نشستوں کا ذکر سنتے ہیں۔ دل مسوس کر رہ جاتے ہیں۔ وہاں تک رسائی ہو تو کیسے ہو' ہمیں بلائیں تو کس حلیے' بن بلائے ہم جائیں تو کیسے' ایسا اونچا مقام پائیں تو کیونکر۔

اردو ہم نے پڑھی تو انگریز بہادر کا راج تھا' جس اسکول میں پڑھتے تھے۔ وہاں ح' ق' ع صحیح ادا کرنا شرم کی بات تھی۔ بڑی کلتی' تھی کھالس' اردو بولنا گناہ کوم و ملت کا کوئی تصور نہ تھا۔ صبح کو Hymns گاتے اور مدر سپیریر کو "گڈ مارننگ" کہتے۔ ہنس کی چال تو کیا آتی' اپنی بھی بھول گئے۔

اردو جو سنی' اماں کی زبانی' جو پڑھی وہ ڈپٹی نذیر احمد' راشد الخیری اور ایم اسلم کے قلم سے تھی۔ آس پڑوس میں بھی صاحب لوگ رہتے۔ ان کی آیائیں'

ہیرے اور ہمارا ساے 'مگر اردو زبان کا رشتہ بڑا گہرا' بڑا سچا رشتہ ہے۔ اس کے چاہنے والے خود ڈھونڈ لیتے ہیں اس کے محسنوں کو اور یوں ادیب' شاعر' مزاح نگار' اردو اخبار' زندگی کا لازم و ملزوم جز بنتے چلے گئے۔

روز اخبار میں کسی نہ کسی کا قلم' اپنے دکھ کا اظہار اپنے درد کا بیان کرتا ہے۔

ع ہر شخص تیرا نام لے' ہر شخص دیوانا ترا۔

کچھ یادیں' کچھ باتیں' اپنا ناتا تو کالم تک تھا اس کا انتظار رہتا تھا اور یوں بھی ہوا ہے کہ ایک دفعہ پڑھا' پھر پڑھا اور دوسروں کو سنا سنا کر لطف لیا۔ بڑے فخر سے سناتے' بڑے شوق سے سنتے' انوکھا سوچ کا انداز' اس پر شوخی تحریر کیا کیسے' ایک رشتہ اور بھی تھا۔

چاند سے پریت کا' چاند کو دیکھا' چاند کو چاہا' چاند سے پوچھا' چاند سے کہا۔ شیتل اس کی چاندنی' سندر اس کا مکھ' گگن پہ چمکے' آنگن میں اترے یا کسی کی آنکھوں میں جھلملے چاند۔

عجب بات ہے' دعا کے لیے ہاتھ بھی تو اٹھے دل نے اس بیماری کی اہمیت کو مانا ہی کب تھا۔ اس خبر پر اعتبار ہی کب کیا تھا۔ آنکھوں میں آنسو بھی نہ آئے۔ اخبار ہاتھ میں تھا اور بس۔

اڈے بادل گرجے بادل
بوندیں دو برسا نہ سکے

پھر یوں ہوا کہ دن گزرا' رات آئی' چاندنی چٹکی اور ہمارے آنگن میں اترا چاند۔ ہنستا کھیلتا پورا چاند' ایسا روشن روشن چاند' چاندی چاند اور سونا چاند' دیکھا تو رہا نہ گیا۔ دل پر بوجھ تھا اسے ہلکا کیا۔ پوچھا۔ کچھ خبر ہے تجھ کو اے چاند' ٹھٹھکی چاندنی' تک رکا چاند۔ ہماری خشک آنکھوں میں جھانکا۔ کچھ نہ بولا۔ پر کیا بتائیں۔

کیسا رویا چاند۔

سکھیو کچھ تم ہی کہو

ادارہ

تھام کر ہاتھ کسی اپنے پیارے دوستوں کا
آج ہم خود کو نئے سال میں لے آئے ہیں

کسی کے دامن میں خوشیاں' کسی کے دامن میں دکھ بھر کر سال 2015ء بھی اپنے اختتام کو پہنچا۔ ہم نے 2015ء میں بہت کچھ کھویا ہے اور بہت کچھ پایا ہے۔ دعا ہے کہ نیا سال 2016ء ہم سب کے لیے امیدوں' آرزوؤں اور بہترین امنگوں کی تکمیل کا سال ثابت ہو۔

نئے سال کی آمد پر "کرن" نے قارئین کے لیے سروے کا اہتمام کیا ہے۔ آئیے دیکھتے ہیں ہماری قارئین نے کیا جوابات دیے ہیں۔

سوالات

1 ۔ نئے سال کے آنے پر آپ خوشی محسوس کرتی ہیں یا اداس ہوتی ہیں؟
2 ۔ گزشتہ سال پڑھی جانے والی "کرن" کی کس تحریر نے آپ پر گہرا اثر چھوڑا؟
3 ۔ کرن کی مصنفین کے نام کوئی پیغام ان کی تحریر کے حوالے سے۔

رابعہ عمران چوہدری۔۔۔ رحیم یار خان

1 ۔ نئے سال کے آنے پر تو سب ہی کو خوشی ہوتی ہے سو ہمیں بھی خوشی ہوتی ہے۔ دل میں یہ امید ہوتی ہے کہ نیا سال ہمارے لیے کچھ خوش گوار تبدیلیاں لائے گا۔ بچے نیو کلاس جوائن کرتے ہیں۔ نئے سال کی آمد پر کسی بہن بھائی۔ عزیز و اقارب کی شادیاں ہوتی ہیں۔ گزرے سال میں کیا کھویا' کیا پایا۔ نئے سال کی کچھ یا تنگ ہوتی ہے بشرط زندگی۔

ایک خوشبو کی طرح کو جئے روز و شب سے
جو دبے پاؤں گزر جائے وہ سال اچھا ہے

2 ۔ سوال تو بہت مشکل ہے۔ پورے سال کی سب بہترین تحریروں میں سے کسی ایک یا دو تحریروں کی تعریف ناممکن ہے۔ ہر تحریر سے ہم کچھ نہ کچھ سیکھتے بھی ہیں اور ہماری سوچ پر بہت گہرا تاثر چھوڑتی ہے' جو ہماری پرانی رائٹرز ہیں ان کا نام ان کے لفظوں میں جو پختگی اور سحر ہے وہ کسی بھی تعریف کا محتاج نہیں' مگر جو نئے لکھنے والے ہیں ان کی تحریروں میں بھی بہت اثر ہے۔ میرے پاس سب شمارے موجود نہیں مگر نومبر کے شمارے میں عنبرین ولی کا ناولٹ "دامن دل" عابدہ احمد کا افسانہ "برف کے آدمی"

سیما بنت عاصم کی تحریر "خلش" نے بہت گہرا تاثر چھوڑا۔ دیا شیرازی کی تحریریں بھی پورا سال خوب رہیں۔ دسمبر کے شمارے میں "بازی مات ہوئی" نے نہ صرف بہت گہرا اثر کیا۔ ہماری سوچ کو پوزیٹو بھی بنا دیا۔ یہ چھوٹی سی تحریر ایک سبق آموز تحریر تھی۔

3 ۔ مصنفین کے لیے پیغام یہ ہے کہ وہ ہر ٹاپک پر لکھتی ہیں اور لاجواب اور منفرد لکھتی ہیں پڑھ کہ انسان بہت کچھ سیکھتا ہے اور بھی منفرد لکھیں اور بھی ٹاپک ہیں ان پر مختلف انداز سے لکھتی رہیں۔ کیونکہ رائٹرز کے لفظوں میں اتنا اثر ہوتا ہے کہ وہ پڑھنے والے کی سوچ کو بدل سکیں۔ مزید یہ کہ کرن کا معیار دن بدن بہترین ہوتا جارہا ہے۔ ماشاء اللہ' اللہ پاک مزید کامیابیاں عطا فرمائے۔ (آمین)

صبا خان.... ڈی جی خان

سب سے پہلے تو میری جانب سے آپ سب کو نئے سال کی مبارک باد قبول ہو۔

اس سال دل کافی اداس ہے۔ آرمی پبلک اسکول جو ہماری تاریخ کا حصہ بن چکا۔ ایک سال مکمل ہو گیا ہے۔ ان ایک شہادتوں کو' میں کیا کوئی بھول نہیں سکا۔ سولہ دسمبر کے ان بچوں کی قربانی پر مجھے فخر کیوں نہ ہو کہ ان کے خون نے ہماری قوم میں اتحاد اور یک جہتی کو پختہ کر دیا ہے۔

2 ۔ ڈائجسٹ کرن کے بہت سارے افسانے' ناول اور ناولٹ ایسے ہیں جن میں ہماری روزمرہ کی کہانیاں چھپی ہوئی ہیں' ہمارے اردگرد کے کردار جو ایسی نصیحت دیتے ہیں' جو قارئین پر بہت گہرے اثرات مرتب کرتے ہیں۔

3 ۔ سب سے پہلے تو تمام مصنفات کو نئے سال کی مبارک دینا چاہوں گی۔ مجھے فائزہ افتخار' تنزیلہ ریاض' قرۃ العین خرم اور صدف آصف کے افسانے' ناول اور ناولٹ بہت پسند ہیں' امید کرتی ہوں کہ آنے والے سال میں ان لوگوں کو مزید کرن میں پڑھنے کا موقع ملے گا۔

سنبل بٹ.... نامعلوم

کرن سروے کے ساتھ حاضر ہوں مگر ہمارے علاقے سے خط بھیجنا مشکل ہے۔ اسی لیے ای میل کے ذریعے بھیجا ہے۔

یہ سال بھی گزر گیا تیرے پیار کی مانند
آتے ہوئے کچھ اور تھا جاتے ہوئے کچھ اور

1 ۔ آنے والا سال یقیناً" ہر ایک کے لیے خوشیوں' امنگوں اور آرزوؤں سے بھرپور ہوتا ہے' کیونکہ اگر جانے والا سال غلطیوں' پچھتاوں اور مایوسیوں کا سال تھا تو آنے والا سال اس کے بالکل برعکس بھی ہو سکتا ہے۔

2 ۔ کرن کی بہت ساری تحریریں ایسی ہیں' جنہوں نے بہت گہرے اثرات مرتب کیے' جیسے صدف آصف کا ناولٹ "ایمرجنسی عیدی" کی حرمت' جس کی قربانی بے مثال تھی' اس کے علاوہ راشدہ رفعت کی "بدمزاج" بہترین سبق آموز کہانی تھی۔

3 ۔ میرا کرن کی مصنفات کے لیے پیغام ہے کہ یہ نیا سال آپ سب کے لیے روشن مستقبل کی نوید اور امید بن کر آئے۔ میری طرف سے آپ کے تمام اسٹاف اور میری پسندیدہ لکھاریوں' فائزہ افتخار' نازیہ جمال' قرۃ العین' خرم ہاشمی' راشدہ رفعت اور صدف آصف کو نئے سال کی مبارک باد پیش کردیں۔

نشا نورین صائقہ نورین.... بوتالہ جھنڈا سنگھ

1 ۔ ہر نئے سال جہاں خوشی کے دو لمحے ملتے ہیں' وہاں غم کا بھی ذخیرہ ہوتا ہے۔ اس لیے ہر سال اداس ہو جاتی ہوں۔ پتا نہیں اس سال کیا ہوگا۔ اک عجیب سی اداسی دل میں ہر وقت رہتی ہے۔ اک خوف 'اک ڈر' اس سال دعا ہے خدا اچھا کرے' کوئی کسی سے دور نہ ہو' کوئی بچھڑ نہ جائے' جیسے فرحانہ ناز....

2 ۔ ہر رائٹر اپنی جگہ اچھا لکھتی ہیں اور ہر تحریر میں کچھ نہ کچھ سبق ضرور ملتا ہے۔ مگر ہم کبھی کبھی سمجھنے میں دیر لگا دیتے ہیں اور ہم بڑی آسانی سے کہہ دیتے ہیں اس رائٹر نے پتا نہیں کیا لکھا تھا مگر میں کہتی ہوں کبھی غور سے پڑھیں تو آپ کو کچھ نہ کچھ اس میں ضرور ملے گا۔ اسی طرح رائٹر نفیسہ سعید کی تحریر "اک ساگر ہے زندگی" میں زینب کے کردار نے بہت گہرا اثر ڈالا ہے اور یہ وہ تحریر ہے جو کبھی نہیں بھول سکتی۔ ایک تو تحریر زبردست تھی اور پھر سے سیکھنے کے لیے لاجواب...

3 ۔ فرحت اشتیاق کی تحریروں کا شدت سے انتظار کرتی ہوں اور فائزہ افتخار کی ایسی ایسی تحریریں پڑھی ہیں کہ اگر اداس بھی ہوں مسکرانے پر مجبور کر دیتی ہیں' بس یہ پیغام ہے آپ ہمیشہ لکھتی رہیں اور اچھے اچھے پیغام اپنی تحریروں کے ذریعے دیتی رہیں۔

وثیقہ زہرہ.... سمندری

1 ۔ نئے سال کے آنے پر یہ سوچ کر خوشی ہوتی ہے کہ نیا سال ہمارے لیے مبارک ثابت ہو اور پاکستان کے حالات ٹھیک ہو جائیں۔ اداسی بھی ہوتی ہے کہ نئے سال میں زندگی وفا کرے یا نہ کرے' پتا نہیں کیسا ہوگا یہ سال۔

2 ۔ بہت سی ایسی تحریریں ہوتی ہیں جو بہت گہرا اثر چھوڑتی ہیں اور مجھ پر اپنوں کی بے حسی' خود غرضی اور لالچ پر مبنی کہانیاں اثر کرتی ہیں۔ جیسا کہ "میں گمان نہیں یقین ہوں" کا وہاب اور اس کی امی یہ "متغافل دل یار" کے آغا جان "دامن دل" کے شاہ نواز اور ایسی بہت سی تحریریں ہیں جو گہرا اثر چھوڑتی ہیں۔

2 ۔ نایاب جیلانی آپ "او رے پیا" جیسی کوئی کہانی لکھیں۔ نبیلہ ابرار راجہ "میں گمان نہیں یقین ہوں" آپ کا بیسٹ ناول تھا۔ جلد ہی کوئی اور ناول لکھیں۔ انیلا کرن بھی کوئی ناول لکھیں' ہمیں انتظار رہتا ہے آپ کے ناول کا۔ باقی سب رائٹرے بھی گزارش ہے کہ ایسی کہانیاں تخلیق کریں جو رسم و رواج پر مبنی ہوں۔ مجھے شاہ' آفندی' راجپوت اور وڈیروں پر لکھی کہانیاں بہت پسند ہیں' ایسی ہی کہانیاں تحریر کریں۔

روبینہ لیاقت.... ملتان

1 ۔ پہلی مرتبہ سروے میں سوالات کے جوابات کے ساتھ حاضر خدمت ہیں۔ اب آتے ہیں جوابات کی طرف۔

ویسے تو جناب ہم ہر حال میں خوش رہنے والے بندے ہیں۔ (الحمدللہ) موڈی نہیں ہم موڈ کو ماحول کے طابع رکھتے ہیں اور ہر دن کچھ نیا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہر نیا سال (چاہے وہ محرم کا ہو یا جنوری کا) میری یہ کوشش ہوتی ہے کہ دو رکعت نفل پڑھ کر سب کے لیے دعا ضرور کرتی ہوں کہ ہر آنے والا سال سب کے لیے خصوصاً "پاکستان اور کراچی کے لیے اچھا ثابت ہو۔ ویسے آپس کی بات ہے وش بالکل نہیں کرپاتی۔ لو جی اتنی لمبی بات کرلی اور اصل جواب تو گول کردیا تو جناب ہم ہر نیا سال آنے پر خوشی محسوس کرتے ہیں۔

2 ۔ "فصیل دل" مصباح علی کا بہترین ناول تھا اور اس کے علاوہ "دریچہ محبت" شفق افتخار "منتہا" صائمہ اکرم "زندگی خاک نہ تھی" قرۃ العین خرم "شہ مات" نایاب جیلانی "ایک ساگر ہے زندگی" نفیسہ سعید....

3 ۔ سب سے پہلے اپنے دل کی شہزادی سے کہنا ہے کہاں غائب ہیں' ہم منتظر ہیں آپ کے ایک زبردست طریقے سے انٹری دیں۔ ارے ٹھہریے نام بھی بتاتی ہوں وہ ہیں سعدی حمید چوہدری۔ سمیرا حمید' سائرہ رضا ایسے ہی لکھتی رہیں' اللہ آپ کو لمبی حیاتی دے۔ (آمین) ہم آپ کی بہت قدر کرتے ہیں۔ بس ٹی وی کو مت پیاری ہو جایئے گا' پلیز.... فاخرہ گل' مجھے اپنا اپنا سا آپ کا انداز پسند ہے۔ اچھا سا ناول لے کر آئیں۔ درثمن بلال' ایک رسالہ ہاتھ لگا' آپ کو پڑھا' ایک فرمائش آپ نے فرحت جی سے کی تھی' ایک ہم کرتے ہیں آپ سے' کسی ہیروئن کا نام بھی رکھو' میرے نام پر (خیر اتنا پرانا بھی نہیں ہے میرا نام) قرض بھی تو ادا کرنا ہے' سو ایسے ہی سہی۔ (ایک ادنی سی گزارش) سعدیہ راجپوت' "عشق آتش" کی تخلیق کار کہاں غائب ہیں' جلدی آئیں' اچھا سا ناول لے کر ہم آپ کو بہت یاد کرتے ہیں۔ پلیز ڈھونڈ لایئے۔

رائٹرز کے قلم سے نکلا ہر لفظ ہمارے لیے متاع حیات ہے۔ اللہ آپ سب کو دن دگنی' رات چوگنی ترقی دے۔ (آمین)

طلعت ثنا.... سیال شریف

غموں کی گفتگو مت کیجیے اچھا نہیں لگتا
رفو کو پھر رفو مت کیجیے اچھا نہیں لگتا

گزر جائیں جو لمحے وہ کبھی واپس نہیں آتے
اب ان کی آرزو مت کیجیے اچھا نہیں لگتا

1۔ میں گزرے سال کو سوچ کر بالکل اداس نہیں ہوتی' کیونکہ جو گزر جائے اس نے لوٹ کے نہیں آنا ہوتا۔ کچھ لوگ اس بات پر اداس ہوتے ہیں کہ ہماری عمر میں ایک اور برس کا اضافہ ہوگیا ہے لیکن میں تو اپنے آپ کو اس بات کے لیے پہلے سے تیار کر لیتی ہوں' ہم اس دنیا میں آئے ہیں تو ہمیں زندگی کے ہر فیز سے گزرنا ہے اور ہر کوئی گزرتا ہے' اس کے لیے اداس کیا ہونا۔ ہم بوڑھے ہوں گے تو بچے جوان ہوں گے' اس بات کی خوشی ہوتی ہے' اس لیے میں تو بالکل اداس نہیں ہوتی۔ میں تو نئے سال کے آنے پر بہت خوش ہوتی ہوں اور جوش و جذبے کے ساتھ اس کا استقبال کرتی ہوں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتی ہوں

کہ اس نے تجھے ایک سال اور عطا کردیا۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کے لیے ایک اور سال ملنے پر شکرادا کرتی ہوں۔ ادھورے خواب پورے کرنے کے لیے کامیابیاں حاصل کرنے کے لیے۔ اپنے آپ کو مزید بہتر بنانے کے لیے ان کو مکمل کرنے کے لیے.... اپنی غلطیوں کو سدھارنے کے لیے ایک اور چانس ملنے پر بہت خوش ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا بہت شکرادا کرتی ہوں کہ اس نے ہمیں اس دنیا کے تھیٹر میں ایکٹ کرنے کا ایک اور موقع دیا ہے۔ اس لیے ہمیں زندگی کے اسٹیج پر اچھے اچھے رول پلے کرنے چاہئیں۔

2۔ کسی تحریر نے گہرا اثر تو نہیں چھوڑا۔ تمام تحریریں اچھی تھیں کرن کو پڑھنے میں مزہ آیا۔ پورا سال کرن ہمارے سنگ سنگ رہا۔ کرن کے ساتھ نے میری شخصیت پر بہت گہرا اثر چھوڑا۔ کرن کی تحریروں نے گئے برس بہت رہنمائی کی اور دنیا برتنے کا طریقہ سکھایا۔ جس کے لیے میں کرن کے احباب اور مصنفین کا شکریہ ادا کروں گی۔

3۔ کرن کے حوالے سے سب سے پہلے تو میں پیغام بھیجوں گی۔ ڈیرسٹ فائزہ افتخار جی کے نام ''شاید'' کے حوالے سے.... فائزہ جی آپ کی تحریر ''شاید'' بہت اچھی تحریر ہے۔ صدیوں یاد رہنے والی۔ ہمیشہ کی طرح اس دفعہ بھی آپ بازی لے گئی۔ پلیز آپ ام ہانی پر اور کوئی ظلم نہ کریں۔ اس کو محبت کرنے کی اتنی سزا کافی ہے۔ سعد کے ساتھ اس کی جوڑی بنادیں پلیز.... ثانیہ کا بھی افسوس ہو رہا ہے لیکن پھر بھی سعد اور ام ہانی کو ملادیں پلیز.... سالار کے ساتھ کیا مسئلہ ہے' ابھی کچھ سمجھ نہیں رہا۔ اب بات ہو جائے فرحین اظفر کے ناول ''ردائے وفا'' کی ''ردائے وفا'' بہت ہی سبق آموز اور گھریلو اسٹوری ہے۔ مجھے بہت پسند آئی ہے۔ نائلہ پر مجھے بہت غصہ آتا ہے۔ اسے تو ضرور ہی مزہ چکھائیں.... سب کو بے وقوف بنانے کے لیے.... تاکہ اس طرح کی لڑکیوں کو کوئی عقل آئے اور وہ نادانی کرنے سے پہلے سوچ لیں اس کا انجام.... اور پلیز عفت اچھی بچی ہے' اس کے ساتھ بھی اچھا کریں اور ماہا کو بھی ولید کو تسلیم کرلینا چاہیے۔ اس بے چارے کا کیا قصور.... ''راپنزل'' تنزیلہ ریاض کی بہت اچھی اسٹوری ہے لیکن ابھی تک یہ نہیں پتا چل رہا ''راپنزل'' ہے کون۔ ویسے نام ''راپنزل'' بہت اچھا نام رکھا ہے۔ بہت خوب صورت تحریر ہے۔

اب سب کو یعنی کرن کی پوری ٹیم اور قارئین بہنوں کو میری طرف سے نئے سال کی بہت بہت مبارک باد....

افشاں گوندل.... اٹاوہ

1۔ نئے سال کے آنے پر نہ خوشی ہوتی ہے' نہ اداسی.... بلکہ ڈیٹ نئی ڈالتے وقت الجھن' کیونکہ پچھلے سال کی عادت ہو چکی ہوتی ہے تو جنوری ان ہی چکروں میں گزرتا ہے۔ چھٹیاں ہوتی ہیں دسمبر کی تو عموماً'' یکم جنوری کو چھٹی ہوتی ہے تو گھر میں ہلا گلا کا سماں ہوتا ہے۔ یا دسب ایک دوسرے کو کرواتے ہیں' نیا سال آگیا ہے۔ ساتھ ہی (یار ہم مسلمان ہیں' ہمارا تہوار نہیں۔) کہہ کے کسی اور کام میں مصروف.... یہ ہے ہماری طرف سے نیا سال کی آمد۔

2۔ گزشتہ سال پڑھی جانے والی ہر تحریر ہی لاجواب رہی۔ ہر سال کی طرح.... مصباح علی نے لکھا تھا ''لہنگا ہوا بڑا مہنگا'' لاجواب تحریر تھی' مثبت سوچ دے گئی۔ نظیر فاطمہ کا ''قربانی'' بے حد شاندار افسانہ۔ شہناز صدیق کی تحریر ''تمہارا اسیر'' کچھ حقیقت سے دور کچھ خواب سی.... ایسا کہاں ہوتا ہے۔ اس کے باوجود انداز تحریر عمدہ تھا اور دو چار بار تو پڑھ ہی لی' مزہ آیا۔ باقی سلسلے وار ناول سب ہی اچھے ہیں۔ ''شاید'' اداس کرجاتا ہے۔ ''راپنزل'' پڑھ کر بھی فی الحال ایسا ہی رد عمل ہوتا ہے دل کا۔ ''ردائے وفا''

اعتذار

اس ماہ فائزہ افتخار طبیعت کی ناسازی کی بنا پر ''شاید'' کی قسط نہ لکھ سکیں۔
اس ماہ ان کی قسط شامل اشاعت نہیں ہے۔ اس لیے قارئین سے معذرت' ان شاء اللہ آئندہ ماہ بہنیں ''شاید'' کی قسط پڑھ سکیں گی۔

اچھا لگتا ہے۔
3 ۔ کرن کی مصنفین کے لیے میری طرف سے ڈھیر ساری دعائیں۔ مجھے ذہانت ہمیشہ سے اٹریکٹ کرتی ہے اور میں رائٹرز کی ذہانت ڈھونڈتی ہوں ہر تحریر میں اور تیمن ہوجاتی ہوں بکھراوے کیسے اینڈ پہ سمیٹ لیتی ہیں اپنے پلیز.... خوشیاں لکھیں محبتیں بانٹیں، مسکراہٹیں بکھیریں، بچیوں کے گھر بسائیں، سب کی دعائیں لیں۔ حسد، بغض، کینہ، ریاکاری جیسی بیماریاں ہمارے معاشرے سے ختم ہوجائیں۔ عزت اور قدر جمع ہو کر محبت کا روپ دھار لے اور وفا اور خلوص بن جائے۔

ثناء شہزاد... کراچی

1 ۔ نئے سال کی آمد پر خوشی تو ہوتی ہے مگر پتا نہیں کیوں دل ہمیشہ اداس بھی ہوجاتا ہے۔ بچھڑے ہوئے لوگ بہت یاد آتے ہیں۔ اپنا بچپن جہاں کوئی فکر، پریشانی، غم نہیں تھا، ہر طرف خوشیاں رقصاں تھیں۔ اپنا وہ اسکول و کالج کا سنہرا دور بہت یاد آتا ہے، جب دوستوں کے ساتھ خوب ہلا گلا کرتے تھے، ہنستے تھے، مسکراتے تھے، آنسو اس وقت ہم سے بہت دور تھے اور سب سے زیادہ یاد تو فوزیہ آنٹی کی آتی ہے، بلکہ وہ تو اس دل سے کہیں گئی ہی نہیں، میں انہیں بھول نہیں پاتی۔ دسمبر میں ان کی یاد شدت سے آتی ہے، کیونکہ وہ ہر نیو ایئر پر مجھے ریڈ روز بھیجتی تھیں۔ پہلے تو میں بھی نیو ایئر خوش و خروش سے مناتی تھی، اپنی کزنز، فرینڈز سب کو پھول اور وش کارڈ کے ذریعے نئے سال کی مبارک باد دیتی تھی، مگر اب تو وقت کے ساتھ سب کچھ ختم ہوگیا۔ سب اپنی اپنی لائف میں مصروف ہوگئے ہیں، بس اتنا کافی ہے۔

2 ۔ بھئی آپ یہ سوال مت پوچھا کریں کہ کس تحریر نے گہرا اثر چھوڑا، کیونکہ ہر تحریر میں کوئی نہ کوئی ایسی بات ہوتی ہے جو دل میں گھر کرجاتی ہے۔ آپ پسندیدہ اقتباس پوچھ لیا کریں۔ خیر آپ نے سوال کیا ہے تو جواب تو دینا پڑے گا۔ ایک کہانی تو یہ ''شاید'' ہی ہے فائزہ افتخار کی جو سالوں یاد رہے گی۔ اس کے علاوہ دوسری مصباح علی کی ''

ایک فروری'' صدف ریحان گیلانی کی ''محبت، خواب، سویرا'' مارچ میں شہناز صدیق کی ''تمہارا اسیر'' اور در ثمین بلال کی ''دل تینوں دے بیٹھے'' اس کے علاوہ ہر کہانی اچھی ہوتی ہے۔ کس کس کہانی کا تذکرہ کروں۔ میں پورے سال کے کرن نکال کے بیٹھی ہوں، ہر ماہنامے میں کوئی نہ کوئی ایسی کہانی ہے جس نے گہرے نقش چھوڑے ہیں دل پر۔
3 ۔ کرن کی تمام مصنفین کی تحریریں مجھے اچھی لگتی ہیں۔ سب بہت محنت اور لگن سے لکھتی ہیں، مجھے ان تحریروں میں ان کی محبت بھی نظر آرہی ہوتی ہے جو وہ پیارے کرن سے کرتی ہیں۔ میرا بس یہی پیغام ہے تمام پیاری رائٹرز کے لیے کہ اللہ پاک آپ سب کو اور زیادہ زور قلم دے۔ آپ ہمارے ناپختہ ذہنوں کی اسی طرح اصلاح کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو اپنی رحمتوں کے سائے میں رکھے۔ مجھے اس سوال کا جواب سمجھ نہیں آرہا تھا۔ میں کس کس کو پیغام دیتی۔ سب کو دعا دے دی سچے دل سے۔ جو رب تعالیٰ اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ (آمین) اگر جوابات پسند نہ آئیں تو معذرت چاہتی ہوں۔ اب اجازت دیجیے، اللہ حافظ۔

حرا قریشی... بلال کالونی، ملتان

1 ۔ ایک ایسی خوشی کا پیش خیمہ.... جو موم بتی کو حرارت کا محرک پانے پر ملے.... جیسے کلی کونپل سے پھول بن کر کھلے.... جیسے تالاب میں صاف شفاف ہنس رقص کرنے لگے.... ایک وزنی خوشی.... جو دھیمی دھیمی مگر ہلکی نفیس عمدہ سی جذبوں کی چھنک عطا کرتی ہے۔ ایک نغمگی دھند.... جو یخ بستہ تنہائیوں میں گونج بھرتی ہے۔ ایک ایسا گیت جو گئے برس کی یادوں کو آنے والے خوش نما آس و امید کے پردے میں لپیٹ دیتا ہے۔ پھر جب آپ خوش ہوتے ہیں کسی بھی شے کی ابتدا یا آغاز پر، تو رنگ خود بخود مسکراتے محسوس ہوتے ہیں۔ یوں لگتا ہے تارے مسرت سے پر تالیاں بجا رہے ہیں۔ بچے ہوا کے جھونکوں سے بچتے بچاتے ایک دوسرے کی سماعت میں شوخی بھری سرگوشیاں کررہی ہیں اور ہم بہار کی تروتازگی پر رشک جو قلب و روح پر صندل کی طرح چھا جاتی ہے جب نیا برس آتا ہے (خصوصاً'' قمری)

''خدا کا شکر کرو، صدا خوش رہو۔''

ہر نئے برس....
ایک معصوم سا.... صاحب من.... میرے سرہانے....
مثل گل.... ایک چھوٹی سی نصیحت.... اور یہ ''دعا'' رکھ جاتا

ہے۔
اداسی....
اداسی کا "گھر" تو کوئی نہیں....
پھر بھی....
میرے اندر یہ قیام کرتی ہے۔

2 ۔ بلاشبہ کرن کی بہت سی ایسی تحریریں ہیں جو معیاری اور گراں قدر ذوق کی حامل ہیں۔ نظیر فاطمہ کی "قربانی" جب اپنی طلب یا ضرورت کو رب کی راہ میں دان کرتے ہیں تو الہامی فیض ملتا ہے، جو ہر کسی کا دامن سیر نہیں کرتا۔ نایاب جیلانی کی "شہ مات" سے شاید اللہ ایسے ہی درختوں کو پھل لگاتا ہے جو جھکتے ہیں، اکڑتے نہیں۔ قناعت کا عنصر بھی تو ایسے ہی فقروں کی تخم تاثیر ہوتا ہے۔ حیا بخاری کی "بہار دسترس میں ہے" سے اللہ کا ذکر نہ ہو تو روح پہ تالے لگ جاتے ہیں۔ (مکڑی کے جالے ایسے ہی تو جمع نہیں ہوجاتے قلب و روح میں....) اور بھی بہت کچھ ہے یہ صاحب من حرا جھکنے لگی ہیں۔ (سلسلے وار سب اعلا)

3 ۔ تنزیلہ ریاض.... علم ہے ابن الکتاب، عشق ہے، ام الکتاب (بقول اقبال) آپ کے لفظوں میں اقتباس کی خوب صورتی، نثری صفات کا مجموعہ (حقائق کی پختگی ناقابل بیان ہے۔)

فائزہ افتخار.... ٹک ٹک کرتی گھڑی کے ارتعاش کو توڑ دے، ایسا فرحت بخش ماحول عنایت کرتی ہے آپ کی تحریریں.... یوں جیسے کچے مکان کو بارش کے موسم میں خصوصی اماں مل جائے۔ یوں جیسے تجسس کے ہیولوں کو حقائق کی روشنی اپنی دسترس میں لے لے، پھر ایسے تخی کے دریا سے کون سیراب نہ ہونا چاہے گا، آفرین آفرین....

فرحین اظفر.... آپ کی تحریریں بھی ہمارے لیے فخر اور عزت کا باعث ہیں۔ قلم سے کبھی اپنا ناطہ ٹوٹنے نہ دیجیے گا۔ آپ کی تحریروں کے فخر کو ہم اثاثے کی طرح سنبھالے رکھیں گے۔

نبیلہ ابر.... محبتوں پر اچھا لکھتی ہیں۔ بخوبی لکھنے کا حق ادا کرتی ہیں۔

بنت سحر.... ایک پراسراریت کا ہالہ سا آپ کے گرد محسوس ہورہا ہے، اسے اپنی بے پناہ روحانی تحریری قوتوں سے سدا روشن و تابناک رکھیے گا۔ جب اپنی ذات سے خطاب کرتے تھک جاتی ہوں تو دوسروں کا سر کھانے لگتی ہوں۔ آپ مزید بور نہ ہو.... اس سے پہلے اجازت....

قارئین اور محترم مدیرہ اور کرن سے وابستہ افراد کے لیے ایک چھوٹی سی نظم۔

نوید

ساعتوں کو نوید ہو.... کہ....
ہوائیں خوشبو کے گیت لے کر....
دریچہ گل سے آرہی ہیں
جی ہاں! جلد ہی محبوب من کرن ترقی و
کامرانی کے کئی بلند و بالا مینار سر کر کے
کائنات کو ایک ایسی چوٹی فراہم کرے گا
جو دعاؤں کے مضبوط حصار میں مقید ہوگی اور
دعائیں بھی وہ جو تقدیر کو بدل دینے کا ہنر
جانتی ہوں گی

علشبہ مقصود.... کراچی

1 ۔ گزرتا سال کچھ اداس تو ضرور کرتا ہے، پر نئے سال آنے کی خوشی نئی ہوتی ہیں۔ آنے والا سال ایک نئی امید لے کر آتا ہے۔ امید یہ کہ آنے والے سال کی بانہوں میں یادیں لیے بے پناہ خوشیاں اور سرپرائز چھپے ہوں گے۔ ہاں البتہ گزرے سال کی یادیں ضرور ساتھ رہیں گی۔

2 ۔ گزشتہ سال کرن کے شمارے میں بے شمار خوب صورت تحریر شائع ہوئیں۔ بہت سی کہانیاں ایسی تھیں جو دل و دماغ پر گہرا تاثر چھوڑ گئیں۔ جن میں سے چند نام ہیں۔ "کتھا، ایمرجنسی عید، ساس در ساس، جیت، اپنے دام میں آپ، ایک نیا عہد، محبت روشنی ہے، رواجوں کے قیدی، کہو میرے چاند سے...."

3 ۔ بالکل جناب مصنفین کے نام تو پیغام ہی پیغام ہیں ہمارے پاس.... شفق افتخار بہت اچھی رائٹر ہیں۔ ان کے لیے پیغام ہے۔ کرن کے لیے کوئی زبردست سا ناول لکھیں۔ ام طیفور، صدف آصف سے چٹ پٹے سے ناول فرمائش.... فائزہ افتخار اپنے ساختہ انداز میں ناولٹ لے کر آئیں۔ ندا حسنین کے افسانے پڑھے، کافی منفرد اور مزے دار لگے۔ اگر اب ناول ہوجائے تو کیا بات ہے۔ سحرش فاطمہ ایک اچھا افسانہ ثابت ہوئیں۔ مزید تحاریر کی فرمائش.... نادیہ احمد ایک میچور رائٹر کے طور پر ابھریں۔ انہیں مزید پڑھنا چاہیں گے۔ قراۃ العین، خرم ہاشمی سے ایک پرمزاح ناول کی فرمائش ہے۔

☆ ☆

سارہ خان سے ملاقات

شاہین رشید

سارہ خان کو سب سے پہلے میں نے ڈرامہ سیریل "بڑی آپا" میں دیکھا اور اس وقت اس کا معصوم چہرہ بہت بھایا... اور اندازہ ہو گیا کہ اس بھولی بھالی لڑکی میں آگے بڑھنے کی بہت صلاحیت ہے اور ایسا ہی ہوا کہ دیکھتے ہی دیکھتے یہ لڑکی ٹی وی اسکرین پہ چھا گئی... آج یہ

ہر دوسرے ڈرامے میں نظر آتی ہے۔ کمرشلز میں بھی اور دیگر پروگراموں میں بھی۔ اس کا ہر سیریل خواہ یہ اس میں لیڈ رول کر رہی ہو یا سائڈ رول بہت مقبول ہوتا ہے۔ گزشتہ دنوں اس کا سیریل "محبت آگ سی ہے" بہت ہٹ گیا اور "الوداع" نے تو ریکارڈ بریک کیے۔ مشکل سے ہاتھ آنے والی اس فنکارہ سے طویل نہیں بلکہ تھوڑا مختصر انٹرویو کرنے میں کامیاب ہوئے' کیونکہ آج کل سارہ خان کی بہت ڈیمانڈ ہے۔ اور سارہ خان کی اداکاری سے زیادہ اس کے بولنے کا انداز بہت خوب صورت ہے۔ سارہ نگیٹو' پوزیٹو دونوں طرح کے رولز بہت مہارت سے ادا کرتی ہیں۔

☆ "کیسی ہیں سارہ خان؟"

❊ "جی اللہ کا شکر ہے۔"

☆ "بہت مصروف رہتی ہیں... کبھی چار بجے بات کیجیے گا' کبھی رات کو' ایسا سب کے ساتھ کرتی ہیں؟"

❊ "سوری آپا... بہت مصروف ہوتی ہوں' کبھی فری ہوتی ہوں تو تھوڑا آرام کر لیتی ہوں۔"

☆ "آج کل ماشاء اللہ بہت ڈیمانڈ ہے آپ کی' نخرے بھی ہوں گے؟"

❊ "ارے نہیں نخرے کس کو دکھانے ہیں' ان کو جو بہت پیار کرتے ہیں' میرے کام کو بہت پسند کرتے ہیں یا ان کو جو مجھے کام دیتے ہیں؟ نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے۔ مجھ میں کوئی نخرہ نہیں ہے۔ بس مصروفیات بہت زیادہ ہیں جس کی وجہ سے کسی سے بھی زیادہ بات نہیں ہو سکتی۔"

☆ "سوشل لائف متاثر ہوئی؟"

❊ "جی بالکل ہوئی۔ شوٹس اتنی دیر دیر تک ہوتی ہیں کہ کہیں آنے جانے کا موقع ہی نہیں ملتا' حد تو یہ ہے

کہ خاندان میں کوئی تقریب ہو۔ کوئی شادی ہو مجھے جانے کا موقعہ بہت کم ملتا ہے اور اسی وجہ سے سب لوگ عموماً "ناراض بھی رہتے ہیں۔"

☆ "تو آپ اپنا ٹائم شیڈول دیر تک نہ رکھا کریں؟"

☆ "یہ میرے اختیار میں نہیں ہے۔ بے شک سب کی کوشش ہوتی ہے کہ رات دیر تک کام نہ ہو۔ مگر پھر بھی دیر ہو ہی جاتی ہے.... کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہم جلدی فارغ ہو جاتے ہیں۔ کبھی کبھی دو دو دن کی چھٹی بھی مل جاتی ہے۔"

☆ "ہوں.... اس لیے لوگ اسے ہوائی روزی کہتے ہیں؟"

☆ "شاید.... ویسے یہ روزی مردوں کے لیے ہو سکتی ہے۔ کیونکہ انہیں اپنی فیملی کو سپورٹ کرنا ہوتا ہے ان پر بہ حیثیت ایک مرد کے ذمہ داریاں ہوتی ہیں' لیکن ہم لڑکیوں کے لیے نہیں جو شوقیہ کر رہی ہوں۔ مطلب ان کو کسی کو سپورٹ نہ کرنا ہو تو...."

☆ "آپ نے کہا کہ آپ کی سوشل لائف متاثر ہوتی ہے تو کیا آپ سوشل ہیں؟"

☆ "جی.... میں یہی بتانا چاہ رہی تھی کہ بات ادھوری رہ گئی کہ بے شک سوشل لائف متاثر ہوتی ہے مگر میں زیادہ سوشل ہوں بھی نہیں مجھے کام کے بعد گھر میں رہنا اچھا لگتا ہے اور رات کو گھر آنے کے بعد میں اپنا موبائل فون بھی آف کر دیتی ہوں۔ مجھے زیادہ گھومنا پھرنا بھی پسند نہیں ہے۔"

☆ "اچھا۔ تب ہی آپ پوری دنیا گھوم چکی ہیں؟"

☆ ہنستے ہوئے "وہ تو میں اپنی مما کی وجہ سے گھومی ہوں اور وہ بھی اس طرح کہ وہ ایمریٹس (امارات) ایئرلائن میں ہیں۔ تو بس ان کے ساتھ گھومنا پھرنا رہتا ہے۔"

☆ "اچھا گڈ.... والد صاحب کیا کرتے ہیں۔ کچھ اپنے بارے میں بتائیں؟"

☆ "جی میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئی۔ میرا بچپن اور

میری ابتدائی تعلیم وہیں سعودی عرب میں ہی ہوئی والدہ جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا کہ امارات ایئرلائن میں ہوتی ہیں اور میرے والد کا تعلق فوج سے ہے اور میرے دادا کرنل ظفراللہ خان کا تعلق بھی فوج سے تھا۔ ہم چار بہنیں اور ایک بھائی ہیں میرے علاوہ میری چھوٹی بہن بھی اس فیلڈ سے تعلق رکھتی ہے.... ہمیں پاکستان میں شفٹ ہوئے پندرہ سولہ سال ہو گئے ہیں۔"

☆ "اچھا لگا تھا پاکستان میں شفٹ ہو کے؟"

☆ "جی شروع شروع میں تو تھوڑا عجیب سا لگا تھا' مگر پھر عادت ہوتی گئی' کیونکہ وہاں کے ماحول میں اور یہاں کے ماحول میں فرق ہے بہت' پھر میں کوئی زیادہ بڑی بھی نہیں تھی کہ ان باتوں کو گہرائی کے ساتھ سمجھ سکتی۔"

☆ "آج کل کیا مصروفیات ہیں؟ کتنے انڈر پروڈکشن ہیں اور کتنے آن ایئر ہیں؟"

☆ "آن ایئر میں تو "محبت آگ سی ہے" ابھی حال ہی میں ختم ہوا ہے۔ اور سیریل "ناراض" اور "جنت" آن ایئر ہیں۔ اور انڈر پروڈکشن تو اللہ کا شکر کافی ہیں۔ اب کب آن ایئر ہوں گے پتا نہیں۔"

★ "سب میں آپ کے کردار؟ نگیٹو یا پوزیٹو؟"

※ "ماشاء اللہ سے کردار سب میں اچھے ہیں۔ نگیٹو نہیں ہیں پوزیٹو ہی ہیں اور میں ایسے کردار لیتی بھی نہیں ہوں کہ جس میں کوئی پرفارمنس نہ ہو' جو چیلنجنگ نہ ہو' نگیٹو رول تو میں نے صرف ایک ہی سیریل "الوداع" میں کیا تھا اور ناظرین نے میرے کام کو بہت پسند کیا تھا۔"

★ "شوبز میں آمد کیسے ہوئی' سفارش یا اپنا ٹیلنٹ؟"

※ "سفارش تو میں مانتی ہی نہیں ہوں' کیونکہ سفارش صرف ایک بار کی کہانی ہوتی ہے۔ کوئی سفارش کروے اور آپ میں ٹیلنٹ نہ ہو تو پھر؟ کسی سے آگے بات کرنے کے لیے بھی وہی بندہ کہتا ہے جس میں ٹیلنٹ ہوتا ہے خیر' مجھے بچپن سے اداکاری کا نہیں بلکہ گانے کا شوق تھا اور اب بھی ہے تو میں نے اپنی بہن کے ساتھ مل کر ایک میوزک بینڈ بھی بنایا۔ جس میں ہمارے چینی دوست اور فلانشین دوست بھی شامل تھے اور ہم زیادہ تر انگریزی سونگ گایا کرتے تھے اور (ہنستے ہوئے) کہ میرے اکثر دوست کہتے کہ تمہیں گانے گانے کی بجائے اداکاری کرنی چاہیے' دیکھنا تم بہت اچھی اداکارہ ثابت ہوگی۔۔۔ تو وہاں مجھے احساس ہوا کہ ہو سکتا ہے ایسا ہو مگر میں نے پھر بھی کسی سے نہیں کہا' ہاں میں شوقیہ وائس اوور کبھی کبھار کرلیا کرتی تھی۔"

★ "تو اداکاری کی طرف رجحان کیوں نہیں تھا؟"

※ "مجھے شوق ہی نہیں تھا اور نہ ہی میں نے کبھی سوچا تھا۔ لیکن مجھے خود ہی آفر آئی ڈرامے میں کام کرنے کی اور میں نے حامی بھرلی پہلا سیریل "بڑی آپا" تھا۔ وہ سیریل اتنا کامیاب گیا کہ بس پھر آفرز کی لائن لگ گئی۔"

★ "خوشی ہوئی؟"

※ "ہاں کیوں نہیں۔ بہت خوشی ہوئی لیکن سچ بتاؤں پہلے ہی ڈرامے میں بہت نروس بھی تھی کیونکہ اتنے سارے لوگوں کے سامنے اور کیمرے کے سامنے کچھ کرنے کا میرا پہلا موقع تھا۔ مگر میرے ڈائریکٹر نے مجھے بہت سکھایا اور بہت حوصلہ افزائی کی۔ مگر پھر آہستہ آہستہ سب کچھ ٹھیک ہو گیا۔۔۔ اور اب کیمرہ میرے لیے کوئی چیز نہیں ہے۔"

★ "رومانٹک' نگیٹو اور پوزیٹو رولز میں کس میں زیادہ انجوائے کرتی ہیں؟"

※ "اچھا سوال ہے۔۔۔ میں آپ کو اس کا جواب ضرور دوں گی۔ رومانٹک رول کرتے ہوئے مجھے اکثر اوقات بہت عجیب سا لگتا ہے۔ اور کئی بار تو مکالمے بولتے بولتے مجھے ہنسی بھی آنے لگتی ہے۔۔۔ بھلا اتنے سارے لوگوں کے سامنے کوئی کیسے بھی رومانٹک ہو سکتا ہے۔ مگر مجھے پھر بھی سمیع خان اور عمران عباس کے ساتھ اس طرح کے سین کرکے مشکل نہیں ہوئی کیونکہ یہ سب کو آپریٹو ہیں۔ عمران عباس کے ساتھ میں نے "الوداع" میں نگیٹو رول کیا اور مزے کی بات یہ کہ جہاں مجھے مشکل ہوتی تھی وہاں یہ خود ایکٹ کرکے بتاتے تھے۔ نگیٹو کردار کرنا اگرچہ مشکل تھا مگر مجھے کرکے مزہ آیا' کیونکہ کئی لوگوں کو مجھ سے ہمدردی اور کئی لوگوں کو مجھ سے نفرت ہوئی۔"

★ "ہمیں پتا چلا ہے کہ آپ نے اس کردار کو کرنے سے انکار کیا تھا؟"

※ "نہیں نہیں۔۔۔ میرا تو خود دل چاہ رہا تھا کہ ذرا مختلف قسم کے رول کروں اس لیے جب مجھے یہ کردار آفر ہوا تو میں نے فوراً" حامی بھری۔ ہاں مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ کچھ آرٹسٹوں نے اس کردار کو کرنے سے منع کیا کہ پھر ہم پر نگیٹو کی چھاپ لگ جائے گی۔"

★ "آپ کو یہ ڈر نہیں لگا کہ کہیں چھاپ نہ لگ جائے؟"

※ "نہیں۔۔۔ کیونکہ میں نے یہ سوچ لیا تھا کہ اب فوری طور پر نگیٹو رول نہیں لوں گی' بلکہ تھوڑا گیپ دے کر یہ نگیٹو رول لوں گی اور آپ کے سوال کا تیسرا حصہ کہ پوزیٹو' تو پوزیٹو تو ہر سیریل میں ہوتے ہیں۔ اس لیے میں تو ہر طرح کے رول کرکے انجوائے کرتا

چاہتی ہوں۔"

☆ "گویا اب اس فیلڈ میں مزہ آرہا ہے؟"

٭ "جی بالکل اور سوچتی ہوں کہ بھلا میں نے کیوں نہیں سوچا تھا اس فیلڈ میں آنے کا۔۔۔ یہ تو بڑے مزے دار فیلڈ ہے۔ پیسہ' شہرت اور فیم سب کچھ تو مل جاتا ہے۔"

☆ "گڈ۔۔۔ پھر تو کوئی برائی بھی نظر نہیں آتی ہوگی؟"

٭ "نہیں ایسی کوئی بات نہیں برائی تو اس فیلڈ میں بھی ہے اور اس فیلڈ میں برائی کا ہونا لازمی ہے کیونکہ اس میں فنکاروں نے اسکرین پہ آنا ہوتا ہے اور سب کا دل چاہتا ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ اسکرین پہ رہے۔ اس فیلڈ میں پروفیشنل جیلسی بہت زیادہ ہے۔ میں نے خود کئی لڑکیوں کے بارے میں سنا ہے کہ وہ کم سے کم معاوضے پہ بھی کام کرنے کے لیے تیار ہو جاتی ہیں اور دوسروں کی برائیاں کرکے اپنی جگہ بنانے کی کوشش کرتی ہیں اور یہ جراثیم لڑکوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔"

☆ "تو یہ جراثیم آپ میں بھی ہوں گے؟"

٭ "اللہ کا شکر ہے کہ مجھ میں یہ جراثیم نہیں ہیں۔ مجھ پر اللہ کا خاص کرم ہے کہ مجھے خود بخود کام مل جاتا ہے۔ اور سچ بات یہ بھی ہے کہ میں اتنی مصروف رہتی ہوں کہ مجھے ان باتوں کی طرف دھیان دینے کا وقت ہی نہیں ملتا۔"

☆ "پھر تو شوبز میں دوستیاں بھی کم ہوں گی؟"

٭ "بالکل جی۔۔۔ میں تو اپنے کام سے کام رکھتی ہوں اور کسی سے زیادہ دوستیاں نہیں رکھتی' کیونکہ اس فیلڈ میں زیادہ دوستیاں رکھنا بھی نقصان دہ ہیں۔"

☆ "ہم عصر فنکاروں میں کوئی پسند ہے یا ان کے ڈرامے ہی نہیں دیکھتیں اور صرف اپنے ہی ڈرامے دیکھتی ہیں؟"

٭ "ہنستے ہوئے پہلے تو میں کوئی بھی ڈرامہ نہیں دیکھتی تھی' کیونکہ نہ مجھے اس فیلڈ میں آنے کا شوق تھا اور نہ ڈرامے دیکھنے کا شوق تھا۔ ہاں جب سے خود اس فیلڈ میں آئی ہوں میرا دل چاہتا ہے کہ میں نہ صرف اپنے ڈرامے دیکھوں بلکہ دوسروں کے بھی دیکھوں تاکہ مزید اچھا کام کرسکوں۔"

☆ "پھر سینئرز اور جونیئرز میں کون پسند ہیں؟"

٭ "سینئرز جونیئرز کی بات نہیں اس فیلڈ میں سب

برابر ہیں۔ البتہ سینئرز کا میں بہت احترام کرتی ہوں اور جو میری ساتھی فنکارائیں ہیں ان میں مجھے رباب ہاشمی 'مایا علی' حریم فاروق کا کام پسند بھی ہے اور ان سے اچھی ہیلو ہائے بھی ہے۔"

★ "اپنی خامیاں نکالتی ہیں؟"

※ "بہت زیادہ اپنے پر تنقید کرتی ہوں اور سیٹ پر ہی کرتی ہوں۔ مگر سب مجھے کہتے ہیں کہ تم بلاوجہ اپنے پر تنقید کر رہی ہو' جبکہ تم نے بہت اچھے شاٹس دیے ہیں۔"

★ "آپ بہت دھیمے اور نرم لہجے میں بات کرتی ہیں۔ تربیت ہے یا قدرتی ہے؟"

※ "ہمارے گھر میں کسی کو بھی اونچا اور چیخ کر بولنے کی عادت نہیں ہے اور بچے گھر کے ماحول سے ہی بہت کچھ سیکھتے ہیں اور مجھے لگتا ہے کہ اگر مجھے کبھی اونچی آواز والے یا چیخنے چلانے والے کردار ملے تو میں شاید نہیں کر پاؤں گی یا پھر ایسے کردار میرے لیے چیلنجنگ ہوں گے اور اس طرح کے کردار کر کے میں یقیناً "انجوائے کروں گی۔"

★ "ڈرامے کس قسم کے پسند ہیں آپ کو؟"

※ "مجھے ایسے ڈرامے پسند ہیں جن کی اسٹوری بہت اسٹرونگ ہو۔ فلمی ٹائپ کے ڈرامے بالکل بھی پسند نہیں ہیں نہ ہی روتے بلکتے ڈرامے۔ بس ہلکے پھلکے لائٹ اسٹوری اور رومانٹک ڈرامے پسند ہیں۔"

★ "فیوچر میں کیا کرنے کے ارادے ہیں اور تعلیم کیا ہے آپ کی؟"

※ "فیوچر کے بارے میں سوچنے کا تو ٹائم ہی نہیں ملتا ہاں جب کبھی فارغ ہوتی تھی تو سوچتی تھی کہ میوزک سیکھوں' باقاعدہ گانا گاؤں۔ میں نے ٹیکسٹائل ڈیزائننگ کی تعلیم حاصل کی ہے اور اب ان شاء اللہ فلم میکنگ کا کورس کرنے کا ارادہ ہے۔ کیونکہ میں اب اس فیلڈ میں بہت آگے تک جانے کا ارادہ کر رہی ہوں۔"

★ "اور شادی؟"

※ "ارے جناب وہ بھی ہو جائے گی۔ جب وقت آئے گا ابھی تو میرا سارا فوکس اپنے کام پر ہے۔ ذرا قدم جم جائیں اور ویسے بھی میں ابھی شادی کے معاملے میں اپنے آپ کو کم عمر سمجھتی ہوں۔ ویسے جو اللہ کو منظور ہو گا وہی ہو گا۔"

اور اس کے ساتھ ہی ہم نے سارہ خان سے اجازت چاہی۔

سلمیٰ خان

شاہین رشید

1 "مجھے کہتے ہیں؟"
"سلمیٰ حسن۔"

2 "مجھے لوگ پکارتے ہیں؟"
"سلمیٰ کے نام سے ہی۔"

3 "میں نے جنم لیا؟"
"23 فروری 1975ء میں۔ کراچی شہر میں۔"

4 "قد/اسٹار؟"
"5.4 فٹ/Pisces۔"

5 "بہن بھائی؟"
"ایک بھائی ایک بہن اور میں۔"

6 "میری تعلیم؟"
"ایم اے ہسٹری۔"

7 "تعلیم میں میری دلچسپی؟"
"صرف ڈگری لینے کی حد تک' تاکہ کبھی خدانا خواستہ مشکل وقت آئے تو کام آسکے۔"

8 "انسان کو ماحول سکھاتا ہے یا ڈگریاں؟"
"دونوں۔ ماحول آپ کی تربیت کرتا ہے تجربہ دیتا ہے اور تعلیم آپ کو شعور دیتی ہے۔ دنیا کی نالج دیتی ہے۔"

9 "بچپن کی کوئی خوشی؟"
"بچپن میں تو بے فکری تھی ہر دم خوشی ہی خوشی ہوتی تھی۔ زندگی حسین لگتی تھی۔ لیکن جب پروگرام "کڈز کلب" میں پرفارم کرنے کے بعد مجھے دو ہزار کا چیک ملا تو میں حیران ہی رہ گئی۔۔۔ یہ میری زندگی کی اور بچپن کی پہلی خوشی تھی جو میری پہلی کمائی بھی۔"

10 "صبح جلدی اٹھنے کی عادت ہے یا اٹھنا پڑتا ہے؟"

"عادت نہیں ہے' بس اٹھنا پڑتا ہے بیٹی کی خاطر کہ اسے اسکول بھیجنا ہوتا ہے۔ ہاں جب چھٹی ہوتی ہے تو آرام سے اٹھتی ہوں۔"

11 "کون سے تہوار شوق سے مناتی ہوں؟"

"مجھے 14 اگست منانا اچھا لگتا ہے اور بہت جوش ہوتا ہے مجھ میں۔ اپنی بیٹی کو آزادی کی کہانی سناتی ہوں اور اس دن کی اہمیت کا بھی بتاتی ہوں۔"

12 "مجھے شکایت ہے؟"

"اپنے ملک کے ارباب حکام سے کہ قوانین کو صرف کاغذ کی حد تک نافذ نہ کریں بلکہ انہیں اصل میں بھی لاگو کریں۔"

13 "آئینہ دیکھتی ہوں تو سوچتی ہوں کہ؟"

"ناک تھوڑی چھوٹی ہوتی تو کیا ہی بات ہوتی' میں زیادہ اچھی لگتی۔"

14 "اچھے مرد کیسے لگتے ہیں؟"

"جو کردار کے مضبوط ہوں اور سچے اور ایماندار ہوں۔"

15 "برے لگتے ہیں وہ لوگ؟"

"جو جھوٹ بولتے ہیں اور بلاوجہ جھوٹ بولتے ہیں۔"

16 "سیر و تفریح کے لیے میرا پسندیدہ ملک؟"

"تھائی لینڈ۔"

17 "سوشل ہوں یا تنہائی پسند؟"

"مجھے تنہا اپنی بیٹی کے ساتھ رہنا ہی پسند ہے۔ سوشل نہیں ہوں۔"

18 "کہاں انجوائے کرتی ہوں؟"

"تھائی لینڈ میں یا پھر اپنے گھر میں۔"

19 "گھڑی کا الارم سنتے ہی؟"

"فوراً" اٹھ جاتی ہوں۔"

20 "میں خرچ کرتی ہوں؟"

"اپنی بیٹی فاطمہ پہ۔"

21 "اپنے ہاتھ سے پکا کر کھانے کا مزہ آتا ہے یا دوسروں کے ہاتھ کا؟"

"ناشتا تو اپنے ہی ہاتھ سے بناتی ہوں کیونکہ مجھے دوسروں کے ہاتھ کا ناشتا پسند نہیں۔ ہاں کھانا تو کسی کے بھی ہاتھ کا پکا ہوا کھا لیتی ہوں۔"

22 "ایک سیلیبریٹی جس سے ملنا چاہتی ہوں؟"

"امیتابھ بچن سے اور ان سے ڈھیر ساری باتیں کرنا چاہتی ہوں۔"

23 "میں برداشت نہیں کر سکتی کہ؟"

"میری بیٹی کو کوئی کچھ کہے یا اسے میری موجودگی میں نصیحت کرے یا کوئی بھی ایسی بات کرے جس سے میرا یا میری بیٹی کا دل دکھے۔"

24 "کس دوست کے ساتھ وقت گزارنا اچھا لگتا ہے؟"

"کیف غزنوی.... یہ بھی آرٹسٹ ہے اور میری بہت پیاری دوست بھی ہے۔"

25 "گھر اور گھر کے باہر میرا پسندیدہ لباس؟"

"شلوار قمیص۔"

26 "ماضی میں کیا یاد آتا ہے؟"

"اپنا بچپن' اپنی اسکول لائف' اپنی شرارتیں' اپنی بے فکری.... آہ.... بڑا خوب صورت دور تھا اور کبھی

کبھی یونیورسٹی کا دور بھی یاد آتا ہے۔"

27 "گھر سے باہر جانا ہو تو کس بات کا خیال رکھتی ہوں؟"

"کہ جہاں جاؤں وقت پہ جاؤں۔ وقت کی پابندی بہت ضروری سمجھتی ہوں۔"

28 "کوئی فون نمبر مانگے تو؟"

"آسانی سے نہیں دیتی.... یہ دیکھتی ہوں کہ کون مانگ رہا ہے۔"

29 "رانگ نمبر کے ساتھ میرا سلوک؟"

"اچھا ہوتا ہے لیکن کوئی تنگ کرے تو پھر اگنور کرتی ہوں۔"

30 "کس بات میں پہل کرتی ہوں؟"

"کہ کوئی ناراض ہے تو منالوں۔ میری وجہ سے کسی کا دل دکھا ہو تو سوری کرلوں۔ کوئی مجھ سے ناراض ہو مجھے گوارہ نہیں۔"

31 "کب شدید غصہ آتا ہے؟"

"جب کوئی میری کار کو ہٹ کرے... ارے بھئی ٹریفک کے بھی کچھ قوانین ہیں۔ پتا نہیں لوگ اس کو فالو کیوں نہیں کرتے۔"

32 "میری نظر میں کامیابی کی کنجی؟"

"وقت کی پابندی۔ آپ وقت کی قدر کریں دنیا آپ کی قدر کرے گی۔"

33 "کس پہ قربان ہونے کو دل چاہتا ہے؟"

"جو میرے ساتھ مخلص ہو، جس کو میں دل سے دوست مان لوں۔"

34 "لیٹتے ہی نیند آجاتی ہے یا انتظار کرتی ہوں؟"

"نہیں جی.... انتظار کیسا... ادھر لیٹی، ادھر نیند کی آغوش میں۔"

35 "کیمرے سے میری دوستی؟"

"بچپن سے ہی ہے۔ چھوٹی سی تھی جب امی کی ایک دوست مجھے اس فیلڈ میں لے کر آئیں۔"

36 "میری پہچان بنا؟"

"میرا ڈرامہ "رابعہ زندہ رہے گی۔" اور شہرت تو

بچپن میں ہی مل گئی تھی جب میں بچوں کا پروگرام "کڈز کلب" کیا کرتی تھی۔"

37 "شہرت کا خمار سر پر چڑھا یا دماغ پر؟"

"کہیں بھی نہیں... جو چیز اچانک مل جائے وہ سر اور دماغ کو متاثر کرتی ہے اور جو چیز بچپن سے مل جائے وہ سر اور دماغ کو قابو میں رکھتی ہے۔"

38 "سائنس کا کمال؟"

"بہت سی چیزیں ہیں مگر فون باکمال ہے... دنیا ہاتھ میں آگئی ہے۔"

39 "دنیا سے کیا لینا چاہتی ہوں؟"

"سکون... آرام۔"

40 "بدیسی کھانوں میں پسندیدہ کھانے؟"

"مجھے جاپانی کھانے زیادہ پسند ہیں۔"

41 "آلتی پالتی مار کر کھاتی ہوں یا ڈائننگ ٹیبل؟"

"مجھے دونوں طرح سے مزہ آتا ہے۔"

42 "تحفہ بہتر رہتا ہے یا کیش؟"

"میرے خیال میں تحفہ.... ہمیشہ یاد رہتا ہے کہ فلاں نے فلاں وقت میں یہ دیا تھا۔"

43 "نرم گوشہ کس میں ہوتا ہے؟"

"مردوں میں نرم گوشہ ہوتا ہے عورت صرف اپنی اولاد کے لیے نرم ہوتی ہے۔"

44 "اگر میں اغوا ہو گئی تو سب سے زیادہ کون فکر مند ہو گا؟"

"میرے ابو.... وہ سب کچھ دے کر مجھے واپس لانے پہ تیار ہو جائیں گے۔ والدین ہی اپنی اولاد سے سچی محبت کرتے ہیں اور کوئی کر بھی نہیں سکتا۔"

45 "شادی میں پسندیدہ رسم؟"

"نکاح.... جو اللہ اور اس کے رسول کو بھی پسند ہے۔"

46 "کب کوفت کا شکار ہوتی ہوں؟"

"جب کوئی کام کوئی مسئلہ' کچھ چیز سنبھلنے میں نہ آ رہی ہوں۔ مسئلہ پیچیدہ ہو جائے کسی کام میں گڑبڑ ہو جائے۔"

47 "گھر کے کس کمرے میں سکون ملتا ہے؟"

"صرف اور صرف اپنے کمرے.... حالانکہ پورا گھر میرا ہے۔ مگر سکون اپنے ہی کمرے میں ملتا ہے۔"

48 "مہمان بننا اچھا لگتا ہے یا مہمانوں کی آمد....؟"

"مہمان بننا تو بالکل بھی اچھا نہیں لگتا.... خوامخواہ دوسروں پر بوجھ بننا پسند نہیں.... ہاں مہمان گھر جائیں تو اچھا محسوس ہوتا ہے۔"

49 "تعریف تو سب کو ہی پسند ہوتی ہے اور تنقید؟"

"جی مجھے بھی تعریف اچھی لگتی ہے۔ ڈھیروں خون بڑھ جاتا ہے۔ مگر تنقید اگر یونیز ٹو وے میں ہو تو اچھا لگتا ہے کہ لوگوں میں ڈرامے دیکھنے کا سینس ہے۔"

50 "کیا چیزیں میرے بیگ میں لازمی ہوتی ہیں؟"

"موبائل' والٹ' چابیاں وغیرہ۔"

51 "اچانک لال بیگ اوپر چڑھ جائے تو؟"

"میں نہیں ڈرتی۔ گھبراہٹ ہو گی اور اسے ہٹا دوں گی اپنے اوپر سے۔"

52 "غصہ کھانے پہ نکلتا ہے یا کسی اور پہ؟"

"کھانے پہ غصہ نہیں نکالتی۔ اس کا کیا قصور (ہنستے ہوئے) غصہ تو اسی پہ نکلتا ہے' جس پر آیا ہوا ہوتا ہے۔"

53 "ایک سائنس دان جس سے ملنے کی خواہش ہے؟"

"نپولین بوناپارٹ۔"

54 "زندگی کب بدلی؟"

"میری زندگی تو روز بدلتی ہے اور میرے خیال میں سب کی ہی بدلتی ہو گی کیونکہ جو کل تھا وہ آج نہیں ہے اور جو آج ہے وہ کل نہیں ہو گا۔"

55 "موڈ اچھا ہو جاتا ہے؟"

"جب میرے اردگرد کا ماحول اچھا ہو یا میرے دل کو سکون ہو۔ تب موڈ تو کیا سب کچھ ہی اچھا لگ رہا ہوتا ہے۔"

56 "شہرت شخصیت پر کیا اثرات مرتب کرتی ہے؟"

"شہرت کو شخصیت پر اچھے اثرات مرتب کرنے چاہئیں مگر لوگ اس کو سر پر سوار کر کے اپنی حقیقت سے بہت آگے نکل جاتے ہیں۔ تو پھر ظاہر ہے کہ نقصان اٹھاتے ہیں۔"

57 "شاپنگ کے لیے میرا انتخاب؟"

"اب اپنی شاپنگ سے زیادہ "فاطمہ" کی شاپنگ میں دلچسپی ہے۔ وہ جو فرمائش کرتی ہے اسی حساب سے اسے لے جاتی ہوں۔"

58 "فضول خرچ ہوں؟"

"ہرگز نہیں بہت سوچ سمجھ کر بہت دیکھ بھال کر خرچ کرتی ہوں۔"

59 "ملک سے باہر جا کر متاثر ہوتی ہوں؟"

"وہاں کی صفائی سے وہاں کے قوانین سے وہاں کے ضابطہ اخلاق سے۔"

60 "طبیعت میں ضد ہے؟"

"تھوڑی بہت.... ویسے حالات سے سمجھوتہ کر لیتی ہوں۔"

✲ ✲

انعم قاضی

شاہین رشید

ریڈیو وہ واحد میڈیا ہے جسے کہیں بھی لے جا کر آپ اس کے پروگراموں سے اور دل پسند گانوں سے محظوظ ہو سکتے ہیں۔ آپ کچن میں ہوں' لونگ ڈرائیو ہوں' کارخانوں میں ہوں یا سردی کی راتوں میں لحاف کے اندر ایک بٹن آن کرنے کی دیر ہے سریلے گیت اور سریلی آوازیں آپ کے کانوں میں رس گھولنے کے لیے موجود ہوتی ہیں۔ کانوں میں ایئرفون لگائیں اور مست ہو جائیں۔ اس لیے تو آج تک ریڈیو کی اہمیت کم نہیں ہوئی اور اس لیے کتنے ایف ایم چینل کھل چکے ہیں۔ جس کا پروگرام پسند آئے اسی کو سنیے۔

آواز کی دنیا سے ہمارا انتخاب اس بار انعم قاضی ہیں جو ایف ایم 101 پہ اپنی خدمات انجام دے رہی ہیں۔

★ "کیا حال ہیں انعم۔ کیا کر رہی تھیں؟"

✻ "جی اللہ کا شکر ہے اور سارے کام نبٹا کر آپ کے فون کا انتظار کر رہی تھی۔"

★ "گڈ... کیا مصروفیات ہیں آج کل؟"

✻ "ایف ایم ہوتا ہے' اس کی تیاری ہوتی ہے اور گھر کے کام ہوتے ہیں بس ٹائم اس طرح گزر جاتا ہے۔ جس دن میرے پروگرام نہیں ہوتے اس دن بس گھر کے ادھورے کام پورے کر رہی ہوتی ہوں اور گھر والوں کے ساتھ وقت گزارتی ہوں۔"

★ "ہاں... امی بھی کہتی ہوں گی کہ بیٹا آج گھر ہو تو بس آج ساری ذمہ داری تمہاری ہے؟"

✻ "کاش ایسا ہوتا... لیکن افسوس کہ میری والدہ کا انتقال ہو چکا ہے تو گھر کے کاموں کی ساری ذمہ داری میری اور میری چھوٹی بہن کی ہے۔ ویسے گھر میں میری پھوپھو اور میری دوسری امی بھی ہوتی ہیں اور ماشاءاللہ والد صاحب حیات ہیں اور بہت سپورٹو ہیں اور دوسری والدہ بھی سپورٹو ہیں۔"

★ "ہفتے میں کتنے دن آپ کا پروگرام ہوتا ہے؟"

✻ "ہفتے میں تین دن میرے پروگرام ہوتے ہیں پیر کے دن 11 سے ایک بجے تک' بدھ کے دن اپنی منیجمنٹ کے ساتھ پروگرام کرتی ہوں جس کا نام ہے "101 میل بکس" یہ پروگرام ایسا ہے جس میں

سامعین کے خطوط کے جواب دیے جاتے ہیں۔ یہ پورے ہفتے کے پروگراموں کا فیڈ بیک ہوتا ہے اور اس میں سامعین کے فیڈ بیک کا جواب ہمارے ڈپٹی کنٹرولر "خلیل چنا" اور پروگرام منیجر "ربیعہ اکرم" دیتے ہیں۔ اس پروگرام کی ہوسٹنگ میں کرتی ہوں اور یہ پورے ہفتے کا بہترین پروگرام ہوتا ہے اور تیسرا پروگرام جمعہ کے دن ایک سے 3 بجے ہوتا ہے جس میں کلام عارفانہ ہوتا ہے اور دورانیہ ایک گھنٹہ ہوتا ہے پھر 2 سے 3 گیسٹ آور ہوتا ہے۔"

★ "آپ پر تنقید ہوتی ہے... اور اپنے تنقید والے خطوط پڑھتی ہیں؟"

✻ "بالکل پڑھتی ہوں اور اس سے مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ میں کہاں کھڑی ہوں اور کس طرح کے شوز کر رہی ہوں۔ تعریف تو بہت ہوتی ہے اور سب ہی کرتے

ہیں کہ آپ کی آواز بہت اچھی ہے۔ آپ پروگرام بہت اچھا کرتی ہیں اس وقت مجھے بہت اچھا لگتا ہے کہ جب کوئی کہتا ہے کہ انعم نے فلاں پروگرام میں یہ لفظ غلط کہا۔ یا فلاں غلطی کی' اس طرح مجھے اپنی غلطیاں سدھارنے کا موقع ملتا ہے۔ تنقید برداشت کرنے کا حوصلہ ضرور ہونا چاہیے۔"

★ "کتنے سال ہوگئے اس فیلڈ میں؟"

* "ریڈیو پاکستان سے وابستگی میری 5 سال پرانی ہے لیکن ایف ایم 101 میں نے 11 جولائی 2013ء کو جوائن کیا تھا اس طرح مجھے تقریباً" ڈھائی سال ہو گئے ہیں اس کو جوائن کیے ہوئے اور بڑا کامیابی کے ساتھ میرا یہ سفر گزر رہا ہے۔"

★ "ریڈیو پہ آمد کیسے ہوئی۔ جبکہ آج کل کی لڑکیاں تو ٹی وی میڈیا کو زیادہ ترجیح دیتی ہیں؟"

* "مجھے شروع سے ہی ٹی وی سے کوئی خاص لگاؤ نہیں ہے۔ میں جب چھوٹی تھی تب سے ہی ریڈیو بہت شوق سے سنا کرتی تھی۔ ایف ایم کے سارے چینلز کو سنا کرتی تھی' یہ بات ہے جب میں کلاس 6th میں پڑھا کرتی تھی اور ایف ایم سنتے سنتے بڑی ہو گئی اور بڑی حیران ہوتی تھی کہ یہ آر جے لوگ کس طرح پروگرام کرلیتے ہیں اور میرا دل چاہتا تھا کہ میں بھی ریڈیو جاؤں اور ان کی طرح باتیں کروں' شوق آہستہ آہستہ جنون کی صورت اختیار کرگیا اور میں نے سوچ لیا کہ مجھے ریڈیو پہ جانا ہے اور پروگرام کرنا ہے.... اور میرے جنون کو دیکھتے ہوئے اللہ نے وسیلہ بنایا اور میں ریڈیو تک رسائی حاصل کرسکی۔"

★ "وسیلہ کیسے بنا اور کس طرح ریڈیو تک پہنچیں؟"

* "وسیلہ تو میری پھوپھو ہی بنیں.... میری پھوپھو ہمارے ساتھ رہتی ہیں اور میں یہ ضرور کہنا چاہوں گی کہ میری تربیت اور میری کامیابی کے پیچھے میری پھوپھو کا ہاتھ ہے اور میری پھوپھو میری آئیڈیل بھی ہیں.... تو ہوا یہ کہ میری پھوپھو نے ایک کوچنگ سینٹر کھولا ہوا تھا لڑکیوں کے لیے اور اس سینٹر میں میں اپنی پھوپھو کے ساتھ ہوا کرتی تھی۔ ایک دن ایک خاتون اپنے بچوں کے داخلے کے لیے آئی ہوئی تھیں اور انہوں نے باتوں باتوں میں بتایا کہ ان کی ایک بہن "ایف ایم 93" میں آر جے ہیں۔ تو میری پھوپھو نے میرا ذکر کیا کہ انعم کو بہت شوق ہے آر جے بننے کا انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے میں اپنی بہن "بشریٰ رضا" سے بات کروں گی۔ آپ اس کی CV مجھے دے دیجیے گا.... دو دن کے بعد ہی انہوں نے مجھے کہا کہ آپ ایف ایم 93 میں آجایئے وہاں ایک پروگرام ہوتا ہے جو صرف یوتھ کے لیے ہوتا ہے۔ خیر میں گئی' اس میں ایک سلسلہ ہوتا ہے "میری تحریر" تو میں اپنی تحریر لے کر گئی اور جب میں نے وہ تحریر مائیک کے آگے پڑھی تو میری تحریر کو بھی او کے کیا گیا اور میری آواز کو بھی۔ میرا یہ پروگرام ریکارڈ ہونے کے بعد "آن ایئر" جاتا تھا ایک دن میں نے سوچا کہ یہاں تو پروگرام ریکارڈ ہونے کے بعد آن ایئر آتا ہے۔ کیوں نہ کسی ایسے ایف ایم کو جوائن کروں جہاں میں لائیو اپنی بات کہہ سکوں۔ تو جناب میری ایک دوست شبانہ کریم ایف ایم 101 میں آر جے تھی اس نے ایک دن کہا کہ "ایف ایم 101 میں آر جے کے لیے آڈیشن ہو رہے ہیں۔ تم آسکتی ہو۔" میں نے کہا کہ "بالکل آسکتی ہوں" میں گئی آڈیشن دیا مگر میرا سلیکشن نہیں ہوا' البتہ میں نے ان لوگوں کو اپنا سی وی دے دیا چھ دن کے بعد کال آئی۔ ایک ٹاپک دیا جس پہ ہم نے بات چیت کی تو وہاں کی مینجمنٹ نے میری گفتگو کو آبزرو کیا میرے الفاظ کو میرے انداز کو اور پھر اگلے پروگرام کے لیے بھی مجھے انہوں نے بلالیا' یوں تین چار پروگرام کرنے کے بعد انہوں نے مجھے ٹریننگ کے لیے رکھ لیا... جو کہ آر جے ٹریننگ تھی کہ آپ کی ٹریننگ کریں گے۔ پھر آپ کا آڈیشن کریں گے اور اگر آپ کامیاب ہو گئیں تو آپ کو آر جے سلیکٹ کرلیا جائے گا.... خیر پھر آڈیشن ہوا اور جس دن رمضان کا چاند نظر آیا اس دن مجھے بتایا گیا کہ آپ آڈیشن میں clear ہو گئی ہیں اور میں وہ واحد لڑکی تھی جو اس آڈیشن میں کامیاب ہوئی تھی۔

★ "خوشی تو بہت ہوئی ہوگی؟"

✻ "جی بہت زیادہ' خوشی سے آنسو نکل آئے کیونکہ مجھے شوق تھا' جنون تھا اور اگر میں آڈیشن میں کلیئر نہ ہوتی تو پھر میری ہمت ٹوٹ جاتی اور میں آگے بڑھنے کا سوچ بھی نہ سکتی۔ کامیاب ہونے کے بعد اگلے ہی دن یکم رمضان المبارک کا پروگرام مجھے مل گیا اور وہ بھی اکیلے اور اچانک ہی کال آئی تھی کہ آپ کو شو کرنا ہے ایک گھنٹے کے اندر اندر آپ آجائیں میں گئی اور اللہ کا نام لیا اور شو شروع کر دیا۔ پہلا شو تھا' فیڈ بیک بہت اچھا آیا اور یوں سلسلہ آگے چلتا گیا۔"

★ "FM-101 سے آگے کسی دوسرے چینلز پہ زور آزمائی کی؟ آفرز آئیں؟"

✻ "میں آپ کو سچ بات بتاؤں یہ چینل اپنے آپ کو فیملی چینل کہتا نہیں ہے بلکہ ثابت بھی کرتا ہے کہ یہ فیملی چینل ہے۔ یہاں کا ماحول اور یہاں کے لوگ ایسے ہیں کہ اگر آپ اپنے گھر سے اس چینل پہ آئے تو آپ کو لگے گا ہی نہیں کہ آپ کسی دوسرے گھر میں آئے ہو۔ آفرز آئیں لیکن میں نے آفرز قبول نہیں کیں کہ جس ادارے نے مجھے اس قابل بنایا کہ میرا نام ہوا تو اس کو میں کیسے چھوڑ سکتی ہوں۔"

★ "کنٹریکٹ کی بنیاد پر ہوتے ہیں آر جے یا سیلری کی بنیاد پر؟"

✻ "کنٹریکٹ کی بنیاد پر پیسے ملتے ہیں ہمیں یہاں پر شو کے حساب سے پیسے دیے جاتے ہیں۔ اگر ایک ماہ میں آپ نے 14 شوز کیے تو اس 14 شوز کے ہی آپ کو پیسے ملیں گے۔ چیک کی صورت میں۔"

★ "لڑکیوں کے لیے تو ریڈیو آر جے کی جاب ٹھیک ہے' کیونکہ ان پر اتنی ذمہ داریاں نہیں ہوتیں تو کیا لڑکوں کے لیے بھی یہ مناسب ہے؟"

✻ "آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ یہاں کی آمدنی لڑکوں کے لیے بالکل بھی مناسب نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو ہمارے Male (میل) آر جے ہیں وہ رات کے وقت پروگرام کرتے ہیں اور صبح کے وقت وہ کہیں اور جاب کرتے ہیں۔ تو وہ اپنے شوق اور اپنی جاب دونوں کو ساتھ لے کر چلتے ہیں۔ جبکہ لڑکیاں صبح سے شام تک کے پروگرام کرتی ہیں اور جو لڑکیاں جاب بھی کرتی ہیں پھر انہیں بھی اسی حساب سے پروگرام کے ٹائم دیے جاتے ہیں۔"

★ "گھر والے خوش ہوئے آر جے بننے پر؟"

✻ "بالکل ہوئے اور جیسا کہ میں نے آپ کو پہلے بتایا کہ میری پھوپھو جن کا نام "ام سلمٰی" ہے انہوں نے ہر موقع پر' ہر قدم پر' ہر لحاظ سے اسی طرح سپورٹ کیا جس طرح ایک ماں کرتی ہے ساری بات یہ ہوتی ہے کہ آپ کی فیملی کو آپ پر کتنا اعتماد ہے۔ اگر اعتماد ہے تو وہ آپ کو کسی بھی کام سے نہیں روکیں گے۔ تو پھوپھیاں بچاری بدنام ہیں ورنہ ان سے پیارا رشتہ اور کوئی نہیں اور رشتوں کی مالا کے عنوان سے میں ایک پروگرام کرتی ہوں تو ان شاء اللہ "پھوپھی" کے رشتے پر بھی ضرور پروگرام کروں گی کہ پھوپھیاں کس طرح اپنے بھتیجوں اور بھتیجیوں پہ اپنی زندگی نچھاور کرتی ہیں اور میرے والد صاحب بھی بہت فرینڈلی ہیں اور الحمدللہ ہمارے گھر کا ماحول بہت اچھا ہے۔"

★ "ٹی وی کی طرف رجحان کیوں نہیں ہوا؟"

✻ "نہیں..... میرا کوئی خاص رجحان نہیں ہے' جبکہ کئی لوگوں نے کہا کہ تم نیوز اینکر بن جاؤ اور ایک بار گئی تھی کسی نجی چینل پہ انہوں نے کہا بھی اور ایک پروگرام بھی آفر کیا اور میں نے انکار کر دیا کہ مجھے تو ابھی ریڈیو پہ ہی پروگرام کرنے ہیں اور بہت آگے جانا چاہتی ہوں ریڈیو کے ذریعے سے تو فی الحال ٹی وی کی طرف جانے کا کوئی ارادہ نہیں۔"

★ "اوکے..... چلو اب ذرا اپنا فیملی بیک گراؤنڈ بتائیں؟"

✻ "26 مئی کو 1990ء کو کراچی میں پیدا ہوئی اردو ہماری مادری زبان ہے۔ ہم تین بہنیں اور دو بھائی ہیں اور اپنی امی کی اولادیں ہیں۔ دوسری والدہ سے ہمارا کوئی بہن بھائی نہیں ہے اور پانچوں میں میں درمیان کی ہوں دو اوپر کے دو نیچے کے درمیان میں' میں..... گھر میں امی ابو کے علاوہ میری پیاری پھوپھو ہوتی ہیں۔ اور

کہتے ہیں کہ درمیان والوں کے ساتھ زیادتی ہوتی ہے جبکہ ایسا نہیں ہے۔ مجھے میرے چاروں بہن بھائی بہت سپورٹ کرتے ہیں۔ گریجویشن میرا مکمل ہو چکا ہے۔ اب ان شاء اللہ ماسٹرز کرنا ہے اور بس۔۔۔

★ ''اور شادی؟''

✲ ''سب یہی پوچھتے ہیں تو ابھی ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔۔۔ اور ویسے بھی میں ذرا الگ قسم کی لڑکی ہوں۔ ابھی کوئی دلچسپی نہیں ہے۔''

★ ''لڑکیوں کی دلچسپی کب دیکھتے ہیں والدین۔۔۔ ویسے اپنی پسند کو ترجیح دیں گی؟''

✲ ''نہیں۔۔۔ بالکل نہیں۔۔۔ کیونکہ یہ سارے کام اگر بڑوں کی مرضی سے ہوں تو زیادہ بہتر ہے اور کامیاب بھی رہتی ہے اور زندگی میں کبھی ایسا موڑ آیا تو اپنی پسند کو ترجیح نہیں دوں گی والدین کی پسند اور اپنی پھوپھو کی پسند کو ترجیح دوں گی۔''

★ ''کبھی آواز کے ذریعے سے کسی نے پہچانا آپ کو؟''

✲ ''جی بالکل۔۔۔ میں آپ کو بتاؤں کہ میں ''عبایا'' پہنتی ہوں تو ایک دن میں شاپنگ کر رہی تھی اور دکاندار سے بات کر رہی تھی تو میرے برابر میں ایک لڑکی کھڑی تھی وہ بھی شاپنگ کر رہی تھی تو میں جب بات ختم کر چکی تو وہ مجھ سے مخاطب ہوئی کہ آپ کسی ایف ایم میں ہوتی ہیں' تو میں نے کہا کہ ''جی'' مگر آپ نے کیسے پہچانا'' تو کہنے لگی کہ آپ کے بولنے کا انداز ایک آر جے جیسا ہے تو پھر میں نے انہیں بتایا کہ میں FM-101 میں ہوتی ہوں۔''

★ ''اچھا لگا ہوگا؟''

✲ ''جی بہت اچھا لگا اور احساس ہوا کہ سامعین ہیں بہت شوق و ذوق اور انہماک سے سنتے ہیں۔ اور پھر یہ احساس ہوا کہ آپ میں ایسی کوئی بات ضرور ہوتی ہے کہ جس کی وجہ سے آپ کو ''آر جے کی سیٹ'' ملتی ہے اور پھر میں نے اور بھی زیادہ اپنی سیٹ کے ساتھ انصاف کرنا شروع کر دیا۔''

★ ''اور جناب۔۔۔ نرم مزاج ہیں یا تیز؟''

✲ ''ہم تو اپنے آپ کو ہمیشہ ہی اچھا کہتے ہیں جو بات دوسرے کہیں وہ سچ ہوتی ہے۔ لوگ میرے لیے کہتے ہیں کہ بہت سوئیٹ ہو' بہت نرم مزاج ہو۔ ویسے غصہ تو ہر انسان میں ہوتا ہے اور میں لوگوں سے کہتی ہوں کہ اگر کسی کو مجھ سے کوئی شکایت ہو تو وہ براہ راست مجھ سے کہہ دے۔ یہ زیادہ بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ مجھے دوسرے بتائیں۔''

★ ''گھرداری سے لگاؤ؟ اور رشتوں میں بیلنس رکھ لیتی ہیں؟''

✲ ''میری تربیت میری پھوپھو نے ہی کی ہے۔ تو ان کی تربیت میں یہ بات بھی شامل تھی کہ اگر آپ کو کسی کام کا شوق ہے تو اسے ضرور پورا کرو لیکن ساتھ ساتھ اپنے رشتوں کو بھی لے کر چلو۔ مطلب کسی چیز کو اپنے اوپر حاوی نہ کرو بلکہ سب میں بیلنس رکھو۔۔۔ اور الحمدللہ گھرداری سے بھی بہت لگاؤ ہے اور ہم دونوں بہنوں نے ہی گھر کو سنبھالا ہوا ہے۔''

★ ''موڈ خراب میں بھی پروگرام کیا؟''

✲ ''موڈ خراب میں تو نہیں کیا' لیکن میرے موڈ کا اثر میرے پروگرام پہ ضرور پڑتا ہے اور جس طرح مجھے پروگرام کرنا ہوتا ہے۔ شوخی کے ساتھ' مذاق کے ساتھ تو وہ پھر مجھ سے نہیں ہو پاتا۔۔۔ اور مجھے کسی نے میری خامی بتاتے ہوئے کہا کہ ''ہم انعم کے موڈ کو سن سکتے ہیں انعم کے شوز میں'' بس وہ دن اور آج کا دن۔ میں نے اپنے موڈ کو اپنے پروگرام میں ظاہر نہیں ہونے دیا۔''

★ ''کھیلوں سے لگاؤ ہے؟''

✲ ''میں جب آر جے نہیں بنی تھی تو کرکٹ بہت شوق سے سنتی بھی تھی اور دیکھتی بھی تھی۔۔۔ اور آر جے بننے کے بعد دیکھ نہیں سکتی مگر سنتی ضرور ہوں اور اپ ڈیٹ بھی کرتی رہتی ہوں۔''

اور اس کے ساتھ ہی ہم نے انعم قاضی سے اجازت چاہی اس شکریے کے ساتھ کہ انہوں نے ہمیں ٹائم دیا۔

✲ ✲

ہنزہ بنت شاہد خان
ہمراہ
علی بن امین خان

صدف آصف

ہنزہ ہماری پیاری بیٹی۔ بہت ہی پیاری بیٹی ہمارے لیے قدرت کا ایک بیش بہا انعام۔ ہمارا فخر' ہمارے دلوں کا چین' ہماری آنکھوں کا نور۔ رب کی اس عنایت پر اس کے بے حد شکر گزار۔ اس پیاری بیٹی کے حوالے سے میں نے اور آصف نے بہت سے خواب دیکھے کچھ خواب تو خواب ہی رہے اور بہت سے تعبیر پا گئے رب کریم کی مہربانی سے اب ایک اور خواب تعبیر پانے کو ہے وہ ہے ہنزہ کی شادی۔

دو ڈھائی سال پہلے ہنزہ کی نسبت اپنے خالہ زاد علی کے ساتھ طے پائی۔ علی نے اسی سال ایم بی اے کیا ہے۔ بہترین تعلیمی قابلیت کے ساتھ ساتھ علی شکل و صورت عادت و مزاج سب میں بہترین ہیں۔ اس سب کے ساتھ ساتھ اس رشتے کی سب سے اچھی بات یہ ہے کہ ہنزہ کی ہونے والی ساس اس کی خالہ بھی ہیں۔

شادی کی تقریبات کا آغاز' قرآن خوانی کے بعد ڈھولکی سے ہوا جو کہ پڑوسیوں کے پرزور اصرار پر رکھی گئی اور اس کی میزبانی بھی انہوں نے ہی کی۔ ہنزہ کے ددھیال اور ننھیال کو بھی مدعو کیا گیا۔ تشبین کا بنایا ہوا قورمہ بے حد لذیذ تھا تو ثروت کا بنایا ہوا فروٹ ٹرائفل' شکر اور فروٹ کی مٹھاس کے ساتھ ساتھ محبت کی چاشنی سے مزید میٹھا ہو کر اور زیادہ مزے دار ہو گیا۔ سب نے بہت تعریف کی اس نفسا نفسی کے دور میں ایسی محبتیں "عنقا" اور لوگ "نایاب" ہیں' جو دوسروں کی خوشی میں خوش ہو کر ان کی خوشیوں کو بڑھائیں اور خوشیوں کے سامان کریں اس محبت اور خلوص پر اہل خانہ کے ساتھ ساتھ میں بھی تشبین اور ثروت کی تہ دل سے مشکور ہوں۔ یہ سب اہتمام ہنزہ کے لیے ہوا۔ کھانے کے بعد محفل جمی اور خوب جمی ڈھولک ہنزہ کے ماموں ہل کاشف نے بجائی اور ایسی بجائی کہ سماں باندھ دیا سندس" الساء' فائزہ' یمنی اور انوشہ' لیبا نے لڈی ڈالی ارین اور ایشیا نے خوب صورت رقص کیے۔ خواتین نے شادی بیاہ کے گیت گائے۔ "تار بجلی سے بھی پتلے ہمارے پیا" نے سب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیر دی (بجلی کے تار سے بھی پتلے) سندس نے شرارتی نظروں سے ہنزہ کو دیکھا اس نے جھینپ کر سر جھکا لیا۔ دراصل علی دبلے پتلے ہیں دوسروں لفظوں میں اسمارٹ چوبیس پچیس سال کی عمر میں بندہ اسمارٹ ہی ہو گا۔

نیلے دوپٹے کے ہالے میں ہنزہ کا چہرہ بے حد اداس لگ رہا ہے' والدین کا گھر چھٹنے کا غم اسے بے حال کیے ہوئے تھا۔ چار پانچ دن سے اسے بخار آرہا تھا۔

"پھوپھی بھتیجی سے" ماں بیٹی کا رشتہ قائم میں نے کیا اسے نبھایا۔ ہنزہ سے ہمارا ماں بیٹی کا یہ رشتہ' گزرتے وقت کے ساتھ مضبوط سے مضبوط تر ہو گیا

آج مایوں تھا کار پورچ سے لے کر کوریڈور لاؤنج ہنزہ کا کمرہ سب پیلے پھولوں کی لڑیوں سے سجایا گیا تھا اور بہت خوب صورت لگ رہا تھا یہ زریاب اور اسامہ بھانجا) کی محنت تھی۔ سرخ زرتار دوپٹے کے سائے میں ہنزہ اپنی بہنوں اور کزنز کے جلو میں آہستہ آہستہ قدم قدم بڑھاتی آئی دائیں بائیں زریاب اور اسامہ ایک جیسے کرتا شلوار میں بہت خوب صورت لگ رہے تھے نہیں ان دنوں سے زیادہ خوب صورت فائزہ (پنکی) لگ رہی تھی سلور کام کے پیلے سوٹ میں۔

ہنزہ کو پھولوں سے سجے جھولے پر بٹھا دیا گیا رسم کی ابتدا ہنزہ کی دادی جان (میری والدہ) نے کی۔ ابٹن لگا کر منہ میٹھا کروایا اور صدقے کی روپے اوپر سے وارے' ہنزہ کی نانی نے کنگن باندھا اور رسم کی' پھر ہنزہ کی پھپھو' خالہ اور دونوں ممانیوں نے رسم کی۔ اس سے پہلے ہم سب بہنوں نے امی ابو بھائی بھابھی اور ہنزہ کو ہار پہنائے۔ اس کے بعد کوثر باجی شاہین اور انیلا نے مجھے آصف اور ہنزہ کو ہار پہنائے اور جوڑے

لیے۔ ان کی اس محبت اور خیال پر میری آنکھیں بھیگ گئیں کہ بہنیں کس طرح بہن کا دل رکھ رہی ہیں رسم کے بعد فوٹو سیشن شروع ہو گیا۔ ہنزہ سنہرے گوٹے سے بنا پیلا جوڑا پہنے 'بنا زیور کے' چہرے پر اداسی کا رنگ لیے بہت پیاری لگ رہی تھی۔ اس کی یونی کی دوستیں کنزیٰ اور ثنا اس کے دائیں بائیں بیٹھی تھیں۔ اسٹیج سے نزدیک ہی گیتوں کی محفل سج گئی' پندرہ بیس دن سے شادی کی تیاریوں کے ساتھ ساتھ اس کی بھی تیاری تھی (سندس کے زیر نگرانی)۔ سندس فائزہ' السا یمنیٰ' انوشہ' لبیا سب نے مل کر بہت خوب صورت لڈی ڈالی۔ زریاب صاحب نے ہنزہ کو بھی اس لڈی میں شامل کر لیا۔ ہنزہ شرم کی وجہ سے زیادہ دیر ساتھ نہ دے سکی۔ اس لڈی کو سب نے بہت پسند کیا اس دوران کھانا شروع ہو گیا۔ گرم گرم خستہ سنہری کچوریاں اور پراٹھے۔ پیلا پیلا کھٹے آلو کا سالن' بھنا قیمہ' چنوں کا سالن اور سوجی کا پیلا حلوہ" وہ تو پوری تیاری سے مقابلے پر تھا۔ کھانا بہت لذیز تھا سب نے کھانے سے بھرپور انصاف کیا۔ کھانے کے بعد محفل ایک بار پھر جم گئی بارات دور سے آنے کی وجہ سے مہندی تو ہو نہیں رہی تھی اس لیے سارے ارمان باتوں ہی میں نکالے جا رہے تھے۔ رات بہت ہو گئی تھی لیکن کسے پروا تھی نہ چاہتے ہوئے بھی خوشیوں سے بھری خوب صورت رسموں اور رنگوں سے سجی اس تقریب کا اختتام ہوا۔

شادی کے دن گھر میں شادی کی مخصوص گہما گہمی تھی۔ ظہر اور عصر کے درمیان نکاح ہوا آصف نکاح میں وکیل بنے تھے۔ تیسری بار اجازت طلب کرتے ہوئے ہنزہ کے بابا کی آواز رندھ گئی بیٹی نے بھی رندھے گلے سے قبول ہے کہا۔ ہنزہ کے بابا نے نم آنکھوں کے ساتھ اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور تیزی سے کمرے سے باہر چلے گئے ہنزہ کا ضبط بھی جواب دے گیا' روتی ہوئی ہنزہ سب کو رلا رہی تھی' سب ہنزہ کو اور ایک دوسرے کو گلے لگا کر مبارکباد دے رہے تھے۔ کیسا خوب صورت لمحہ' آنکھ میں آنسو' دل میں خوشی اور لب پہ دعائیں' اللہ تعالیٰ ہنزہ اور علی کی "جوڑی" کو ہمیشہ قائم رکھنا اور انہیں ہمیشہ اپنی رحمتوں اور اکرام کے حصار میں رکھنا (آمین ثمہ آمین)

بارات ناظم آباد کے ایک ہال میں تھی۔ جب میں ہال میں پہنچی تو کافی سے زیادہ مہمان آچکے تھے۔ رنگ و نور کا ایک سیلاب تھا۔ زریاب صاحب بڑے مصروف

سے انداز میں ادھر سے ادھر گھوم رہے تھے اکلوتا ہونے کی وجہ سے اس پر زیادہ ذمہ داری تھی۔ ہر کام میں پیش پیش اسامہ اس کا سایہ بنا ہوا تھا۔ دوسرے کزنز فہد' فرخ ہمیر اور بھی اس کے مددگار تھے لیکن بہرحال ذمہ داری تو زریاب کی ہی تھی۔ سب کام ذمہ داری سے کرتے ہوئے وہ آج بھی اپنے آپ کو نہیں بھولا تھا ڈھولکی اور مایوں کی طرح آج بھی اس کی ڈریسنگ شاندار تھی۔ سلور دبکے اور اسٹون کے کام کی سیاہ شیروانی میں وہ کوئی شہزادہ لگ رہا تھا۔

بارات آنے کا شور ہوا زریاب بڑے مسرور سے انداز میں بارات کے استقبال کو بڑھا بارات کا بہت شاندار استقبال کیا گیا۔ دولہا دلہن کو اسٹیج پر لایا گیا۔ ہنزہ کو دیکھ کر ایک لمحے کو میں مبہوت رہ گئی سرخ اور سیاہ کامدار لہنگا سوٹ میں دلہن بنی ہنزہ نظر لگ جانے کی حد تک حسین لگ رہی تھی۔ سلور دبکے اور اسٹون کے کام کی سیاہ شیروانی اور سرخ پگڑی میں علی بھی بہت شاندار لگ رہے تھے۔ بلاشبہ بہت خوب صورت جوڑی (اللہ تعالیٰ نظر بد سے بچائے) ہر آنکھ سراہا رہی تھی۔ میری بڑی نند خوشرو زیباجی اپنی فیملی کے ساتھ چھوٹی نند (ماموں زاد) تنویر اپنے شوہر جنید کے ساتھ اور دونوں دیور (ماموں زاد) فرید اور عبدالرحمٰن اپنی بیگمات کے ساتھ تشریف لائے۔ گلشن حدید سے میری دوست صاعقہ' بینا اور نجمہ بھابھی اپنے اہل خانہ کے ساتھ تشریف لائیں' ان سب لوگوں کے آنے سے میری خوشی دوچند ہوگئی کیوں کہ یہ سب خاص میرے مہمان تھے۔ ان سب کی آمد پر تہہ دل سے ان سب کی مشکور تھی۔ روزینہ اور اعجاز بھائی نہ آسکے انہوں نے ہنزہ کے لیے تحفہ اور دولہا کے لیے سلامی بھجوادی۔ ہنزہ کی خاص آنٹی نسرین بھی نہیں تھیں' نسرین کو شادی کی اطلاع ہی نہ ہوسکی۔ نمبر کی تبدیلی کی وجہ سے۔ ایبٹ آباد سے میری دوست مہ جبین بھی والدہ کی علالت کی وجہ سے نہ آسکی' جرار اور موحل امتحانات کی وجہ سے۔ ان سب کی کمی بہت محسوس ہوئی عزیز واقارب سے ملتے ہوئے میری نظریں (ریڈی اینٹ) اسکول کی آنر اور پرنسپل رخسانہ جاوید اور ہنزہ کی مس فرحانہ کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ انہیں بھی گلشن حدید سے ہی آنا تھا اور وہ میرے اور ہنزہ کے علاوہ کسی اور کو جانتی بھی نہ تھیں وعدہ تو انہوں نے کیا تھا آنے کا اور مجھے انتظار بھی بہت تھا دونوں ہنزہ کو بہت عزیز ہیں۔ اتنا عرصہ گزرنے پر بھی وہ اپنی میم (رخسانہ) اور اپنی ٹیچر مس فرحانہ کو نہیں بھولی میرے ساتھ ساتھ اسے بھی ان کا انتظار تھا۔

علی کو ہنزہ کے دادا دادی اور ہم سب بہنوں نے سلامی دی۔ بھائی بھابھی نے بھی سلامی دی اور انگوٹھی پہنائی۔ زریاب صاحب نے گھڑی پہنائی ان سب رسموں کے بعد سندس نے ایک نہایت خوب صورت بلوریں گلاس میں بہنوئی صاحب کو دودھ پیش کیا۔ گلاس کی خوب صورتی سے زیادہ خوب صورت اچھی بات یہ تھی کہ یہ دودھ بلاقیمت تھا۔

ہم چاروں بہنوں کی شادی میں نہ جوتا چھپائی لی گئی اور نہ دودھ پلائی' سو ہنزہ کی شادی میں بھی یہ روایت برقرار رہی۔ کھانے کا دور شروع ہوا کھانے میں بہت سی ڈشز تھیں ہر ڈش لاجواب اور لذیذ۔ بہترین لذیذ ترین کھانا بہتر انداز سے پیش ہوا' ہر ایک کھانے کے ذائقہ اور حسین انتظام کو سراہا رہا تھا۔ بھائی (ہنزہ کے پپا) نے دل کھول کر پیسہ خرچ کیا اور زریاب نے خوبی سے انتظامات سنبھالے' ہر کام بڑی خوش اسلوبی سے ہوا۔ ایک ایسی شادی جو مدتوں یاد رہے۔ یہ سب رب کریم کی مہربانی کے بعد زریاب کا کمال ٹھہرا۔ رخصتی کا وقت آگیا' ہنزہ اپنے دادا دادی مما پپا اور ماما بابا سے مل کر اور ان کی دعائیں لے کر رخصت ہوئی۔ ''میری مہربان پری اپنے گھر کو چلی۔''

بارات سے اگلے دن ہم سب ولیمہ میں شرکت کے لیے ملتان روانہ ہوئے اس سفر کی سب سے اچھی بات یہ تھی کہ اس ٹرین میں دلہن بھی سفر کررہی تھی کبھی دولہا والے ہمارے پاس آرہے تھے اور کبھی ہم وہاں جارہے تھے۔ آنے جانے پر تواضع بھی چل رہی

تھی۔ علی اور ہنزہ بھی آئے' ہنزہ کافی دیر میرے اور اپنے بابا جانی کے پاس بیٹھی رہی ہفتہ بھر کی تھکن اور افسردگی (ہنزہ کی جدائی کی) بھاپ بن کر اڑ گئی سب ہنس بول رہے تھے کھا پی رہے تھے' کوئی فکر نہیں تھی بے فکری ہی بے فکری تھی' تین چار دن پہلے والی افراتفری نہیں تھی۔ جس اسٹیشن پر گاڑی زیادہ دیر ٹھہرتی علی کے بھائی اور کزنز وہاں اتر کر ڈانس کرتے بھنگڑا ڈالتے رات بھر لا گلا رہا صبح آٹھ بجے ملتان پہنچے۔ بھابھی کے پھوپھی زاد بھائی سرفراز نے جہاں ہمارے ٹھہرنے کا انتظام کیا تھا وہ ایک بہت خوب صورت ون یونٹ بنگلا تھا صاف ستھرا اور خوب صورتی سے آراستہ یہ دیکھ کر طبیعت خوش اور سفر کی تکان دور ہو گئی۔

اگلے دن ولیمہ تھا ہمارا بہت شاندار استقبال ہوا' میں تیزی سے اسٹیج کی طرف بڑھی خوب صورت اور خوش رنگ۔ پھولوں سے سجے اسٹیج پر بلو اور گرے میکسی میں سونے کے زیورات سے سجی ہنزہ بہت خوب صورت لگ رہی تھی' اس کے چہرے پر ایک روشنی سے تھی۔ گرے سوٹ میں علی بھی بہت خوش اور اسمارٹ لگ رہے تھے۔ ہمارے پھوپھی زاد بھائی اطہر بابر' اپنی بیگم شازیہ کے ساتھ ولیمہ کی تقریب میں شرکت کے لیے اسلام آباد سے تشریف لائے' ان لوگوں کا آنا بہت اچھا لگا۔ بھکر سے پھوپھی زاد بہن شمع اور ان کے شوہر نوید بھائی اپنے والد کی علالت کی وجہ سے اس تقریب میں شرکت نہ کر سکے ان کی کمی بہت محسوس ہوئی۔ شادی کی طرح ولیمہ کا کھانا بھی بہت اچھا تھا اور انتظامات بھی بہترین تھے۔ اگلے دن سندس' اینلا' شاہین' فائزہ' زریاب' اثمامہ اور انس وغیرہ ہنزہ کا ناشتا لے کر گئے واپسی میں ہنزہ اور علی بھی ان کے ساتھ آئے سبز کاہی سوٹ (گرین) میں ہنزہ بے حد خوب صورت لگ رہی تھی ہر تقریب سے زیادہ پیاری ۔ چمکتا چہرہ ہونٹوں پہ کھلتی دلفریب مسکراہٹ' آنکھوں میں اترتی جگمگاہٹیں اس کی خوشی کا پتا دے رہیں تھیں' میرا دل خوشی اور تشکر سے بھر گیا شکر لازم ہوا۔

ہنزہ کی خوشی ہمیشہ میری زندگی کا حاصل رہی۔ دل سے بے اختیار یہ دعا نکلی اے رب کائنات علی اور ہنزہ ہمیشہ خوش و خرم رہیں' ان کی زندگی سچی خوشیوں سے سجی رہے اور خوشیوں کے یہ رنگ گزرتے وقت کے ساتھ گہرے اور گہرے ہوں زندگی اپنی تمام تر خوب صورتی اور رعنائیوں ——— کے ساتھ ان پر ہمیشہ مہربان رہے۔ (آمین ثمہ آمین)

رات آٹھ بجے ہماری واپسی تھی۔ ہنزہ کا صبح کا چمکتا ہوا چہرہ اب بے حد اداس تھا۔ آنسو اب نکلے کہ تب نکلے۔ سب سے پہلے اینلا کی صاحبزادی ارین نے رونا شروع کیا۔ ہنزہ کو تو بہانہ چاہیے تھا۔ آہستہ آہستہ سب ہی آنکھیں پونچھتے نظر آئے ٹرین آ گئی تو رونے میں اور شدت آ گئی۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ ٹرین جلدی سے چل جائے تاکہ ہنزہ کا رونا بند ہو۔ ٹرین چلی تو ہنزہ کو پیار کر کے روتی آنکھوں کے ساتھ اسے اللہ حافظ کہا۔ سب اداس اور خاموش تھے۔ ملتان جانے والے سفر سے کراچی آنے والا سفر یکسر مختلف تھا' لیکن دل کو ایک گہری طمانیت کہ ہنزہ اپنوں میں ہے اس کے پاس "ماں سی" ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ وہاں "علی" بھی ہے جس نے اللہ اور اس کے رسول کو گواہ بنا کر اس کی ذمہ داری لی ہے اس دعا کے ساتھ شادی کے احوال کا اختتام کرتی ہوں۔

تجھ سے دعا ہے یہ میری اے رب ذوالجلال
علی اور ہنزہ رہیں ہمیشہ خوشیوں سے نہال
سب کی محبتوں سے رہیں ہمیشہ مالا مال
سعد ہو ہر ساعت' ہر دن ہر ماہ وسال
ان کی زندگی میں نہ آئے کبھی کوئی ملال
ان کی خوشیاں ہوں لازوال
(آمین ثمہ آمین)

☼ ☼

آسیہ مرزا
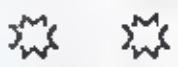
رات کی تاریکی آہستہ آہستہ بڑھتی ہوئی فضا میں کسی بھوت کی طرح مسلط محسوس ہو رہی تھی۔
یاور علی اپنے کمرے میں تنہا بیٹھے ادھیڑبن میں مبتلا تھے۔ وہ سوچ رہے تھے کہ انہیں آیا یہ بات اپنی بیٹی مومنہ کو بتا دینا چاہیے کہ... عباد گیلانی نے ان سے رابطہ کیا ہے۔ آج بائیس برسوں کے بعد اچانک ان سے ملنے کی خواہش ظاہر کی ہے بلکہ اصرار کیا ہے۔
وہ بستر علالت پر تھا۔ اسے بلڈ کینسر جیسا موذی مرض لاحق ہو گیا تھا۔
وہ اسی سے کیوں ملنا چاہ رہا تھا؟ اس نے مومنہ کا ذکر نہیں کیا تھا نہ اس کے بارے میں کوئی سوال اٹھایا۔ بس اس کے لہجے میں ایک ہی اصرار تھا ایک ہی تکرار تھی کہ۔
''وہ فقط ایک بار ان سے ملنے آجائیں' اسے مایوس نہ کریں' وہ ایک آس' امید لیے ان کا منتظر ہے۔''
وہ ہرگز نہ جاتے انہیں ''عباد گیلانی'' سے ملنے کی قطعاً ''خواہش نہ تھی' اس کے نام کے ساتھ ہی بہت کرب انگیز ماضی ان کی نظروں کے سامنے آجاتا تھا اس شخص نے ان کی بیس سالہ ہنستی مسکراتی بیٹی کی مسکراتی زندگی کی خوشیوں' مسرتوں کا قطرہ قطرہ نچوڑ لیا تھا' اس کی گود اجاڑ دی تھی۔ اسے بے رنگ دکھ کر کے رکھ دیا تھا۔
مگر باوجود اس کے وہ عباد گیلانی سے نفرت کرتے تھے' اس سے ضرور ملنے جانا چاہتے تھے۔ عادل ان کے بیٹے...؟ کا بھی یہی مشورہ تھا کہ انہیں جانا چاہیے۔ وہ ان سے کیوں ملنا چاہ رہا تھا...؟ ان کے دل میں بھی باپ کے دل کی طرح اس خوش فہمی کی لہر نے سر اٹھایا تھا کہ شاید وہ ''حازم'' کے حوالے سے کوئی ازالہ کرنا چاہتا ہو۔

''آپ مومنہ کو سمجھالیں۔ اور مومنہ کو اعتماد میں لے کرہی یہ قدم اٹھائیے زیادہ مناسب ہوگا۔'' یہ عادل بھائی کا خیال تھا۔

وہ مومنہ کا بڑا بھائی تھا مومنہ کے لیے کوئی معمولی خوشی کی لکیر بھی اسے دکھائی دیتی تو وہ اسے کھوجنے لگتا تھا۔

یہ چاند سی آنکھوں والی لڑکی اسے بے حد عزیز تھی وہ اس کی ہر تکلیف محسوس کرتے تھے۔

''یوں بھی یہ بات چھپ نہیں سکتی۔''

عادل نے کہا تو یاور علی کو بھی یہی بہتر لگا اور انہوں نے مومنہ سے کچھ چھپانا مناسب نہ سمجھتے ہوئے اس سے بات کرڈالی۔

اس کا ردعمل ان کی توقع کے عین مطابق تھا' مومنہ کے ذہن کے کسی بھی گوشے میں یہ سوچ نہیں آسکتی تھی کہ ''عباد گیلانی'' اس کے باپ یاور علی سے رابطہ کرے گا۔ ان سے ملنے کی خواہش کرے گا۔

''بائیس سال کے بعد پکار ابھی تو اس لیے کہ! منزمرگ پر تھا۔'' اس نے اپنے منتشر اعصاب کو سنبھالتے ہوئے باپ کی طرف قدرے شاکی نظروں سے دیکھا تھا جن کے چہرے سے صاف ظاہر تھا کہ وہ عباد سے ملنے کے خواہش مند ہیں۔ مگر بیٹی کی اجازت کے بغیر یہ قدم اٹھانے سے ہچکچا رہے تھے۔

''ابا جی اب کون سا تعلق رہ گیا ہے ان کے اور میرے درمیان۔ اب کون سے رشتے کا پل بچا ہے ہمارے بیچ۔ سب کچھ تو بہہ گیا ہے' کوئی رسمی تعلق کی ڈور بھی نہیں ہے۔''

ایک افسردہ سانس کھینچتے ہوئے اس نے یاور علی کو دیکھا۔

''یہ کیسے ممکن ہے۔''

ایک بے چارگی آمیز کرب اس کی بھوری آنکھوں کے کانچ پر بکھرا ہوا تھا۔

''سوائے بدہیئت اور تلخ یادوں کے ہمارے پاس کیا ہے اسے دینے کو۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ بائیس سال بعد اچانک اسے اس مدفون رشتے پر پڑی راکھ کو کریدنے کا خیال کیونکہ کر آگیا؟ نہ اس کی کوئی جائیداد ہمارے پاس ہے نا اس کی کسی بیماری کا علاج... پھر... پھر وہ...'' یاور علی نے اپنے ہاتھ کا تسلی آمیز دباؤ اس کے کندھے پر بڑھاتے ہوئے بولے۔

''ہو سکتا ہے وہ اپنے کیے پر نادم ہو' ماضی میں کی گئی زیادتیوں کا ازالہ کرنا چاہ رہا ہو۔''

''ازالہ... کیسا ازالہ...؟'' اس نے کچھ حیرت سے یاور علی کو دیکھا پھر جیسے یکدم ہنس پڑی۔ اس کی ہنسی میں گہری کاٹ تھی۔

''ازالہ... بائیس سال بعد یہ احساس ہو جانا... آہ! کتنا مضحکہ خیز سا لگتا ہے۔''

یاور علی کو لگا وہ ہنسی نہیں ہو بلکہ اس کا دل بہت شدت سے رویا ہو۔ بسا اوقات آنسو بہت روانی سے آپ کے دل پر گر رہے ہوں اور لبوں پر ایسی ٹوٹے کانچ جیسی ہنسی ہوتی ہے' یہ نئے سرے سے اسی اذیت سے گزرنے کا عمل ہوتا ہے۔

یاور علی خود بھی جیسے بیٹی کے ساتھ ساتھ اس اذیت سے گزرنے لگے۔

ان کا دل چاہا ان کے پاس کوئی ایسا مسیحا ہاتھ ہوتا جس سے وہ اس کے تڑپتے دل پر ہاتھ رکھ کر وہ سارا درد کھینچ لیتے۔

''ابا جی آپ اس سے ملنا چاہتے ہیں تو میں آپ کو نہیں روکوں گی۔'' چند لمحے کی خاموشی کے بعد وہ آہستگی سے گویا ہوئی اس کی آواز گو کہ دھیمی تھی مگر اس میں ایک کاٹ اور کھرچ تھی جو یاور علی محسوس کیے بغیر نہ رہ سکے۔ تاہم اس کھرچ کو نظرانداز کرتے ہوئے اس کے جھکے ہوئے سر پر اپنا لرزتا ہوا ہاتھ رکھتے ہوئے بولے۔

"تم مجھے غلط مت سمجھنا مومنہ۔ کہ میرے دل میں عباد کے لیے اب بھی کوئی نرم گوشہ ہے' میں اس سے ملنا چاہتا ہوں تو اس کی وجہ فقط "حازم" ہے۔ حازم میری موہوم سی امید ہے مومنہ ہو سکتا ہے وہ اس کے ذریعے کوئی ازالہ کرنا چاہتا ہو۔"

مومنہ کو اپنے اعصاب یکدم کھنچتے ہوئے محسوس ہوئے۔ پہلو سے جیسے کوئی تلاطم لہرا اٹھی مگر اندر ہی کہیں دم توڑ گئی جیسے سمندر کی بپھری ہوئی موج ساحل پر آکر دم توڑ دے۔

بس لحظہ بھر' اس کا دل بھی یاور علی کے دل کی طرح خوش فہمی کی مانوس سی اتھاہ میں ڈوب کر ابھرا تھا' مگر دوسرے پل اسے اپنی اس خوش فہمی پر ہنسی آگئی۔

"آہ... سچ ہے کہ صرف صحرا ہی انسان کو سراب میں مبتلا نہیں کرتا بلکہ کسی کا کوئی لفظ' بھی دل کو چھو کر دھوکا دے جاتا ہے۔"

"تم اسے میری خوش گمانی سمجھ لو... میں حازم کی چاہ میں اپنی انا کو کچلنے کو تیار ہوں۔"

یاور علی کی آواز میں ایک لرزتی امید تھرک رہی تھی۔ ان کی بوڑھی آنکھوں میں نواسے کو دیکھنے کی خواہش مچل رہی تھی' ان کی لرزتی انگلیاں اسٹک پر مضبوطی سے جمنے کی کوشش کرنے لگیں۔

مومنہ نے کہنا چاہا کہ...

اتنے برسوں بعد اب وہ بیٹا اس کا کب رہا تھا' اس کے ذہن کے تمام گوشوں سے اس کی ماں کے نقش تک کو بھی مٹا دیا گیا تھا' بلکہ ایک مسخ شدہ صورت کے ساتھ اس کو ماں کو یقیناً "پیش کیا گیا ہوگا۔ وہ بھلا کیونکر اسے ماں تسلیم کرے گا۔

"ایسی کوئی خوش فہمی کم از کم مجھے اب نہیں رہی ہے۔" وہ تلخی سے ہنس دی۔ "وہ ایک بڑے باپ کا بیٹا ہے ابا جی۔ اس کی رگوں میں آپ کا نہیں اس کے باپ کا خون دوڑ رہا ہوگا امیدی اور خوش گمانی کی چادر کو اتنی مضبوطی سے نہ اوڑھ لیں کہ جب یہ ہاتھ سے چھوٹ جائے تو آپ کے قدم بھی اکھڑ جائیں۔" وہ آزردگی سے بولی۔

"میں آپ کو جانے سے نہیں روکوں گی مگر ایسے قدموں سے جائیے گا کہ پلٹ کر آنے کا حوصلہ ہو' قدم جما کر اٹھا سکیں۔"

وہ یہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ اسے گھٹن کا احساس ہونے لگا۔

ذہن و دل میں ایک انتشار برپا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جس صبر کی چادر کو اوڑھے بائیس سال گزار دیے اس چادر کا ٹانکا ٹانکا آج ادھڑنے لگا ہو۔

وہ کھلے صحن میں نکل آئی۔ اسے اپنا آپ باد صرصر آئے تنکے کی طرح محسوس ہونے لگا تھا۔

☆ ☆ ☆

جب پیار کیا تو ڈرنا کیا
جب پیار کیا تو ڈرنا کیا
ہائے پیار کیا تو
پیار کیا کوئی چوری نہیں کی
چھپ چھپ کے آہیں بھرنا کیا
جب پیار کیا تو

اس کی ترنگ اور لہک میں مزید اضافہ ہوگیا۔ حوریہ کی خشمگیں نظروں پر بھی گویا مطلق اثر نہ تھا۔

آج کہیں گے دل کا فسانہ
جان بھی لے لے چاہے زمانہ
اس نے اپنی ہنسی اور ترنگ کو سمیٹتے ہوئے جلدی سے اس کا ہاتھ کھینچ لیا جو گھاس کے فرش سے اٹھنے لگی تھی۔
"مانا تمہاری آنکھیں مومنہ آنٹی کی طرح بھرپور ہیں مگر میں ان شعلوں سے ڈرنے والی نہیں ہوں۔ آہا.... جو پہلے ہی مثل پتنگا جل جل کر جان دے چکا ہو اب کیا آنچ اسے..." وہ اسی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے ہنسی۔
ہائے....! ہیں کتنے خوب صورت
اس آگ کے شرارے
کچھ لوگ روٹھ کر بھی
لگتے ہیں کتنے پیارے
"تمہاری ان حرکتوں پر مجھے دکھ اور افسوس ہو رہا ہے فضا۔" وہ بیٹھ تو گئی مگر اس کا ہاتھ جھٹک دیا اور جرنل اور بکھری کتابیں سمیٹنے لگی۔
"یار تجھے بتا کر میں نے کچھ غلطی نہیں کر ڈالی؟" فضا کے انداز میں اب بھی شرارت تھی وہ سر کھجا کر حوریہ کو دیکھنے لگی۔
"میرا بھی یہی خیال ہے کہ بہت بڑی غلطی کر ڈالی تم نے مجھے بتا کر؟ کم از کم مجھے اپنے بھروسے کے ٹوٹنے کا غم تو نہ ہوتا۔" حوریہ نے تائیدی انداز میں سر ہلایا۔
"اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے اس میں بھروسا ختم ہونے کی کیا بات ہے کیا محبت کرنا جرم ہے 'اب یہ تو ہو جاتی ہے بندہ جان کر تو نہیں نا اس آگ میں کودتا۔" فضا اس کے لہجے کی کاٹ پر برا مان گئی۔
"یہ محبت نہیں ہے 'وقت گزاری ہے 'فلرٹ ہے 'ہوس ہے 'محض تن آسودگی کا سامان ہے۔ یہ جرم ہی ہے گناہ بھی ہے گناہ عظیم۔"
"او ہو تم تو جذباتی ہو گئیں ادھر بیٹھو 'جا کہاں رہی ہو۔" فضا نے اسے اٹھتے دیکھ کر جلدی سے اس کا ہاتھ پکڑنا چاہا مگر وہ پیچھے ہٹ گئی۔
مزید بیٹھی رہی تو تمہارے اس تھرڈ کلاس افیئر کی بکواس سنتی رہوں۔"
"وہ ایسا ویسا نہیں ہے حوریہ۔ قسم سے تم اس سے ایک بار مل کے دیکھو میری چوائس کو سراہے بغیر نہیں رہو گی۔ میں سچ کہہ رہی ہوں۔ وہ کوئی کنگلا 'آوارہ قسم کا لڑکا نہیں ہے۔ بہت ویل آف فیملی کا ہے 'ایک دم چارمنگ 'ڈیشنگ۔" فضا کی ان باتوں پر اسے ہنسی آگئی۔ وہ دونوں کالج انٹرنس کی طرف ٹہلتے ہوئے چلنے لگیں۔
"اس میں ہنسنے کی کون سی بات ہے؟" فضا نے چڑ کر اسے دیکھا۔
"ہاں اس میں ہنسنے کی کون سی بات تھی واقعی ہنسنے والی بات تو کوئی نہیں ہے۔" اس کے لبوں پر پھیلی مسکراہٹ استہزائیہ آمیز ہو گئی۔
"بلکہ دکھ اور افسوس کا مقام ہے۔" وہ سر ہلانے لگی پھر ایک متاسفانہ سانس کھینچتے ہوئے بولی۔
"حقیقتاً" اس پر ہنسنے سے زیادہ رونا چاہیے تھا تمہاری اس سوچ پر۔ کیا ڈیشنگ 'ویل آف لڑکوں کے ساتھ سڑکوں سڑکوں گھومنے پر کوئی ممانعت نہیں ہوتی 'یہ گناہ نہیں ہوتا 'گاڈ سیک فضا 'یہ تم کن راستوں پر چل رہی ہو 'تمہاری سوچ کو کیا ہو گیا ہے۔ اگر یہ فلرٹ ہے تو بند کرو اور اگر وہ سیریس ہے تو اسے کہو وہ برابر راستے سے تمہاری

زندگی میں آجائے۔ یہ اس طرح تمہیں متاثر کرنے کے لیے روز نئی ماڈلز کی گاڑیاں لے کر نہ آئے' نہ تمہیں گرل فرینڈ کی طرح سڑکوں' ہوٹلوں اور پارکوں میں لیے لیے نہ پھرے۔ یہ بازار اور پارک محبت بڑھانے اور تعلقات بڑھانے کی جگہیں نہیں ہیں یہ وقت گزارنے کے لیے ہوتے ہیں' سیدھے اور صاف راستے سے آئے۔ شادی کر لے تم سے پھر جتنی چاہے شاپنگ کرائے' جتنا دل چاہے نئی نئی گاڑیوں میں گھماتا پھرے تمہیں۔"

وہ حد درجہ بگڑ گئی۔ پتا نہیں کیوں اسے ہمیشہ سے ایسی باتوں سے خوف آتا تھا۔ اس کی نظر میں محبت ایک سچا پاکیزہ جذبہ ہے یہ یوں راہ چلتوں سے نہیں ملتی۔

ہاں محبت کے نام پر خوش نما فریب ملتے اس نے ضرور دیکھے تھے۔

بے شک چاہے اور چاہے جانے کے احساس سے کوئی عورت نہیں نکل سکتی۔ چاہنے سے زیادہ چاہے جانے کا احساس اس کے لیے زیادہ دلفریب اور فخر انگیز ہوتا ہے مگر اس کے لیے جائز راستے بھی ہیں' ناجائز راستوں پر چلتے ہوئے پانے کی منزل کبھی نہیں آسکتی' ہاں سفر کی یہ بدمستی اسے بدمست ضرور کیے رکھتی ہے اور اس بدمستی میں کھو کر وہ جو کچھ کھو دیتی ہے اس کا احساس ہمیشہ لاحاصل' خالی ہاتھ رہ جانے کے بعد دکھائی دیتا ہے مگر اس وقت سوائے پچھتاوے کے کچھ نہیں رہتا۔

وہ فضا تنویر کی اس کم عقلی اور ناعاقبت اندیشی سے حقیقتاً" خوفزدہ ہوگئی تھی جو چاہے جانے کے عوض سب کچھ داؤ پر لگا دینے کو تیار بیٹھی تھی۔ اس کے بدن پر پہنا جدید تراش کا سوٹ' اسی امیرزادے کا دیا ہوا تھا جسے وہ فخر سے اپنے بدن پر ڈال کر خود کو ہواؤں میں اڑتا محسوس کررہی تھی۔

وہ شاطر شکاری یہ چھوٹی چھوٹی مادی خواہشات اگر پوری نہ کرتا تو فضا تنویر جیسی ان چھوئی بھرپور لڑکی اسے کس طرح تسکین پہنچا سکتی تھی۔

یہی نہیں فضا نے اسے وہ سارے گفٹس دکھائے تھے جو وہ اسے دیتا رہا تھا اور وہ خوشی خوشی استعمال کرتی مگر چاہنے کے باوجود وہ اس سے یہ نہ کہہ سکی کہ احمق لڑکی بدلے میں وہ تم سے کیا لے رہا ہے اس کا احساس ہے۔

"ارے کہاں چلیں۔ حوریہ پلیز۔" فضا اسے روکتی رہ گئی۔ وہ رکشا میں بیٹھ گئی۔

روتھ مین اور لائٹر اٹھا کر حازم اس بڑی سی لابی کے سلائیڈ ونڈو کی طرف آگیا۔ کشادہ آراستہ اس لان کی طرف کھلنے والی ان کھڑکیوں کے پاس اس کے پاپا کی بے حد خوب صورت کرسی رکھی رہتی تھی جس پر اکثر وہ بیٹھ کر سگریٹ پیتا تھا۔

اس نے ہلکے سے پش کر کے سلائیڈ ڈور کھول دیے۔

گیلانی ہاؤس کا باغیچہ ہمیشہ کی طرح اپنی تمام تر تازگی اور بھرپور طراوت کے ساتھ آباد تھا۔

اس نے ایک گہری سانس کھینچی جیسے اس خوشگوار ہوا کی ساری تازگی پھیپھڑوں میں بھر رہا ہو۔ پھر سگریٹ سلگا کر کرسی پر بیٹھ گیا۔

گو کہ بیرونی موسم اسے کبھی فیسی نیٹ (متاثر) نہیں کرتے تھے اسے بدلتے موسموں سے خاص دلچسپی نہیں تھی' ہر موسم اسے عموماً" معمولی ردوبدل کے ایک ہی لگا کرتا تھا۔ بقول بابر کے۔ وہ اجتماعی اور غیرذاتی معاملوں کے تعلق میں ایک پر امید شخص رہا ہے مگر اپنی ذاتی معاملوں میں ایک قنوطی یا یاسیت زدہ آدمی ہے۔

بابر... اس کا چھوٹا بھائی اس سے عمر میں پانچ سال چھوٹا ہونے کے باوجود کھلے ڈلے اس کی ذات پر تبصرے اور تجزیے کر ڈالتا تھا۔ جبکہ اس کا خیال تھا۔

ہر شخص اپنے مزاج کے مطابق زندگی گزارتا ہے وہ اس کے تجزیے کو غلط کہتا تھا مگر کبھی تنہائی میں بیٹھ کر اپنی ذات کے اندر اترتا تو اسے اس کا یہ تجزیہ کچھ درست ہی معلوم ہوتا۔

بڑے غیر محسوس طریقے سے اپنے خول میں سمٹتا جا رہا تھا۔ وہ واقعی یاسیت زدہ اور قنوطی ہوتا جا رہا تھا' وہ سوچتا کہ شاید ابتدائی عمر میں تشنگی۔ اور محرومی کا جو بیج بویا جاتا ہے وہ بڑھنے کے ساتھ تناور درخت بن جاتا ہے۔

کوئی وقت ہو
کوئی محفل
اس کی کسک چبھتی رہتی ہے

گو کہ اس کا خیال تھا کہ وہ اپنے باپ' اسٹیپ مدر اور بھائی بابر کے ہمراہ۔ اپنے حال میں بہت مطمئن اور خوش ہے' رنجیدہ ہونے یا دل گرفتہ ہونے کے لیے اس کے پاس کبھی وقت ہی نہیں تھا۔ وہ بھرپور طریقے سے زندہ رہا ہے۔

مگر ایسا کچھ نہیں تھا وہ غیر شعوری طور پر خوش ہوتا نہیں تھا۔ اگر آنسو اسے خائف کرتے تھے تو اونچے قہقہے بھی وہ نہیں لگایا تا تھا۔

پتا نہیں وہ ذاتی طور پر ایک سنجیدہ اور بردبار سا تھا یا پھر اندر سے کسی کمی نے اسے توڑ دیا تھا۔

"ہیلو پارٹنر! کہتے ہیں خود فراموشی کتنی ہی چارمنگ ہو مگر دائمی نہیں ہونی چاہیے۔ کیا خیال ہے۔"

اس کی مضمحل سوچوں کے تسلسل کو بابر کی آواز نے ایک چھناکے سے توڑا تھا۔

اس نے سگریٹ کی ٹوپ پر بننے والے راکھ کے پہاڑ کو انگلی کی جنبش سے کھڑکی سے باہر ہی جھٹک دیا اور مسکراتے ہوئے کرسی سمیت بابر کی طرف رخ کیا۔

"موسم سے فیسی نیٹ ہو رہے تھے یا کسی اور جہاں میں پہنچے ہوئے تھے۔ میں نے ناحق مداخلت تو نہیں کر دی۔"

اس نے حازم کی کرسی سے لگ کر کھڑکی سے باہر سرسری نظریں دوڑائیں۔

"موسم واقعی اچھا ہو رہا ہے۔" پھر حازم کی طرف نظریں طائرانہ دوڑاتے ہوئے بولا۔

"کہیں جانے کی تیاری دکھائی دے رہی ہے؟"

"ہوں۔" حازم نے جھک کر سگریٹ ایش ٹرے میں بجھادی۔
"پاپا کی طرف نکلنا تھا۔ ڈاکٹر زمان سے میٹنگ ہے پاپا کی پروگریس رپورٹس پر ڈسکس کرنا تھا" اس نے تپائی سے روتھ مین کا پیکٹ اور لائٹر اٹھاتے ہوئے جواب دیا۔ پھر اٹھتے ہوئے بولا۔
"تم ہاسپٹل گئے تھے؟"
"نہیں کہاں میں جا ہی نہیں سکا۔" بابر غیر محسوس طور پر پزل سا ہو گیا۔
"بس ایک ضروری کام نمٹانا تھا' آفس بھی نہیں جا پایا۔ آج ضرور چکر لگاؤں گا۔"
اس کی وضاحت بڑی کھوکھلی سی تھی۔ حازم کے لیے یہ کوئی انہونی نہیں تھی۔
ان ماں بیٹے سے سوتیلے ہونے کے باوجود اسے پیار تھا مگر بس یہی شکوہ تھا کہ وہ دونوں باپ سے اتنی محبت نہیں کرتے تھے جتنی ایک بیٹے اور ایک بیوی کو ہونی چاہیے۔
عاظمہ (اسٹیپ مادر) کو اپنی شاپنگز' اپنی پارٹیز اور پارٹیز فرینڈز سے ہی فرصت نہ ملتی تھی۔
اور بابر کی پڑھائی کے علاوہ کیا سرگرمیاں تھیں اسے خبر نہ تھی نہ خبر رکھنے کا شوق' وہ جس سوسائٹی کا پروردہ تھا وہاں ایسی باتوں کی گنجائش نہیں ہوتی۔ تاہم جب سے اس کا باپ عباد گیلانی بلڈ کینسر جیسے موذی مرض میں مبتلا ہوا تھا وہ حد درجہ حساس اور شاکی ہو گیا تھا۔
اسے تو خود باپ کی اس بیماری کے بعد یکدم یہ احساس ہوا کہ اس کا باپ اس کے لیے کتنا امپورٹنٹ ہے۔
اس کا ذہن اس وقت بھی اس کے باپ کی بیماری اور اس سے متعلقہ رپورٹس کے بارے میں فکر مند تھا۔
ڈاکٹر زمان کے ساتھ میٹنگ کے علاوہ اس کے باپ نے اسے خصوصی طور پر کسی سے ملنے کے لیے بلوایا تھا۔
وہ نہیں جانتا تھا وہ اسے اپنے کس خاص مہمان سے ملوانا چاہ رہے تھے تاہم اس نے آنے کا وعدہ کیا تھا۔
"اوکے.... میں بھی فریش ہو کر پاپا کی طرف جاتا ہوں۔" بابر کہہ رہا تھا مگر وہ یکدم بجنے والے سیل فون کی طرح متوجہ تھا اور بابر کی بات سنی ان سنی کرتا ہوا داخلی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔
"حازم.... ہاسپٹل جا رہے ہو کیا؟" خوب صورت ماربل کے کشادہ زینے سے اترتے ہوئے عاظمہ نے اسے پکارا۔
شانوں تک کٹے ہوئے بالوں کے رول کھولتے ہوئے وہ نیچے لابی میں آ رہی تھیں۔ رات کی نائٹ میکسی میں زیب تن تھیں گویا کچھ لمحے پہلے ہی نیند سے بے دار ہوئی تھیں۔ حازم نے ایک گہری سانس کھینچتے ہوئے اپنا سیل فون آف کیا اور اپنی اسٹیپ مادر عاظمہ کی طرف پلٹا۔
"جی۔"
"عباد اپنا موبائل ریسیو کیوں نہیں کر رہا ہے پاور بھی آف نہیں ہے اور موبائل تو اس کے سرہانے ہی رکھا ہوتا ہے نا۔" حازم نے سر ہلا دیا۔
"اوکے میں ابھی جا کر آپ کی بات کراتا ہوں۔" اسے قطعی حیرت نہیں ہوئی کہ پاپا ان کا فون ریسیو کیوں نہیں کر رہے تھے۔ جبکہ چند لمحے پہلے اس کی پاپا سے ان کے موبائل پر بات ہوئی تھی۔
اسے بس دکھ ہوتا تھا کہ اس اسٹیپ مادر کے رویوں پر جو ایسے وقت اپنے شوہر کے پاس موجود ہونے کے نیند کے مزے لوٹتی رہی تھیں پارٹیز گیٹ ٹوگیدر اور شاپنگز میں بزی رہی تھیں۔
"اوکے.... ضرور بات کراؤ' ایک تو اس آدمی کی بھی ناں سمجھ نہیں آتی' بس پریشان کر کے رکھنا اس کی عادت ہے۔"
"بندہ فون پر خیریت بھی نہیں پوچھ سکتا۔" وہ بڑبڑاتیں لابی سے ملحقہ کچن کی طرف چل دیں۔

"اور یہ تم کہاں آوارہ گردی کرتے رہتے ہو' دو دو دن تک شکل نظر نہیں آتی مجھے تمہاری۔ ہوتے کہاں ہو تم؟"
وہ بابر کو لائی کے گداز صوفے میں دھنسا دیکھ کر ملازمہ کو چائے کا کہہ کر اسی طرف آگئیں۔ اس نے ریموٹ سے ایل سی ڈی کے چینل کو ادھر ادھر کرتے ہوئے غیر دلچسپی سے ماں کی بات سنی ان سنی کر دی۔
"میں تم سے کہہ رہی ہوں بابر۔ باپ تو کیا ہاسپٹلا ئز ہوئے ہیں تمہیں کھلی چھٹی مل گئی خدا جانے کہاں کہاں پھرتے رہتے ہو' اسٹڈی کرتا تو تمہیں دیکھتی نہیں ہوں۔ نہ آفس جاتے نظر آتے ہو۔" وہ اس کے ساتھ جڑ کر بیٹھ گئیں۔
"آپ خود کہاں گھر میں ہوتی ہیں کہ میں نظر آؤں گا آپ کو۔" وہ طنز سے ہنسا۔
"یہ بتاؤ کل سبینہ کے یہاں کیوں نہیں آئے' لائبہ تمہیں بڑا مس کر رہی تھی۔" وہ اس کے طنز کو نظر انداز کر گئیں۔
"مسئلہ یہ ہے کہ میں اسے بالکل مس نہیں کر رہا تھا۔ سو نہیں آیا۔" جواب دے کر وہ تپائی پر رکھا چپس کا پیکٹ اٹھا کر کھانے لگا۔
عاظمہ نے اسے تیز نظروں سے گھورا۔
"وہ کسی گرے پڑے خاندان کی نہیں ہے میرے اکلوتے بھائی کی اکلوتی بیٹی ہے' تنہا جائیداد کی وارث' تم جیسوں کو وہ بھی جیب میں رکھتی ہے۔"
عاظمہ نے چڑ کر اسے بری طرح جھڑکا۔ اے بابر کا یہ لب ولہجہ بے حد کھلا تھا۔
"سوچ لیں مما' آپ اپنے سگے بیٹے کے لیے ایسا جملہ استعمال کر رہی ہیں۔"
"ہاں' ناں تو۔ غرور ہے تم میں بھی بڑا تو وہ بھی میرا خون ہے۔ تم اپنے باپ کے خاندان پر فخر کرتے ہو۔"
"اور آپ اپنے باپ کے۔" بابر ان کا جملہ اچک کر بولا اور ہنسنے لگا۔
"اچھا ہٹو پیچھے صبح صبح موڈ خراب مت کرو میرا۔" انہوں نے اس کے ہاتھ سے چپس کا پیکٹ چھین کر ٹیبل پر پھینکا۔
"صبح نہیں شام ہے مما۔ آپ صبح شام کا فرق کرنا بھول گئی ہیں۔"
افوہ۔ تم سے تو بات کرنا مشکل ہو جاتی ہے' آکر گلے میں پھندے کی طرح پڑ جاتے ہو۔
"نصیبہ۔" وہ بابر کی منچلی عادت سے چڑ کر ملازمہ کو آواز دینے لگیں۔
"سن نہیں رہی ہو کب سے پکار رہی ہوں۔ چائے دو مجھے۔" وہ گویا سارا چڑچڑا پن ملازمہ پر نکالنے لگیں۔
ملازمہ حکم سن کر سر جھکا کر بھاگ لی۔
"تم دیکھنا میں لائبہ کی شادی حازم سے کراؤں گی۔ حازم میں بہت کوالٹیز ہیں وہ اپنے باپ کی طرح دل پھینک اور رنگیلا نہیں ہے۔"
"واؤ۔" بابر یکدم نرم گداز صوفے سے یوں اچھلا جیسے اسپرنگ لگے ہوں' لمبا چوڑا مضبوط قد کاٹھ کا یہ لڑکا۔ جس طرح اچھلا عاظمہ اسی صوفے پر بیٹھنے کی وجہ سے خود بھی ہل گئیں۔
"ویری سرپرائز۔"
"او مائی گاڈ!" اس نے چپس کے اٹھائے ہوئے پیکٹ پر زور سے ہاتھ مارا۔ پھر ہنسنے لگا۔
"یہ حازم میں آپ کو اتنی کوالٹیز کہاں سے دکھائی دینے لگیں مما۔" وہ چڑا رہا تھا۔
"خوبیاں تو اس میں بہت ہیں بس احساس اب ہونے لگا ہے۔" عاظمہ نے ایک گہری سانس کھینچی' اس کی نظریں داخلی دروازے کی طرف اٹھیں جہاں سے کچھ دیر پہلے حازم کو نکلتے دیکھا تھا۔

وہ عباد گیلانی کی طرح — خوب صورت اور مردانہ وجاہت رکھتا تھا مگر اپنے باپ کی طرح تند خو' بد مزاج اور جذباتی نہیں تھا بلکہ متحمل اور بردبار تھا اس کے پاس آکر ٹھنڈی چھاؤں کا احساس ضرور ملتا تھا۔
"خدا خیر کرے۔ آج آپ کو حازم فوبیا ہو گیا ہے۔" بابر نے یہاں سے اٹھنے کی ہی عافیت جانی۔
"ارے تم کہاں چلے۔" عاظمہ جیسے کسی احساس سے نکل کر اسے بھاگتے دیکھ کر چلائیں۔
"سی یو اگین مما۔" وہ ہاتھ ہلا تا لابی سے نکل گیا۔

☼ ☼ ☼

کبھی جو چھیڑ گئی یاد رفتگاں محسن
بکھر گئی ہیں نگاہیں کہاں کہاں محسن
ہوا نے راکھ اڑائی تو دل کو یاد آیا
کہ جل بجھیں مرے خوابوں کی بستیاں محسن
کھنڈر ہے عہد گزشتہ ' نہ چھو نہ چھیڑ اسے
کھلیں تو بند نہ ہوں اس کی کھڑکیاں محسن

سچ ہی ہے موت اتنی تکلیف دہ نہیں ہوتی ہو گی جتنا شکستگی کا عذاب۔
یہ پل پل کی موت ہے' جڑنے اور بکھرنے کے عمل سے دوچار کرنے والا اذیت ناک سفر۔ محض تن کی آسودگی کے لیے جڑنے والے رشتے اتنے ہی ناپائیدار اور بودے ہوتے ہیں جیسا عباد گیلانی نے اس سے جوڑا تھا۔ مومنہ نے بیڈ کراؤن سے سر ٹکا لیا۔

بجھا ہے کون ستارہ ' کہ اپنی آنکھ کے ساتھ
ہوئے ہیں سارے مناظر دھواں دھواں محسن
نہیں کہ اس نے گنوائے ہیں ماہ و سال اپنے
تمام عمر کٹی یوں بھی رائیگاں محسن

یاور علی' عباد گیلانی سے ملنے چلے گئے تھے۔ تب سے وہ جیسے ایک نئی اذیت سے گزر رہی تھی۔
تقدیر کبھی ہماری خواہش پر نہیں چلتی' وہ انسان کے بنائے ہوئے راستوں پر نہیں چلتی' اس کے اپنے راستے ہیں جو اٹل ہیں اور وہ سب کو اس پر چلاتی ہے اس کے باوجود انسان کتنا کم فہم اور نادان ہے خواہشات کے محل تعمیر کیے جاتا ہے امیدوں کی خوش نما چادر بنتا جاتا ہے اور جب یہ چادر ادھڑتی ہے' یہ ایوان پیروں میں ریت طرح ڈھیر ہو جاتے ہیں تو وہ بکھر جاتا ہے تقدیر سے شکوہ کرنے لگتا ہے' قدرت سے روٹھ جاتا ہے۔ وہ آزردگی سے سوچنے لگی۔
"لیجیے آپ یہاں بیٹھی ہیں اور اس گھر کا کونا کونا چھان مارا۔" یاور علی کے کمرے کا دروازہ کھول کر حوریہ اندر آ گئی۔
"پھوپھو آپ بھی ناں بس۔" وہ آتے ہی ان کے گلے میں بازو حمائل کر گئی۔
"کالج سے آ کر دن بھر کی روداد آپ کو نہ سناؤں تو پتا ہے نا آپ کو' مجھ سے کھانا ہضم نہیں ہوتا اور آپ کا یہ پیارا موہنا چہرہ نہ دیکھوں تو بے چین سی رہتی ہوں۔"
"اب زیادہ مکھن نہ لگاؤ' بیٹھو۔" مومنہ نے اس کا نرم گداز ہاتھ کھینچ کر اپنے سامنے بیڈ پر بٹھا دیا۔ حوریہ کی نظریں ان کے چہرے پر پڑیں تو اسے کچھ غیر معمولی پن کا احساس ہوا' ان کی بھوری آنکھوں کے کانچ پر ایسا لگتا تھا

سورج ڈوبنے کا لمحہ اتر آیا ہو۔

"کیا بات ہے پھوپھو۔ آپ رو رہی تھیں کیا؟" اس کی نظریں مومنہ کے چہرے کو کھوجنے لگیں ان کی شہابی رنگت میں عجیب دھندلاہٹ سی تھی ناک کے زریں کنارے تیز سرخ ہو رہے تھے۔

"اگر آنسو ہر مسئلے کا حل ہوتے تو میں بہت پہلے ہی بہت سا رو چکی ہوتی۔" وہ اس کا ہاتھ تھپکتے ہوئے آزردگی سے بولیں پھر ہنس پڑیں مگر اس ہنسی میں بھی افسردگی کی جھلک بہت واضح تھی۔ حوریہ نے ان کا ہاتھ جکڑ لیا۔

"ایک آنسو پر ہی تو اختیار ہوتا ہے عورت کا موی پھوپھو۔ آنسو بھی نہ بہائے جائیں تو دل اندر سے سڑ گل جائے، مر ہی جائے۔

دادو کو عمر بھر یہی قلق رہ گیا کہ آپ روتی نہیں ہیں۔ میں تو کہتی ہوں پھوپھو رو لیجیے ایک بار کھل کر رو لیجیے اندر کا سارا غبار نکل جانے دیجیے، ساری تپش نکال دیں۔"

مومنہ اس کے اس رویے کی بے ساختگی اور شدت پر، دم بھر حیران رہ گئی۔ دوسرے پل اس کیفیت سے نکل کر ماحول کو نارمل کرنے کی غرض سے ہنس پڑیں۔

"ارے تمہیں تو بہت بڑی بڑی باتیں کرنی آتی ہیں، اس کا مطلب ہے تم اب بڑی ہو گئی ہو۔" انہوں نے پیار سے اس کے بال سہلائے۔

حوریہ ان کے ٹالنے والے انداز پر چپ سی رہ گئی اور ان کے لبوں پر پھیلنے والی مسکراہٹ کو دیکھتی رہ گئی۔ وہ ہمیشہ ایسا ہی کرتی تھیں اپنے زخموں کو اندر اتار لیا کرتی تھیں۔

"یہ بتاؤ کھانا وانا کھا لیا۔" وہ بیڈ سے نیچے اترتے ہوئے سلیپر پہنتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

"اوں ہوں، کہاں آپ کے بغیر کھاتی ہوں۔" وہ بھی ان کے ہمراہ کچن میں چلی آئی۔

"آج میں بہت ڈسٹرب ہوں پھوپھو۔" وہ باورچی خانے کی سلیپ سے کمر ٹکا کر کھڑی ہو گئی۔

"خیریت، خدا نخواستہ کیا ہو گیا۔" برنر کھولتے ہوئے مومنہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ تب اس نے ان کے ساتھ کھانے کی تیاری کرتے ہوئے فضا تنویر کے افیئر کے بارے میں انہیں سب کچھ بتا دیا۔

"پھوپھو وہ اس لڑکے کو بالکل نہیں جانتی۔ فقط اتنا کہ وہ اس کا محبوب ہے اسے راہ چلتے ہوئی ایک بار لفٹ دے دی تھی اس کے بعد ملاقاتیں شروع ہو گئیں وہ اس کے لیے عمدہ عمدہ گفٹس لا کر دیتا ہے، اس کی تعریفوں میں قصیدے پڑھتا ہے، نت نئے ماڈلز کی گاڑیوں میں آتا ہے، مہنگے پرفیوم میں بسا وہ یقیناً "ایک خوب صورت ویل آف فیملی کا بھی ہے، پڑھا لکھا ہے۔

"مگر پھوپھو وہ کیا ہے؟ اس کا خاندان۔ اس کا کردار، اس کا ماضی، حال، مستقبل وہ کچھ نہیں جانتی وہ مکمل ٹریپ ہو چکی ہے۔

پھوپھو میں تو سوچ سوچ کر پریشان ہوں کہ وہ خود جس ماحول میں رہ رہی ہے، اس کی اسٹیپ مدر اس سے نفرت کرتی ہے، وہ اس کی معمولی لغزش پر اسے دو منٹ میں گھر سے نکال دے گی اور اس کا باپ جو پہلے ہی اتنا سخت مزاج اور بیوی کی باتوں میں آ کر فضا سے نالاں رہتا ہے، اگر اس کے علم میں یہ سب کچھ آ گیا تو... تو سوچیں فضا کے ساتھ کیا ہو گا مگر وہ تو کچھ سوچنے کو سننے کو تیار ہی نہیں ہے، بس آنکھوں پر اس لوفر کی محبت کی پٹی بندھ گئی ہے۔

وہ اندھی ہو گئی ہے پھوپھو کھلے عام اس کے دیئے ہوئے مہنگے سوٹ پہن کر گھومتی ہے، خدا جانے گھر والوں کو کیا جھوٹ بول کر بہلاتی ہے۔" مومنہ اس کے آگے سلاد کی پلیٹ رکھتے ہوئے اس کے کندھے کو تھپکنے لگیں۔

"تمہارے اس طرح سوچنے اور پریشان ہونے کا کوئی فائدہ نہیں اس پر کوئی اثر نہیں ہو گا۔ خواہشوں کے تلاطم میں سرشار، اس بات سے بے خبر ہوتا ہے کہ وہ منزل کی جانب بڑھ رہا ہے یا سراب کی طرف۔

سودوزیاں کا حساب تو بہت بعد میں لگایا جاتا ہے جب یہ طوفان تھمتا ہے اور سب کچھ کھودینے کا احساس آگ بن کر روح کو جھلسانے لگتا ہے۔" وہ پرملال سی سانس بھر کر پانی بھرنے لگیں۔

"یہی تو مسئلہ ہے پھوپھو وہ اپنے سودوزیاں سے بے نیاز ہے۔ اس لفنگے نے جانے اسے کیا گھول کر پلا دیا ہے۔" حوریہ حقیقتاً "فضا کے لیے بے حد دکھی اور پریشان دکھائی دے رہی تھی۔

"عورت ذات پتنگ کی طرح ہوتی ہے' کردار کی ڈور اسے سہارا دیتی ہے اور وہ بلندیوں تک پرواز کرتی ہے' یہی ڈور اسے اوپر اٹھاتی ہے' مگر جوں ہی ڈور ٹوٹ جائے' وہ پستی میں اتر جاتی ہے۔ پھر کوئی ٹھکانا نہیں رہتا۔"

"مگر یہ باتیں وہ کیوں نہیں سمجھتی پھوپھو۔" وہ افسردگی سے بولی۔

"اسے کوئی سمجھانے والا نہیں ہے کوئی بڑی بہن ہے نہ ماں اور بقول تمہارے اس کی سوتیلی ماں تو اس سے نفرت کرتی ہے پھر وہ کیسے ان باتوں کو سمجھے گی اور ایسی ہی لڑکیاں ان ہوس زدہ مردوں کا تر نوالہ بنتی ہیں مگر خدا نہ کرے کہ اس کے ساتھ کچھ ہو۔ تم فضا کو گھر لے آنا' میں اسے سمجھانے کی کوشش کروں گی۔ اچھا اب تم کھانا تو شروع کرو۔"

مومنہ خود بھی کرسی کھینچ کر اس کے سامنے بیٹھ گئیں۔ سفید شیفون کے ہلکی کڑھائی والے دوپٹے میں ان کا سرخ وسپید چہرہ دمک رہا تھا۔

حوریہ نے ہمیشہ اپنی اس پھوپھو کو بہت سادہ سا دیکھا تھا مگر اس سادگی میں بھی وہ بہت خاص لگا کرتی تھیں۔

"ہوں.....یوں بھی وہ آپ سے بہت امپریس ہے پھوپھو۔" وہ نوالہ منہ میں ڈالتے ہوئے بولی۔

"تم ہی میری باتیں کرتی رہتی ہو' اس سے' وہ کون سا مجھ سے روز ملتی ہے۔" وہ ہنس دیں۔

"اب ایسی بھی کوئی بات نہیں۔" وہ جلدی سے بولی پھر نوالہ حلق سے اتار کر کچھ یاد آنے پر بولی۔

"دادا جان دکھائی نہیں دے رہے؟"

مومنہ کا ہاتھ روٹی کے ٹکڑے پر لحظہ بھر لرزا۔ مگر دوسرے پل وہ نارمل نظر آئیں۔

"ہوں۔ کسی دوست کی عیادت کے لیے ہاسپٹل گئے ہیں بس اب تم جلدی جلدی کھانا کھاؤ اور نفیسہ (ملازمہ) سے کہو تمہیں اچھی سی چائے بنادے۔" وہ کرسی دھکیل کر کھڑی ہوگئیں۔

"آپ کھانا تو کھالیں۔"

"میں کھا چکی تھی کچھ دیر پہلے ہی۔ تم کھا کر چائے لے کر میرے کمرے میں آجاؤ پھر جی بھر کر باتیں کرتے ہیں۔" وہ پیار سے اس کے بال سہلا کر کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

☆ ☆ ☆

عباد گیلانی کی ساری رپورٹس فائل کی صورت میں میز پر دھری تھیں اور تازہ رپورٹس سرجن زمان کے ہاتھ میں تھیں جو قطعاً" تسلی بخش نہیں تھیں جسے انہوں نے حازم کی طرف بڑھادیں۔ رپورٹس پر نظر ڈال کر حازم کا دل سخت کبیدہ ہونے لگا۔

"اب کیا کیا جائے۔" اس نے فائل بند کی اور استفہامیہ نظروں سے ڈاکٹر زمان کو دیکھا۔

عباد کی ٹیسٹ انوسٹی گیشن (تازہ تحقیق) کے مطابق تو کنڈیشن ہوپ فل (حالت امید افزا) نہیں ہے' کیونکہ کینسر بہت زیادہ اسپریڈ آؤٹ ہوگیا' (پھیل گیا) ہے۔ دراصل کینسر کے جو سیل (خلیے) ہوتے ہیں' ان کی ار ریگولر گروتھ (بے قاعدہ نشوونما) بہت تیز ہوتی ہے۔ یہ بہت تیزی سے اطراف کے ہیلدی (تندرست) سیل کو ڈیمیج (تباہ) کرتے ہیں' جس کی وجہ سے جسم کے مختلف حصوں کا نارمل فنکشن بہت زیادہ متاثر ہوتا ہے۔ بٹ ناؤ

اٹس ریئلی ہارٹ ٹاسک (لیکن اب یہ حقیقتاً" دل کا کام ہے۔) اینی ویز (کچھ بھی ہو)۔؟"
ڈاکٹر زمان اسے کنڈیشن بتانے کے بعد فضا میں پھیلی افسردگی کو کاٹنے کی غرض سے ہلکی سانس کھینچتے ہوئے بولے۔
"ہمارا کام زندگی دینا نہیں ہے زندگی اور موت تو خدا کے ہاتھ میں ہے' وہی بچانے والا ہے' ہماری فقط کوشش ہے اسے کامیاب بنانے والا وہی ہے۔" ان کا لہجہ تھپکتا ہوا تھا۔ گویا حازم کے دل گرفتہ دل پر تسلی کے پھاہے رکھنے کی ممکنہ کوشش کررہا ہو۔
مگر حقیقتاً" یہ تھپکیاں اس کے دل کو بجائے تھپکنے کے اور آزردہ کررہی تھیں' عموماً" ایسے الفاظ انسان کے منہ سے اسی وقت ادا ہونے لگتے ہیں جب وہ ساری بازیاں ہارتا جارہا ہو' امیدیں بکھرتی دکھائی دے رہی ہوں۔
مزاحمت اور نبرد آزمائی کی طاقت دم توڑ رہی ہو' وہ بجھتا ہوا شعلہ ہوتا ہے جو بجھنے سے پہلے پورے زور سے بھڑکنے لگتا ہے۔
وہ ڈاکٹر زمان کے کمرے سے نکلا تو ایک پژمردگی پورے وجود کو جکڑے ہوئے تھی۔ وہ راہداری کی ریلنگ سے لگ کر سگریٹ سلگانے لگا پھر دھیرے دھیرے کش لیتے ہوئے ہاسپٹل کے پارکنگ ایریا کی رونق کو گھورنے لگا۔

☆ ☆ ☆

دراصل انتقام لینے کی طرف انسان کا میلان زیادہ پرجوش رہتا ہے۔ یہ فطری جذبہ ہوتا ہے وہ اپنی طاقت کے مطابق اپنے اوپر ظلم کرنے والے سے انتقام لینا چاہتا ہے' لے نہیں سکتا تو سوچتا ضرور ہے اور یہ جذبہ زہریلے مادے کی طرح خون میں رینگتا رہتا ہے' اسے سلگاتا رہتا ہے اور سچ ہی کہتے ہیں کہ انتقام ایک خوفناک جذبہ ہے۔ جس کی وجہ سے دنیا میں ہر طرف آگ مشتعل نظر آتی ہے فقیر سے لے کر امیر تک بلکہ بادشاہوں تک انتقام کا جذبہ موجود ہے۔ رشتہ دار' سے رشتہ دار سے' دوست' دوست سے اسی بدلے کا انتقام لینے کے لیے آمادہ دکھائی دیتا ہے۔
مگر کچھ لوگ ان میں سے ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنے ستانے والوں سے انتقام لینے کی طاقت نہیں رکھتے نہ ان کے پاس زور بازو ہے نہ دولت' حکومت' نہ ان کے منہ میں زبان ہے اور نہ ہاتھ میں قلم ہے' ایسے بے کسوں کا جب دل دکھتا ہے اور کوئی ان کے ساتھ بدی کرتا ہے تو وہ آسمان کی طرف دیکھتے ہیں' ان کے منہ سے آہ نکلتی ہے۔
یہ وہی آہ ہوتی ہے جس کے متعلق حضرت شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن
اجابت از در حق بہر استقبال می آید

یہ انتقام بہت سخت ہوتا ہے اس کا مقابلہ دنیا کی کوئی طاقت نہیں کرسکتی' یہ آہیں کبھی بجلیاں بن کر اہل ظلم کے خرمن حیات پر گرتی ہیں اور کبھی سیلاب بن کر زندگی کی تعمیر نو کرتی ہیں۔
اس کی وجہ یہ ہے کہ انتقام کا کام قدرت الٰہی اپنے ذمے لے لیتی ہے لیکن یہ اس وقت ہوتا ہے جب انسان صبر وضبط کے ساتھ اپنے معاملات عدالت ایزدی کے سپرد کردے اور سچے دل سے کہے کہ میں اپنا معاملہ خدائے بزرگ کے سپرد کرتا ہوں۔
اور یاور علی نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ تھوڑی بہت طاقت رکھنے کے باوجود اپنا معاملہ خدا کے سپرد کردیا تھا اور آج عباد گیلانی سے قدرت خود انتقام لے رہی تھی۔
ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ عباد گیلانی کو آج بستر مرگ پر دیکھ کر ان کا دل مسرور ہوتا' لبوں پر فاتحانہ اور استہزائیہ

مسکراہٹ کھلتی' اس کی اس بے بسی پر آج دل مسرور ہوتا۔ مگر۔ یاور علی کا تعلق ان کم ظرف لوگوں میں کبھی رہا ہی نہیں تھا۔ وہ اسے کینہ توز نظروں سے نہیں بلکہ متاسفانہ اور ہمدردانہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ تاہم سلگتے زخموں پر بے نام سے چھینٹے ضرور پڑے تھے۔

''حازم کہاں ہے۔'' انہوں نے اس کی خیریت پوچھنے کے بعد اس کے ساتھ رکھی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بے تابانہ لہجے میں پوچھا۔

''ہاں میں نے اسے آنے کو کہا ہے وہ ضرور آئے گا' ہو سکتا ہے آبھی گیا ہو اور ڈاکٹر زمان کے روم میں ہو۔'' وہ نحیف سی آواز میں بولے۔

''کیا تم نے اس سے میرا ذکر کیا ہے میرا مطلب ہے اسے میرے یہاں آنے کا بتایا ہے۔'' یاور علی پر خیال انداز میں عباد گیلانی کی طرف دیکھا۔

''میں نے اسے یہ نہیں بتایا بس اتنا کہا ہے کہ میں اسے کسی گیسٹ سے ملوانا چاہ رہا ہوں۔ وہ ضرور آئے گا۔'' یہ کہتے ہوئے جانے وہ یاور علی سے نظریں چرا گئے۔

اس بائیس سالہ زندگی میں اس نے حازم کے اندر فقط زہر ہی بھرا تھا اس کی ماں کے حوالے سے' اس کی ننھیال کے حوالے سے اور اب اچانک وہ اسے کس طرح بتائیں کہ وہ سب کچھ جھوٹ تھا۔ جو تصویر وہ اس ماں کی پیش کرتا رہا ہے اس میں کوئی صداقت نہیں تھی۔

وہ اضطراری انداز میں چھت کو تکنے لگے' اس کے رخساروں کی ابھرنے والی ہڈیوں میں اضطرابی کھنچاؤ پیدا ہو رہا تھا۔

بے بسی کس طرح خون نچوڑتی ہے' رگ رگ سے اس کا ادراک عباد گیلانی کو شاید پہلی بار ہو رہا تھا۔

اپنی باون سالہ زندگی میں اس نے کبھی بے بسی' بے اختیاری' لاچاری جیسے الفاظ کے مفہوم سے آشنائی نہیں کی تھی۔ اس طرح کی کسی کیفیت سے نہیں گزرا تھا۔

اس کی زندگی تو سلگاتے ہوئے' لاچاروں کی لاچاری کا تماشا دیکھتے ہوئے گزری تھی۔ یہ تلخ ذائقہ گھونٹ گھونٹ دوسروں کو پلایا ضرور تھا' خود نہ پیا تھا۔

مگر جو کبھی لاچار نہ ہوا ہو وہ کبھی لاچار ہو گا ہی نہیں۔

جو کبھی بے بس نہ ہوا ہو' وہ کبھی بے بس ہو گا ہی نہیں یہ کون کہہ سکتا ہے جو ایسا دعوا کرتے ہیں وہ یقیناً ''کم فہم اور نادان ہوتے ہوں گے۔

حلاوتوں کو تلخیوں میں بدلنا اس کے لیے ایک لمحے کا کھیل ہے بلکہ لمحے کے ہزارویں حصے کا' مگر المیہ یہ ہے کہ اس کی حلاوتوں کے مزے لوٹنے والا اور اس کی رنگینی ست رنگ میں بدمست ہونے والا۔ اتنی گہرائی سے نیچر کا مطالعہ نہیں کرتا۔

اس کو عشرت کدہ تصور کرتے ہوئے اس کی آنکھ اس وقت کھلتی ہے جب یہ عشرت کدہ اس کے لیے ماتم کدہ بن جاتا ہے۔

یاور علی نے ایک گہری متاسفانہ سانس کھینچتے ہوئے سر جھکا لیا اور فرش کو گھورتے ہوئے فرش پر نادیدہ سی لکیریں کھینچتے رہے۔

کمرے میں چند لمحے مضمحل سی خاموشی طاری رہی' عباد گیلانی نے گردن موڑ کر ان کی طرف دیکھا اور بولا۔

''میں خود آپ کے پاس نہیں آسکتا تھا اس لیے میں نے آپ کو زحمت دی ہے' میرے پاس زندگی کی سانسیں بہت تھوڑی رہ گئی ہیں حالانکہ ڈاکٹرز' میرے دوست یار' میرے بچے مجھے زندگی کی نوید دیتے رہتے ہیں مجھے امید

دلاتے رہتے ہیں مگر میں نا سمجھ بچہ نہیں ہوں۔ جانتا ہوں کہ زندگی سے چند سانسیں اور چرالوں گا اس سے زیادہ نہیں۔ پتا نہیں کیوں موت کی آہٹیں سننے والا خود بخود اپنے رب سے نزدیک ہو جاتا ہے اس کی آنکھوں کے آگے کوئی نادیدہ سی دھند چھٹ جاتی ہے اور بہت کچھ صاف دکھائی دینے لگتا ہے۔"

وہ بہت ٹھہر ٹھہر کر بول رہا تھا شاید اس لیے کہ اسے بولنے میں دقت ہو رہی تھی۔ کمزوری غالب تھی ذرا سی دیر میں سانس پھولنے لگتی تھی۔

"بات یہ ہے کہ انسان موج مستی میں غفلت میں مبتلا رہتا ہے مگر جب موت اس کے سرہانے آتی ہے تو دنیا کی حقیقت اس پر واضح ہو جاتی ہے۔ فقط موت کی ایک ہلکی سی آہٹ اس پر دنیا کی ساری حقیقت کھول کر رکھ دیتی ہے مگر جب تک اسے یہ آہٹ سنائی نہیں دیتی اس کی آنکھ بند اور دل غافل رہتا ہے۔"

یاور علی یہ کہتے ہوئے افسردگی سے مسکرائے۔ افسردگی کا یہ سحران کو بھی جکڑے جا رہا تھا۔

عباد گیلانی ایک زندہ لاش کی طرح ان کے سامنے پڑا تھا۔

ان کے زخم خود بخود سکڑتے چلے گئے تھے اور بے نام سی افسردگی روح کو جکڑنے لگی۔

آپ ٹھیک کہتے ہیں آج بستر پر لیٹے لیٹے مجھے دنیا کی بے ثباتی کا احساس ہو رہا ہے' اپنی تمام تر دولت مجھے بے حد حقیر معلوم ہو رہی ہے۔ مجھے اپنی گزری زندگی پر پچھتاوا اور دکھ ہو رہا ہے کتنی عبرت کی بات ہے کہ میں اپنے آباؤ اجداد کی جائیداد اور اپنی عمر بھر کی کمائی سے اپنی زندگی نہیں خرید سکتا۔"

"یاور علی بے ساختہ جھکے اور اس کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ یہ بے نام سی تسلی بھرا لمس عباد گیلانی کا دل گداز کرنے لگا۔

وہ یاور علی کو ڈبڈبائی آنکھوں سے دیکھنے لگا۔ پھر ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ سے اٹھا کر اپنے نحیف ہاتھوں میں جکڑ لیا اور ایک کمزور سی گرفت کرتے ہوئے مرتعش لہجے میں بولا۔

"میں مومنہ سے تو معافی نہیں مانگ سکتا۔ مگر آپ سے تو مانگ سکتا ہوں' میری روح پر رکھے اس بوجھ کو کم کر دیں' یہاں ایسا بوجھ رکھا ہوا محسوس ہو رہا ہے جیسے دل نہ ہو پتھر کی کوئی بھاری بھرکم سل ہو جس کے نیچے مجھے اپنی سانسیں دبتی محسوس ہو رہی ہیں۔" اس نے یاور علی کا ہاتھ اپنے سینے پر رکھتے ہوئے بے حد یاس اور آس سے انہیں دیکھا۔

"مجھے یقین ہے آپ ایک باظرف اور ہمدرد انسان ہیں آپ کا یہاں تک چلے آنا مجھے ایک امید دلا گیا ہے ایسی امید جو ڈوبنے والے کو ساحل پر کھڑے تیراک سے ہوتی ہے۔ آپ تو شناور ہیں نا' مجھے اس موجوں سے نکال کر ساحل پر لے آئیں' میں آپ کا احسان مند رہوں گا۔"

اس کی ڈبڈبائی آنکھوں سے قطرے پھسلتے ہوئے یاور علی کے ہاتھ کی پشت پر گرم گرم سیال کی مانند کرنے لگے عجیب پگھلا دینے والی صورت حال تھی' یاور علی کو اپنے پہلو سے عجیب آنچ اٹھتی محسوس ہوئی انہوں نے کسی پر شفیق باپ کی طرح بے ساختہ اپنے دونوں بازو پھیلا کر عباد گیلانی کو اپنے سینے میں بھر لیا۔

انہیں وہ کسی خوفزدہ کم سن بچے کی طرح لگا جو ان کی پناہ کا ہی طالب تھا اور ان کی پناہ میں چھپنا چاہ رہا ہو' ان کے وجود میں پیوست ہو جانے کو بے قرار ہو۔

میکانکی انداز میں ان کے بازوؤں کا حلقہ اس کے گرد تنگ ہونے لگا۔

یہ چند لمحے عجیب کشاکشی کے گزرے' وہ خود حیران متحیر تھے کہ وہ غصہ' وہ رنج' نفرت جانے کہاں بہہ گئی' جو وہ اپنے دل میں اسی آدمی کے لیے شدت سے محسوس کر رہے تھے۔ یکدم ان کے بازوؤں کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی وہ

بس اس کی کمر پر ہلکے سے تھپکی دے کر رہ گئے اور آہستگی سے ہاتھ کھینچ کر خود کو کرسی پر گرالیا۔ ان کی آنکھوں کے گوشے نم نم ہو رہے تھے۔ پنکھے کی ہوا سے پتلیوں پر ٹھنڈک کا احساس ہو رہا تھا۔

حازم دروازے پر کھڑا حیرت سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔

اس کا باپ ایک بوڑھے باریش کے سینے سے لپٹا بچوں کی طرح رو رہا تھا' معافیاں مانگ رہا تھا پھر اسی بوڑھے نے اس کی کمر پر تھپک کر خود سے اسے الگ کرلیا۔

اب عباد گیلانی کے اندر سے امڈتا حزن کمرے کی پوری فضا کو جیسے بوجھل کر رہا تھا۔

اس نے اپنی زندگی میں پہلی بار باپ کی آنکھوں میں آنسوؤں کا جال اور لبوں سے معافی جیسے الفاظ نکلتے دیکھے تھے۔ کسی کے آگے گڑگڑانے کا یہ مشاہدہ اس کی آنکھ کے لیے یقیناً "تحیر آمیز تھا۔

وہ مزید یہ منظر برداشت نہیں کرسکا اور اندر داخل ہوگیا۔

عباد گیلانی اسے دیکھ کر جلدی سے آنکھیں رگڑنے لگا۔ "اتنی دیر لگادی تم نے' کہاں رہ گئے تھے۔"

"میں ڈاکٹر زمان کے پاس تھا بس ادھر سے ہی آرہا ہوں۔"

وہ جھکا اور ان کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

عباد گیلانی اسے محبت پاش نظروں سے دیکھا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر بولا۔

"ان سے ملو حازم' یہ یاور علی ہیں۔" اس نے حازم کی توجہ یاور علی کی جانب کرائی۔ جن کی نظریں پہلے ہی حازم کے سراپے پر جم سی گئی تھیں۔

کئی منظر' کئی چہرے' کئی باتیں طوفان کی طرح سرسرانے لگیں۔

پلکیں جھپکنے سے پہلے تک کے تصور میں مومنہ کا چہرا ابھرا۔ انہیں لگا وہ عباد گیلانی جیسا قد کاٹھ رکھتے ہوئے بہت حد تک مومنہ سے مشابہ ہے کھلتی شہابی رنگت' آنکھوں کا نشیلا پن ہاں مگر اس کی آنکھیں بھوری نہیں تھیں۔

ویسی ہی کھڑی ستواں ناک۔ پلکوں کا ویسا ہی گداز پن۔

یاور علی کا پورا وجود انوکھی مسرت سے کانپنے لگا۔ وہ ایک سرخوشی کے ساتھ کرسی سے اٹھے تھے ان کے دونوں نحیف بازو اسے گھیرے میں لینے کو مچل اٹھے۔ ان کا سینہ اسے اپنے اندر سمیٹنے کو دیکھنے لگا۔

"یہ تمہارے نانا ہیں یاور علی۔" عباد گیلانی نے حازم سے تعارف کراتے ہوئے دانستہ اس کی طرف دیکھنے سے گریز کیا وہ جانتے تھے یہ تعارف حازم کے لیے کسی شاک سے کم نہ ہوگا۔

اور ایسا ہی ہوا۔ وہ دم بخود رہ گیا اور تحیر آمیز بے یقینی سے باپ کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

☆ ☆ ☆

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

شفق افتخار

بس تم آ ہی جاؤ

پورا ماحول اس وقت رنگ' خوشبو میں ڈوبا تھا... ہر طرف رنگین آنچل اور سرسراتے ریشمی لباس تھے۔ رنگین قمقموں سے پورا گھر جگ مگ کر رہا تھا۔ ہر کسی کے چہرے پہ خوشی بہت نمایاں تھی۔ ایک اطمینان تھا جو سب کے چہروں سے چھلک رہا تھا۔ ایک فرض تھا جو ادا ہونے جا رہا تھا۔

"حریم... بیٹے بات سنو..."

سج کسج قدم اٹھاتی وہ بجی سنوری اس وقت دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی لان کی طرف جا رہی تھی۔ جہاں اس وقت آذر اور رمشہ کی مہندی کی تقریب کا انعقاد کیا گیا تھا اور ساتھ ہی ان کا نکاح بھی ہونا تھا۔"

"جی امی... آپ نے بلایا۔"

وہ وہیں سے واپس پلٹ کر امی کے قریب چلی آئی تھی۔ بوتل گرین کلر کے دیدہ زیب خوب صورت سوٹ میں وہ اس وقت نظر لگ جانے کی حد تک خوب صورت لگ رہی تھی۔ لبوں پہ چمکتی مسکراہٹ اور آنکھوں میں دمکتی روشنی کو دیکھ کر امی نے دل ہی دل میں اس کی نظر اتاری تھی۔

"بیٹے اندر کمرے میں پھول اور مہندی کا باقی سامان رکھا ہے... جاؤ جا کے وہ لے آؤ ذرا... رسم کا آغاز بس ہونے والا ہے..." امی اس سے بات کرتے ساتھ ساتھ لان پہ بھی ایک طائرانہ نگاہ دوڑا رہی تھیں کہ کہیں کوئی کمی تو نہیں رہ گئی۔ آخر کو اکلوتے بیٹے کی شادی تھی... وہ امی کی بات سن کر صبا اور تحریم کو ساتھ لیے اندر گھر کی طرف چلی آئی تھی۔ وہ لاؤنج سے گزر اندر کوریڈور کی طرف چلی آئی تھی۔ جہاں کونے والے کمرے میں وہ سارا سامان رکھا تھا۔

"حریم آپی... پھول کدھر رکھے ہیں... چچی نے کہا ہے لانے کو..." تبھی فضا بھی ان کے پیچھے ہی چلی آئی تھی۔

"امی بھی نا... ایک ساتھ سب کو ہی بوکھلا دیتی ہیں..." سارا سامان وہیں رکھا تھا... ان چاروں نے وہ سارا سامان اٹھا لیا تھا... مہندی اور پھول وغیرہ اٹھا کر وہ چاروں آگے پیچھے باہر نکل آئی تھیں... حریم نے ہاتھ میں وہ باسکٹ اٹھائی تھی جس میں پھولوں کی پتیاں تھیں۔ ہائی ہیل کی وجہ سے وہ تھوڑا ٹھہر ٹھہر کر قدم اٹھا رہی تھی... وہ تینوں باتیں کرتیں باہر کی طرف جا چکی تھیں... کمرے کا دروازہ بند کر کے وہ بھی ان کے پیچھے ہی تھی... تبھی کوریڈور کی مدھم روشنی میں کسی نے دھیمے سے اس کا بازو تھام کر اسے اپنی طرف کھینچ لیا تھا بس لمحہ بھر کی بات تھی... وہ اپنا توازن برقرار نہیں رکھ سکتی تھی اور خود کو سنبھالنے کے چکر میں سارے پھول سامنے والے کے قدموں میں گر پڑے تھے۔ سارے پھول سامنے کھڑے خضر کے قدموں میں بکھر گئے تھے۔

"یہ کیا بچپنا ہے خضر... ابھی میں گر جاتی تو..." وہ بمشکل خود کو سنبھال پائی تھی۔ بازو ابھی بھی خضر کی گرفت میں تھا۔

"اسے بچپنا نہیں محبت بھرا استقبال کہتے ہیں... مائی ڈیئر جو ابھی تم نے میرا کیا ہے..."

خضر نے اپنے قدموں میں بکھرے پھولوں کو دیکھا تھا... اور اپنی دلکش مسکراہٹ سے بولا تھا۔

"بہت بری بات ہے خضر.... میرے سارے پھول گرا دیے تم نے.... اب چھوڑو میرا بازو.... امی مجھے بلا رہی ہیں۔" اس دلکش مسکراہٹ اور لو دیتی نگاہوں سے حریم نے بمشکل نگاہیں چرائی تھیں۔

"چند لمحے دیکھنے تو دو مجھے خود کو.... اب محبت کرنے والوں کا اتنا حق تو بنتا ہے نا.... بھرپور نہ سہی.... کچھ تو حق رکھتا ہوں تم پہ.... کچھ محبت کے ناتے اور کچھ منگیتر ہونے کے ناتے...."

خضر اس کا تایا زاد تھا اور منگیتر بھی.... اور اس رشتے میں گھر والوں کے ساتھ ساتھ خضر کی بھی سو فی صد مرضی شامل تھی۔ خضر اس سے تب سے محبت کر رہا تھا۔ جب سے اس نے جانا تھا کہ محبت ہوتی کیا ہے۔ اس نے حریم کو دیکھ کر ہی محبت کے مفہوم کو جانا تھا۔ تب سے ہی حریم اس کے دل میں بستی تھی۔ اور حریم اچھی طرح سے اس کے جذبات سے آگاہ تھی.... اور اب جب سے وہ دونوں منگنی کے بندھن میں بندھے

تھے۔ تب سے حریم بھی اسے چاہنے لگی تھی۔
"حریم ... کدھر رہ گئی ہو یار آنٹی بلا رہی ہیں۔"
تبھی ماحول کے فسوں کو پیچھے سے آتی صبا کی آواز نے توڑا تھا۔ وہ تیزی سے وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔ حریم کا دل ابھی بھی بہت تیزی سے دھڑک رہا تھا اور اپنے قدموں میں گرے پھولوں کو دیکھ کر خضر کے چہرے پہ مسکراہٹ ابھی بھی رقصاں تھی۔

☼ ☼ ☼

"السلام علیکم امی ..." خضر نے اندر لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے کہا تھا۔
"وعلیکم السلام بیٹا! آگئے بیٹا آج بہت دیر لگادی۔"
امی نے ایک نگاہ اس کے تھکے تھکے سے چہرے پہ ڈال کر کہا تھا۔
"جی امی ... دو تین جگہ انٹرویوز تھے۔ اور پھر ٹریفک کا تو آپ کو پتا ہی ہے۔" وہ ہاتھ میں تھامی چابیاں اور فائل وہیں ٹیبل پہ رکھ کر صوفے پہ بیٹھ گیا تھا۔ ٹائی کی ناٹ گلے سے ڈھیلی کرتے ہوئے اس نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔
"السلام علیکم بھائی ..." اسی لمحے فضا اس کے لیے پانی لے آئی تھی۔
"وعلیکم السلام ... فضا پلیز یار کھانا لگا دو۔ بہت بھوک لگی ہے۔" اس نے پانی پی کر خالی گلاس واپس ٹرے میں رکھتے ہوئے کہا تھا۔ "جی بھائی ابھی لگاتی ہوں۔ آپ تب تک جا کے فریش ہو جائیں۔" وہ واپس کچن کی طرف پلٹ گئی تھی۔
"خضر ... بچے بہت تھکے تھکے سے لگ رہے ہو ..." امی اس کے پاس ہی آبیٹھی تھیں۔
"جی امی ... آج بہت تھکن ہو گئی ہے۔ پتا نہیں کیوں ..." اس نے آنکھیں موند کر سر صوفے کی بیک سے ٹکا دیا تھا۔
"جاب کا کچھ بنا بیٹا ... اتنی بھاگ دوڑ کر رہے ہو تم اتنے انٹرویو تو دے چکے ہیں تم نے ..."
"نہیں امی ابھی تک تو کچھ نہیں بنا۔ دو جگہ امید ہے۔ بس آپ دعا کریں کہ بات بن جائے۔"
وہ بہت خوش مزاج اور باہمت انسان تھا۔ پر اب جانے کیوں پچھ عرصے سے تھکن اس کے لہجے سے چھلکنے لگی تھی۔ شاید وہ تھک رہا تھا۔
"چلو اللہ مالک ہے ... وہ کوئی نہ کوئی سبب بنا ہی دے گا۔ تم پریشان نہ ہو۔ ان شاء اللہ جلد ہی تمہیں بہت اچھی جاب مل جائے گی۔ چلو اٹھو اب فریش ہو جاؤ۔ فضا نے کھانا لگا دیا ہو گا۔"
"اس لمحے میں ماں کے بولے گئے چند الفاظ خضر کے اندر نئی انرجی بھر گئے تھے۔ وہ اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔
دو مہینے پہلے تک خضر ایک بہت اچھی پرائیویٹ کمپنی میں اچھی پوسٹ پہ کام کر رہا تھا ... یہ جاب کانٹریکٹ پہ تھی اور اسے پوری امید تھی کہ اس کا کانٹریکٹ ری نیو ہو جائے گا اور اسے پرمننٹ کر دیا جائے گا پر نجانے کیوں اس کا کانٹریکٹ ری نیو نہیں کیا گیا تھا اور اس کی جاب ختم ہو گئی تھی۔ یوں وہ دو ماہ سے جاب لیس تھا اور مسلسل جاب کی تلاش میں سر گرداں تھا۔ مگر فی الحال کہیں امید نہیں بندھی تھی ... اس کے بابا سرکاری ملازم تھے اور چار سال پہلے ان کا انتقال ہو گیا تھا ... ان کی اچھی خاصی پنشن تو آتی تھی مگر آج کل کے دور میں صرف پنشن پہ گھر نہیں چل سکتا ... سو ایسے میں خضر کا فکر مند ہونا لازمی تھا۔

☼ ☼ ☼

پرانے وقتوں میں بننے والے "صدیقی ہاؤس" کے مکین اپنے اخلاق اور ملنساری کے سبب پورے خاندان میں بہت پسند کیے جاتے تھے۔ اس کی بنیاد رکھنے والے وہاج صدیقی اور ان کی بیگم زاہدہ صدیقی تو عرصہ ہوا اپنے خالق حقیقی سے جا ملے تھے مگر اب اس گھر میں ان کی اولادیں بمعہ اہل و عیال رہائش پذیر ہیں اور سب ہی نہایت اخلاق اور محبت سے مل جل کر رہتے ہیں۔ ان کے چار بچے تھے۔ تین بیٹے اور ایک بیٹی ... اکلوتی بیٹی بیاہ کر سسرال کو پیاری ہوئی اور اب وہ

اپنی گرہستی میں خوش اور مگن تھی' ان کی صرف ایک اکلوتی اولاد ماہا تھی۔ سب سے بڑے بیٹے احمد صدیقی ... ان کے دو بچے خضر اور چھوٹی بیٹی فضا تھی ... دوسرے نمبر کے بیٹے سعادت صدیقی ان کے تین بچے تھے۔ دو بیٹیاں اور ایک بیٹا... بیٹا بڑا تھا آذر... پھر حریم اور چھوٹی تحریم... اور چھوٹے بیٹے وسیم صدیقی کے چار بچے تھے... علی اور اویس... رمشہ اور اریشہ...

رمشہ اور آذر کی ابھی حال ہی میں شادی ہوئی تھی۔ جسے سب نے بہت انجوائے کیا تھا... آذر اور خضر دونوں ہم عمر تھے۔ اس طرح اب خضر کا نمبر تھا شادی کے لیے' جس کی منگنی چھ ماہ قبل حریم سے ہوئی تھی اور اس میں خضر کی پسند بھی شامل تھی۔ رشتہ تایا جان نے اپنی زندگی میں ہی طے کر دیا تھا۔ چار سال قبل وہ اچانک ہی رضائے الٰہی سے انتقال کر گئے تھے۔ اور یہ صدمہ ''صدیقی ہاؤس'' کے مکینوں نے بہت مشکل سے برداشت کیا تھا۔ کیونکہ سب کے لیے وہ ایک شفیق اور محبت کرنے والے بزرگ کی حیثیت رکھتے تھے... اور اس گھر کو جوڑے رکھنے میں دادا جان کے بعد ان کا بہت ہاتھ تھا اور کچھ تائی اماں بھی ان کی ہم مزاج تھیں۔

زندگی اپنی ڈگر پہ رواں دواں تھی۔ رمشہ اور آذر کی شادی کے بعد سب لوگ پھر سے اپنی اپنی روٹین میں مصروف ہو چکے تھے۔ کچھ پڑھ رہے تھے۔ کچھ پڑھ چکے تھے۔ خضر اپنی جاب کی تلاش میں مصروف تھا۔ حالات بالکل ٹھیک جا رہے تھے۔ ہلچل اس وقت مچی جب ان کی اکلوتی پھوپھو مائرہ کی اکلوتی بیٹی ماہا ان کے گھر چھٹیاں گزارنے آئی... اور وہ پہلی بار اتنے لمبے عرصے کے لیے آ رہی تھی۔ سو سب ہی بہت ایکسائٹڈ تھے اور بے چینی سے اس کا انتظار کر رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

ماہا کیا آئی پورے گھر میں جیسے ہلچل سی مچ گئی تھی۔ وہ ایک انتہائی خوب صورت اور اسٹائلش لڑکی تھی۔ پہلی بار وہ اتنے لمبے عرصے کے لیے یہاں آئی تھی۔

ورنہ اس کی ساری زندگی پڑھائی کی وجہ سے کانونٹ میں گزری تھی اور کچھ پھوپھا کی جاب ایسی تھی کہ ان کے ٹرانسفر مختلف شہروں میں ہوتے رہتے تھے۔ سو ان لوگوں کو کبھی بھی اتنے عرصے کے لیے اس کے ساتھ رہنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اور اب جب وہ آئی تو گویا اس نے پورے ماحول کو اپنے ٹرانس میں لے لیا تھا... خاص کر فضا... تحریم اور اریشہ تو اس سے بہت متاثر تھیں... وہ اپنے والدین کی اکلوتی اور انتہائی لاڈلی اولاد تھی... سو اسی حساب سے نازک مزاج اور نک چڑی بھی تھی۔ اور نخرے بھی بلا کے تھے اس کے... اسی لیے پھوپھو اس کے اکیلے یہاں آنے کے خلاف تھیں۔ مگر وہ اس بار ضد کر کے آ گئی تھی۔

وہ ایک خود سر اور ضدی لڑکی تھی۔ اور کچھ پھوپھو اور پھوپھا نے اس کے اکلوتے پن کی وجہ سے اس کی ہر قسم کی فرمائشیں پوری کر کر کے اس کو سر پہ چڑھا رکھا تھا' جو کہ اب دوسروں کے لیے خاصا نقصان دہ ثابت ہو رہا تھا اور خود ان کے لیے بھی' وہ زیادہ تر فضا کے روم میں ہی پائی جاتی تھی۔ کیونکہ وہ فضا کی ہم عمر تھی تو اس کی فضا سے اچھی دوستی ہو گئی تھی۔

''یار ماہا کے آنے سے کتنا مزہ آ رہا ہے نا... کم از کم روز باہر گھومنے پھرنے کا موقع تو مل رہا ہے... سب اتنا انجوائے کرتے ہیں۔ ورنہ تو وہی روز کا روٹین...''

فضا اور اریشہ اس کے یہاں آنے سے بہت خوش تھیں اور اس وقت وہ سب کہیں باہر جانے کے لیے بالکل تیار کھڑے تھے۔ بس ماہا کا انتظار ہو رہا تھا جو اپنے کمرے میں تیار ہو رہی تھی۔

''ہاں واقعی سچ کہہ رہی ہو فضا تم... ورنہ تو منت کرنی پڑتی ہے بھائیوں کی کہ کہیں گھمانے لے جائیں ... اور اب تم دیکھو بغیر کہے تیار ہو جاتے ہیں۔'' اریشہ نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی تھی۔

''چلو بھئی میں بالکل ریڈی ہوں۔ سوری تھوڑا لیٹ ہو گئی...'' اسی پل خوشبوؤں میں بسی ماہا ان کے قریب چلی آئی تھی۔ وہ سب لوگ ابھی گیٹ سے باہر نکل ہی رہے تھے کہ باہر گاڑی میں اویس ان کا انتظار کر

رہا تھا۔ تبھی خضر گیٹ دھکیل کر اندر داخل ہوا تھا۔
اس کا کوئی دوست اسے باہر ہی ڈراپ کر گیا تھا۔
"کیا بات ہے بھئی... کدھر کی تیاری ہے۔ کہاں جا رہے ہو سب؟" اس نے مسکرا کر پوچھا تھا۔
"بھائی ہم سب پراہٹ جا رہے ہیں۔ آپ بھی چلیں نا..." فضا نے بتانے کے ساتھ ہی فوراً" ہی اسے دعوت بھی دے ڈالی تھی۔
"نہیں یار۔ تم لوگ جاؤ مجھے کچھ کام ہے۔" خضر نے فوراً" ہی معذرت کی تھی۔
"پلیز خضر آپ بھی ہمیں جوائن کریں نا... آپ تو کبھی بھی جب سے میں آئی ہوں۔ کہیں بھی ساتھ نہیں گئے۔"
ماہا نے بھی اس سے اصرار کیا تھا۔ سچ تھا کہ وہ ان دنوں اپنی جاب کے چکر میں اس قدر الجھا ہوا تھا کہ اس کا دھیان کسی اور طرف تھا ہی نہیں... یہاں تک کہ کئی دنوں سے اس کی حریم سے بھی ڈھنگ سے بات نہیں ہوئی تھی۔ اس کی نگاہ نے ان سب میں حریم کو ڈھونڈا تھا۔ مگر شاید وہ ساتھ نہیں جا رہی تھی۔
"سوری ماہا... آج کچھ بزی ہوں... پھر کبھی سہی۔"
اگر حریم بھی اس وقت ان کے ساتھ جا رہی ہوتی تو وہ ضرور سب کام پس پشت ڈال کر ان سب کے ساتھ چل پڑتا مگر اس کے بغیر نہیں... وہ کیا کرتا ان کے ساتھ جا کر... اس لمحے شدت سے اس کا دل چاہا کہ وہ ایک نگاہ حریم کو دیکھے۔ وہ ان سب سے معذرت کرتا... اندر کی طرف بڑھ گیا تھا... بنا یہ دیکھے اور محسوس کیے کہ کسی کی گہری نگاہ نے بہت دیر تک اس کا پیچھا کیا تھا... اور آج جانے کیوں ماہا سب کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی کہیں اور ہی تھی۔ پھر اس بار جاتے جاتے ماہا ایک عجیب ہی فرمائش کر گئی تھی۔ وہ خضر سے شادی کرنا چاہتی تھی۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ کسی اور کے ساتھ منسوب ہے... اس کو اس بات سے کوئی غرض نہیں تھی۔ اس کو صرف اپنی ذات سے غرض تھی... اور محبت تو خود غرض نہیں ہوتی... مگر یہ محبت نہیں تھی۔

☼ ☼ ☼

خضر جب لاؤنج میں آیا تو اسے علاوہ چچی کے کوئی نظر نہیں آیا تھا۔ باقی سب تو اس وقت ماہا کے ساتھ باہر گئے تھے۔ امی اور چھوٹی چچی بھی شاید اپنے کمروں میں تھے۔ مگر حریم... اسی لمحے اس کی نگاہوں نے بے قراری سے اسے تلاشا تھا... مگر وہ نگاہیں ناکام لوٹی تھیں... وہ وہیں لاؤنج میں آ بیٹھا تھا۔ اور ٹیبل پہ رکھا میگزین اٹھا لیا تھا۔
"خضر بیٹا اگر چائے پینی ہے تو حریم کچن میں ہے۔ تمہارے چچا کے لیے بنا رہی ہے۔ اس سے کہہ دو بنا دے گی۔ میں ذرا نماز پڑھ لوں۔ وقت تنگ ہو رہا ہے۔"
چچی نے اسے مخاطب کیا تھا اور پھر فوراً" ہی نماز کی نیت باندھ لی تھی۔
"جی چچی... میں کہہ دیتا ہوں۔ آپ نماز پڑھیں۔" وہ اٹھ کر کچن کی طرف چلا آیا تھا۔ جہاں بالآخر وہ دشمن جان موجود تھی۔ جسے کتنی ہی دیر سے اس کی نگاہیں تلاش رہی تھیں۔
"ہوں... ہوں۔" کچن کے دروازے میں کھڑے خضر کو بے ساختہ ہی حریم نے پلٹ کر دیکھا تھا۔
"ارے تم کب آئے..." وہ بے ساختہ ہی مسکرا کر اس سے مخاطب ہوئی تھی۔ سادہ سے رف حلیے میں بھی وہ اس وقت کسی قدر خاص لگ رہی تھی۔ یہ کوئی اس لمحے خضر کے دل سے پوچھتا۔
"میں بس ابھی پل آیا... جب تم نے دیکھا۔" وہ کہتا ہوا اندر چلا آیا تھا۔
"اچھی سی چائے پلا دو... اور ساتھ میں کچھ کھانے کو بھی۔" وہ اس سے کہہ کر وہیں سلیب سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا تھا۔
"ابھی بناتی ہوں..." حریم نے پلٹ کر فریج سے دودھ نکالا تھا اور ساتھ ہی کیک اور کباب بھی نکال لیے تھے۔
"تم نہیں گئیں... سب کے ساتھ گھومنے کے

لیے..." خضر نے نگاہیں اس کے ملیح چہرے پہ ٹکائے ہوئے کہا تھا۔

"نہیں... میرا لاسٹ سمسٹر ہے یونیورسٹی میں اور آج کل تو ٹیسٹ بھی چل رہے ہیں۔ تو مجھے پڑھنا تھا... تم بتاؤ کدھر رہتے ہو۔ جاب کا کیا بنا...؟"

اس نے کباب مائیکروویو میں گرم ہونے کو رکھے تھے اور وہ ساتھ ساتھ خضر سے باتیں بھی کر رہی تھی۔

"ہوں... بس یار جاب کے لیے ہی مسلسل کوششوں میں لگا ہوا ہوں۔ ایک دو جگہ امید ہے۔ تم دعا کرو کہ کام بن جائے۔"

"ہوں... اللہ بہتر کرے گا اور پھر میری دعائیں تو ہمیشہ سے ہی آپ کے ساتھ ہیں۔"

وہ اب فرصت سے اس کے سامنے آکھڑی ہوئی تھی۔ اس کی بات پہ بے ساختہ مسکراہٹ نے خضر کے لبوں کو چھوا تھا۔ اس کی یہی باتیں اور محبت ہمیشہ ہی اس کا حوصلہ بڑھاتی تھیں۔

"ویسے یہ ماہا اس بار کچھ زیادہ دن نہیں رہ گئی یہاں... فضول میں سب کو پیچھے لگا رکھا ہے۔ روز ہی سب کو لے کر نکلی ہوئی ہوتی ہے..."

جانے کیوں اب خضر کو ماہا سے ایک الجھن کا احساس ہونے لگا تھا۔ عجیب سی نیچر تھی اس کی اور عجیب سی نگاہیں... جو بعض دفعہ خضر کو مرد ہونے کے باوجود خائف سا کر دیتی تھیں۔

"ہاں نوٹس تو میں نے بھی کیا ہے۔ پر کیا کہہ سکتے ہیں۔ اپنے موڈ کی مالک ہے وہ... پھوپھو تو روز کال کرتی ہیں اسے مگر فی الحال اس کے جانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے... ویسے بھی یہ بھی تو اس کا اپنا گھر ہے جتنے دن چاہے رہے۔"

"ہاں یہ بھی ہے..." خضر نے اس کی بات سے اتفاق کیا تھا۔ مگر ابھی اپنی کوئی بھی الجھن اس سے شیئر نہیں کی تھی۔

"ہائے واوے۔ آپ کو کیا پرابلم ہے اس سے..." وہ اب مسکرا کر خضر سے پوچھ رہی تھی۔

"مجھے کیا پرابلم ہو سکتی ہے۔ میری اصل پرابلم تو تم ہو لڑکی۔ جو مجھے کھلا کھلا کر موٹا کرنا چاہتی ہے۔ ساری ڈائیٹ کا ستیاناس ہو جائے گا۔"

خضر اتنے اہتمام سے اسے ٹرے سجاتا دیکھ کر چلایا تھا۔ جس میں حریم نے بڑے اہتمام سے چائے کے ساتھ کیک، نمکو اور کباب وغیرہ رکھے تھے... کیونکہ خضر نے ابھی خود ہی کہا تھا کہ اسے بھوک لگی ہے۔ اور حریم نے اسی لیے یہ سب رکھا تھا۔

"کوئی بات نہیں... تھوڑا تھوڑا موٹا خضر بھی چلے گا..." حریم اس پل مسکراہٹ دبا کر شرارت سے بولی تھی اور اس کی بات پہ لگنے والا خضر کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"چلے گا نہیں... دوڑے گا اور اور تمہارے ساتھ صرف ہر طرح کا خضر ہی چلے گا... کوئی اور چل کر تو دکھائے جان نہ نکال لوں اس کی... اور ساتھ میں تمہاری بھی..."

خضر نے اس کے قریب آکر اسے دھمکایا تھا۔

"اچھا بابا... مذاق کر رہی ہوں... ڈانٹ کیوں رہے ہیں۔" وہ اس کی قربت سے گھبرا کر پیچھے کو ہٹی تھی کہ اس کے پاس سے اٹھتی خوشبو اس لمحے حریم کے حواسوں پہ چھانے لگی تھی۔

"چلو چائے باہر چاچو کے ساتھ بیٹھ کر پیتے ہیں۔ بڑے دن ہو گئے ہیں۔ ان کے ساتھ گپ شپ لگائے ہوئے۔" خضر نے ایک گہری نگاہ اس کے گھبرائے گھبرائے چہرے پہ ڈالی تھی۔ اور ٹرے اٹھا کر کچن سے باہر نکل آیا تھا۔ اور پیچھے اپنی دھڑکنیں سنبھالتی وہ چائے نکالنے لگی تھی۔

☆ ☆ ☆

ابھی ابھی تائی امی کے پاس مائرہ پھوپھو کا فون آیا تھا اور انہوں نے جو شوشا چھوڑا تھا اس نے انہیں ہلا کر رکھ دیا تھا... کتنی ہی دیر تک وہ کچھ بولنے کے قابل ہی نہیں رہی تھیں جبکہ دوسری طرف سے پھوپھو مسلسل بول رہی تھیں۔

"پر مائرہ ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ تم جانتی ہو۔ خضر

بہت پہلے سے حریم سے منسوب ہے اور یہی تمہارے بھائی صاحب کی بھی خواہش تھی۔" بات بمشکل ہی ان کے لبوں سے نکلی تھی۔

"تو کیا ہوا بھابھی... صرف منگنی ہی تو ہوئی ہے۔ کون سا دونوں کی شادی ہو گئی ہے۔ پھر حریم کو رشتوں کی کیا کمی ہے... خود میرے اپنے سسرال میں کئی لوگ مجھ سے کئی بار حریم کے لیے پوچھ چکے ہیں۔ مل جائے گا اسے بھی کوئی نہ کوئی... پر ماہا کو اگر خضر نہ ملا... تو آپ جانتی ہیں۔ وہ کس قدر جذباتی ہے۔ مجھے تو ابھی سے ڈر لگ رہا ہے۔ یہ سوچ کر کہ وہ کیا کر گزرے گی... آپ ایک بار اس رشتے کے بارے میں سوچیں تو... آپ جو کہیں گی میں وہ کروں گی۔ خضر کو جو چاہے اس کے پھوپھا اسے دیں گے۔ بس آپ لوگ میری بچی کی خوشی پوری کر دیں... آج تک اس کی کوئی خواہش... کوئی فرمائش ہم نے کبھی رد نہیں کی... پلیز بھابھی... آپ ایک بار خضر سے بات کر کے تو دیکھیں... آخر ماہا میں کس چیز کی کمی ہے۔"

مائرہ پھوپھو بنا انہیں موقع دیے بس اپنی ہی کہے جا رہی تھیں اور تائی امی بس ہکا بکا ہی رہ گئی تھیں۔ بجائے اس کے کہ وہ ماہا کو سمجھاتیں اس غلط حرکت کے لیے... الٹا وہ اسے مزید چڑھا رہی تھیں۔ بہت پہلے سے ہی خاندان میں سب جانتے تھے کہ ان دونوں کی منگنی ہو چکی ہے... تو ایسے میں یہ بات کرنا ہی فضول تھی۔ ماہا کوئی بچی تو نہیں تھی۔ جو سب کچھ جانتے بوجھتے بھی ایسی ضد لگا بیٹھی تھی اور اس کے والدین بجائے اس کو سمجھانے کے اس کی خواہش پوری کرنے کو تیار بیٹھے تھے... جیسے یہ کوئی کھلونا ہو کہ بچی کو پسند آگیا تو دوگنی قیمت ادا کر کے بھی خرید لیا... مگر ہر چیز قیمت سے خریدی نہیں جا سکتی... تائی امی اچھی طرح جانتی تھیں کہ یہ بات گھر میں کرنے سے ایک طوفان آجائے گا اور خاص کر خضر تو یہ کبھی بھی نہیں مانے گا اور ویسے بھی وہ ماہا کو کچھ خاص پسند نہیں کرتا تھا۔ یہ مائرہ نے انہیں کس پریشانی میں ڈال دیا تھا۔

"امی کیا بات ہے... آپ کچھ پریشان لگ رہی ہیں۔ میں پچھلے کچھ دنوں سے نوٹ کر رہا ہوں۔ کیا بات ہے مجھے بتائیں۔" اس دن رات کے کھانے کے بعد خضر ان کے کمرے میں چلا آیا تھا۔ جہاں وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے ان ہی سوچوں میں الجھی بیٹھی تھیں... یہ بات انہوں نے ابھی تک کسی سے بھی شیئر نہیں کی تھی۔

"نہیں بیٹا ایسا تو کچھ بھی نہیں ہے۔" وہ سیدھا ہو بیٹھی تھیں۔ پر خضر یہ ماننے کو تیار نہیں تھا۔ ماں کا چہرہ بتا رہا تھا کہ ضرور کوئی بات ہے۔ جو انہیں اندر ہی اندر پریشان کر رہی ہے۔ اور جب خضر کا اصرار بڑھا تو انہیں مجبوراً اسے سب بتانا پڑا تھا۔ جسے سن کر وہ حسب توقع بھڑک اٹھا تھا۔ اسی لیے وہ فی الحال یہ سب اسے نہیں بتانا چاہتی تھیں۔

"امی ان لوگوں نے ایسا سوچ بھی کیسے لیا۔ کس قدر فضول اور احمقانہ بات ہے یہ... مجھے پہلے ہی اندازہ تھا کہ ماہا یہاں سے جانے کے بعد کوئی نہ کوئی گل افشانی ضرور کرے گی... مگر وہ یہ سب کرے گی اس کا مجھے اندازہ نہیں تھا۔"

غصے سے اس کی بھوری آنکھوں میں ایک تپش سی اتر آئی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ جا کے ماہا کا گلا دبا دے... اس لڑکی نے کیا سوچ کر ایسی بات کی تھی۔

"بچے میں کیا کروں... پچھلے کئی دنوں سے تمہاری پھوپھو کی اس ضد نے مجھے پریشان کر رکھا ہے... کہتیں ہیں ایک بار خضر سے بات کریں۔"

"کیا مطلب ہے خضر سے بات کریں۔ مجھے کیا سمجھتے ہیں وہ لوگ میں ان کی دولت کی لالچ میں آجاؤں گا یا ان کی بیٹی کی خوب صورتی پہ مرمٹوں گا۔ اتنا گرا ہوا ہوں میں... ماہا کی سب فضول اور بے جا خواہشیں پوری کرنا ان کی ذمہ داری ہو گی۔ میری نہیں۔ آپ ان سے صاف صاف کہہ دیں۔ اگر وہ دنیا جہان کی دولت بھی اپنی بیٹی سمیت لا کر میرے قدموں میں رکھ دیں گے نا... تو بھی میں کسی صورت حریم سے دستبردار

نہیں ہوں گا۔۔۔ ان لوگوں نے زندگی کو مذاق سمجھ رکھا ہے۔" غصے سے اس کے دماغ کی رگیں پھٹنے لگی تھیں پر ای کے سامنے اس نے خود پہ کنٹرول رکھا تھا۔ کیونکہ وہ پہلے ہی اس قدر پریشان بیٹھیں تھیں۔۔۔ یہ سوچ کر کہ یہ بات سامنے آنے پر سب گھر والوں کا ردعمل کیا ہوگا۔

☆ ☆ ☆

مائرہ پھوپھو اور پھوپھانے گھر آکے سب کے سامنے خضر اور ماہا کے رشتے کی بات کی تھی۔ جسے سن کر سب ہی لمحہ بھر کو سکتے میں آگئے تھے۔

وہ بھی اپنی اکلوتی اولاد کے ہاتھوں اس قدر مجبور ہو چکے تھے کہ آج یہاں تک چلے آئے تھے۔ خضر سے شادی نہ ہونے کی صورت میں ماہا نے خودکشی کی دھمکی دی تھی اور مجبوراً انہیں آنا پڑا تھا ماہا کی ضد دن بدن بڑھتی ہی جارہی تھی۔ اسے صرف خضر چاہیے تھا ہر صورت۔۔۔ اگرچہ باقی گھر والوں کے رویے میں تھوڑی بہت نرمی آبھی گئی تھی کہ وہ دونوں ہی گھر کی بچیاں تھیں۔ مگر خضر کسی صورت بھی ماننے کو تیار نہیں تھا۔ حریم اس کی زندگی تھی اور کوئی بھلا بھی اپنے زندگی سے بھی دستبردار ہوا ہے کبھی۔۔۔

بات حریم کے کانوں تک بھی پہنچ چکی تھی اور وہ جانتی تھی کہ خضر کبھی بھی ایسا نہیں چاہے گا اور اسی وجہ سے وہ مطمئن تھی۔۔۔ مگر اندر ہی اندر اس کے دل کو بھی ایک دھڑکا سا لگا تھا۔۔۔ خدشے اور وسوسے تو محبت میں لازم و ملزوم ہیں۔۔۔

☆ ☆ ☆

حریم نے خضر سے شادی سے انکار کر دیا تھا اور انگوٹھی اتار کر امی کو دے دی تھی۔ اور امی اس سے بس وجہ ہی پوچھتی رہی تھیں۔ لیکن وہ بس خاموشی سے ہی بیٹھی رہی تھی۔ کتنے ہی آنسو اس لمحے اس کی آنکھوں سے گرے تھے۔ محبت کی اس قدر بڑی سزا' رشتوں کی ایسی ناقدری۔۔۔ وہ کبھی خواب میں بھی نہیں سوچ سکتی تھی کہ خضر اس کے ساتھ ایسا بھی کر سکتا ہے۔

آج ماہا اس سے ملنے یونیورسٹی آئی تھی۔ بلکہ اسے سمجھانے آئی تھی کہ وہ خضر کا پیچھا چھوڑ دے۔۔۔ کیونکہ خضر صرف اس کی بے وقوفانہ محبت کی وجہ سے۔۔۔ اس کا دل دکھانے کے ڈر سے ماہا سے شادی کرنے سے ڈر رہا ہے۔۔۔ ہچکچا رہا ہے۔ حریم کو دکھ پہنچانے سے ڈر رہا ہے۔

"اگر تمہیں ذرا بھی خضر سے محبت ہے نا حریم۔۔۔ تو تم اس کا پیچھا چھوڑ دو۔۔۔ تم جانتی ہو نا وہ آج کل اپنی جاب کی وجہ سے کس قدر پریشان ہے اور مجھ سے شادی کر کے اسے وہ سب کچھ مل سکتا ہے جو تم سے شادی کر کے نہیں مل سکتا۔۔۔ صرف محبت کے سہارے زندگی نہیں گزرتی حریم اور ایک اچھی اور پر آسائش زندگی گزارنا۔ ہر انسان کا حق ہے آج کل کے دور میں محبت کے بغیر زندگی گزر سکتی ہے۔ مگر دولت کے بغیر نہیں۔۔۔ سوچو ایک جاب لیس انسان کی اس وقت کیا کیفیت ہوگی۔۔۔ کہ وہ چاہتے ہوئے بھی وہ سب پا نہیں سکتا۔ جس کی اسے ضرورت ہے۔۔۔ اور خضر جیسا خوددار انسان کبھی بھی تمہیں اپنے منہ سے کچھ نہیں کہے گا۔۔۔ اس لیے میں تمہیں کہہ رہی ہوں۔ آگے تم خود سمجھ دار ہو۔۔۔"

ماہا نے ایک نگاہ اسی لمحے حریم کے دھواں دھواں ہوتے چہرے پہ ڈالی تھی۔۔۔ وہ اس وقت مکمل شاک کی کیفیت میں آگئی تھی۔ ضد اور ہٹ دھرمی بعض اوقات انسان کو اس کے مقام سے بہت نیچے لے آتی ہے۔۔۔ اور اسے احساس بھی نہیں ہوتا۔۔۔ ماہا بھی اس وقت خود کو سب کی نظروں میں اس قدر ہلکا کر رہی تھی۔۔۔ اسے اندازہ بھی نہیں تھا۔۔۔ اسے صرف وہ محبت چاہیے تھی جو اس نے خضر کی آنکھوں میں۔۔۔ اس کے پورے وجود میں حریم کے لیے دیکھی تھی۔۔۔ وہ صرف حریم کو ہرانا چاہتی تھی۔ وہ کیسے برداشت کر لیتی کہ اس کی موجودگی میں وہ کسی اور کو اہمیت دے۔ اسے نظرانداز کرے اور کسی اور کو چاہے۔۔۔ جب خضر کسی صورت نہ مانا تو اس نے اپنا داؤ حریم پہ چلایا اور وہ اس میں کامیاب بھی رہی تھی۔

”یہ سب تم سے خضر نے کہا ہے۔ کیا وہ سچ میں ایسا چاہتا ہے۔“ بمشکل حریم کے لبوں سے نکلا تھا۔

”تم یہی سمجھ لو۔۔۔ اب اگر تم خضر کی خوشی چاہتی ہو تو اسے میرے ساتھ ایک اچھی اور پر آسائش زندگی گزارنے دو۔“

وہ بال حریم کے کورٹ میں پھینک کر جا چکی تھی۔۔۔ اور حریم کتنی ہی دیر وہیں بیٹھی رہی تھی۔ لامحدود سوچیں تھیں جو اس لمحے اس کے ذہن میں چلی آرہی تھیں۔ اس کی زندگی میں اگر کوئی اہم تھا تو وہ خضر تھا اور اس کی خوشی حریم کو ہر شے سے زیادہ عزیز تھی۔۔۔ وہ بھلا کس طرح اسے ناخوش اور پریشان دیکھ سکتی تھی۔۔۔ اور ویسے بھی وہ کتنے ہی دنوں سے خضر کی خاموشی اور پریشانی دیکھ رہی تھی۔۔۔ اور اس لمحے یہی سوچ اس سے اتنا بڑا فیصلہ کروا گئی تھی۔ جس نے سب کو حیران و پریشان کر دیا تھا۔ اور جب یہی بات خضر تک پہنچی تو وہ کسی کی بھی پروا کیے بغیر اس کے کمرے میں آن پہنچا تھا۔

”یہ سب کیا ہے حریم۔۔۔“ اس نے ہاتھ میں تھامی انگوٹھی اس کے سامنے لہرائی تھی۔۔۔ جسے وہ اتار کر امی کو تھما آئی تھی۔ وہ بس خاموش رخ پھیرے کھڑی رہی تھی۔

”میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں حریم۔۔۔ مجھے جواب دو۔۔۔ یہ سب کیا ہے۔ تمہاری ہمت کیسے ہوئی یہ انگوٹھی اتارنے کی۔۔۔ حریم میں پہلے ہی بہت پریشان ہوں۔“ وہ اب اس کے قریب چلا آیا تھا۔ مگر وہ آنسو ضبط کیے اسی طرح رخ پھیرے کھڑی تھی۔ خضر نے اس کی خاموشی سے گھبرا کر اس کا بازو تھام کر اس کا رخ اپنی طرف پھیرا تھا۔

”تو اس میں کیا برا ہے۔۔۔ یہی تو چاہتے ہو نا تم۔۔۔ بس تم کر نہیں سکے اور میں نے کر دیا۔۔۔ اب آپ آزاد ہیں جا کر علیٰ سے شادی کر لیں۔“

وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولتی اس وقت اس کے ضبط کا کڑا امتحان لے رہی تھی۔ پر وہ ابھی تک سمجھ نہیں پایا تھا کہ وہ ایسا کیوں کر رہی ہے۔ ایسی کونسی بات ہو گئی ہے اس طرح اچانک کہ جس نے اسے اتنا بڑا قدم اٹھانے پہ مجبور کر دیا ہے۔

”تم کون ہوتی ہو۔ یہ فیصلہ کرنے والی کہ مجھے کس سے شادی کرنی ہے اور کس سے نہیں۔۔۔ تمہیں کس نے حق دیا کہ یوں مجھے اپنی زندگی سے نکال پھینکو۔۔۔ ایسا کیا ہوا ہے۔۔۔ بتاؤ مجھے مجھے سچ سننا ہے حریم۔“

بازو پہ اس کی گرفت سخت ہو رہی تھی۔۔۔ اور وہ مسلسل اس سے سچ سننے کا متمنی تھا۔ مگر وہ کسی صورت بھی اسے اپنے فیصلے کے پیچھے چھپی وجہ نہیں بتا سکتی تھی۔ کہ بہرحال اسے ہر حال میں خضر کی خودداری عزیز تھی۔ اگر وہ کھل کر اس سے بات نہیں کر پا رہا تھا تو یونہی سہی۔

”سچ یہ ہے خضر۔۔۔ کہ یہ رشتہ اب مزید نہیں چل سکتا۔۔۔ کیونکہ میں اس رشتے کو قائم نہیں رکھ سکتی۔“

اس نے دوسرے ہاتھ سے اپنا بازو اس کی گرفت سے چھڑایا تھا اور پھر سے رخ پھیر لیا تھا کہ اب مزید خود پہ ضبط کا یارا نہ تھا۔ کتنے ہی آنسو بے ساختہ ہی اس کے گالوں پہ پھسل آئے تھے۔

”یہ سچ نہیں ہے حریم۔ میں نہیں مانتا اس بات کو۔۔۔ بات کچھ اور ہے۔ جو تم مجھ سے چھپا رہی ہو۔ اور یہ آگ کس نے لگائی ہے۔ اس کا اندازہ ہے مجھے۔۔۔ اسے تو میں اب دیکھ لوں گا۔۔۔ لیکن ایک بات یاد رکھنا تم۔۔۔ تم بہت غلط کر رہی ہو۔۔۔“

وہ اسی غصے میں اس کے کمرے سے باہر نکل گیا تھا اور دروازے کی زوردار آواز سے وہ پوری جان سے ہل گئی تھی۔ بہت مشکل ہوتا ہے وہ لمحہ جب آپ اپنی محبت کو اپنے ہاتھ سے یوں نکلتا دیکھتے ہیں۔ بہت اذیت ناک ہوتا ہے یوں چپ چاپ کسی کو کھو دینا اور حریم کا اس لمحے یہی حال تھا۔ وہ دھیرے سے وہیں ٹھنڈے فرش پہ بیٹھتی چلی گئی تھی۔ گھٹنوں میں سر دیے وہ اس وقت خود پہ قائم تمام ضبط کھو بیٹھی تھی۔

☼ ☼ ☼

پورا گھر جیسے اس وقت ایک طوفان میں گھرا تھا۔۔۔

ماہا نے سب کا ناک میں دم کر رکھا تھا اور ادھر خضر اور حریم بھی اپنی اپنی ضد پہ اڑے تھے۔

"میں بہت پریشان ہوں سعدیہ... کچھ سمجھ نہیں آ رہا... ان بچوں کو کیا ہو گیا ہے؟ مارہ تو بیٹی کی محبت میں جیسے سب بھلا بیٹھی ہے۔ روز فون پہ ایک ہی گردان کرتی ہے۔ میری تو کچھ سمجھ نہیں آ رہا کہ کیا کروں..." تائی امی اس وقت سعدیہ چاچی کے پاس کے پاس بیٹھی تھیں۔ وہ اس سارے معاملے کی وجہ سے خود بہت پریشان تھیں۔

"میری تو خود کچھ سمجھ نہیں آ رہا بھابھی... سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے اول تو ماہا کو ایسی کوئی بات کرنی ہی نہیں چاہیے تھی اور مارہ بھی بجائے ماہا کو سمجھانے کے الٹا اسے اور شہ دے رہی ہیں۔ ہم پہ زور دے کر... سعادت بھی بہت پریشان ہیں۔ آخر کو بیٹی کا معاملہ ہے اور پھر یہاں تو بہن اور بہنوئی کو بھی زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتے۔"

"پر میں نے سوچ لیا ہے..." تائی امی پر سوچ انداز میں بولی تھیں۔

"کیا..." چچی نے یکدم ہی چونک کر پوچھا تھا... ان کا دل عجیب ہی انداز میں دھڑکا تھا... آخر کو بیٹی کی ماں تھیں۔

"میں آج مارہ کو صاف صاف کہہ دوں گی۔ بہت لحاظ کر لیا۔ بھئی جب خضر کو ہی یہ سب قبول نہیں ہے۔ اس کی کوئی مرضی ہی نہیں ہے تو ہم لوگ کیسے اس پہ کوئی بھی زبردستی کر سکتے ہیں یا اپنی مرضی سے کچھ بھی کر سکتے ہیں... وہ سمجھا لے اپنی بیٹی کو... میں مزید اپنے بچوں کو اس طرح پریشان اور دکھی نہیں دیکھ سکتی ہوں۔ پر اب حریم نے بھی تو ایک الگ ہی ضد پکڑ لی ہے نا..." وہ بات کرتے کرتے حریم کا سوچ کر پھر سے پریشان ہو گئی تھیں۔

"پر بھابھی مجھے یقین ہے۔ وہ ہم سے لاکھ چھپا لے مگر اسے بھی اس ماہا نے ہی کوئی الٹی سیدھی پٹی پڑھائی ہے۔ ورنہ حریم ایسا کچھ بھی کر ہی نہیں سکتی۔ اس قدر پریشان اور گم صم سی ہو گئی ہے۔" وہ ماں تھیں سمجھ سکتی تھیں بیٹی کے جذبات کو... کل تک جس کے چہرے پہ خضر کو دیکھ کر کلیاں سی چٹکتی تھیں۔ وہ آج اس طرح سے بنا کوئی بھی وجہ بتائے انگوٹھی اتار کر کیسے ان کے ہاتھ میں تھما سکتی ہے۔ یہ ماہا جیسے خود غرض اور ضدی لوگ ہی ہوتے ہیں جو اپنے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی مشکل میں ڈال دیتے ہیں۔ مگر خضر نے اب سوچ لیا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے... اور اس معاملے کو کس طرح حل کرنا ہے۔ وہ نہ صرف ماہا کے گھر اسے انکار کر آیا تھا۔ بلکہ ان لوگوں کو اچھی طرح سے سنا بھی آیا تھا۔

"خضر پلیز رکو تو... میری بات تو سنو پلیز..." ماہا اس کے پیچھے گیٹ تک بھاگتی ہوئی آئی تھی... آج احساس ہوا تھا کہ جس سے محبت کی جائے چاہے لمحہ بھر کو ہی سہی جب وہ دور جائے تو کیسا لگتا ہے۔ روح تک کھنچ جاتی ہے جسم سے... اور ایسا وہ خضر اور حریم کے ساتھ کر چکی تھی... خضر بنا رکے گیٹ کی طرف بڑھتا رہا تھا۔

"خضر پلیز... ایک بار بات تو سنو... میں بہت محبت کرنے لگی ہوں تم سے... تم جو کہو گے میں وہی کروں گی۔ تمہیں جو چاہیے میں دوں گی تمہیں... بس پلیز میری زندگی میں آجاؤ..." وہ بس اسے کسی بھی طرح اپنے بس میں کر لینا چاہتی تھی... سامنے کھڑی اس لڑکی کو دیکھ کر اس لمحے خضر کو ایک عجیب سا احساس ہوا تھا۔ وہ اس سے نفرت کرے یا ترس کھائے وہ سمجھ نہیں پایا تھا... پر اس لمحے ڈھونڈنے سے بھی خضر کو اس کی آنکھوں میں اس کے وجود میں بہت کھوجنے پر بھی اپنے لیے کسی محبت کا احساس نہیں ملا تھا کیونکہ وہ محبت تھی ہی نہیں... وہ کچھ اور تھا... کیا خضر سمجھ چکا تھا۔

"یہ محبت نہیں ہے ماہا... یہ ایک وقتی احساس ہے... پسندیدگی ہے۔ جو وقت کے ساتھ ساتھ ختم ہو جائے گی۔ پھر تم ہنسو گی خود پہ بھی اور مجھ پہ بھی... تم صرف مجھے حاصل کرنا چاہتی ہو... جیتنا چاہتی ہو چھیننا چاہتی ہو کسی سے... مگر میں کوئی ڈیکوریشن پیس نہیں

ہوں ماہا۔ تم اپنے خوب صورت بیڈ روم میں سجا کر اس کی خوب صورتی میں مزید اضافہ کر کے فخر محسوس کرو گی۔۔۔ میں وہ نہیں ہوں جو تمہیں چاہیے۔۔۔ میں تمہارے لیے نہیں ہوں۔۔۔ مت کھیلو اپنی زندگیوں سے مت کھیلو ماہا۔۔۔ پچھتاؤ گی۔۔۔ خود کو ہماری نظروں میں اتنا مت گراؤ کہ کبھی اٹھ ہی نہ سکو۔۔۔ آئندہ کبھی میرے پیچھے مت آنا۔" اسی لمحے خضر کے وہ الفاظ ماہا کے منہ پہ طمانچہ بن کر لگے تھے۔ کتنی آسانی سے وہ اس کے اندر تک اتر کر اسے آئینہ دکھا گیا تھا۔ جو وہ خود سے بھی چھپانا چاہتی تھی۔ یہ وہ خضر نے دیکھ لیا تھا۔

ہوں یہی تو اصل ماہا تھی۔ جسے اس کے والدین پہچان نہ سکے تھے۔ اور دنیا جہان کی خوشیاں اس کے قدموں میں ڈھیر کرنا چاہتے تھے۔۔۔ کیونکہ اس نے کس قدر خوب صورتی سے اپنا اصل چہرہ خوب صورت لبادے میں چھپا رکھا تھا۔ لیکن اب وہ اپنا یہ اصلی چہرہ لے کر کبھی بھی خضر احمد کی زندگی میں شامل نہیں ہو سکتی تھی۔۔۔ ماہا نے اسی لمحے خود کو اس فریب سے نکال لیا تھا۔ کیونکہ یہی سچ تھا کہ اسے خضر سے محبت بھی تو کبھی بھی نہیں رہی تھی اور اسی رات خضر نے یہاں سے دور انگلینڈ جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"بڑے چاچو میں انگلینڈ جا رہا ہوں۔۔۔" یہ ایک دھماکا تھا جو اس وقت وہاں موجود سب کے درمیان بیٹھ کر خضر نے کیا تھا۔ وہاں لاؤنج میں اس وقت سب ہی موجود تھے۔ سوائے حریم کے۔۔۔ وہ اپنے کمرے میں تھی۔ ویسے بھی وہ اب زیادہ اپنے کمرے میں ہی رہتی تھی۔

"کیا مطلب انگلینڈ جا رہا ہوں۔۔۔ یوں اچانک مگر کیوں۔۔۔؟" آذر جو اس وقت اس کے ساتھ ہی بیٹھا تھا۔ سب سے پہلے وہی بولا تھا۔ خضر اور آذر دونوں ہم عمر تھے اور ان کی آپس میں بہت اچھی دوستی بھی تھی۔ مگر خضر حیران تھا کہ اس نے یہ بات اسے بھی نہیں بتائی تھی۔

"اچانک تو نہیں۔۔۔ کافی ٹائم سے یہ پلان میرے ذہن میں ہے۔۔۔ میرا دوست ہے شہریار۔۔۔ وہ مجھے اسپانسر کرنے کے لیے تیار ہے اس نے وہاں میرے لیے جاب کا بھی بندوبست کر لیا ہے اور ویسے بھی میں یہاں پچھلے چھ ماہ سے جاب کے لیے خوار ہو رہا ہوں۔ مگر ابھی تک کوئی امید نہیں۔۔۔ اچھا ہے وہاں جا کے کچھ سیٹل ہو جاؤں گا۔ اور ویسے بھی میں اس وقت کچھ عرصے کے لیے یہاں سے دور جانا چاہتا ہوں۔" سنجیدگی سے یہ سب کہتے ہوئے وہ اس لمحے کہیں سے بھی وہ خضر نہیں لگ رہا تھا۔ جس کی آنکھیں اور لب بیک وقت مسکراتے تھے۔ اور روشنی جس کے وجود سے پھوٹتی تھی۔

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے خضر۔۔۔ یوں بغیر بتائے اتنا بڑا فیصلہ کر لیا اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں کی۔۔۔ یوں حالات سے گھبرا کر سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بھاگ جانا کہاں کی عقل مندی ہے۔ کان کھول کر تم میری ایک بات سن لو۔۔۔ میں تمہیں کہیں بھی جانے نہیں دوں گی۔" خضر کی بات سن کر تائی امی بے حد غصے سے بولی تھیں۔ اللہ اللہ کر کے تو ماہا کا قصہ ختم ہوا تھا اور یہ خضر نے اب نئی کہانی لے کر بیٹھ گیا تھا۔

"مگر امی۔۔۔"

"اگر مگر کچھ نہیں۔۔۔ بھائی صاحب آپ ہی سمجھائیں اسے کچھ۔۔۔" خضر نے انہیں کچھ کہنا چاہا تو امی نے اسے درمیان میں ہی ٹوک کر بڑے چاچو کو مخاطب کیا تھا۔

"میں اسے کیا سمجھاؤں بھابھی۔۔۔ سب کچھ تو وہ خود ہی طے کیے بیٹھا ہے۔ کسی سے مشورہ تک تو کیا نہیں اس نے۔۔۔ اب کچھ بھی کہنے سننے کا کیا فائدہ ہے۔"

انہوں نے بھی اپنی ناراضی کا اظہار کر دیا تھا۔ خضر شرمندہ تھا مگر اس نے مجبوراً یہ فیصلہ کیا تھا۔ اگلے ہفتے وہ یہاں سے جا رہا تھا حریم کی بے اعتباری نے اسے اندر ہی اندر توڑ دیا تھا۔ حالانکہ ماہا والا قصہ ختم ہوئے بھی کتنے ہی دن گزر گئے تھے۔ مگر وہ اب تک پلٹ کر ایک بار بھی اس کے پاس نہیں آئی تھی۔ اور وہ

یہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ اور ایسے میں اس کا یہاں رہنا مشکل سے مشکل ترین ہو رہا تھا۔ وہ حریم کے بغیر کچھ بھی تو نہیں تھا۔ اور اندر ہی اندر اپنے وجود میں گھلتی اور ازحد شرمندگی محسوس کرتی حریم تک جب خضر کے جانے کی خبر پہنچی تو وہ اندر ہی اندر جیسے ٹوٹ کر رہ گئی تھی۔ وہ غلط تھی۔ اس نے جذبات میں آ کر ماما کی باتوں میں لگ کر غلط فیصلہ کر لیا تھا۔ مگر اس نے یہ سب خضر کی خوشی اور آسودگی کے لیے کرنا چاہا تھا۔

مگر وہ غلط تھی اس نے خضر کو غلط سمجھا تھا وہ ہار گئی تھی۔ خضر سے دستبرداری اسے کسی صورت قبول نہیں تھی۔ وہ یہ سب خضر کو بتانا چاہتی تھی۔ اسے سب کچھ کہنا چاہتی تھی۔ پر اسے خضر سے بات کرنے کا موقع نہیں مل پا رہا تھا اور اب یکدم ہی اس نے اتنا بڑا فیصلہ کر لیا تھا۔ یہاں سے جانے کا۔

☼ ☼ ☼

سنو ایسا نہیں کرتے
کہ جس دل میں رہتے ہو
اسے توڑا نہیں کرتے
بنا جس کے نہ جی سکیں
اسے چھوڑا نہیں کرتے
سنو ایسا نہیں کرتے
اتنا خفا نہیں ہوتے
مان جایا کرتے ہیں

رائٹنگ ٹیبل کی دراز سے اپنے کچھ ڈاکیومنٹس نکالتے ہوئے اس کی نگاہ اس کھلتے ہوئے گلاب پہ پڑی تھی... جو وہیں ٹیبل کی ایک سائیڈ پر رکھا تھا۔ اس نے دراز واپس بند کی اور وہ گلاب وہاں سے اٹھا لیا تھا۔ جس کے نیچے دبے کارڈ پہ لکھی ہینڈ رائٹنگ وہ اچھی طرح پہچانتا تھا۔

"تو جان خضر... آپ لائن پہ آ ہی گئیں۔ پر اب یہی لفظ ایک بار تمہارے منہ سے سننا چاہتا ہوں۔"

کتنے ہی دنوں بعد ایک بے ساختہ مسکراہٹ نے اس کے لبوں کو چھوا تھا۔ اس نے بڑے مطمئن انداز میں وہ ساری چیزیں اٹھا کر دراز میں رکھی تھیں اور سنجیدہ سی صورت بنائے کمرے سے باہر نکل آیا تھا۔ جہاں اس وقت سب ہی ڈنر کے لیے موجود تھے۔ حریم کے خاموش چہرے پہ نگاہ پڑتے ہی مسکراہٹ نے بے ساختہ ہی اس کے لبوں کو چھوا تھا۔ پر اتنی ہی تیزی سے اس نے لب بھینچ لیے تھے اور سب کے درمیان آ بیٹھا تھا۔

"تو خضر بیٹا تیاری ہو گئی ساری... فلائٹ کب ہے تمہاری؟" کھانے کے بعد جب وہ سب وہیں بیٹھے چائے پی رہے تھے تبھی بڑے چاچو نے اس سے پوچھا تھا۔

"جی چاچو... سب تیاری مکمل ہے۔ سنڈے کی رات کو فلائٹ ہے۔ بس آپ دعا کیجیے گا کہ میں وہاں سیٹل ہو جاؤں۔"

چاچو سے بات کرتے ہوئے اس نے ایک نگاہ حریم کے چہرے پہ ڈالی تھی۔ جواب قدرے حیرانگی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ گویا وہ ساری چیزیں دیکھنے کے بعد بھی وہ جانے کی ٹھانے بیٹھے تھا۔ اس کی پلکیں پھر سے بھیگنے لگی تھیں۔ اور ان گھنی پلکوں پہ چمکتے موتی دور سے ہی خضر نے دیکھ لیے تھے۔ دل میں بے چینی سے اٹھی تھی۔ پر اتنا حق تو بنتا تھا اس کا... حریم نے اسے بہت ٹھیس پہنچائی تھی۔

"خضر اب بھی وقت ہے بچے مان جاؤ ضد چھوڑ دو۔ ہم لوگ کیسے رہیں گے تمہارے بغیر... تمہارے ابو کے بعد تم ہی تو ہمارا سہارا ہو..."

"امی پلیز... ایسی باتیں تو نہ کریں نا اب... میں جلدی واپس آ جاؤں گا۔ اب آپ روئیں تو مت نا پلیز۔"

اس نے انہیں خود سے لگا لیا تھا۔ ماں کے آنسو اس لمحے اس کے پاؤں کی زنجیر بننے لگے تھے۔ اور پھر سب ہی وہاں کچھ نہ کچھ کہہ رہے تھے۔ حریم اس لمحے چپکے سے باہر نکل آئی تھی۔

کتنی ہی دیر وہ باہر لان میں بے مقصد ہی ٹہلتی رہی تھی۔ دل پہ ایک بوجھ سا دھرا تھا۔ خضر اس کی وجہ سے

یہاں سے جا رہا ہے۔ اس نے خضر کو بہت ہرٹ کیا ہے۔ تائی امی بھی اس قدر اداس ہیں اور فضا بھی اتنی اپ سیٹ ہے۔ سب اس کی غلطی ہے۔ حریم کو اب قصور اپنا ہی نظر آ رہا تھا۔ اسے یہ سب نہیں کرنا چاہیے تھا۔ کیونکہ وہ تو خضر کو جانتی تھی۔ تو پھر وہ کیوں ماہا کی باتوں میں آ گئی۔۔۔ ماہا تو جذباتی تھی۔ جب مقصد حاصل نہ ہوا تو خود ہی پیچھے ہٹ گئی تھی۔

مجھے تو سمجھ داری سے کام لینا چاہیے تھا۔ میں نے اسے اتنا ہرٹ کیا۔ مجھے خضر سے ایک بار بات کرنی ہو گی۔ وہ کچھ سوچ کر اندر چلی آئی تھی۔

☆ ☆ ☆

اگلے دو دن چاہنے کے باوجود حریم کو خضر سے بات کرنے کا موقع نہیں مل پایا تھا۔ وہ گھر پہ ٹکتا ہی نہیں تھا۔ جانے کن کاموں میں الجھا تھا۔ سب گھر والے اس کے جانے کی وجہ سے بہت اداس تھے۔ کل وہ سب کو اپنے ساتھ ڈنر پہ لے گیا تھا۔ تاکہ جانے سے پہلے وہ سب کے ساتھ تھوڑا وقت گزار سکے مگر اس نے ایک بار جھوٹے منہ بھی حریم سے ساتھ چلنے کو نہیں کہا تھا۔ یہاں تک کہ وہ تائی امی کو بھی ساتھ لے گیا تھا۔ پر حریم اس بات پہ اس سے خفا نہیں تھی۔ خفا تو وہ تھا اور حریم اسے منانا چاہتی تھی۔ ہر صورت پر وہ موقع دے تب نا۔۔۔ کل رات وہ جا رہا تھا اور آج حریم کو کسی بھی طرح اس سے بات کرنا تھی اور اسے روکنا تھا۔۔۔ کیونکہ تائی امی بھی یہی چاہتی تھیں کہ حریم خود اس سے بات کرے۔۔۔ اس وقت بھی وہ اسے ٹیرس کی طرف جاتا دیکھ کر اس کے پیچھے ہی چلی آئی تھی۔

"خضر۔۔۔" ٹیرس کی ریلنگ پہ دونوں کہنیاں ٹکائے ہاتھوں کی مٹھیوں پہ چہرہ ٹکائے کھڑے خضر نے اس کی پکار پہ پلٹ کر دیکھا تھا اور سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"تم سے کچھ بات کرنی ہے۔" وہ اس کے قریب چلی آئی تھی۔ وہ اب منتظر نگاہوں سے خاموشی سے اسے دیکھنے لگا تھا۔

"خضر وہ۔۔۔" وہ لمحہ بھر کو رکی تھی۔

"خضر پلیز تم اپنا فیصلہ بدل دو۔۔۔ پلیز مت جاؤ انگلینڈ، دیکھو تائی امی تمہارے جانے سے کتنی اکیلی پڑ جائیں گی۔۔۔ فضا بھی کتنی اداس ہے۔ انفیکٹ (دراصل) سب ہی یہ چاہتے ہیں کہ تم نہ جاؤ۔" وہ اب اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ وہ بھی اب پوری طرح اس کی طرف ہی متوجہ تھا۔ گویا آج وہ بھی سننے کے موڈ میں تھا۔

"اگر میں تم سے پوچھوں حریم! کہ تم کیا چاہتی ہو تو۔۔۔" وہ اب سینے پہ بازو لپیٹے بڑے اطمینان سے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"میں۔۔۔" وہ لمحہ بھر کو گڑبڑا کر رکی تھی۔

"بھلا میں کیا چاہوں گی۔۔۔"

"ہاں تم حریم۔۔۔ کیوں تم کیوں نہیں کچھ چاہ سکتیں؟ تمہیں ہمیشہ صرف یہ ہی فکر کیوں ہوتی ہے کہ دوسرے کیا سوچ رہے ہیں۔ خضر مت جاؤ۔۔۔ کیونکہ امی اکیلی ہیں۔۔۔ فضا اداس ہے۔۔۔ گھر والے اپ سیٹ ہیں۔۔۔ خضر ماہا سے شادی کر لو۔۔۔ تاکہ سیٹل ہو جاؤ۔۔۔ آج میں یہ سننا چاہتا ہوں کہ حریم کیا چاہتی ہے۔ ہماری اپنی بھی ایک ذات ہوتی ہے۔۔۔ کبھی کبھار اس کے بارے میں بھی یہ سوچ لینا چاہیے کہ وہ کیا چاہتی ہے۔ اس کی خوشی کیا ہے۔ ورنہ بعض اوقات انسان کا اپنا ہی وجود پتھر ہو جاتا ہے۔ میں جانتا ہوں تم شرمندہ ہو۔ تمہارے اندر موجود ایک ایک احساس کو میں پڑھ سکتا ہوں۔ مگر کبھی کبھار منہ سے نکلے ہوئے چند لفظ کسی کو نئی زندگی دے جاتے ہیں۔ حیات نو بخش دیتے ہیں۔" دھیمے لہجے میں بولتا۔۔۔ میٹھے انداز میں احساس دلاتا وہ اس لمحے پھر سے حریم کو شرمندگی کا احساس دلا رہا تھا اور حریم کو پوری طرح احساس ہو چکا تھا کہ وہ کتنا غلط سوچ رہی تھی۔

"آئی ایم سوری خضر۔۔۔ آئی ایم ویری سوری۔۔۔ میں نے تمہیں بہت ہرٹ کیا ہے۔ پر میں نے کسی غلط سوچ سے یہ نہیں کیا تھا۔ میں ماہا کی باتوں میں آ گئی تھی۔ اس کی بار بار کی فون کالز۔ اس کا احساس دلانا کہ

میں نے تمہیں فضول میں خود سے باندھ رکھا ہے اور پھر اس کا میری یونیورسٹی آنا۔۔۔ اس نے کچھ اس طرح سے مجھ سے باتیں کیں کہ میں مجبور ہو گئی تھی سوچنے پہ کہ ہاں میں تمہارے ساتھ غلط کر رہی ہو۔ میں شاید تمہارے اچھے مستقبل کی راہ میں رکاوٹ بن رہی ہوں۔۔۔ پھر تم ان دنوں بہت پریشان تھے اپنی جاب کی وجہ سے بس اسی لیے۔۔۔"

اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی خضر نے اپنی جیب سے ایک لفافہ نکال کر اس کی طرف بڑھایا تھا۔

"یہ کیا ہے۔۔۔"

حریم نے وہ لفافہ تھام کر سوالیہ انداز میں اس سے پوچھا تھا۔

"میرا اپائنٹمنٹ لیٹر۔۔۔ ایک ہفتہ ہوا میں جوائن کر چکا ہوں۔ جاب نہ ملنے کی وجہ سے میں پریشان ضرور تھا۔ مگر نا امید نہیں تھا۔ جو میں شارٹ کٹ استعمال کرنے کا سوچتا۔۔۔ تم نے مجھے بہت غلط جج کیا حریم۔۔۔"

ان سارے گزرے لمحوں کا سوچ کر دکھ پھر سے خضر کے لہجے میں بول اٹھا تھا۔ جبکہ۔۔۔ وہ اس کی جاب کا سن کر ہی مطمئن ہو گئی تھی۔

"اس کا مطلب ہے اب تم انگلینڈ نہیں جا رہے۔۔۔ پلیز مت جاؤ خضر ہم سب کیسے رہیں گے تمہارے بغیر۔ آئی پرامس۔ میں آئندہ ایسا کچھ نہیں کروں گی۔" وہ اب بھی حریم کی بات کے جواب میں خاموش کھڑا تھا۔

"بولو نا خضر۔۔۔"

اس کی آنکھوں سے چھلکتا اطمینان وہ واضح طور پہ دیکھ سکتا تھا۔ جو اس کی جاب کا سن کر اس کی آنکھوں میں اتر آیا تھا۔

"تھینک گاڈ۔۔۔ تھینک یو خضر۔۔۔" اسے نفی میں سر ہلاتا دیکھ کر وہ بے ساختہ خوشی سے بولی تھی۔

"اگر تمہیں جاب نہ ملتی تو تم سچ میں چلے جاتے۔۔۔ خضر۔۔۔" وہ اب پھر سے اس سے بے اعتباری سے پوچھ رہی تھی۔

"جاب نہ بھی ملتی تو خیر تھی۔ اس کے بغیر بھی میں

پچھلے چھ ماہ سے گزارا کر رہا تھا۔ لیکن اگر آج تم میرے پاس نہ آتیں تا حریم... تو میں ضرور چلا جاتا۔ محبت میں ثابت قدم رہنا سیکھو حریم۔ اعتبار کرنا سیکھو۔ محبت اتنی سستی نہیں کہ آپ کسی کی بھی جھولی میں اٹھا کر ڈال دیں۔ یہ قسمت والوں کو ملا کرتی ہے اور میرا مقصد تم سے کوئی معافی نامہ لکھوانا نہیں تھا۔ میں ہرٹ ہوا تھا بس یہی بات تمہیں سمجھانا چاہتا تھا۔ ارادہ تو میں نے امی کی حالت دیکھ کر ہی بدل دیا تھا۔ اور پھر تم نے وہ چیزیں میرے کمرے میں رکھیں... تو پھر تو میں نے بالکل ہی بدل دیا... کیونکہ سچی بات ہے یار... میں بھی تو تم لوگوں کے بغیر نہیں رہ سکتا نا..."

وہ اب اس کا ہاتھ تھامے دھیرے دھیرے اسے سمجھا رہا تھا اور حریم مسکرا کر اس کی باتوں پہ اثبات میں سر ہلا رہی تھی۔ تبھی فضا شور اور آتش بازی کی آوازوں سے گونج اٹھی تھی۔ حریم نے سر اٹھا کر حیرانی سے آسمان کی طرف دیکھا تھا۔

"ہیپی نیو ایئر... مائے ڈیئر... دعا ہے کہ یہ آنے والا سال ہم سب کے لیے بہت اچھا ثابت ہو... آمین۔"

"آمین..." حریم نے بھی اس لمحے اس کی آواز میں آواز ملائی تھی۔

"تمہارے لیے..." خضر نے وہیں ٹیرس پہ رکھے گملے میں سے ایک سرخ گلاب نکال کر اس کی طرف بڑھایا تھا۔ حریم نے ہاتھ بڑھا کر اسے بہت محبت اور مکمل اعتبار کے ساتھ تھام لیا تھا۔ تبھی خضر نے پاکٹ سے انگوٹھی نکالی تھی۔ یہ وہی منگنی کی انگوٹھی تھی۔ جو حریم نے اتار کر امی کو پکڑا دی تھی۔

"خبردار جو اب اسے اپنی انگلی سے اتارا تو... ایک بار معاف کیا ہے۔ بار بار نہیں کروں گا۔"

وہ اب اسے انگوٹھی پہناتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"اور ہاں اتنا فیل مت کرو اگلی بار صرف تمہیں ڈنر پہ لے جاؤں گا وہ بھی کینڈل لائٹ رومانٹک ڈنر پہ... ٹھیک ہے۔" وہ اب اس کی طرف جھک کر دبی دبی مسکراہٹ کے ساتھ کہہ رہا تھا۔ حریم حیرانی سے اسے دیکھ کر ہنس پڑی تھی۔ گویا اسے پتا تھا کہ اسے برا لگا ہو گا... یہ محبت کرنے والے اتنی دور تک کیسے جھانک لیتے ہیں۔

"اتنی ڈھیر ساری محبت کے لیے تھینک یو خضر۔" حریم نے وہی سرخ گلاب اپنی ہتھیلی پہ رکھا تھا اور خضر کا ہاتھ تھام کر اس گلاب پہ رکھا تھا اور پھر اپنا دوسرا ہاتھ اس پہ رکھ کر مضبوطی سے بھینچ لیا تھا۔

"میرے لیے ہمیشہ بس تم ہی ہو حریم... حریم دل... حریم جان۔"

"میرے لیے بھی..."

اس محبت بھرے اقرار کے ساتھ ہی فضا پھر سے شور اور پٹاخوں کی آواز سے گونج اٹھی تھی۔ زندگی میں ثابت قدمی اور اعتبار لازمی جز ہیں۔ انسان اگر ثابت قدم ہو تو منزل چاہے کتنی ہی دور ہو۔ پہنچ ہی جاتا ہے اور اعتبار تو محبت کی کنجی ہے۔ شور مچاتے اس وقت سب ہی اوپر چلے آئے تھے۔ اور ان کو ساتھ دیکھ کر بے پناہ خوش تھے۔ نیا سال ان سب کے لیے نئی خوشیاں اور محبتیں لے کر آیا تھا۔ اور دعا ہے کہ یہ نیا سال ہم سب کے لیے مبارک ثابت ہو۔ آمین۔

مکمل ناول

بشریٰ گوندل

ڈائیوو اپنی مخصوص رفتار سے موٹر وے پر دوڑ رہی تھی۔ اندر کا ماحول بہت پرسکون تھا کچھ لوگ اونگھ رہے تھے تو کچھ لوگ کھانے پینے میں مشغول... اور بہت سے افراد ہیڈ فون کانوں میں لگائے ارد گرد سے بے نیاز آنکھیں موندے سفر کو انجوائے کر رہے تھے۔

میں کھڑکی سے باہر نگاہ ٹکائے ہوئے تھا ڈائیوو کا سفر آگے کی طرف گامزن تھا جبکہ ونڈو سے نظر آتے مناظر پیچھے کی طرف بھاگتے دوڑتے لپک رہے تھے ایک منظر کے بعد دوسرا منظر... درخت، مکان، لوگ، کھیت کھلیان ہر ہر چیز عقبی اڑان بھر رہی تھی پیچھے کی سمت دوڑ رہی تھی سفر منزل کی جانب رواں دواں ہر منظر کو راہ میں چھوڑ رہا تھا جیسے گزرا وقت ہر گھڑی یادوں کی ٹولیاں چھوڑ آئے... اور خود لمبی اڑان بھر کے گزر جائے۔

ڈائیوو اب انٹر چینج پر ٹھہری تھی اور مجھ سمیت کچھ اور مسافر اتار کر اپنے اگلے پڑاؤ کے لیے روانہ ہو چکی تھی۔ سامان کے ہمراہ سفر کی تھکان سمیٹے لوگ ٹیکسی، رکشہ کی سمت بڑھنے لگے۔ میں نے جیب سے سیل نکال کر عباس کو اپنے آنے کی اطلاع دی۔

"تم وہیں ٹھہرو، میں ابھی تمہیں لینے کے لیے انٹر چینج پر پہنچ رہا ہوں۔"

"نہیں یار اس کی ضرورت نہیں ہے میں خود ہی آجاؤں گا۔" میں نے اسے روکا۔

"ارے نہیں بھئی... تم کہاں پریشان ہو گے میں بس ابھی آیا۔"

"یار، دراصل میں پیدل ہی آنا چاہتا ہوں تاکہ گاؤں کو اچھی طرح دیکھ سکوں تم بے فکر رہو میں آسانی سے آجاؤں گا اور آئی ہوپ کہ رستہ نہیں بھولوں گا۔ اگر مجھے کسی جگہ شبہ ہوا کہ میں رستہ بھٹک گیا ہوں تو تمہیں آواز دوں گا۔" میں نے لہجے کو پر مزاح بنانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ تو عباس کا قہقہہ چھوٹ گیا۔

"چلو ٹھیک ہے تم اپنی یادداشت کو آزمانا چاہتے ہو تو جیسے تمہاری مرضی۔"

عباس میرا بچپن کا دوست تھا اسے میں نے کل شام ہی اپنے گاؤں آنے کی اطلاع دے دی تھی اور وہ کل سے ہی بہت ایکسائٹڈ ہو رہا تھا ظاہر ہے اتنے سالوں کے بعد ہم لوگوں نے ملنا تھا۔ درمیان میں کتنے دنوں کی جدائی حائل تھی، کتنے زمانوں کے وچھوڑے تھے ہجر کا کتنا طویل اور کٹھن سفر تھا صدیوں سے بھی لمبا سفر! اور یہ تو سفر بھوگنے والے کو پتا ہوتا ہے کہ وہ ایک ایک دن میں کتنی صدیاں جی آتا ہے اور وہ جینا بھی کیا جینا ہوتا ہے مرنے جیسا۔

میں نے مطلوبہ سفر کی جانب جب قدم بڑھائے تو میرے دل کی کیفیت عجیب سی ہو رہی تھی۔

ٹریولنگ بیگ ہاتھ میں تھامے میں ندی کنارے چلا جا رہا تھا نومبر کے آخری دنوں کی سنہری دھوپ ندی کے شفاف پانی کو سونے جیسا بنا رہی تھی پانی پیچھے کی سمت محو سفر تھا اور میں... یادوں کی پوٹلی لیے آگے کی سمت... اور یادوں کی پوٹلی تھی کہ بس گرہ کھل جانے

کی منتظر۔۔۔ اور یادیں تھیں کہ اڈی جارہی تھیں۔۔۔ چہرہ در چہرہ' شکل در شکل گزرے زمانوں کی گزری یادیں اور یہ یادیں ہی ہوتی ہیں جو آدمی کو کہیں کا بھی نہیں چھوڑتی اور بھول جانے کی خواہش میں ہمیشہ یاد آتی ہیں۔

اور مجھے کوئی جلدی سی لگی تھی۔ میں جلدی گاؤں پہنچوں' جلدی سے گاؤں کو دیکھوں۔۔۔ اتنی جلدی تو مجھے گزرے سارے سالوں میں نہیں لگی تھی اور اب گاؤں کے آثار نظر آرہے تھے ندی کے اختتام پر کنارے کھڑا میں دیکھتا رہا اور بہت دیر تک وہیں کھڑا رہا۔ کتنا کچھ بدل گیا تھا وہ کچے پکے مکان' وہ تنگ بل کھاتی ہوئی گلیاں' وہ دھول اڑاتے رستے۔۔۔ مکان پختہ ہوگئے تھے' گلیاں وسیع اور رستوں میں تارکول بچھ گیا تھا پہلے صرف ایک ہٹی ہوا کرتی تھی جبکہ اب کئی دکانیں بن گئی تھیں۔ چھوٹی بڑی کافی تبدیلیاں آئی تھیں ہاں ایک چیز وہی تھی اور میری نظروں نے بار بار دیکھا بھٹک بھٹک کر' ٹھہر ٹھہر کر۔۔۔ وہ اونچا چوبارہ۔۔۔ اگرچہ ظاہری خدوخال میں چند تبدیلیاں آئی تھیں قدیم وضع قطع میں جدید طرز تعمیر سے عالیشان عمارت مزید پرشکوہ ہو گئی۔ میں بڑی دیر تک آنکھیں مل مل کے دیکھتا رہا۔۔۔ یہ میرا گاؤں تھا' میرا چک تھا' میرا رنگ پور تھا جو بڑا عرصہ ہوا میں نے چھوڑ دیا تھا' جو مجھ سے چھوٹ گیا تھا ۔۔۔ آہ!

سرد آہ کو دبا کے میں نے قدم آگے بڑھا دیے۔

اس لمحے میرے احساسات عجیب سے ہو رہے تھے۔ آنسوؤں کی دبیز دھند بار بار میری آنکھوں پر چھا کر سامنے کا ہر منظر دھندلا رہی تھی۔

میں اگرچہ دس سال کے بعد لوٹا تھا' ہاں۔۔۔ پورے دس سال کے بعد' یہ کوئی کم عرصہ نہیں ہے اور پھر تبدیلیاں تو دنوں میں وقوع پزیر ہو جاتی ہیں رشتوں میں' رویوں میں' جگہوں میں ہر چیز بدل جاتی ہے ظاہر بھی اور باطن بھی۔ گاؤں کی سبز زمینوں نے جہاں قدموں سے لپٹ لپٹ کر میرا استقبال کیا وہاں تغیر و تبدل نے حیران اور دکھی کیا۔ یہ گاؤں کہیں سے بھی وہ گاؤں نہیں لگ رہا تھا جو پورے دس سال قبل میں چھوڑ کے گیا تھا' یہ تو کسی چھوٹے سے شہر کا نقشہ پیش کر رہا تھا جیسے کوئی سٹی ایریا۔۔۔ کوئی ہاؤسنگ سوسائٹی۔ جہاں زندگی کی تقریباً" ہر سہولت موجود تھی ویسے بھی ترقی کے اس تیز ترین دور میں تبدیلی بڑی جلدی رونما ہوتی ہے۔ شہری فاصلے کم ہو جانے ذرائع مواصلات بڑھ جانے اور کیبل' ٹیلی ویژن اور نیٹ ورک کی یلغار نے شہروں اور دیہات کے کلچر کو تقریباً" مٹا دیا ہے۔ جب میں یہ گاؤں چھوڑ کر گیا تھا تو اس وقت پی ٹی سی ایل کی سہولت بھی موجود نہیں تھی اور اب جگہ جگہ مختلف کمپنیز کے فون پول نصب تھے۔ کہاں تو اس گاؤں سے کسی کے دنیا سے چلے جانے کی اطلاع کسی دوسرے گاؤں میں رہنے والے عزیز و اقارب کو ہفتہ دس دن کے بعد ملتی تھی اور اب صرف منٹوں میں اطلاع ہو جاتی ہے۔۔۔ واقعی آج کل دنیا گلوبل ویلیج کی صورت اختیار کر گئی ہے۔

عباس اپنے دونوں بیٹوں کی انگلیاں تھامے دروازے پر ہی میرے استقبال کے لیے موجود تھا۔

"میں تو سمجھ رہا تھا کہ میرا یار ایک بار پھر کواچ گیا ہے۔" عباس بہت پرجوش طریقے سے مجھ سے بغلگیر ہوا اور مجھے ساتھ لے کر گھر کے اندرونی حصے کی طرف بڑھ گیا پھر اس نے میری خاطر مدارات میں کوئی کمی نہ چھوڑی اس کے ہر ہر انداز اور رویے سے اس کی میری آمد پر خوشی ظاہر ہو رہی تھی ویسی ہی خوشی جیسے کوئی مدتوں کا بچھڑا آن ملے۔

"رنگ پور تو بہت بدل گیا ہے یار۔۔۔!" رات کھانے کے بعد ہم لوگ چھت پر ٹہل رہے تھے جب میں نے عباس سے کہا۔ سرمئی رات میں سارے گھروں کی ساری بتیاں روشن تھیں۔

"اوں ہوں۔" عباس بولا۔ "رنگ پور کے ظاہری خدوخال کچھ کچھ بدل گئے ہیں لیکن اندر سے اب بھی ویسے کا ویسا ہی ہے اور رہی تبدیلی کی بات تو تم بھی تو بہت بدل گئے ہو۔"

"میں۔۔۔!" میں نے حیران ہو کر اپنے آپ کو سر

سے پاؤں تک دیکھا۔ "میں کہاں سے بدلا ہوں یار' پہلے جیسا تو ہوں۔" میں ہولے سے ہنس دیا حالانکہ میں جانتا تھا گزرتے وقت نے میرے خدوخال اور ظاہری حلیے میں کچھ تبدیلیاں کی ہیں۔ یہ تو عباس کی محبت تھی جو مجھے اتنے سال کے بعد پہچان گیا اگرچہ فون پر کبھی کبھار اس سے رابطہ تھا' وہ بھی گزشتہ سال اتفاقاً" وہ مال روڈ پر مجھے ملا تو حیرت سے دنگ رہ گیا اور بار بار اس اتفاقیہ ملاقات کو غیبی معجزہ قرار دے رہا تھا۔ میں اس روز جلدی میں تھا فون نمبر اسے دے دیا اور اس کے بعد تو عباس نے گویا ضد ہی پکڑلی جب بھی بات ہوتی وہ گاؤں آنے پر اصرار کرتا اور میں مسلسل انکار دیتا کہ میرا اب گاؤں میں کون تھا جس کے لیے میں صدیوں کی مسافت جھیل آتا۔۔۔ جس کے لیے میں واپسی کے تکلیف دہ سفر کی صعوبتیں جھیلتا اور خود کو پتھر کا کرلیتا۔۔۔ لیکن پھر ایک وقت آیا کہ عباس کے محبت بھرے اصرار کے سامنے میں نے خود کو ہارتے ہوئے محسوس کیا اور واپسی کا قصد کیا۔

مجھے جانے کیوں یقین تھا کہ گاؤں کے لوگ اب مجھے نہیں پہچانیں گے۔۔۔ درمیان میں اتنے سال جو حائل تھے' لیکن میں حیران رہ گیا جب سبز زمینوں کے درمیان میں سے نکلتی پگڈنڈیوں پر بہت سے لوگ مجھے پہچان کر رستہ روک لیتے اور گزرے وقت کا حال احوال دریافت کرتے' گزر اوقات کے متعلق پوچھتے تو میں سوچتا۔

"تو اس کا مطلب ہے میں نہیں بدلا۔۔۔ میرے ظاہری خدوخال میں کوئی بہت واضح تبدیلی نہیں آئی ۔۔۔ یا پھر شاید گاؤں والوں کی یادداشت غضب کی ہے۔"

☆ ☆ ☆

جنگل مجھ سے بات تو کر
دیکھ کہاں سے آیا ہوں
سناٹا ہے چاروں جانب اور ہوا کی سرگوشی میں
ٹوٹے ٹوٹے سے کچھ جملے

رات گئے تک ہونے والی بارش کے قطروں کی صورت

پتا پتا ٹپک رہے ہیں
جنگل تیرے سامنے اس دن
ہم نے کتنی باتیں کی تھیں
تجھ کو بھی وہ یاد تو ہوں گی
سب نہ سہی پر تھوڑی تھوڑی
یہ جو ہوا کی سرگوشی ہے اس کے ٹوٹے جملوں جیسی
اتنے برس کا اک اک لمحہ لایا ہوں
جنگل مجھ سے بات تو کر
دیکھ کہاں سے آیا ہوں

میں گزشتہ کتنے ہی گھنٹوں سے کسی سرپھرے بنجارے کی طرح' کسی جوگی کی طرح اس کئی میلوں کے رقبے پر پھیلے جنگل نما باغوں میں جانے کیا ڈھونڈ رہا ہوں گزرے ہوئے موسموں کے جانے کون کون سے گمشدہ لمحے۔۔۔ گئے وقت کی آہٹیں' سرگوشیاں جذبے' قصے کہانیاں۔۔۔ کوئی عہد' کوئی نباہ کا وعدہ۔۔۔ میں ہر درخت کے ایک ایک تنے کو چھو چھو کر جانے کون سی

چیز تلاش کرتا رہا پھر ہانپ گیا اور مطلوبہ چیز نہ ملنے پر مایوس ہو بیٹھا' یہ کوئی آج کل کی بات تھوڑی تھی کہ تلاش کامل ٹھہرتی' کھوئے ہوئے لمحوں کے نشان مل جاتے۔ درمیان میں کتنے سال تھے' کتنی صدیاں تھیں' کتنے موسم ٹھہر ٹھہر کر گزرے تھے' پرت پرت لباس بدلتے درختوں کے تنے اپنے جسم پہ لکھی ہوئی کہانیاں کس قدر جلدی مٹا دیتے ہیں۔ ایک تنے کے مضبوط اور نرم و ملائم سطح پر ہاتھ پھیرتے ہوئے میں سوچتا رہا۔

درختوں پر نام لکھنا محبت کے متوالوں کی بڑی پرانی روایت ہے شاید اتنی ہی قدیم جتنی کہ محبت۔ میں نے محبت کے سنہرے دنوں میں چاقو کی نوک سے ایک طویل قامت درخت کے صحت مند تنے پر ایک تصویر دل بنا کر اس کے عین وسط میں تیر کا نشان بنایا تھا اور بڑی محبت' چاہ اور عقیدت کے ساتھ اپنے نام کے ساتھ ایک اور نام کے ابتدائی حروف کندہ کیے تھے... اور اب کئی نشانیاں اگرچہ اس شجر کے حوالے سے ذہن میں موجود ہوتے ہوئے بھی مجھے وہ علامتی شجر اپنی جگہ پر نہیں ملا تھا۔ اس کی لکڑی سے مسہری بنی ہوگی یا کوئی تابوت یا ایندھن کے کام آیا ہوگا۔

تھک ہار کر میں ندی کنارے بیٹھا بڑی دیر تک جنگل کی بے نام خاموشی میں گزرے وقت کی مدھم سرگوشیاں سن رہا تھا اور وقت مجھے ماضی کی جانب کھینچ رہا تھا۔

چوڑیوں کی بہت مدھم سی جھنکار' اماوس کالی سیاہ راتوں میں جگنو پکڑنے کا حسین و دلفریب سا مشغلہ' تتلیاں پکڑنے کی خواہش میں تو کبھی جگنوؤں کی تلاش میں ندی کے یخ پانیوں میں پور پور اتر جانا تو کبھی سرکنڈوں کے کھیت میں ہوش کھو دینا۔

بچپن کی معصوم باتیں' لڑکپن کے آدھے ادھورے قصے' پھر آئی جوانی کی الہڑ کہانیاں... خواب' قصے' کہانیاں... یادوں کا کوئی ہجوم سا تھا جو مجھے گھیر کے بیٹھ گیا۔

ندی کے بہت شفاف پانی کے سنگ میں بھی سبک روی سے الٹی سمت بہنے لگا تو یادوں کا بہاؤ مجھے دور... بہت دور اپنے بچپن میں لے گیا جب میں یہاں اپنے گاؤں رنگ پور میں رہتا تھا... مگر یہ میرا اپنا گاؤں کہاں تھا اگر یہ میرا گاؤں ہوتا تو اس طرح میں گاؤں بدر نہ ہوا ہوتا مجھے رات ہی رات گاؤں کو چھوڑ دینے کا اذن نہ ملا ہوتا' مجھے در در کی ٹھوکریں نہ کھانا پڑتیں'... یہ میرا گاؤں تو کبھی تھا ہی نہیں... کسی بھی جگہ رہ لینے سے وہ جگہ انسان کی ملکیت نہیں ہو جاتی۔ میں آج بھی یقیناً" اتنا باحیثیت نہیں ہوں میں آج بھی اتنا ہی حقیر ہوں جتنا آج سے کئی برس قبل تھا۔ مجھے آج بھی اس بات کا اچھی طرح احساس ہے کہ میں... میں کیپٹن سانول... ملکی سرحدوں کی حفاظت پر مامور ایک ذمہ دار فوجی' وردی پر پھول سجائے کیپٹن کے عہدے پر پہنچ کر بھی اس بلند فصیلوں والی اونچی حویلی کی چوکھٹ کو چھونے کی کوشش بھی نہیں کر سکتا جس کو چھونے کے خواب کئی برس ہوئے میری آنکھوں میں اتر آئے تھے اور پھر ان خوابوں کا قرض چکاتے چکاتے میری آدھی عمر گزر گئی ان خوابوں کا تاوان ادا کرتے کرتے میں نے اپنی عمر کی کل جمع پونجی لٹا دی۔

☼ ☼ ☼

چلتے چلتے میں پرائمری اسکول کی اس بلڈنگ کے سامنے جا کھڑا ہوا جسے اب ہائیر سیکنڈری کا درجہ مل چکا تھا اسکول کے سامنے شیشم کے تناور اور سال خوردہ درخت سے ٹیک لگائے میں بڑی دیر تک کھڑا اسکول کی عمارت کے بہت شناسا خدوخال میں جانے کیا کچھ کھوجتا رہا تلاشتا رہا... یہ وہی اسکول تھا جہاں میں نے پانچ جماعتیں پاس کی تھیں۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب حکومت نے غریبوں کے لیے نئی نئی مفت تعلیم کا اعلان کیا تھا اور غریب بچوں کو حکومت کی طرف سے تعلیمی نصاب فراہم کیا جانے لگا تھا۔ مجھے ان دنوں کی ایک ایک بات یاد آرہی تھی۔

کچے فرش پر ٹاٹ بچھائے سارا دن آدھی دھوپ اور آدھی چھاؤں میں بیٹھے رہنا مجھے نہیں بھولتا اور ہر

صبح باقاعدگی سے لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری معنی و مفہوم سے بے نیاز خوب زور و شور سے بہ آواز بلند پڑھنا اور پھر اک دونی دو' دو دونی چار خوب لہک لہک کر گانا اور دوسروں سے سبقت لے جانا... خوش خطی کے خیال سے ٹیچرز ہم سے سارا دن تختیاں لکھنے کی تاکید کرتے اور ہم بھی تاکید کے عین مطابق تختیاں دھوئے جاتے اور لکھتے جاتے۔

"میری تختی پر بھی لائنیں ڈال دو گے...؟" کسی یاد میں زلیخا کی آواز نے سرگوشی کی۔ میں نے ایک دم سر اٹھا کر حیرت و سرخوشی کے ملے جلے تاثرات سے اسے دیکھا تھا اور حسد کی دہکتی آگ پر کسی نے یک دم ٹھنڈی ٹھار برف ڈال دی تھی۔ ہاں ان دنوں نہ صرف میں بلکہ کلاس کے دوسرے لڑکے اور لڑکیاں بھی اسی حسد میں مبتلا تھے کہ زلیخا ٹیچر کے برابر والی کرسی پر بیٹھ کر پڑھا کرتی تھی جبکہ ہم سب مٹی مٹی چھید ہوئے ٹاٹوں پر...

"میری تختی پر بھی اپنی تختی جیسی لائنیں ڈال دو نا۔" وہ ایک بار پھر آنکھوں میں التجا لیے میرے سامنے کھڑی تھی۔

میں نے چپ چاپ تختی اس کے ہاتھ سے پکڑی' اس کی تختی پر دل لگا کر پنسل سے لائنیں ڈالتے ہوئے میں سارا دن اسی خوشی میں مسرور رہا کہ چلو کسی بہانے زلیخا چوہدری ہم سے کم تر تو لگی' چاہے اپنی تختی پر لائنیں ڈلوانے کے معاملے میں ہی سہی اور پھر یہ روز کا معمول بن گیا... اگر کبھی وہ فرمائش کرنا بھول جاتی تو میں چپ چاپ اس کے گھٹنوں پہ رکھی تختی اٹھا لیتا تھا اور اس لمحے اس کی آنکھوں میں ہلکورے لیتا تشکر مجھے سارا دن برتری کا احساس دلاتا رہتا۔

کسی نے سچ کہا ہے کہ بچپن کی ایک یہ بڑی خرابی ہے کہ یہ جلدی بیت جاتا ہے مگر اس سے بھی بڑی خرابی یہ ہے کہ یہ ذہن و دل پر انمٹ نقوش چھوڑ جاتا ہے۔

زلیخا کو میں نے کب دیکھا تھا' شاید تبھی جب خود کو دیکھا' جانا اور پہچانا... وہ میرے سنگ سنگ بڑی ہوئی

تھی۔۔۔ وہ میرے ہی گاؤں کی تھی۔۔۔ نہیں میں شاید کچھ غلط کہہ گیا ہوں وہ میرے گاؤں کی تھی۔۔۔ نہیں' میں شاید کچھ غلط کہہ گیا ہوں وہ میرے گاؤں کی نہیں بلکہ میں اس کے گاؤں کا تھا اور یہ احساس مجھے بہت دیر بعد ہوا تھا کہ اس کے اور میرے درمیان فاصلہ زمین اور آسمان جتنا ہے جسے میں ساری عمر بھی چلتا رہوں تو ختم نہیں کر سکتا۔ پورے کا پورا گاؤں اس کا تھا' سارے لوگ اس کے تھے۔ رشتے ناتے 'برادری' کمی کمین' نوکر چاکر سب کچھ اور میں۔۔۔ میرا کیا تھا ایک بوڑھی دادی جو اس دنیا میں میری واحد رشتہ دار تھیں میرا اکلوتا رشتہ۔۔۔ فقط دادی۔ رشتوں کے معاملے میں تو میں شروع سے ہی تہی دست و داماں تھا' بہت اکیلا اور تنہا۔۔۔

شعور جب ذرا سا بے دار ہوا تو معلوم ہوا کہ میرا اس بھری دنیا میں سوائے دادی کے کوئی رشتہ دار نہیں ہے نہ کوئی قریب کا اور نہ کوئی دور کا۔۔۔ میرے والدین کسی ٹریفک حادثے کا شکار ہو کر مجھے دادی کے رحم و کرم پر چھوڑ گئے تھے جو خود اوروں کے رحم و کرم پر تھیں۔ زندگی کبھی کبھی جب آزماتی ہے تو یونہی خالی دامن کر چھوڑتی ہے۔

دادی گاؤں کے بچوں کو قرآن پاک پڑھایا کرتی تھیں۔

ایک کمرے پر مشتمل وہ کچا پکا چھوٹا سا مکان میری نگاہ میں گھوم گیا۔ ہمارا وہ چھوٹا سا کمرہ جس میں بمشکل دو چار چارپائیاں ہی آپاتیں۔۔۔ چند بوندوں کے بعد ہی جس کی چھت ٹپکنے لگتی تھی اور میں برسات کے دنوں میں بارش نہ ہونے کی دعائیں مانگا کرتا اور ایسا کبھی ہوا ہے کہ برسات کا موسم بھی ہو اور بارش بھی نہ ہو۔۔۔ آسمان پر تیرتے چند بادلوں کے ٹکڑے دیکھ کر میں سہم جاتا تھا۔

ہمارے چھوٹے سے صحن کے عین وسط میں سکھ چین کا گھنیری شاخوں والا درخت تھا جس کے اوپر چڑیوں کا بسیرا تھا میں سکھ چین کے سائے میں بچھی چارپائی پر کئی کئی گھنٹے ہاتھوں کا تکیہ بنائے چوں چوں کرتی شاخ در شاخ پھدکتی چڑیوں کو دیکھا کرتا۔ وہ کہیں سے اناج کا دانہ لایا کرتیں اور اپنی بچوں کی چونچ میں ڈالتی تو اس معصوم بچے کے ساتھ میں بھی دل میں کوئی انوکھی سی خوشی محسوس کرتا۔

دادی اسی سکھ چین کی چھایا میں سب کو سیپارہ پڑھایا کرتیں میں سب سے پہلے باوضو ہو کر سر پر ٹوپی رکھے اپنا پارہ لے کر چٹائی پر آبیٹھتا۔

اس یاد کے ساتھ ہی میرے تصور کے آئینے پر چھوٹی سی اوڑھنی ماتھے تک اوڑھے سب لڑکیوں کے درمیان بیٹھی زلیخا چلی آئی۔ وضو کا پانی جس کے چہرے پر بڑی دیر تک موتیوں کی طرح چمکتا تھا۔ وہ سب کے درمیان بیٹھی سب میں نمایاں لگتی۔ اس کا پہناوا' بات کرنے کے انداز' معصوم شوخیاں اور شرارتیں۔۔۔ وہ سب سے منفرد دکھتی۔ وہ ہمیشہ ہل ہل کے سیپارہ پڑھا کرتی تھی۔

"دادی دیکھو نا اس زلیخا کو' یہ پڑھتی کم ہے اور ہلتی زیادہ ہے۔۔۔ اس طرح تو دادی آپ آٹا گوندھتے وقت ہلتی ہیں۔"

میں روزانہ دادی سے اس کی شکایت لگاتا اور دادی ہنس کر ٹال دیا کرتیں۔

اگرچہ سب بچے چٹائی پر بیٹھ کر پڑھتے تھے تو وہ بھی سب کے بیچ میں بیٹھ کر پڑھ رہی ہوتی دادی جانے کیوں سب کو برابری کی سطح پر رکھتی تھیں مساوات قائم رکھنے کی کوشش کرتی تھیں شاید۔۔۔ اور زلیخا کو بھی "وڈے چوہدری" کی بیٹی سمجھ کر کوئی اسپیشل پروٹوکول نہیں دیا کرتی تھیں جیسا کہ اسے اسکول میں ملتا تھا جیسا کہ اسے ہر جگہ ملتا تھا۔

گھر سے باہر بہرحال ہم سب دوست تھے' ہم عمر تھے' ہم میں مساوات تھی ہم میں محبت تھی۔۔۔ بچپن کی کم سن اور معصوم محبت۔۔۔ ہم میں کسی مزارعے' غریب کسان' کمی کمین اور۔۔۔ "وڈے چوہدری" کی اولاد میں تفریق نہ تھی۔ ہمارے مشغلے ایک تھے' کھیل ایک تھے' سوچ ایک تھی' گویا اتحاد ہی اتحاد تھا ہم سارا دن کھیتوں' کھلیانوں پگڈنڈیوں اور گاؤں کی گلیوں میں

کھیلا کرتے تھے کیونکہ وہ بچپن تھا ہر آگہی سے پاک' ہر رنج و غم سے دور' ہر تلخی و اذیت سے ماورا۔ خوابوں کی سبز زمینوں جیسا بچپن... کسی خوش رنگ پھول پھول منڈلاتی تتلی جیسا بچپن... میری زندگی کے وہ بڑے سہانے دن تھے جنہیں میں چاہ کر بھی فراموش نہیں کر پایا۔

☼ ☼ ☼

وقت کتنا بدل گیا تھا اور وقت کے اس بدلاؤ پہ میں سچے دل سے دکھی تھا... مگر یہ سچ ہے کہ وقت اگر سب کچھ بدل بھی دے مگر دلوں پر لکھی تحریریں نہیں بدل سکتا۔ مجھے وقت ایک بار پھر پیچھے لے گیا۔

اس روز لڑکیاں ایک دوسرے کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے اکلی ڈال رہی تھیں۔ میں اگرچہ چاہتا تھا کہ میں بھی اس کھیل میں حصہ لوں مگر چاہنے کے باوجود بھی میرے اندر کی بزدلی تھی کہ میں کبھی اکلی نہ ڈال سکا کیونکہ پہلے ہی چکر میں مجھے اپنا سر گھومتا ہوا محسوس ہوتا... لڑکیوں کو اس طرح ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے گول گول گھوم کر پھیرے لگاتا دیکھ کر ہی مجھے ہر لمحہ یہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ اچانک ہاتھ چھوٹ جانے پر وہ اب گریں کہ تب... مگر یہ ان کی مہارت اور کھیل پر گرفت تھی کہ کبھی ہاتھ نہ چھوٹے۔ میں اسی خوف کے زیر اثر دو دو لڑکیاں کو چکراتا دیکھ رہا تھا کہ زلیخا کی تیز چیخ نے فی الفور مجھے اپنی طرف متوجہ کیا میں تیزی سے اس کی طرف لپکا وہ اپنا پاؤں پکڑے بیٹھی چیخ رہی تھی اس کے پاؤں میں کانٹا چبھ گیا تھا وہ زار زار رو رہی تھی حالانکہ یہ کوئی اتنا زیادہ واویلا کرنے والی بات نہ تھی مگر ظاہر ہے وہ محلوں کی رانی تھی اسے کبھی پھولوں نے بھی نہیں چھوا تھا کہ خار چبھ گیا... وہ کوئی ہم لوگوں جیسی تو نہ تھی کہ ہر تکلیف کو ہنس کر سہہ جانے کے عادی۔

سب کھیل چھوڑ چھاڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔

"ارے' یہ کوئی رونے والی بات ہے بھلا... ؟" میں پنجوں کے بل زمین پر اس کے روبرو بیٹھ گیا اور اسے چپ کرانے کی ہر کوشش کر ڈالی مگر وہ مسلسل رو رہی تھی اس کی سکھیاں بھی اسے خاموش کرانے کی ہر ممکن سعی کر رہی تھیں۔ میں اس کا چھوٹا سا گلابی نرم و نازک پاؤں اپنے گھٹنوں پر رکھے کسی ماہر سرجن کی طرح معائنہ کرنے لگا حالانکہ اس کے اور میرے درمیان فقط چند سال کی عمر حائل تھی مگر اس کے سامنے میں اکثر یونہی بڑا بن جایا کرتا تھا۔

اسے اپنی اوڑھنی کا پلو دانتوں میں دبانے کی تاکید کر کے میں کانٹا نکالنے لگا تو اس نے سی کر کے اپنا پاؤں کھینچ لیا جس کے نتیجے میں کانٹا ٹوٹ کر آدھا میرے ہاتھ میں اور آدھا پاؤں کی ایڑھی میں ہی چبھا رہ گیا۔

اس کے بھاں بھاں کر کے رونے میں اور شدت آ گئی میں نے پروا نہ کی اور اس کی سکھیوں کو اس کا پاؤں مضبوطی سے پکڑ کر رکھنے کی تاکید کر کے میں نے ایک اور کانٹے کی نوک سے ایڑھی میں رہ جانے والے کانٹے کو نکال دیا کانٹے کے ساتھ ننھا سا خون کا قطرہ بھی نکل آیا جسے میں نے فوراً' انگلی کی پور سے صاف کر دیا کیونکہ مجھے یقین تھا کہ اپنا خون دیکھ کر وہ نازک سی لڑکی مزید روئے گی۔

"لو' اتنی سی تو بات تھی تم نے رو رو کے دریا بہا دیے ہیں ویسے تو بڑی بہادر بنتی ہو تم کہ میں ڈرتی ورتی نہیں ہوں۔"

وہ روتے روتے ہنس پڑی تو یوں لگا جیسے تیز برستی بارش میں اچانک دھوپ نکل آئے۔

اس یاد کے ساتھ ہی میرے ہونٹوں پر ہنسی بکھر گئی۔ یادوں کو بھی یہ کیسا ہنر آتا ہے' کبھی ہنساتی ہیں تو کبھی رلا دیتی ہیں۔ میں نے انگلی سے آنکھ کنارے جمع ہونے والا پانی صاف کرتے ہوئے سوچا۔

☼ ☼ ☼

بڑی دیر تک کینو کے پھل سے لدے باغ کی وسط میں چوڑی پگڈنڈی پر واک کے بعد میں بھاپ اڑاتے نہر کے گدلے پانی میں پاؤں ڈبو کے بیٹھ گیا اور صبح کے سہانے موسم میں درختوں کی شاخوں میں چہچہاتے

پرندوں کی بولیاں سننے لگا... کہیں دور گونجتی بن چکی کی ٹوہ ٹوہ نے میرے اندر حیرت آمیز مسرت کی لہر جگا دی میں حیران رہ گیا تو گویا پن چکی اب بھی اسی رفتار' اسی تسلسل سے چلتی ہے... ماہ و سال کے تغیر و تبدل کچھ چیزوں کو جوں کا توں چھوڑ دیتے ہیں جیسے دھرتی کے سینے کو چیرتی' دور دور تک گونجتی آٹا پیسنے والی پن چکی... سناٹے کو درہم برہم کرتی اس مانوس آواز کے ساتھ میں بھی محو سفر ہو گیا تو بڑی دور جا نکلا بچپن کی حسین وادی میں۔

پرانے قبرستان کے دوسری جانب وہ ایک وسیع میدان تھا جس میں ہم سب مل کر کھیلتے اور اودھم مچا دیتے تھے۔ ہر روز کوئی نہ کوئی نئے سے نیا کھیل دریافت کرتے تھے۔ تب نہ تعلیم اتنی عام تھی اور نہ تعلیم کی اہمیت کا اندازہ تھا گاؤں میں تب بچوں کی زندگی کا جشن صرف کھیل کود ہوا کرتا تھا۔ بچے کھیل کود اور معصومیت بھری شرارتوں میں صبح سے شام کر دیتے تھے۔

دوسری بہت سی چیزوں کے ساتھ ساتھ الیکٹرانک میڈیا کی بے دریغ یلغار نے دیہاتی لوگوں کی سادگی اور بچوں کی معصومیت کو شدید متاثر کیا ہے۔ وہ بہار کے اولین دن تھے بدلتے موسم کا سندیسہ دیتی خوشگوار آہٹ نے چار سو رنگ ہی رنگ بکھیر دیے۔

سرسوں پھولی تو ہم لوگ پتنگیں لے کر چھتوں پر چڑھ گئے۔ رنگ رنگ کی گڈیوں کے رنگین پیراہن جیسے آسمان سج گیا۔ ہر کوئی اس شوق میں مبتلا تھا بڑے اہتمام سے ڈوروں پر مانجھے لگائے جاتے اور بو کاٹا کا شور سارے میں گونجتا... پھر کئی روز تک سیٹیوں اور پرجوش نعروں کے پرہنگام شور میں پتنگیں اڑاتے اور کٹاتے رہے اس کھیل کا اختتام تب ہوا جب عباس ڈور کے ساتھ کھنچتا ہوا منڈیر سے سیدھا زمین پر جا گرا اور اس کے ایک بازو کی ہڈی فریکچر ہو گئی اور کئی اندرونی و بیرونی چوٹیں آئیں۔

ہم سب کھیل کے اس خوف ناک انجام پر ساکت و خوف زدہ ہو گئے تھے۔ پھر بڑے دنوں تک عباس کپڑے کے ساتھ باندھ کے بازو گلے میں لٹکائے پھرا۔

ایک یاد آتی ہے تو پھر یادوں کے ہجوم لگ جاتے ہیں۔ میں اس وقت یادوں کے ہجوم میں گھرا بیٹھا تھا۔ اس روز ہم لوگ گلی ڈنڈا کھیل رہے تھے لڑکیاں ہر کھیل میں ہمارے شانہ بہ شانہ ہوتی تھیں بلکہ ان کا جوش و خروش ہم سے بھی آگے ہوتا ان کی ایکسائٹمنٹ دیکھنے سے تعلق رکھتی... اور لکڑی کے ڈنڈے کے ساتھ وہ اس زور سے ہٹ لگاتیں کہ پھر گلی ڈھونڈنے میں خاصی دشواری ہوتی... اپنی باری پر جب میں نے ہٹ لگائی تو میری زوردار ہٹ پر گلی ہوا کے دوش پر اڑتی ہوئی... اپنے مجازی خدا کی قبر پر دیا جلا کے قبرستان کی طرف سے آتی ماسی جنتے کے ماتھے پر جا کے لگی۔ ماسی جنتے کے ماتھے سے لہو کا فوارہ پھوٹتا دیکھ کر ہم سب کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور بدحواس سے ہو کر بھاگنے کے چکروں میں تھے کیونکہ ماسی جنتے کا مشہور زمانہ خوفناک اور خطرناک غصہ کسی سے بھی پوشیدہ نہ تھا۔

جوں جوں ماسی کے قدم ہماری جانب بڑھتے جا رہے تھے ہمارے حواس ہمارا ساتھ چھوڑتے جا رہے تھے۔

میرے قدم زمین نے ایسے پکڑ لیے جیسے مقناطیس لوہے کو پکڑتی ہے اور دوسروں کا بھی یہی حال تھا چنانچہ وہاں سے بھاگ جانے کی شدید خواہش دل میں دبی رہ گئی۔

ماتھے پر دوپٹے کا گولہ سا بنا کر خون روکنے کی کوشش کرتے ہوئے ماسی نے اپنے مخصوص غراتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"نہ میں پوچھتی ہوں تمہیں اس پورے پنڈ میں' میں ہی ایک نکی تھی مارنے کے لیے... میرے سر کا سائیں پہلے ہی دنیا سے گزر چکا ہے اب تم لوگ مل کے مجھے بھی مار دینا چاہتے ہو... مجھے سچی سچی بتاؤ کہ یہ گولی مجھے ماری کس نے ہے جو میرے متھے میں سوراخ کرتی ہوئی چلی گئی...؟" ہم سب کو سانپ سونگھ گیا اب کون بتاتا کہ یہ گولی بے شک نہیں تھی میں چنانچہ مجرم تھا اور میرا دل پتے کی طرح لرز رہا تھا۔

اب نہ جانے کون کیا بتا دے... ہم سب میں یہ ایک بڑی اچھی عادت تھی کہ ہم لوگ ایک دوسرے کی شکایات اور چغلی نہیں لگاتے تھے بلکہ ہر ممکنہ حد تک پردہ پوشی ہی کرتے تھے۔ اس وقت بھی ہم سب ماسی کے سامنے مجرموں کی طرح سر جھکائے کھڑے تھے۔

تبھی زلیخا نے جرات کا مظاہرہ کیا اور آگے بڑھ کر ماسی کے ماتھے کا گومڑ سہلاتے ہوئے بہت معصومیت سے بولی۔

"ماسی میری پیاری ماسی، یہ غلطی مجھ سے ہو گئی ہے تمہاری سوں ماسی مجھے کیا خبر تھی کہ آگے سے تم آرہی ہو، اگر میں نے تمہیں دیکھ لیا ہوتا تو میں کسی اور طرف ہٹ لگاتی ناں... چل غصہ تھوک اور معاف کر دے۔"

میں حیران ہو کر ٹکر ٹکر زلیخا کی صورت دیکھ رہا تھا جو بڑے آرام سے میرا جرم اپنے سر لیتے ہوئے ماسی سے معافی مانگ رہی تھی۔ باقی سب بھی حیران آنکھوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ ہاں، اس سے قبل ہم میں یہ والی روایت نہیں تھی یعنی دوسرے کا جرم اپنے سر لینے والی۔

ماسی چند لمحے ہم سب کو شکی نظروں سے دیکھتی رہی جیسے اسے زلیخا کے بیان کی صداقت پر شبہ ہو لیکن پھر کچھ بھی مزید کہے بغیر اپنے گھر کی طرف چل دی ظاہر ہے اگر بڑی حویلی کی شہزادی... بڑے چوہدری کی اکو اک دھی رانی نے ماسی کا ماتھا اگر پھاڑا بھی تھا تو کون سی قیامت آگئی تھی یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں تھی کہ جس پر واویلا کیا جاتا... زخم کا کیا ہے دو چار دن باقاعدگی سے پٹی باندھے گی تو ٹھیک ہو جائے گا، اللہ اللہ خیر صلا... ہاں اگر بالفرض میرا جرم ثابت ہو جاتا تو پھر دوسری بات تھی میں ماسی کے منظر عام سے ہٹتے ہی فی الفور زلیخا کی طرف پلٹا۔

"زلیخا... تم نے یہ کیوں کہا کہ ماسی کا ماتھا تم نے پھاڑا ہے۔" میں شکی لہجے میں پوچھ رہا تھا۔ وہ بولی۔

"میں اگر یہ نہ کہتی تو ماسی تمہیں کسی ردی کاغذ کی طرح پھاڑ کے رکھ دیتی کیونکہ ماسی کے غصے سے تو پورا پنڈ پناہ مانگتا ہے... وہ تمہیں نیل و نیل کر دیتی۔"

اس نے ماسی کی بربریت کا کچھ ایسا نقشہ کھینچا کہ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے... تب مجھے یاد آیا کہ پچھلی بار ایسی ہی کسی شرارت پر چاچا کرم دین لوہار نے مجھے دھنک کے رکھ دیا تھا تو زلیخا نے ہی مجھے بچایا تھا اور مجھے بچاتے بچاتے خود رو پڑی تھی۔

اس کے بعد ہم میں اس نئی روایت نے جنم لیا... کبھی ہم کسی کے باڑے میں بھینسوں کے پاس رکھے دودھ میں پانی ملا دیتے، کسی کے کچے امرود توڑ کر بھاگ جاتے، کسی کی سال بھر کے لیے ذخیرہ کی ہوئی لکڑیوں کو آگ لگا دیتے اور اگلے دن لکڑیوں کی جگہ راکھ کا ڈھیر دیکھ کر اگلے کو آگ لگ جاتی... شرارت بھرا جرم کوئی بھی ہوتا الزام ہمیشہ زلیخا کے کھاتے میں ہی جاتا اور "وڈے چوہدری" تک ان کی "دھی رانی" کی شکایت کون لے کر جاتا...!

ان دنوں ہم کتنا خوش تھے۔

خوشیاں کھیتوں کی ہری بھری پگڈنڈیوں پر محو رقص پھرا کرتی تھیں۔

زلیخا کی گڑیا کی شادی کی تیاری زور و شور سے ہو رہی تھیں... حسن لڑکے والا تھا یعنی اس کی پارٹی کا گڈا تھا اور ہم سب باراتی... ہم ہر روز سر شام برات اوندھی کر کے بجا بجا کر شادی بیاہ کے گیت گاتے، موہنی اپنے گھر سے میٹھا لال شربت بنا کر لائی تھی اور زلیخا کے گھر سے چاولوں کا دیگچہ پک کے آگیا تھا۔ ہم سب نے غٹاغٹ شربت کے ٹھنڈے ٹھار گلاس ختم کیے اور شربت کے بعد بے صبری سے چاولوں کا انتظار کرنے لگے جو نکاح کے بعد تقسیم ہونے تھے کوئی اور جب قاضی کا کردار ادا کرنے پر رضامند نہ ہوا تو میں، جو خاصی بے صبری سے میٹھے چاولوں کا انتظار کر رہا تھا تو میں فٹافٹ سر پہ ٹوپی رکھ کے نکاح خواں بن بیٹھا۔ زلیخا نے اپنی گڑیا کو ڈھیروں ڈھیر گہنے پہنائے تھے... سرسوں کے پیلے زرد پھولوں کے گہنے پرو کر... پھر جب رخصتی کا وقت آیا تو زلیخا نے آنسو بہانا شروع کر دیے اور پھر دھاڑیں مار مار کے رونا وہ ایسا روئی کہ اسے خاموش کرانا

مشکل ہو گیا پھر صدمے سے نڈھال زلیخا کو دیکھ کر حسن بھی رونے والا ہو گیا تھا پھر کچھ دیر کے غور و غوض کے بعد یہ طے پایا کہ رخصتی کچھ دنوں تک کے لیے ملتوی کر دی جائے۔

اس یاد نے مجھے بے ساختہ ہنسنے پر مجبور کر دیا۔

☆ ☆ ☆

صبح کے سورج کا رنگ مدھم اور پھیکا تھا۔ پورا ماحول ایک اداس خاموشی میں ڈوبا ہوا تھا۔ آدمی کے سارے موڈ ہی اس کے اندر کی دنیا کے موسم بناتے ہیں۔ اندر کی خوشی کے رنگ باہر کی فضا میں نظر آتے ہیں روح کے غموں کا سایہ ارد گرد کی تمام چیزوں سے لپٹ لپٹ کر انہیں اداس اور غم زدہ کر دیتا ہے۔

اس کمپیوٹر ایج میں الیکٹرانک میڈیا بہت ایڈوانس ہو گیا ہے اور زندگی کا ہر لمحہ مشینی تاثر پیش کرتا ہے... لیکن گاؤں کے کھیتوں کھلیانوں میں مردوں کے شانہ بہ شانہ عورتیں بھی محنت مشقت اور جانفشانی سے کام کرتے کرتے صبح سے شام کر دیتے تھے اور کمپیوٹر کے سامنے بیٹھ کر کام کرنے والے مرد و زن کے لیے وہ تصور بھی محال ہے۔ گاؤں اور دیہات کے مابین فرق کو سوچتے سوچتے میں نے دیکھا وہ ایک چھوٹی سی بچی تھی جو امرود کی سب سے اونچی شاخ سے ہلکے زرد رنگ کا امرود توڑنے کی کوشش میں ہلکان ہو رہی تھی مگر امرود ہنوز اس کی پہنچ سے دور تھا۔ میں کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر آگے بڑھا اور ذرا سا ہاتھ اٹھا کر امرود توڑا اور اس بچی کی ہتھیلی میں تھما دیا وہ ممنون سی ہو کر مسکرائی اور امرود پکڑ کر ایک طرف کو بھاگ گئی۔ تب میرے تصور میں پنک فراک پہنے شہزادیوں کی سی آن بان رکھنے والی زلیخا چلی آئی وہ بھی ہمیشہ اسی طرح سب سے اونچی شاخ پر لگے ہوئے امرود کو توڑنے کے لیے ایڑیاں اٹھا کر اچک اچک کر ہلکان ہوتی رہتی... ان دنوں تو میں بھی اتنے آرام سے ہاتھ بڑھا کر اس کا من چاہا امرود نہیں توڑ سکتا تھا سو فوراً "امرود کے درخت کی پھیلی شاخوں پہ قدم جما کے اوپر چڑھ جاتا اور اس کا مطلوبہ امرود توڑ کے اس کی ہتھیلی پہ رکھ دیتا۔

"ہائے، تم کیسے اوپر چڑھ جاتے ہو سانول؟" وہ حیران ہو جاتی اور میں اس کی حیرانی پر مغرور اس سے قبل کہ میں اکڑ کے کوئی شاہانہ جملہ کہتا کہ زلیخا کی سہیلی موہنی میری ساری اکڑ مٹی میں ملا دیتی۔

"جیسے باندر چڑھتے ہیں۔" وہ چھوٹی سی ناک سکوڑتی تو مجھے وہ اس وقت ساری دنیا سے بری لگتی۔ سانولی سی قدرے چپٹی ناک والی موہنی کو میں ہمیشہ دل میں "باندری" کہتا تھا۔ دل میں اس لیے کہ مجھے اس کی خراشوں سے بڑا ڈر لگتا تھا۔

زلیخا کی کوئی سی بھی فرمائش پتا نہیں کیوں میں رد نہیں کر سکتا تھا۔ میں جان جوکھم میں ڈال کر بھی اس کی ہر خواہش پوری کرتا تھا۔ جیسے اماوس کی اس کالی سیاہ رات میں جگنو پکڑنے کا پروگرام بن گیا تھا یہ زلیخا کا ہی آئیڈیا تھا کہ جگنو پکڑ کر لائے جائیں اور ایک جگہ پہ قید کر لیے جائیں ہم سب پرجوش ہو گئے جگنوؤں کے جھرمٹ کے پیچھے بھاگتے بھاگتے ہم کھیتوں میں سے ہوتے ہوئے ندی کنارے سرکنڈوں کے کھیت کے پاس جا ٹھہرے، سرکنڈوں کے کھیت میں جگنوؤں کے غول کے غول جگمگا رہے تھے۔ سرکنڈوں کے جنگل نما کھیت میں کودنے کی ہمت کسی میں بھی نہ تھی۔ یہ حوصلہ اگرچہ مجھ میں بھی نہ تھا مگر میں نے سوچا کہ زلیخا کو جگنو چاہیے تھے اور میں نے آپ کو بتایا نا کہ زلیخا کی کسی فرمائش کو ٹالنا میرے بس کی بات نہ تھی میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ سلیپر اتار کے کھیت میں گھس گیا۔ کھیت میں کافی مقدار میں پانی جمع تھا ٹھنڈے یخ پانی میں سن ہوتی اپنی ٹانگوں کی قطعی پروا نہ کرتے ہوئے میں تھیلی میں جگنو جمع کرتا کھیت کے عین وسط میں پہنچ گیا... اب پانی میرے پیٹ سے ہوتا ہوا سینے کو چھونے لگا تھا۔ جب پانی میرے کاندھوں تک آیا تو مجھے خیال آیا کہ مزید آگے جانا خطرناک ہو سکتا ہے... چنانچہ واپسی کے لیے مڑتے ہوئے جانے کیا ہوا کہ میں اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا، میرے حلق سے بے ساختہ ایک چیخ برآمد ہوئی تھی اور ڈوبنے سے قبل میں نے دور کہیں

بہت سی چیخوں کو سنا تھا۔

یہ تو ہوش آنے کے بعد مجھے معلوم ہوا تھا کہ اس وقت اتفاقاً "چوہدری" کا کوئی آدمی وہاں آنکلا تھا اور مجھے پانی سے باہر نکالا تھا۔ دو دن کے بعد مجھے مکمل طور پر ہوش آیا تھا۔ میں نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا سب میرے بستر کے گرد پریشان بیٹھے تھے۔ دادی تسبیح لے کر میرے سرہانے بیٹھی تھیں اور دادی کے ساتھ بیٹھی غم کی تصویر بنی وہ زلیخا تھی جس نے رو رو کر آنکھیں سجالی تھیں۔ میں نے سمجھا شاید وہ جگنوؤں کی عدم دستیابی پر روئی ہوگی۔

"میں نے بہت سے جگنو پکڑ کر تھیلے میں بند کر لیے تھے زلیخا۔ وہ تو جانے کیسے میرا پاؤں پھسل گیا ورنہ میں بس باہر آنے ہی والا تھا۔ اگلی دفعہ احتیاط سے تمہارے لیے اتنے ڈھیر سارے جگنو پکڑ کر لاؤں گا۔" میں نے وعدہ کیا تو زلیخا کی آنکھیں پھر پانی پانی ہوگئیں اور میں نے ایک بار پھر اپنے آپ کو سرکنڈوں کے کھیت کے ٹھنڈے ٹھار پانی میں اترتا ہوا محسوس کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

بہت تیزی سے بدلتے وقت نے ایسی کروٹ بدلی کہ گھر گھر سہولتوں کے انبار لگا دیے۔ میں اور عباس جب بھی بیٹھتے اپنے بچپن کی باتیں یاد کرتے... جب یہ گاؤں بجلی جیسی بنیادی سہولت سے محروم تھا اور اب لوڈشیڈنگ کی بدولت پورا ملک بجلی سے محروم ہوتا جا رہا ہے۔ ہم مچھروں کے خوف سے سرشام بستر کے اوپر تانی گئی مچھر دانی میں گھس جاتے تھے۔ آج پھر بیشتر گھروں میں ویسی ہی مچھر دانی پائی جاتی ہے میں اور عباس گزرے وقت کی بہت سی باتیں یاد کرتے ہنستے' خوش ہوتے اور کبھی اداس ہو جاتے دکھی اور غم زدہ ہو جاتے... باتوں باتوں میں ہم وہ قصہ چھوڑ جاتے تھے جان بوجھ کر وہ روداد گول کر جاتے تھے جیسے قصہ گو آدھی کہانی کو حذف کر دے "تکلیف دہ باتوں کو نہ چھیڑے" غم زدہ صفحات پڑھے اور کہے بغیر ہی" کتاب بند کر دے یا کوئی اور داستان چھیڑ دے اور میں خود نہیں چاہتا تھا کہ زخموں سے کھرنڈ اتارے جائیں مگر... کبھی کبھی غیر ارادی طور پر بھی تمام تر ممکنہ احتیاط کے باوجود بھی زخم سے کھرنڈ اتر جاتے ہیں۔

میں عباس کے پاس سے اٹھ کر اس جگہ آٹھہرا جہاں گاؤں کے بیچ برگد کے اس سال خوردہ تناور درخت کی سب سے موٹی شاخ کے ساتھ باندھے گئے جھولے پر جھولا جھلا رہے تھے لڑکیاں بھی اور لڑکے بھی... ہم بھی اس موٹی شاخ کے ساتھ جھولا ڈالتے تھے اور برسات کے دنوں میں چھما چھم بارش میں جھولتے رہتے اور بھیگتے رہتے بارش کے بعد کچی مٹی سے اٹھنے والی مہک اب بھی میرے اردگرد پھیل رہی تھی اور میری شام کو معطر کر رہی تھی اور یادوں کی کھڑکیوں پر دستک دے رہی تھی۔

بڑے میدان میں جب بارش کا پانی ڈھیروں ڈھیر جمع ہوتا تو ہم کاغذ کی کشتیاں بنا بنا کر پانی کی سطح پر چھوڑتے تھے اور پھر حیرت و سرخوشی سے پانی کی سطح پر تیرتی کشتیاں دیکھا کرتے۔

اس روز بڑی برسات ہوئی تھی۔ میری فرمائش پر دادی نے گڑ اور مکئی کے دانوں کو یکجا کر کے مرونڈا بنایا تھا میں دادی کے کہنے پر زلیخا کو بلانے دوڑ پڑا ہمارے گھر میں جب بھی کوئی اس طرح کی چیز بنتی' زلیخا کا حصہ ضرور علیحدہ رکھا جاتا... میں اسے ہر جگہ ڈھونڈنے کے بعد بالآخر برگد کے درخت کے پاس چلا آیا۔ زلیخا مجھے جھولے پر مل گئی۔ بہت آہستگی سے آگے پیچھے جھولتے ہوئے جھولے پر بیٹھی زلیخا' ہرے کپڑوں میں ملبوس سبز موسم کا حصہ لگ رہی تھی۔ ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی' پتا پتا ٹپک رہا تھا اور وہ آنکھیں موندے موندے ہولے سے کچھ گنگنا رہی تھی۔

اسے پکارنے کا ارادہ ملتوی کر کے میں منڈیر پر کہنیاں ٹکائے اسے دیکھنے لگا۔ اسے میری موجودگی کی کوئی خبر نہ ہوئی اور جانے کتنی دیر گزر گئی۔ بھادوں کی صورت رم جھم برسنے والی بارش نے مجھے اچھا خاصا بھگو دیا تھا اس سے قطعی بے پروا ہو کر بلکہ... اس لمحے میں دنیا کی ہر ہر چیز سے قطعی بے پروا ہو کر میں اسے

دیکھ رہا تھا ایک ٹک' نگاہ ساکت۔۔۔ اور میں بھول گیا کہ میں وہاں آیا کس کام سے تھا میرے پاؤں جیسے کیچڑ زدہ زمین نے جکڑ لیے تھے۔ میں اس خوف سے پلک نہیں جھپک رہا تھا کہ پلک اگر جھپکوں گا تو یہ ساری دنیا سے حسین منظر غائب ہو جائے گا۔۔۔ اس لمحے میرا دل کیا کہ میں اس صورت کو دیکھوں اور دیکھتا رہوں اور باقی ہر چیز بھول جاؤں پھر نہ مجھ میں کوئی جنبش ہو اور نہ یہ منظر نظر سے اوجھل ہو۔۔۔ پھر مجھے کچھ یاد نہ رہا مجھے بس یہی یاد ہے کہ میں اسے دیکھ رہا تھا اور بس۔۔۔ پھر اس کے بعد میں سب کچھ بھول گیا۔

مجھے لگا میرا کچھ کھو گیا ہے۔۔۔ تیز برستی بارش میں' گندھی ہوئی خوشبو لٹاتی گیلی مٹی میں' برگد کی سبز شاخ کے ساتھ لٹکتے جھولے میں یا بارش کے بعد آسمان پر سجی قوس قزح میں۔۔۔ میری کوئی بہت قیمتی شے کھو گئی تھی کوئی بہت انمول چیز گم ہوئی تھی برسات کے موسم میں اور جو آج تک نہیں ملی۔۔۔ میں ڈھونڈ ڈھونڈ ہارا' قریہ قریہ نگری نگری کوبہ کو۔۔۔ مگر من کا نگر ویران بیابان رہا۔

بانسری کی انتہائی سریلی لے مجھے ماضی سے حال میں کھینچ لائی۔

دور کہیں بانسری بج رہی تھی اور کوئی بہت دکھ بھرے ماہیے گا رہا تھا میں ٹھہر کے سننے لگا۔ کچھ چیزیں کبھی پرانی نہیں ہوتیں نہ محبت' نہ محبت کے دکھ اور نہ دکھ بھرے ماہیے۔۔۔!

☼ ☼ ☼

اداسی میرے دل کی دیواروں سے لپٹ لپٹ کر رو رہی تھی۔ بین کر رہی تھی۔ بالآخر ضبط کا کڑا مرحلہ درپیش تھا میں اس گلی میں کھڑا تھا جہاں میرا گھر تھا۔۔۔ وہ گھر جس میں میری بڑی قیمتی یادیں تھیں' جس میں میرا بڑا قیمتی بچپن تھا۔ گھر بسنے والوں کے ساتھ بستے ہیں ورنہ ویران کھنڈر ہو جاتے ہیں جن میں آسیب بسیرا کرتے ہیں اور یہ گھر جو اس وقت میرے سامنے تھا یہ بھی گھر کہیں سے نہیں لگ رہا تھا آسیب زدہ کوئی کھنڈر تھا جس کی اینٹیں ادھڑی پڑی تھیں اور ملبہ میرے خوابوں کے ڈھیر کی صورت تھا۔ میں زیادہ دیر وہاں ٹھہر نہ سکا اور واپس عباس کے گھر چلا آیا۔

میں بڑی دیر سے کھلے آسمان تلے بان کی چارپائی پر چیت لیٹا آسمان پر روشن ستاروں کو دیکھ رہا تھا۔ ستارے ازل سے ہیں اور ابد تک رہیں گے۔ ان ستاروں کو کتنی ہی بے شمار آنکھوں نے دیکھا ہے' کتنے لوگوں نے ان سے باتیں کی ہیں اپنی باتیں' دل کی باتیں' بھید بھری راز کی باتیں۔۔۔ جن کے من کو لگی ہو وہ تمام رات تارے گن گن کر گزار دیتے ہیں۔ کتنے ہی پیار کرنے والوں نے ستاروں کو گواہ بنایا ہے۔

تمام رات میں کروٹیں بدلتا رہا۔ گاؤں آکر میری نیند کو جانے کیا ہو گیا تھا۔ بار بار ٹوٹتی اور کبھی ساری رات کے لیے ٹوٹی رہتی۔ یہاں آکر میں سونا بھول گیا تھا۔

بھول تو میں ان دنوں بھی بہت کچھ گیا تھا۔۔۔ ہاں انہی بھیگے بھیگے برسات کے دنوں میں' میں کھانا پینا' ہنسنا بولنا بھول گیا تھا' سونا بھول گیا تھا' اپنا کچا کوٹھا بھول گیا تھا' اپنی بوڑھی دادی بھول گیا تھا اور۔۔۔ اور یہ تو مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ میں اپنی اوقات بھول گیا تھا۔ مجھے یاد تھا تو صرف یہ۔۔۔ برسات کے موسم میں بھیگتا پیڑ' پیڑ کی سبز شاخ کے ساتھ لٹکتا جھولا' اور جھولے پر آنکھیں موندے بیٹھی کسی دور دیس کی پری۔۔۔ دادی ایک کہانی سناتی تھیں کہ پری ایک دفعہ رستہ بھول کر انسانوں کی بستی میں آنکلی تھی اور مجھے اس لمحے یہی لگا تھا کہ وہ کوئی پری ہے سچ مچ کوہ قاف سے آئی کوئی پری۔۔۔ جو رستہ بھول کر انسانوں کی بستی میں آن ٹھہری ہے۔

جب دل کا موسم بدلا تو مجھے کھیتوں کی پگڈنڈیوں پر پھول ہی پھول دکھنے لگے' رنگ ہی رنگ۔۔۔ ان دنوں پتا نہیں کیا ہوا تھا میری نیند روٹھ گئی تھی میں رات رات بھر جاگتا رہتا' کروٹیں بدلتا رہتا اور اگر کسی وقت بھولی بھٹکی نیند کا کوئی آوارہ جھونکا پلکوں کی منڈیر کو چھوتا تو۔۔۔ ساون رت میں مست و شوخ ہوا سے جھومتے پیڑ پر لٹکتا جھولا اور برسات کے موسم کی وہ بھیگی

شام چھم سے میری آنکھوں میں اتر آتی اور اس گھڑی بھر کے خواب کے ٹوٹ جانے کا ملال مجھے گھڑی گھڑی رلاتا۔

☆ ☆ ☆

یہ دسمبر کی شام تھی!
دکھ بھری اداس شامیں!
دسمبر کی شامیں اتنی اداس خدا جانے کیوں ہوتی ہیں؟
درختوں اور پودوں پر خزاں کی اداسی تھی درختوں کی سرسبز شاخیں جیسے اپنے لباس کھو جانے پر حیران و ششدر تھیں۔ دھند نے نیالی شام پر اپنی دبیز چادر پھیلا رکھی تھی۔

نہر کنارے کٹ کے گرے ایک پرانے درخت کے موٹے تنے پر عباس اور میں یوں خاموش بیٹھے تھے جیسے دنیا کے تمام موضوعات پر بحث مباحثہ کر چکے ہوں اور اب کرنے کو کوئی بات نہ رہی۔

"سانول...." گہری اداسی میں ڈوبی اس خاموشی کو عباس کی آواز نے بالآخر توڑا۔

"ہوں....!" میں اب بھی نہر کے بھاپ اڑاتے گدلے پانی کو یوں دیکھ رہا تھا جیسے اس سے بڑھ کر کوئی منظر نہ ہو۔

"سانول.... تم زلیخا کو ابھی تک نہیں بھول سکے ہو کیا...."

میں نے چونک کر دیکھا آج پہلی بار عباس کے اور میرے مابین زلیخا کا ذکر آیا تھا ورنہ ہم دونوں ہی اس ذکر سے کتراتے تھے اور آج اس نے وہ سوال کر دیا تھا اور اس کے لہجے میں ہلکی سی بے یقینی سے مجھے صدمہ ہوا' کیا وہ میری محبت کو مذاق سمجھتا تھا؟ میرے جذبوں کی صداقت پر اسے شبہ تھا جو اس کے لہجے میں شک تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ میں زلیخا کو بھول بھال گیا ہوں اور کیا زلیخا کی محبت کوئی وقتی جذبہ تھی جیسے دودھ کا ابال جیسے پانی کا بلبلہ.... کہ نظر کے سامنے رہے تو دل دھڑکتا رہے جدا ہوئے تو کہاں کی محبت' کون سی الفت.... محبت آنکھ اوجھل' پہاڑ اوجھل نہیں ہوتی.... یہ جس دل میں گھر کرتی ہے پھر مکان نہیں بدلتی.... اور زلیخا کی محبت میرے دل میں گھر کیے ہوئے تھی میں اس کو بھول نہیں پایا تھا خواہش کے باوجود بھی' چاہ کے بھی.... یا شاید میں اس کو بھولنا چاہتا ہی نہیں تھا میں دل میں ہمیشہ اس کی یاد کو زندہ رکھنا چاہتا تھا اور مجھے لگتا جیسے میری سانس کی ڈوری اس کی یاد کے ساتھ جڑی ہے' زندگی کا رابطہ اس کی یاد ہے۔

بہت دیر کے بعد میں جب بولا تو میرے لہجے میں یخ بستہ موسم کی ساری سردی تھی۔

"عباس.... کچھ لوگوں کو ہم بھول ہی نہیں سکتے' ہمارے اختیار میں ہی نہیں ہوتا ان کو بھول جانا.... پتا نہیں کیوں کچھ لوگ زندگی سے اگر گزر بھی جائیں مگر دل سے نہیں گزرتے۔" میں نے اپنے دل کی حقیقت بیان کی۔

عباس بولا "تم جانتے ہو سانول کہ اس کے ساتھ کیا ہوا تھا؟"

"ہوں.... بھابھی نے بتایا ہے.... میری آواز اتنی ہی بلند تھی کہ میں خود بہ مشکل سن پایا۔ عباس نے میرا جواب سنا یا نہیں پھر اپنا سوال نہیں دہرایا اور میری بے توجہی کو محسوس کر کے کچھ دیر کے بعد اٹھ گیا میں کھو گیا تھا۔

اب کے میری یادیں نہر کنارے کھلی پڑی تھیں۔
"اے.... تم نے سنا ہے زلیخا سیانی ہو گئی ہے۔"
کوئی سرگوشی سی میرے کان میں پڑی تھی کہ مسجد کی طرف بڑھتے میرے قدم رک گئے۔ اس اطلاع پر سب لڑکیاں کھی کھی کر کے ہنسنے لگیں۔

"لے دس.... وہ پہلے کوئی کملی ہے بھلا' پہلے بھی تو چنگی بھلی سیانی ہے۔" زلیخا کی پکی سہیلی موہنی برا مان گئی۔

"یہ میں نے نہیں کہا زلیخا کی بے بے نے کہا ہے۔" بتانے والی نے تصیح کی "زلیخا کی بے بے نے کہا ہے کہ کڑی اب سیانی ہو گئی ہے بس اب گھر بیٹھے اس طرح کھیتوں میں چھلانگیں لگانا بند۔" اور اس خبر پر مجھے اپنی سانس بند ہوتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

"تو کیا اب میں اسے دیکھ نہیں پاؤں گا۔؟" میں نے بمشکل اٹکی ہوئی سانس کھینچ کھانچ کے باہر نکالی۔

"ہائے میں مرجاواں.... بے بے نے یہ چنگا نہیں کیا۔" سب کو ہی افسوس ہو رہا تھا سب ہی اس خبر پر تبصرہ کر رہی تھیں۔

"اس کا ایک حل ہے کہ قرآن پاک پڑھنے کے بہانے دادی کے گھر میں اکٹھا ہوا جائے.... ٹھیک ہے ناں؟" کافی دیر کے بعد موہنی نے یہ حل پیش کیا جس پر سب متفق ہو گئیں۔ اس تجویز پر پہلی بار مجھے موہنی کو "باندری" کہنا زیادتی لگا۔

پھر وہ اکثر میرے گھر پر اکٹھی ہو جاتیں۔

لڑکوں نے اب لڑکیوں کے ساتھ کھیلنا چھوڑ دیا تھا چونکہ وہ تمام میرے گھر میں جمع ہوتی تھیں میں کتابیں لے کر ان سے ذرا فاصلے پر بیٹھا ان کو دیکھتا رہتا.... ان کی مدھم سرگوشیاں ان کی دھیمی دھیمی ہنسی کی آواز' ان کے کسی راز کی بات پر مشترکہ بلند قہقہے.... میری کتاب سے توجہ ہٹ جاتی' میرا ارتکاز ٹوٹ جاتا۔ خیال کی رو بھٹک جاتی۔

دن گزرتے رہے۔

جب میٹرک کے امتحان عین سر پر آئے تو زلیخا کو یاد آیا کہ اسے ریاضی کے مضمون کے لیے ٹیوشن کی اشد ضرورت ہے اس افراتفری میں جب کسی ٹیوٹر کا بندوبست نہ ہو سکا تو چوہدری صاحب نے امتحان نہ دینے کا حکم جاری کر دیا یہ حکم سنتے ہی زلیخا کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور وہ میرے پاس دوڑی چلی آئی۔

"سانول.... تم مجھے پڑھا دیا کرنا۔ اس نے التجا کی۔ دیکھو انکار نہیں کرنا پلیز سانول.... ورنہ میرا بہت ہرج ہو جائے گا ابا جی مجھے اسکول سے اٹھالیں گے پھر میرا مستقبل...." اس کی آنکھوں میں پانی آگیا۔

میرے پاس گو کہ وقت نہیں تھا مگر اس کی آنکھوں میں تیرتا پانی مجھ سے دیکھا نہ گیا اور میں نے ہامی بھر لی' ویسے بھی اس کی بات کو ٹالنا میرے بس میں کہاں تھا.... وہ جس طرح نم لہجے میں التجا کر رہی تھی وہ تو اگر فرمائش کرتی' حکم دیتی پھر بھی میں مان جاتا' پھر بھی مجھے انکار کی جرات نہ تھی۔

پھر وہ روزانہ سرشام کتابیں اٹھائے میرے پاس چلی آتی۔

ایک طرف میں اسے سمجھاتے سمجھاتے الجبرے کے سوال کو حل کرتے کرتے ہلکان ہو رہا ہوتا تو دوسری طرف اپنے لیے جیومیٹری' مثلث اور مربع' مستطیل کے چکروں میں الجھا ہوتا اور اس الجھن کو سلجھاتے سلجھاتے ہی مجھے لگا کہ پچھلے کچھ وقت سے میں تو الجھا ہوا ہی تھا وہ بھی الجھ گئی ہے' کسی ریشم کی ڈور سے.... جسے سلجھانے کی خواہش میں یہ ریشم مزید الجھ رہا تھا۔

وہ ٹھٹک کرنا کبھی سے مجھے دیکھتی.... جیسے چلتے چلتے کوئی رستہ بھول جائے۔ وہ اپنی بڑی بڑی کالی سیاہ آنکھیں میرے چہرے پر گاڑ دیتی۔

"اے.... ایسے کیا دیکھ رہی ہو.... دھیان کہاں ہے تمہارا....؟" میں شرارت سے اس کے سر پر قلم بجاتا تو وہ چونک جاتی' جیسے گہری نیند سے جاگی ہو.... پھر اپنی چوری پکڑے جانے کا احساس اسے دیر تک خجل رکھتا اور میں گاہے بہ گاہے اس کے چہرے پر اترتے رنگوں کو دیکھتا رہتا۔ اس کی پلکوں کا ارتعاش مجھے بہت دلچسپ لگا کرتا.... وہ روز بہ روز خوب صورت ہوتی جا رہی تھی اور میری نظر اس کے چہرے سے ہٹتی ہی نہ تھی میرا دل کرتا میں ہر پل' ہر لمحہ' ہر ساعت اسے دیکھتا رہوں' بس اسی کو.... اور وقت کبھی ختم ہی نہ ہو.... اسے دیکھنا' اسے ملنا' اس سے بات کرنا میرے لیے اس سے زیادہ ضروری اور کوئی کام ہی نہیں تھا.... میری کیفیت بہت عجیب سی تھی جو خود میری سمجھ سے بالاتر تھی۔

زندگی ایک دم اتنی خوب صورت ہو گئی تھی کہ حد نہیں۔

خزاں کے بعد درختوں کی برہنہ شاخوں پر جب نئی کونپلیں پھوٹیں تو دل میں بھی کئی نئے نویلے انوکھے ان چھوئے جذبے سر اٹھانے لگے۔ ہوائیں درختوں کے پتوں کے ساتھ مل کر کوئی راز بھری سرگوشیاں کرتی' کوئی کسی سہانے موسم کے گیت گایا کرتیں'

محبت کے گیت۔
اگرچہ میٹرک میں زلیخا کے اچھے مارکس آئے تھے مگر اسے کالج میں ایڈمیشن کی اجازت نہیں ملی... بڑے دنوں کی بھوک ہڑتال اور رونے دھونے پر بھی نتیجہ صفر ہی رہا سو وہ گھر پر ہی انٹر کی تیاری کرنے لگی جبکہ میں، عباس وغیرہ نے کالج میں ایڈمیشن لے لیا اور شہر جانے لگے اور کچھ لڑکیاں ہوسٹل میں مقیم ہو گئیں۔

☼ ☼ ☼

وہ پورے چاند کی رات تھی، اجلی، اجلی، روشن روشن۔
آج بڑے دنوں کے بعد دھند ذرا کم ہوئی تھی تو پورے دنوں کا چاند اپنی آب و تاب اور دودھیا روشنی سے زمین کے ذرے ذرے کو منور کر رہا تھا۔ نہر کے گدلے پانی میں چاند کا عکس بہت پرنور اور خوب صورت لگ رہا تھا... میرے تصور کے پردے پر کوئی چاند چہرہ ابھرا۔
وہ دن جو گزر گئے تھے۔ وہ دن جو زندگی کا حاصل تھے۔ ان دنوں ہر صبح اور ہر شام کی خوب صورت ہوا کرتی تھی ہم... نہر کنارے درختوں کے جھنڈ میں بیٹھے باتیں کرتے رہتے تو وقت گزرنے کا احساس تک نہیں ہوتا تھا۔
''دل کی سرزمین پر نئے سورج کی طرح ابھرتا پہلا پہلا پیار... اور پہلے پیار کا نیا نویلا احساس انسان کی سدھ بدھ کھو بیٹھتا ہے۔ میں نے جب درختوں کو پیار کا گواہ بنا کر چاقو کی نوک سے اپنے نام کے ساتھ اس کا نام لکھا تو وہ بڑی دیر تک اس تحریر کو چھو کر محسوس کرتی رہی اور میں مبہوت سا ہو کر ہر چیز بھلا کر اسے دیکھتا رہا۔
''سانول...'' اس نے کھوئے کھوئے لہجے میں کچھ اس طرح پکارا کہ زندگی میں پہلی بار مجھے اپنا نام بہت پیارا لگا۔ ''سانول یہ درخت پیار کی گواہی نہیں دیتے بلکہ یہ وقت پڑنے پر مکر جاتے ہیں۔''
''اچھا، وہ کیسے...؟'' میں نے دلچسپی سے پوچھا۔
''ان پر جب نئی کونپلیں آئیں گی نا تو یہ اپنے بدن پر لکھی تمام کہانیاں مٹا دیں گے۔'' اس نے فلسفہ بیان کیا۔
''تو کیا ہوا... سب کچھ مٹ سکتا ہے دنیا کے تمام کاغذوں سے سطر سطر حرف حرف مٹ سکتا ہے، سب کچھ ختم ہو سکتا ہے، فنا ہو سکتا ہے لیکن دل پر لکھا نام نہیں مٹ سکتا، ایک بار جو لکھ دیا سو لکھ دیا... اور محبت کی قسم زلیخا میرے دل میں تمہارے پیار کو کوئی موسم نہیں بدل سکے گا۔'' اس کی چوڑیوں کو ہولے سے چھوتے ہوئے میں نے ایک عزم سے کہا۔
''دیکھیں گے۔'' وہ ایک ادا سے مسکرائی۔
''دیکھ لینا۔'' میں نے بھی اسی کے انداز میں کہا تو وہ کھلکھلا کر ہنس دی اور میں اس کی دلکش ہنسی میں کھو گیا۔

☼ ☼ ☼

''چوڑیاں چڑھالو جی، چوڑیاں چڑھالو۔'' ڈھابہ سر پہ اٹھائے چوڑیاں چڑھانے والی گلی گلی آواز دیتی پھر رہی تھی۔ میں نے فوراً'' زلیخا کے لیے کئی درجن رنگ برنگی چوڑیاں خرید لیں۔ اس کی کلائیوں میں جلترنگ بجاتی چوڑیاں مجھے اچھی لگتی تھیں اور یہ آواز مجھے دنیا کے ہر ساز سے زیادہ اچھی لگتی تھی وہ جب آتی تو چوکھٹ کے باہر ہی مجھے اس کی آمد کی خبر ہو جاتی تھی اس کی چوڑیوں کی کھنک میں دور سے پہچان لیتا تھا۔
''ارے... اتنی زیادہ چوڑیاں...؟'' میں محبت سے چم چم آنکھیں لے کر اس کے سامنے چوڑیوں بھری دونوں ہتھیلیاں پھیلائے کھڑا تھا تو وہ حیران سی کبھی مجھے تو کبھی دھوپ میں چمکتی چوڑیوں کو دیکھ رہی تھی۔
''ہاں، تمہارے لیے لایا ہوں۔''
''مگر کیوں... اتنی چوڑیوں کا میں کیا کروں گی سانول؟'' وہ ہنس دی شاید میری محبت پر یا شاید میری سادگی پر۔
''ظاہر ہے، تمہارے پہننے کے لیے، مجھے اچھی

لگیں اور میں نے تمہارے لیے خرید لیں اور پھر… تمہاری چوڑیوں سے سجی کلائیاں مجھے اچھی لگتی ہیں۔" میں نے دل کی بات کہی۔

"ارے کوئی عید تھوڑی ہے۔"

"تم پہنو گی تو عید ہو جائے گی۔" میری جذبے لٹاتی نظر اس کی کلائیوں پر تھی مگر وہ متذبذب تھی۔

"مگر سانول کیا ضرورت تھی اتنی چوڑیوں کی' میرے پاس پہلے بھی درجنوں چوڑیاں پڑی ہوئی ہیں اباجی جب بھی شہر جاتے ہیں میرے لیے لے کر آتے ہیں۔"

گو کہ اس نے بہت عام سے لہجے میں بہت عام سی بات کی تھی مگر میرے دل میں ترازو ہو گئی اور میرے مسکراتے ہونٹ یکدم سکڑ گئے۔ دل کے اندر سے پھوٹتی تمام سرشاری اس لمحے فنا ہو گئی تھی۔ میرا دل وسوسوں کی آماجگاہ ہو گیا۔

ظاہر ہے اس کے اباجی اس کے لیے جو چوڑیاں خرید کر لاتے تھے۔ شہروں کی مہنگی ترین شاپس سے خریدی ہوئی چوڑیوں کے سامنے میری سر پہ ڈھابہ اٹھائے گلی گلی آواز لگا کر بیچنے والی سے خریدی ہوئی ان بہت عام سی پیارے والی چوڑیوں کی کیا وقعت و حیثیت!

اس روز پہلی بار مجھے اپنے اور زلیخا کے درمیان فرق محسوس ہوا زمین اور آسمان کے جتنا فرق اس روز پہلی بار مجھے اندازہ ہوا کہ اس کے اور میرے درمیان کبھی نہ ختم ہونے والی طبقاتی تقسیم ہے اس روز پہلی بار میری محبت کو کسی انجانے خوف نے دبوچ لیا… اس روز پہلی بار میری محبت کو وچھوڑے کا دھڑکا لگا تھا… اور میں کچھ بھی کہنے کے قابل نہ رہا۔

بعض اوقات یونہی چپ لگ جاتی ہے گہری جامد چپ۔

"چلو کوئی بات نہیں' میں یہ والی اتار کے تمہاری لائی ہوئی چوڑیاں پہن لوں گی۔" وہ کہنیوں تک بھری کلائیوں کو دیکھتے ہوئے میری حالت سے بے خبر کہہ رہی تھی اور مجھے ایسے لگ رہا تھا جیسے میرا دل رکھ رہی ہے… اس بات سے بے خبر کہ میرا دل تو اس کے قدموں میں رل رہا ہے کسی بے مایا اور بے مول شے کی طرح…!

پھر نہ جانے مجھے کیا ہوا میں ریپر سے نکال کر ایک ایک چوڑی توڑنے لگا۔ زلیخا نے حیرت سے مجھے دیکھا۔

"ارے' سانول یہ کیا کر رہے ہو تم…؟"

"تمہارا اور اپنا پیار نکال رہا ہوں میں دیکھ رہا ہوں کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے کتنا پیار کرتے ہیں۔" میں نے آرام سے کہا میں اب اس وقتی شاک سے نکل آیا تھا اور پھر پیار میں یہی تو ہوتا ہے ایک پل میں آس ٹوٹتی ہے تو اس سے اگلے پل دل کو پھر سے آس لگ جاتی ہے۔

"ارے یہ کون سا طریقہ ہے…؟" وہ ہنس دی۔

"پہلے زمانے کے لوگ ایک دوسرے کا پیار اس طرح ہی ناپا کرتے تھے یہ چوڑیاں پیار کی پیمائش کا آلہ ہوا کرتی تھیں یہ لو۔ میں نے ٹوٹی چوڑیوں کے چھوٹے ٹکڑے اس کی ہتھیلی پر رکھ دیے۔

اسے بھی یہ کھیل دلچسپ لگا تھا۔

پھر بڑی دیر کے بعد جب ہم وہاں سے اٹھے تو ہمارے قدموں میں ٹوٹی ہوئی چوڑیوں کا ڈھیر تھا اور ہم ایک دوسرے کو اپنے اپنے پاس جمع چوڑیوں کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑے دکھا کر ایک دوسرے سے پیار میں سبقت حاصل کرنے پر کمربستہ تھے میں کہہ رہا تھا کہ میرے ٹکڑے زیادہ ہیں جب کہ اس کے خیال میں وہ جیت گئی تھی۔

"چلو تم جیتیں اور میں ہارا۔" میں نے ہینڈز اپ کا سگنل دے کر فوراً "سرنڈر" کر دیا۔

"اس کا یہ مطلب ہوا کہ تم زیادہ پیار کرتی ہو…" وہ پہلے چونکی پھر شرم سے سرخ پڑتے ہوئے دلکشی سے ہنس دی۔

"بڑے بدمعاش ہو تم۔"

"ہوں تو… اور تم اس بدمعاش سے اتنا زیادہ پیار کرتی ہو۔"

اسے اس طرح کی باتوں میں الجھا کر میں اس سے

اپنی وہ انگلی چھپانا چاہتا تھا جس میں چوڑی کا ٹکڑا چبھ گیا تھا اور خون بہہ رہا تھا میں نے مٹھی بند کر کے اپنی زخمی انگلی کو دبا رکھا تھا مگر پھر بھی اس کی تیز نظر میرے ہاتھ سے بہتی خون کی لکیر پر پڑی تو اس کی نگاہ پھٹی کی پھٹی رہ گئی۔

"یہ تمہیں کیا ہوا ہے سانول... یہ خون کیسا نکل رہا ہے...؟" وہ از حد پریشان ہو گئی۔

"ارے کچھ نہیں ہوا تم تو ایسے ہی پریشان ہو رہی ہو معمولی سا خون دیکھ کے..." میں نے اس کی پریشانی پر ہنستے ہوئے کہا۔

"یہ تمہارے پیار کی علامت نے میرا خون نکال دیا ہے۔ چوڑی کا ٹکڑا چبھ گیا تھا۔"

"بھاڑ میں گئی پیار کی علامتیں..." بڑی بوڑھیوں کی طرح مجھے ڈپٹتے ہوئے اس نے اپنے دوپٹے کا پلو پھاڑا اور میری انگلی پر کس کے پٹی باندھ دی۔ میں حیرت سے اس کو دیکھ رہا تھا۔

"تم نے اپنا دوپٹا پھاڑ دیا...؟"

"میرا دوپٹا... میرے دوپٹے کی بڑی فکر ہے اور اپنی ذرا بھی نہیں میرا دوپٹا تم سے زیادہ قیمتی نہیں ہے سانول۔" میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ کہہ رہی تھی میرا ہاتھ اب بھی اس کے ہاتھ میں تھا اور میرا دل چاہا کاش کہ وقت یہیں رک جائے اور میں نے دل میں دعا مانگی کہ کبھی یہ ہاتھ نہ چھوٹیں... لیکن ہر دعا کے نصیب میں قبولیت نہیں ہوتی دعائیں رستے میں رہ جاتی ہیں اور ہاتھ چھوٹ جاتے ہیں۔

اس لمحے اس کی آنکھیں محبت کے سب رنگوں سے سجی تھیں۔ اس کے چہرے پر ڈوبتے سورج کی آخری کرنیں براہ راست پڑ رہی تھیں اور اس کا رنگ سونے کی طرح دمک رہا تھا وہ نظر لگ جانے کی حد تک معصوم اور پیاری لگ رہی تھی اور اسی خوف کے تحت میں نے فوراً اس کے چمکتے چہرے سے نگاہ ہٹالی تھی۔

جگنو پکڑتے پکڑتے، تتلیوں کے رنگ چراتے چراتے اس نے میری کتنی قیمتی شے چرالی تھی میری سب سے قیمتی متاع اور اس کا احساس مجھے تب ہوا جب میں اس کی محبت میں پور پور ڈوب گیا۔

ان دنوں زلیخا کی آنکھیں کتنی خوب صورت ہو گئی تھیں روشن روشن، سجی سجی سی۔

"ارے... تمہاری آنکھوں کو کیا ہوا ہے...؟" میں شوخی سے پوچھتا۔

"ان میں کسی کے خواب اتر آئے ہیں۔" شرارت سے کہتے ہوئے وہ ہنستی تو اس کی آنکھیں جگر جگر کرنے لگتیں۔

"لوگ کہتے ہیں کہ خواب نہیں دیکھنے چاہئیں۔" میں تدبر سے کہتا۔

"ہوں... دیکھنے تو نہیں چاہئیں مگر خواب ہماری مرضی کے پابند تھوڑی ہوتے ہیں یہ تو خود بہ خود آنکھوں پر قابض ہو جاتے ہیں۔" میں اسے دیکھنے لگا اس کی بے بے واقعی ٹھیک کہتی ہیں کہ زلیخا اب سیانی ہو گئی ہے۔

"اور سنو... اگر خواب ٹوٹ گئے تو...؟" میں نے تو یوں ہی ایک بات کہی تھی اور میری اپنی ہی بات کانٹے کی طرح میرے دل میں پیوست ہو گئی۔ میری محبت پہلی مرتبہ وہمی ہوئی تھی اور ایک دم اس کی بھی ہنسی تھم گئی۔

"تم بد دعا دے رہے ہو سانول؟" بہت دیر بعد اس نے پوچھا۔

میں بھی سیریس ہو گیا۔ محبت کرنے والے بد دعا نہیں دیتے زلیخا اور محبوب کو تو بالکل بھی نہیں... کسی صورت بھی نہیں۔"

"میری آنکھوں نے صرف تمہارے حوالے سے ہی خواب دیکھے ہیں اگر میرے خواب ٹوٹ گئے تو میں مر جاؤں گی سانول۔" اس کی آنکھیں پانی پانی ہو رہی تھیں اور اس پانی میں مجھے اپنی کائنات ڈوبتی ہوئی محسوس ہوئی اپنی ہستی فنا ہوتی ہوئی محسوس ہوئی۔

میں نے آنے والی جدائی کے غم میں روتی ہوئی اس لڑکی کو اپنے ساتھ لگا لیا تھا اور اسے یہ بتاتے بتاتے رہ گیا کہ سنو لڑکی تم میری آنکھوں کا پہلا خواب ہو اور پہلا خواب اگر ٹوٹ جائے تو آنکھیں پھر سونا بھول جاتی

ہیں یہ کیسی یاد تھی جس نے میری آنکھ پانی پانی کردی۔

☼ ☼ ☼

بڑی دیر تک میں ان راستوں پر چلتا رہا جہاں میں اور زلیخا پہروں چلا کرتے تھے۔ ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے گھنٹوں باتیں کرتے تھکتے ہی نہ تھے۔ اب وہ راستے مجھے ویران سے لگے۔ میں ان رستوں سے روز پلٹ جاتا تھا۔

انہی راستوں نے جن پہ کبھی تم تھے ساتھ میرے
مجھے روک روک پوچھا تیرا **ہمسفر** کہاں ہے

آج پھر میرے قدم اس راستے پر گامزن تھے جس پر میں کسی حجت' روک ٹوک یا پابندی کے بغیر جایا کرتا تھا بلند و بالا درختوں میں گھری وہ لال حویلی کوئی حسین پیلس لگ رہی تھی میں ایک پیڑ کے ساتھ ٹیک لگائے بڑی دیر تک دیکھتا رہا۔ کسی آس کا کوئی گمشدہ سرا تھام کے جیسے کسی کھڑکی' روزن یا دریچے سے ابھی وہ جھانکے گی اور پھر بچپن کی طرح ایک قدم میں دو دو سیڑھیاں پھلانگتی صحنوں میں میرے روبرو ہوگی۔ پھولی سانس کے ساتھ چمکتی آنکھوں سے بڑی دیر تک مجھے دیکھتی رہے گی اور پھر کہے گی ... "تم آگئے ہو سانول میں کب سے تمہاری راہ دیکھ رہی تھی۔"

مگر ایسا ہونا ممکن کب تھا... یہ بچپن نہیں تھا اور بچپن کو گئے بڑے سال ہوئے تھے۔ میں وہاں کھڑا رہا اور جب مجھے لگا کہ آنکھوں کے شیشوں پر بڑھتی دھند نے حویلی کے خدوخال غیر واضح کردیے ہیں تو میں واپس پلٹ آیا... مگر یہ آس اب بھی زندہ تھی کہ شاید کوئی عقب سے صدا دے کہ قدم ٹھہر جائیں پلٹ جائیں... اور یہ دل بھی نا کیسی خواہش کرتا ہے۔

تب مجھے پتا ہی نہیں تھا کہ مجھے محبت ہوگئی ہے... مجھے تو صرف یہ پتا تھا کہ یہ لڑکی چوہدری کی اکلوتی بیٹی زلیخا جو بچپن سے میرے ساتھ ساتھ ہے ... کھیلتے کھیلتے مجھے خبر ہی نہ ہوئی کہ وہ بڑی ہوگئی ہے یا میں بڑا ہوگیا ہوں اور کھیلتا کھیلتا ٹھہر کر اسے دیکھنے لگتا ہوں تو سارے کھیل بھول جاتا ہوں وہ جس کے سونے جیسے بالوں کو دیکھ کر ڈوبتے سورج کی سنہری کرنوں کا احساس ہوتا تھا تو آنکھوں میں جگنوؤں کے قافلے... اور جب وہ ہنستی تو ایسے لگتا جیسے کائنات کی ہر چیز ساکن ہوگئی ہے اور اس لمحے میں پلکیں جھپکنا بھول جاتا تھا۔

محبت کو کون سمجھائے... یہ تو ہوتی ہے اور بس ہو جاتی ہے' نہ سوچتی ہے اور نہ سمجھتی ہے' نفع کا حساب کرتی ہے اور نہ خسارے کی پروا... نہ آگا دیکھتی ہے اور نہ پیچھا... پاگل دل تو کبھی کبھی ایسی دہلیز پر سجدہ ریز ہو جاتا ہے جہاں قدم بوسی کی اجازت ہوتی ہے نہ حوصلہ اور نہ حیثیت۔ میں سمجھتا تھا کہ محبت میں حسب نسب نہیں ہوتا' طبقاتی تقسیم کا جھگڑا نہیں ہوتا اور اسی بھول میں میں اپنی حیثیت بھول گیا... جب یہ سب کچھ یاد آیا تب بہت دیر ہوچکی تھی۔ اتنی دیر کہ واپس پلٹ جانے کا خیال ہی دل کو رلا رہا تھا اگرچہ زلیخا اس راہ پرخار میں قدم بہ قدم میرے ساتھ چلنے پر آمادہ تھی۔ تمہیں دینے کے لیے میرے پاس محبت کے سوا کچھ نہیں ہے زلیخا۔

میں جیسے کسی گہرے خواب سے جاگا تھا اور اب اسے بھی جھنجوڑ رہا تھا۔

کیا میں اس کے بغیر جی پاؤں گا جس کو دیکھے بغیر ایک دن گزارنا محال ہو اس کے بغیر زندگی کے سارے دن کیسے گزریں گے؟ یہ سوال میری سانسیں روک رہا تھا اور زلیخا کی ہر لمحہ روتی روئی آنکھوں نے میری نیندیں نچوڑ لی تھیں۔

پھر میں نے دادی سے بات کرنے کا فیصلہ کرلیا کیونکہ زلیخا کا خیال تھا کہ دادی کی بات چوہدری صاحب کبھی نہیں ٹال سکتے تھے ... مجھے حوصلہ مجتمع کرنے میں بہت وقت لگا۔

میرا مدعا سن کر دادی سکتے میں آگئیں جب حواس لوٹے تو اپنا سینہ پیٹ ڈالا۔

"یہ تم نے کیا کردیا ہے سانول ... کس راہ کے مسافر بن گئے ہو تم' جس تھالی میں کھایا اسی میں چھید کردیا' کچھ تو خیال کیا ہوتا اور نہیں تو میری عزت کا' میری عزت پر مٹی ڈال دی۔ میری گزری حیاتی تو آگ

میں جھونک دی۔۔۔ میں تو اپنی پوری زندگی دے کر بھی چوہدری صاحب کے احسان نہیں چکا سکتی۔۔۔ رب کی بعد انہی کا آسرا تو ہے انہوں نے صرف چھت ہی نہیں دی سر پر عزت کی چادر بھی دی ہے اور تم۔۔۔ تم اس چادر کو تار تار کرنے چلے ہو۔۔۔ اپنی آنکھوں سے بڑے خواب دیکھ لیے تم نے سانول۔۔۔ اور آنکھوں سے بڑے خواب دیکھنے والوں کی آنکھیں پھوڑ دی جاتی ہیں۔۔۔ یا زمین تنگ کر دی جاتی ہے یا زمین پہ رہنے ہی نہیں دیا جاتا۔۔۔ اس کے سنگ کھیلتے کھیلتے تم اس کی چاہ کر بیٹھے اور اس کی چاہت میں تم اپنے اور اس کے درمیان فرق کیوں بھول گئے۔ تم یہ کیوں بھول گئے کہ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا، مر کے بھی نہیں۔" دادی روتے روتے کہہ رہی تھیں اور روتے روتے دادی کی آواز بیٹھ گئی۔

"مگر کیوں دادی۔۔۔؟ میری اپنی آواز آنسوؤں سے بھیگی ہوئی تھی۔ مجھے اندازہ ہی نہیں تھا کہ معاملہ اتنا گمبھیر ہو سکتا ہے، میری چاہت اتنا بڑا جرم بن جائے گی یہ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

"آپ چوہدری صاحب سے بات تو کریں ہو سکتا ہے وہ آپ کی بات مان جائیں۔" میں نے بہت آس اور لجاجت سے کہا۔

محبت تو یہی چاہتی ہے کوئی معجزہ ہو جائے۔۔۔ کوئی ایسی راہ نکل آئے کوئی ایسی سبیل ہو جائے کہ وچھوڑا نہ آئے مگر محبت کرنے والوں کی قسمت میں اکثر وچھوڑا لکھ دیا جاتا ہے۔۔۔ چار دنوں کا پیار پھر لمبی جدائی۔

"تو دادی آپ جائیں گی نا۔۔۔؟" میں ان کے قدموں میں ان کا رعشہ زدہ ہاتھ پکڑ کے بیٹھا تھا۔

"مجھے ذلت کی اتنی گہری کھائی میں مت گراؤ سانول۔۔۔ اتنی پستی میں مت دھکیلو مجھے۔۔۔ میرے سفید بالوں کا ہی ذرا دھیان کر لو۔" میری بات کاٹتے ہوئے دادی نے کہا۔ "میں تمہاری ضد سے مجبور ہو کر اپنی عمر بھر کی کمائی ہوئی عزت اگر رہن رکھ بھی دوں پھر بھی تمہاری زندگی کی ضمانت نہیں دے سکتی۔ مجھے اپنی چادر کے چھوٹا ہونے کا شدت سے احساس ہے مجھے اپنی حیثیت اچھی طرح یاد ہے مجھے اپنی اوقات اچھی طرح پتا ہے۔ سانول میرے چہرے کی طرف دیکھو میرے چہرے پر جتنی جھریاں ہیں ان چوہدریوں اور وڈیروں کے ظلم و بربریت کی اتنی ہی کہانیاں ہیں ان کے مظالم کی اتنی ہی داستانیں ہیں۔ یہ لوگ رحم نہیں کرتے۔۔۔ اور پھر اس پر تو بالکل بھی نہیں جو ان کی عزت پر ہاتھ ڈالے اور تم نے ان کی عزت پہ ہاتھ ڈالا ہے۔"

میں ساکت سا بیٹھا دادی کے چہرے کی جھری جھری میں لڑیوں کی طرح بہتے آنسو دیکھ رہا تھا اور مزید کچھ بولنے کی سکت نہیں تھی مجھ میں۔

ذرا سا ہانپ کے سانس ہموار کر لینے کے بعد دادی پھر گویا ہوئیں۔

"تمہاری لگن کی سچائی پہ مجھے اتنا ہی بھروسا ہے سانول جتنا اپنی تربیت پر لیکن جان رکھو اس انکشاف کے بعد تمہاری جان تو جائے گی ہی، وہ لوگ زلیخا کو بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے اور تمہارے بعد میں پھر جی کے کیا کروں گی۔" ان کے لبوں سے سسکاری نکلی تھی۔ محبت کے اس بھیانک اور ہولناک انجام کا تصور ہی میرے رونگٹے کھڑے کر گیا۔

"میری بات مان سانول۔۔۔ تو اس کا خیال اپنے دل سے نکال دے۔"

دادی یوں کہہ رہی تھیں جیسے یہ کوئی بہت آسان سا کام ہو۔ زلیخا کے بغیر زندہ رہنے کا تصور ہی میری سانس روک رہا تھا۔

پھر دادی اور میں ساری رات جاگتے رہے۔ دادی مجھے اپنی بیوگی، بیٹے اور بہو کی جوانی کی ناگہانی موت اور اس کے بعد وڈے چوہدری صاحب کے احسانات انگلیوں پر گن گن کر بتاتی رہیں اور زلیخا کو بھول جانے کی بار بار نصیحت کرتی رہیں۔ زندگی ضروری اور زلیخا کا ملنا غیر ضروری قرار دیتی رہیں۔

نہ مانوں گا نصیحت پر نہ سنتا میں تو کیا کرتا
کہ ہر ہر بات میں ناصح تمہارا نام لیتا تھا

میں چپ چاپ سر جھکائے ان کی ہر بات سنتا رہا اور بار بار میرے آنسو انگیٹھی کی دہکتی آگ کو بجھاتے رہے میں تنکے کی نوک سے زمین کے کچے فرش پر آڑی ترچھی لکیریں کھینچتا رہا' کوئی نام لکھ لکھ کر مٹاتا رہا۔

بھلا تقدیر کی لکیریں انسان کے اپنے اختیار میں کہاں ہیں۔ اس رات میں بہت رویا تھا۔ اس دنیا میں تمام رشتے دولت' جائیداد اور حسب نسب کی کسوٹی پر ہوتے ہیں لیکن محبت حسب نسب کہاں دیکھتی ہے۔

اگر محبت کی قیمت روپیہ ہی ٹھہرا تو کاش میرے پاس ڈھیروں روپیہ ہوتا میں دنیاوی لحاظ سے تنگ دست اور کنگال نہ ہوتا پھر بڑی آسانی سے بہت سہولت سے اپنی محبت خرید لیتا... پھر میں محبت کی بھیک نہ مانگتا... بلکہ باعزت طریقے سے زلیخا کا ہاتھ تھام لیتا۔ پھر ٹھکرائے جانے کا کوئی خوف نہ ہوتا رد کیے جانے کا کوئی اندیشہ نہ ہوتا' دل کو بچھڑ جانے کا کوئی دھڑکا نہ ہوتا۔ ہاتھ' پیٹ کی بھوک کے لیے پھیلے یا دل کی طلب کے لیے' ذلت دونوں صورتوں میں برابر ہوتی ہے۔ اس روز زندگی میں پہلی بار میں نے جانا کہ بھیک مانگنا کتنا دشوار' کتنا تکلیف دہ اور پر اذیت فعل ہے' کسی انجام کی پروا کیے بغیر بنا سوچے سمجھے میں محبت کی بھیک مانگنے بڑی حویلی جا پہنچا مجھ سے بڑی بھول ہوئی۔

میں حویلی کے رسم و رواجوں کے پہرے اور حویلی کے باہر تن کے کھڑے دربانوں کو بھول گیا میں ایک بار پھر اپنی اوقات بھول گیا۔

مگر... بہت ہی جلد چوہدری صاحب کی در و دیوار ہلاتی گونج دار آواز نے مجھے میری اوقات یاد دلا دی۔ چوہدری صاحب کی آنکھوں سے لپکتے شعلوں نے مجھے جلا کر بھسم کر دیا اور میں بڑی دیر تک جل کر کسی بجھی ہوئی لکڑی کے ایک ناکارہ کوئلے کی طرح ان کے قدموں میں پڑا سسکتا رہا حقیر' بے کار' بے حیثیت خزاں رسیدہ زرد پتا جیسے قدموں تلے آ کے چرمرا جائے۔

اپنی جان بخشی پر حیرت زدہ میں اس آتش کدے سے باہر نکلا تھا۔

"اگر تمہاری بوڑھی دادی کے لیے میرے دل میں احترام نہ ہوتا... اگر تمہاری بوڑھی دادی نے میرے گاؤں کے بچوں کو قرآن نہ پڑھایا ہوتا تو تمہیں اس گستاخی کی سزا معلوم ہو جاتی اور تم آئندہ آنے والی نسلوں کو بھی بتا کے جاتے کہ اس طرح کی گستاخیاں کرنے کا انجام کیا ہوتا ہے... اب کسی سے بھی اس واقعے کا ذکر نہ کرنا جاؤ... میں نے اس قرآن کے صدقے تمہاری جان بخش دی ہے۔"

چوہدری کے برف جیسے ٹھنڈے ٹھار لہجے نے مجھے موت کے سرد خانے میں پٹخ دیا جب مجھے لگا جب مجھے لگا کہ میں اپنے پاؤں پر مزید کھڑا نہ رہ سکوں گا مجھے آخری حکم ملا تو میں وہیں ڈھے گیا۔

"تمہاری یہی سزا ہے کہ تم کل صبح کا سورج اس گاؤں میں نہ دیکھو۔ اپنی دادی کو لے کر کہیں دور چلے جاؤ۔" اس حکم نے بڑی دور تک میرا تعاقب کیا۔

☼ ☼ ☼

یہ جنوری کی اوائل دنوں کی ایک دھند بھری شام تھی۔

میں کافی دیر سے چھت کی عقبی منڈیر سے کہنیاں ٹکائے کھڑا گاؤں کی زمینوں پر اترتی دھند کی چادر میں لپٹی سرد شام کو دیکھ رہا تھا۔ سر شام اترنے والی اوس نے میری ناک اور میری پلکیں خ کر دیں اور میرے بال بھگو دیے تھے۔

"تم آج بڑی حویلی کے آس پاس منڈلا رہے تھے' خیریت؟" عباس کی یہ پرانی عادت تھی وہ ہمیشہ دبے پاؤں آتا تھا کہ اگلے کو پتا بھی نہ لگے زلیخا اس کی اس عادت سے بہت چڑتی تھی۔

"عباس تمہاری اس طرح دبے پاؤں چلے آنے والی عادت ابھی تک نہیں گئی... تمہیں یاد ہے ناں جب..."

"نہیں۔" اس نے میری بات کاٹی مجھے کچھ یاد نہیں اور میں بچپن کی پرانی یادوں کو کسی تمغے کی طرح

سینے پر سجائے نہیں پھر رہا تمہاری طرح' مجھے اور بھی بہت کام ہیں۔۔۔ اور تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔"

"ہاں گیا تھا میں وہاں۔" مختصر جواب دے کر میں ایک بار پھر بے لباس درختوں کی نازک ٹہنیاں دیکھنے لگا۔

"پھر۔۔۔" یا تو وہ صورت حال سے باخبر تھا یا میرے لبوں سے تمام بات سننا چاہتا تھا۔

"پھر کیا اس نے ملنے سے انکار کر دیا۔"

"اسے ایسا ہی کرنا چاہیے تھا۔" عباس کے بے ساختہ اور بے رحم تبصرے پر میں نے ایک دم تڑپ کر اس کی صورت کے قطعی نارمل نقوش کو دیکھا۔

"ہاں میرے دوست اس میں حیران ہونے کی کوئی بات نہیں۔ اسے ایسا ہی کرنا چاہیے تھا اس کی جگہ کوئی بھی لڑکی ہوتی وہ اسی طرح ہی کرتی۔۔۔ عزت نفس ہر ایک کو پیاری ہوتی ہے اور بعض وقت محبت سے بھی زیادہ۔۔۔ تم راتوں رات چوروں کی طرح بھاگ نکلے تھے اپنی بچپن کی محبت کو نہر کے ٹھنڈے پانی کے سپرد کر کے۔۔۔ تمہاری محبت فریب تھی اور دعوے جھوٹے۔۔۔ بے بنیاد' تمہیں صرف اپنے آپ سے محبت تھی صرف اپنی پروا تھی اپنی فکر تھی کسی اور کی نہیں۔"

"یہ جھوٹ ہے۔" میں بے ساختہ پلٹا۔

"تو پھر سچ کیا ہے۔۔۔؟"

میں کچھ نہ بولا۔ بس خاموشی سے ہونٹ کاٹتا رہا اور ٹپ ٹپ زہریلا پانی تھا جو میرے دل پر گرتا رہا میں اس کو کیا بتاتا' کون کون سی بات کی وضاحت کرتا۔۔۔ سو میں خاموش ہی رہا۔ کچھ دیر بعد وہ بولا۔

"ایک بات بتا دوں تمہیں سانول۔۔۔ دنیا کی کوئی لڑکی بھی بزدل آدمی کو پسند نہیں کرتی۔"

میرے اوپر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ میں نے خود کو پاتال میں اترتے محسوس کیا۔

"میں بہت مجبور ہو گیا تھا عباس۔"

"ہونہہ۔۔۔ ہمیشہ سے محبت کی کہانیوں میں ایک کردار نے خود کو مجبور ظاہر کیا ہے کیونکہ بے وفائی کا الزام کوئی بھی اپنے سر نہیں لینا چاہتا اور نہ ہی برداشت کر سکتا ہے۔" اس نے اس زور کا چابک مارا کہ میری محبت سسک اٹھی۔

"کیا میں بے وفا تھا۔۔۔؟" وسط جنوری کی ٹھنڈی ہوا سرگوشیاں کرتی ہوئی مجھ سے پوچھتی رہی۔

☆ ☆ ☆

میرے گھر پہنچنے سے پہلے چوہدری کا دھمکی آمیز سندیسہ دادی کو مل چکا تھا وہ بین کرتی ہوئی زار زار روتی ہوئی گھر کی چوکھٹ پر مجھے مل گئیں۔

میں یوں ہانپ رہا تھا جیسے میلوں کا سفر ایک ہی جست میں کر آیا ہوں میں اپنی پوری زندگی کی جمع پونجی وہیں رستے میں لٹا آیا تھا میری تتلیاں' میرے جگنو' میرے خواب' میری محبت۔۔۔ سب کہیں وہیں رستے میں رہ گئے تھے میرے ساتھ میرے گھر کی دہلیز تک جو واحد چیز آئی تھی وہ میری غریبی تھی۔

محبت کو ایک بار پھر حسب روایت حسب نسب کی ڈائن نگل رہی تھی اور اس منہ زور ڈائن کو کوئی بھی روک نہیں پا رہا تھا۔ محبت یوں ہی رسم و رواجوں کی بھینٹ چڑھ جاتی ہے۔

بہت زیادہ رو چکنے کے بعد دادی بکسے کا ڈھکن اٹھائے اس میں پتا نہیں کیا کیا رکھ رہی تھیں اور میرے سن ہوتے ہوئے ہاتھوں میں اتنی سکت نہیں تھی کہ میں دادی کو روک پاتا۔ بالآخر میں پھیپھڑوں کا پورا زور لگا کر چیخ پڑا۔

"میں اسے چھوڑ کر نہیں جاؤں گا دادی۔۔۔ کسی قیمت پر بھی نہیں' کسی صورت بھی نہیں' کہیں بھی نہیں۔"

"کیا مر جائے گا؟" ان کی قہر برساتی نظر میرے اوپر ٹکی۔

"ہاں' ہاں میں مر جاؤں گا اسی چوکھٹ پر اپنی جان دے دوں گا لیکن یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گا۔ بھلے وہ لوگ میری بوٹی بوٹی کر کے کتوں کے آگے ڈال

دیں۔"

میں رو رہا تھا چیخ اور چلا رہا تھا واویلا کر رہا تھا۔ منتیں اور واسطے دے رہا تھا مگر دادی ٹس سے مس نہ ہوئیں۔

"جانا تو ہر حال میں ہے۔" دادی کے ٹھوس اور بے لچک لہجے میں کوئی ایسی بات تھی کہ میں تڑپ گیا۔

"آپ کو میری قسم دادی۔" میں اپنے دونوں ہاتھ جوڑے ان کے روبرو تھا اور میرے زار زار بہتے آنسو میرا گریبان بھگو رہے تھے۔

محبت ہم دونوں کے بیچ دھاڑیں مار مار کے رو رہی تھی.... وہ محبت جو مجھ کو زلیخا سے تھی اور وہ محبت جو دادی کو مجھ سے تھی۔

"میں تمہارے باپ اور تمہاری ماں کو بہت رو چکی ہوں اب تمہارے لیے میری آنکھ میں آنسو ہیں اور نہ دل میں حوصلہ....!" وہ کسی قدر ہمت سے بولی تھیں اور فوراً" اپنی چادر اتار کے میرے قدموں میں ڈال دی۔ میں ساکت و ششدر رہ گیا میں زندگی میں پہلی بار اپنی دادی کو ننگے سر دیکھ رہا تھا۔

فیصلے کی گھڑی تھی یا پل صراط۔

وقت اپنی پلکیں جھپکنا بھول کر مجھے دیکھ رہا تھا اور میں زمین پر میرے قدموں میں پڑی سفید بے داغ اوڑھنی کو اور پھر فیصلہ ہو گیا۔

☆ ☆ ☆

"کیا میں بے وفا ہوں....؟" سوال کی برچھیاں تھیں اور میرا بدن لہولہان۔

عباس کہتا ہے میں بے وفا ہوں۔ ایک اور پہروں جاگتی رات میری ہم سفر تھی۔

عباس تمہیں محبت ہوئی ہوتی تو میں تم سے پوچھتا وفا کی کہانیاں.... بے وفائی کے الزام ہم کیا جانو کہ محبت کیا روگ ہے اور جدائی کے بعد پھر تمام عمر محبت کیسے بچھڑے ہووں کا سوگ مناتی ہے۔

محبت کبھی حسب نسب اور کبھی خونی رشتوں کی خود غرضیوں کی بھینٹ چڑھ جاتی ہے ورنہ آپ خود کون بے وفائی کا طوق گلے میں ڈالتا ہے جان بوجھ کر اور پھر وچھوڑے کا کرب سہتا ہے۔

میں اگر بے وفا ہوتا تو اسے بھول چکا ہوتا۔ زلیخا کی یاد کے نقش میرے ذہن و دل سے محو ہو چکے ہوتے۔ میں تو اسے اتنے سالوں کے کسی ایک لمحے میں بھی نہیں بھول پایا ہوں۔ اس کی یاد ہر گھڑی میرے ساتھ ساتھ رہی ہے جیسے سانسیں ضروری ویسے یاد ضروری جیسے جینا لازم ویسے یادیں ملزوم ہیں اس کی یاد سے غافل کیسے ہو پاتا بھلا.... اس کی وقت رخصت روتی ہوئی آنکھیں ٹوٹی ہوئی چوڑیاں' زخمی کلائیاں' بکھرے بال.... میں کسی پل نہیں بھول پایا' اس کا وہ بدحال سا حلیہ نگاہ میں ہمیشہ کے لیے ٹھہر گیا تھا.... اور اس بھول نہ پانے نے میری راتوں کی نیند چھین لی.... اس کی ٹوٹی چوڑیوں اور زخمی کلائیوں نے پھر مجھے سونے نہیں دیا۔

☆ ☆ ☆

میں جب زمین پر گری چادر اٹھانے کے لیے جھکا تو میرے ہاتھ کسی رعشہ زدہ مریض کی طرح کانپ رہے تھے۔ کوئی نیزے کی انی تھی میرے دل کے آر پار ہو رہی تھی اور دل لہو لہو ہو رہا تھا۔ دادی کے سر پہ چادر اوڑھا کے میں یوں بھاگا جیسے مڑ کے اگر دیکھوں گا تو یقیناً" پتھر کا ہو جاؤں گا میں گیا تو زلیخا نہر کنارے میری منتظر تھی اسے دیکھتے ہی میری آنکھیں جلنے لگیں دل بے قابو ہونے لگا۔

وہ مجھے دیکھ کے ہنس دی۔ اسے شاید خبر بھی نہیں تھی کہ میں کن قیامت خیز لمحوں کو چھو آیا ہوں اور اس تک آتے آتے میں کیسے نڈھال ہو کے آیا ہوں اس ایک انتہائی فیصلے نے مجھ سے جینے کی طلب چھین لی ہے۔ میں مرجانا چاہتا ہوں ابھی اور اسی وقت.... مرنے کی خواہش شدید سے شدید ہو رہی تھی اور میں ٹکر ٹکر اس کی صورت دیکھ رہا تھا جیسے میں یہ صورت اور اور اس صورت کے نرم جاذب نقوش اپنے حافظے میں محفوظ کرنا چاہتا ہوں۔ کاش.... اس لڑکی سے میں کبھی جدا نہ ہوتا۔ یہ لڑکی جو مجھے اپنی زندگی سے بھی

زیادہ پیاری ہے دنیا کی ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے۔ جس کے بغیر جینے کا تصور ہی موت سے بڑھ کے ہے کاش.... میں اس کو کبھی بھی خود سے دور نہ ہونے دیتا.... کسی پل بھی کوئی لمحہ بھی.... میں زار زار رو رہا تھا کہ میرے آنسوؤں نے اس کے سندر ہاتھ بھگو دیے.... وہ بہت پریشان ہو گئی۔

"کیا ہوا ہے سانول.... کیوں رو رہے ہو تم.... کوئی بھلا اس طرح بھی روتا ہے....؟" اور میں اس کو کیا بتاتا کہ جن کا کوئی جان سے پیارا بچھڑنے والا ہو.... وہ اسی طرح روتے ہیں۔ میں نے آنکھیں رگڑ کر اسے دیکھا۔

"سانول.... بتاؤ ناں ورنہ میں رو دوں گی۔" اس کی آنکھوں کی سیاہ و سفید زمینوں پر ڈھیروں پانی جمع ہونے لگا تو میں برداشت ہی نہ کر سکا۔ اس کا رونا مجھ سے کہاں دیکھا جاتا تھا۔ اس کا رونا تو بہت بچپن میں ہی میں برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی آنکھ سے بہنے والے آنسو تو میرے دل پر گرتے تھے۔ اسے رونے سے بچانے کے لیے تو میں اپنی جان کی پروا بھی نہیں کرتا تھا۔

اور اس لمحے.... اس لمحے میرا دل چاہا کہ میں مکر جاؤں اس قسم سے جو میں ابھی دے کر آیا ہوں.... اس لمحے میرا دل چاہا میں اس دنیا کے تمام رسم و رواج، رشتے ناتے، وعدے قسمیں ہر چیز کو ٹھوکر مار دوں.... اس لمحے میرا دل چاہا میں اس دنیا میں موجود اپنے واحد رشتے کو بھول کر اس کی چادر کے عوض دی گئی خاموش قسم کو بھول بھال کر زلیخا کا ہاتھ تھام لوں اور کہیں دور نکل جاؤں.... کسی اور دیس چلا جاؤں جہاں صرف اور صرف میں ہوں اور میری محبت....! میں نے سوچ کا در وا کیا تو میری غریبی اپنی دونوں بانہیں کھولے میرا رستہ روکے کھڑی تھی۔ میرا دل خون ہو گیا۔

"مجھے جانا ہے زلیخا۔" کڑے ضبط کے بعد میں بمشکل یہ کہہ پایا وہ حیرت سے دنگ کھڑی گئی۔

"میں ہار گیا ہوں۔ محبت کی بازی میں ایک بار پھر جیت دوسرے لوگوں کی ہوئی ہے۔ تم مجھے معاف کر دینا زلیخا میں کوئی قول بھی نباہ نہیں سکا میں کمزور ہوں نا.... کیونکہ غریب اور مفلس بھی ہوں اور ایک بوڑھی دادی بھی ہے۔ جس کا میرے سوا کوئی نہیں ہے۔" میں نے ذرا ذرا کر کے تمام قصہ اسے کہہ سنایا تو وہ سانس لینا بھول گئی۔

"تم کمزور کیسے ہو سکتے ہو سانول۔" روتے ہوئے وہ بولی۔ "میں قدم بہ قدم تمہارے ساتھ ہوں۔ میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گی جہاں تم جاؤ گے۔" اسے محبت نے طاقتور اور نڈر کر دیا تھا اور بے خوف بھی۔

"نہیں، زلیخا تم میرے ساتھ کیسے جا سکتی ہو.... مجھے خود معلوم نہیں کہ میں کہاں جاؤں گا' میں تو خود وہ مسافر ہوں جسے منزل کی کوئی خبر نہیں۔"

"میں تمہارے بغیر کیسے رہ پاؤں گی....؟"

"جیسے میں....!" کیا سادہ سا جواب تھا جس نے دل کو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا۔

"مجھے چھوڑ کے مت جاؤ سانول.... میں مر جاؤں گی تمہارے بغیر' دوجا سانس نہیں آئے گا میری آنکھوں نے صرف تمہارے خواب دیکھے ہیں میرے دل نے صرف تمہیں چاہا ہے صرف تمہاری خواہش کی ہے' صرف تمہاری طلب ہوئی ہے اک تم مل جاؤ' مجھے اور کسی چیز کی پروا نہیں ہے میری ہر خواہش تم سے تم ہی پر ختم ہے میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی.... اور' اور تمہارے ساتھ میں رہ لوں گی' چاہے کیسے بھی حالات ہوئے میں ہر حال میں رہ لوں گی سانول....! تم بس مجھے چھوڑ کے نہیں جاؤ۔"

محبت کیسے منت سماجت پر اتر آئی تھی کہ جدائی کا خوف دل کو جکڑ رہا تھا اور محبت کو تو ہر حال میں وصل کی طلب ہوتی ہے۔

زلیخا میرے گھٹنوں پر ساکت پڑے میرے بازو پر سر رکھ کے ہچکیوں سے رو رہی تھی اور میری آستین پانی پانی ہو رہی تھی۔ پھر اٹھی اور منڈیر پر مار کے اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کی کہنیوں تک سجی چوڑیاں توڑ دیں اس کی دونوں کلائیوں سے خون رسنے لگا میں نے

فوراً" نظر پھیر لی۔۔۔ کیسا کڑا امتحان تھا وہ میرے سامنے زار و زار روئی تھی اور میرے دل پر تیزی سے پانی جمع ہو رہا تھا کھارا نمکین پانی پھر بھی میں اسے رونے سے نہیں روک پا رہا تھا میں چاہ کر بھی اسے یہ نہیں کہہ پا رہا تھا کہ 'تم مت روؤ زلیخا مجھے تمہارے رونے سے بہت تکلیف ہوتی ہے۔ میں بدعہدی کا مرتکب ہو جاؤں گا۔ میں ایک جھٹکے سے اٹھ گیا۔

"مجھے تم جانے دو زلیخا۔۔۔ مجھے جانے سے مت روکو کہ یہاں سے چلے جانا میری قسمت میں لکھا جا چکا ہے اور دادی کہتی ہیں کہ سب کچھ ٹل جاتا ہے مگر قسمت کا لکھا نہیں ٹل سکتا۔" میں نے تحمل سے دادی کا قول دہرایا اور میرے اسی تحمل نے شاید اسے مشکوک کر دیا تھا کہ اس کی آنکھوں کی سیاہ پتلیاں ساکت ہو گئیں کوئی حیرت سی حیرت تھی جو اس کے پورے چہرے پر پھیل گئی۔

اس کے بعد وہ کوئی لفظ نہ بولی۔ جیسے بولنا بھول گئی ہو۔

چلتے چلتے میں نے پلٹ کر دیکھا اور وہ ایک نظر دس سال پر محیط ہو گئی۔ رک جانے کی التجائیں کرتی ہوئی حیرت سے پھیلی ہوئی بے وفائی کا طعنہ دیتی ہوئی 'جدائی کے دکھ پر زار و قطار روتی ہوئی ان آنکھوں نے دس سال میرا تعاقب کیا اور ان بھیگی ہوئی آنکھوں نے کہاں کہاں میرا رستہ نہیں روکا' ان دس سالوں میں میرے ساتھ کیا کیا نہ ہوا میں کہاں کہاں نہیں بھٹکا ۔۔۔ سفر بھوگتے ہوئے قدم تھکے 'لڑکھڑائے' ٹھہرے' رکے۔۔۔ پھر چل دیے کہ زندگی کا سفر آپ کی مرضی کا تابع نہیں ہوتا۔

ان چاہے جیون کا سفر شروع ہوا تو بہت دشواریاں تھیں 'بہت کٹھن مرحلے تھے۔۔۔ دادی کے کوئی دور پار کے جاننے والے تھے بھلے لوگ تھے دل میں محبت اور مروت رکھنے والے کہ خندہ پیشانی سے ہمیں خیر مقدم کہا۔ گھر میں اگر جگہ دی تو دل میں بھی گنجائش نکالی' ورنہ نفسا نفسی کے اس دور میں اپنوں میں بھی اپنائیت نہیں رہی خون کے رشتوں میں بھی ۔۔۔ رشتے نہیں رہے بس خون رہ گیا ہے وہ بھی سفید۔۔۔ کچھ عرصہ ہم نے ان لوگوں کے ساتھ گزارا پھر کرائے کے مکان میں رہنے لگے۔ دادی نے محلے کے بچوں کو قرآن پاک پڑھانا شروع کر دیا تھا۔ میں نے ایک بوٹ ہاؤس پر سیل بوائے کی ملازمت کر لی۔ وہاں سے سر شام لوٹتا تو رات پڑھائی کے لیے وقف کر دیتا۔ زندگی ایک نئی ڈگر پر چل نکلی۔

زندگی کی طلب ہو نہ ہو مگر جینا لازم ہے کہ یہ حکم ربی ہے۔

پرانی جگہ چھوڑی تو پرانے لوگ بھی چھوٹے 'نئی جگہ آ کر نئے لوگوں سے تعلق استوار ہو گئے گو کہ اس نئے اور پرانے کے درمیان کتنی پر آزار اور اذیت ناک صدیاں ہیں وہ ایک الگ کہانی ہے۔ پھر میں نے ایک نئے دوست کے مشورے اور معاونت سے پاکستان ملٹری اکیڈمی جوائن کر لی۔ زندگی مصروف تھی اب مصروف ترین ہو گئی۔ اتنی مصروف کہ پرانے وقت کو یاد کرنے کا وقت ہی نہ ملتا یا شاید میں جان بوجھ کر ایسا کرتا۔ ہاں جب کبھی میرے پاس وقت کا ایک بھی فالتو لمحہ بچتا وہ مجھے یادوں کے گھنے جنگل میں چھوڑ آتا جہاں میں اکثر خود کو بھول آتا تھا۔

اکیڈمی کے سخت شیڈول اور ٹریننگ اگرچہ میرے جسم کو فولاد بنا رہے تھے مگر میری روح آج بھی نہر کنارے آباد تھی میرے خواب آج بھی مجھے انہی رستوں پہ لیے پھرتے تھے جو مجھ سے چھوٹ گئے تھے جہاں میرا بچپن کھویا تھا جہاں میری جوانی چھوٹی تھی۔۔۔ جہاں میری محبت روٹھی تھی۔۔۔ مجھے کوئی رنگ اچھے نہیں لگتے کوئی موسم نہ بھاتے 'کوئی خوشی نہ خوش کر پاتی تھی میں اپنا سب کچھ وہیں چھوڑ آیا تھا میری یاد کا موسم اب بھی اسی یاد سے آباد تھا میرا دل اب بھی اس یاد کو یاد کر کے بے ساختہ رو دیتا تھا وقت رخصت کے وہ جان لیوا لمحے 'وہ ٹوٹی چوڑیاں' زخمی کلائیاں 'بکھرے بال' بے تحاشا روتی ہوئی آنکھیں۔۔۔ میرے اندر باہر آگ لگ جاتی تھا نبض جل اٹھتے 'خاک اڑنے لگتی۔

جن دنوں میں فوج میں سپاہی بھرتی ہوا تھی کچھ ہی

عرصے بعد دادی دنیائے فانی کو چھوڑ گئیں۔۔۔ دادی جو اس دنیا میں میری واحد رشتہ دار تھیں وہ بھی نہ رہیں۔ ان کے جانے نے مجھے کیسا آدھا ادھورا کر دیا تھا بالکل تنہا' بہت اکیلا۔۔۔ میں گھر کے خالی در و دیوار سے لپٹ لپٹ کے رویا کرتا۔

میں خالی تو شروع ہی سے تھا اب اپنے اکلوتے اور واحد رشتے کے کھو دینے کے بعد میں کسی خالی برتن کی طرح لڑھکنے لگا ایک ٹھوکر کے بعد دوسری ٹھوکر۔

فوج میں بھرتی ہونے کے بعد زندگی ویسے بھی کسی لاوارث کی طرح قریہ قریہ نگری نگری بھٹکنے لگی' آوارگی قدموں سے لپٹ کے رہ گئی کہ اب گھر میں ویسے بھی دروازہ کھولے چوکھٹ سے لگی میری راہ دیکھنے والی آنکھ ہمیشہ کے لیے سو گئی تھی مجھے ویسے بھی گھر کی اداس اور ویران دیواروں سے ڈر لگتا تھا۔

میری کارگل بھیجے جانے کی درخواست جب سی اے کی میبل پر پہنچی تو وہ کافی دیر تک حیران نظروں سے مجھے دیکھتے رہے تھے۔ بالآخر سائن کر کے کاغذات میری جانب بڑھاتے انہوں نے بھرپور طریقے سے مجھے وش کیا۔

''اپنا خیال رکھنا نوجوان۔۔۔ تمہارے جیسے بہادر جوان اس ملک کا قیمتی سرمایہ ہیں اور ہمیں تم پر فخر ہے۔ وش یو گڈ لک۔'' میرے کاندھے پر بڑی دیر تک ان کے مضبوط ہاتھ کا لمس رہا۔ چھ ماہ کارگل میں گزار کے میں سیاچن چلا گیا۔

کارگل اور سیاچن کی دشوار گزار پہاڑیاں مجھے زندگی کے رستوں کی طرح لگتی تھیں۔ شہید ہونے کی خواہش جنون کی طرح مجھے بھاگنے پر مجبور کر رہی تھی۔ تپتی ریت پر چلتے ہوئے سفر سفر بھوگتے قدموں کو کسی۔۔۔ پڑاؤ کی آرزو تھی نہ چاہ۔۔۔ اور زندگی موت کے تعاقب میں کسی ان دیکھی مسافت پر گامزن تھی۔ ہوتا ہے نا ایسا۔ زندگی کے ہاتھوں زخم زخم ہو کر خودکشی کو حرام قرار دینے والے جہاد کے رستوں پر جا نکلتے ہیں۔

پھر وہ وقت بھی آگیا جب راستے ناپتے ناپتے تھکن پیروں سے آلپٹی اور بے نشان منزلوں کی مسافت میں نڈھال قدموں نے مزید چلنے سے انکار کر دیا۔

اس وقت کوئی خواہش میری ہتھیلیوں پر سر رکھ کے دھاڑیں مار کے روئی تھی جب کشمیر کے محاذ نے میرے ماتھے پر غازی کی مہر ثبت کر دی۔۔۔ تب میں نے واپسی کا قصد کیا اور میرے قدم خود بہ خود رنگ پور کے سفر پر چل نکلے۔ کسی کے شانے پر سر رکھ کے رو دینے کی خواہش نے اس زور کا ڈنک مارا کہ پورا وجود نیل و نیل ہو گیا آدمی زندگی میں ایک بار ہی سہی یہ چاہتا ہے کہ کوئی تو ہو' کوئی ایسا' کوئی ایسا اپنا جس سے گزری حیات کے تمام دکھ لفظ لفظ کہہ دیں' خواب ٹوٹنے سے محبت کے دکھ سہنے کا' ہجر بھری طویل مسافتوں سے بے نشان منزلوں اور پھر نامراد لوٹنے کا زخم زخم قصہ۔۔۔ کوئی تو ہو' کوئی ایسا لمس بھرا احساس جو پور پور آپ کے زخم سمیٹ لے اور پھر کسی نقصان کی کوئی پروا نہ ہو' پھر کسی ہجر کا کوئی صدمہ نہ رہے۔

نڈھال قدم جب نہر کنارے آ ٹھہرے تو زندگی نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں آنکھیں جیسے کسی بہت ہی گہرے خواب سے جاگی ہوں۔

☆ ☆ ☆

مجھے لگا نہر کا یخ پانی میرے اوپر سے گزر کر میرے پورے بدن کو سن کر گیا ہے۔ عباس بھی افسردہ تھا اور چپ چپ بیٹھا تھا۔ عباس کی بیوی نجل' زلیخا کی بچپن کی سکھی میرے سامنے بیٹھی قطار در قطار آنسو بہا رہی تھی۔ نجل نہ صرف زلیخا کی بلکہ میری بھی بچپن کی سکھی تھی۔ سانس سانس کڑیاں ملاتے تعلق پھر آشنائی پانے لگے۔

ان دونوں نے چپ چاپ میری کہانی کو لفظ لفظ سنا۔۔۔ اب میری یادوں بھری داستان صفحہ صفحہ ان دونوں کے سامنے کھلی پڑی تھی' جو میرے اپنے تھے جو میرے دکھ پر دکھی تھے۔

پھر نجل نے جو انکشاف کیا اس کے بعد تو میں کچھ بھی بولنے کے قابل نہیں رہا میں یوں سانس روکے اس کے لبوں سے ادا ہونے والے لفظ سن رہا تھا جیسے

ایک بھی سانس اگر لوں گا تو وہ آخری ثابت ہو گی۔ کاش۔۔۔ میں کوئی کہانی کار ہوتا محبت کی اس کہانی سے تمام دکھ چن کر سکھ ہی سکھ لکھ دیتا۔
"تمہارے جانے کے دوسرے ہی دن زلیخا نے نہر میں چھلانگ لگا دی تھی۔"
یہ کیسا انکشاف تھا جس نے میری جان ہی نکال دی تھی۔ کوئی درد کا گولہ تھا جو میرے دل پر آ گرا تھا۔
چاہے جانے کا احساس اگرچہ بہت خوب صورت ہے لیکن اگر کوئی آپ کی محبت میں آپ کی مجبوری کو آپ کی بے وفائی سمجھ کر اپنا جیون ہار دے تو دل یوں ہی دھڑکنا بھول جاتا ہے۔
"گو کہ اسے بروقت بچا لیا گیا تھا فوری طبی امداد سے اس کی زندگی بچ گئی تھی مگر کافی عرصے تک اس کی دماغی صحت مشکوک رہی۔ لوگ کہتے زلیخا پاگل ہو گئی ہی مگر میں تو جانتی تھی کہ یہ محبت ہے' یہ کسی کا پیار ہے جو اس کے دل کو ویران کر گیا ہے اور اس کی آنکھوں کو بنجر۔۔۔ اس کی آنکھیں آنے والے رستے پر لگی رہتیں اور شام ڈھلے تک جیسے کسی جانے والے کی راہ دیکھا کرتیں۔۔۔ میں اسے کہتی تھی کہ وہ بھول جائے کوئی برا خواب سمجھ کر' میں اسے سمجھاتی تھی کہ جانے والے اکثر لوٹ کر نہیں آتے اور کبھی کبھی لوٹ کے آنے میں بہت دیر کر دیتے ہیں اتنی دیر کہ واپسی پر صرف پھر مٹی کی ڈھیریاں ملتی ہیں۔"
"میں نے واپس آنے میں بہت دیر کر دی ہے شاید۔"
میں نے یوں کہا جیسے خود کلامی کی ہو۔ میری بات کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے سجل نے کہا۔ "ڈوبتے سورج کے ساتھ جب وہ پیر سائیں کے مزار پر دیا جلاتی ہوئی دیکھی جاتی تو دیکھنے والے حیرت سے دانتوں میں انگلیاں داب لیتے اور کہتے کہ اس پر تو کوئی جادو ٹونا چل گیا ہے اور کچھ لوگ اس کی کیفیات کو آسیبی اثرات کہتے تھے اس کی بے بے کہتی۔
"میری دھی رانی کو کسی کی نظر لگ گئی ہے۔۔۔" ان کو کون بتاتا کہ
"آپ کی دھی رانی کو کسی کی نظر نہیں لگی بلکہ آپ کی دھی رانی محبت کی نظر ہو گئی ہے۔۔۔ اور محبت کچھ لوگوں کے ساتھ کچھ اچھا سلوک نہیں کرتی۔" سجل رو رہی تھی اور میں بڑی دقت سے اپنے آنسو ضبط کر رہا تھا۔
"میں نے اکثر اسے پیر سائیں کے مزار پر جانے اور دیا جلانے سے روکا تھا مگر وہ جواباً" کہتی کہ۔۔۔ "سنا ہے پیر سائیں کے مزار پر سرِ شام دیا جلانے سے' جانے والے جلدی لوٹ آتے ہیں' اور سانول۔۔۔ اس لمحے مجھے وہ کوئی جوگن لگتی تھی۔ یا کوئی بد دعا پانے والی روح دکھتی تھی۔۔۔ اور پھر حسن کے ساتھ اس کا بیاہ ہو گیا۔"
میں نے زور سے اپنی آنکھیں میچ لیں جیسے کوئی کرب کا لمحہ ابھی ابھی آنکھ سے گزرا ہو۔
اگرچہ اس شادی پر وہ دل سے رضامند نہ تھی مگر اس نے بظاہر کوئی واویلا نہیں کیا چپ چاپ حسن کے سنگ رخصت ہو گئی۔ مجھے اس بات پر بہت حیرت تھی کہ اس نے ایک آنسو تک نہیں بہایا۔ میں نے جب پوچھا تو وہ بولی "بے روح جسم کو کفن پہنا دو یا عروسی جوڑا کوئی فرق نہیں پڑتا۔" اور اس وقت سانول۔۔۔ میں نے تمہیں بد دعا دی تھی کہ تم نے میری سہیلی کی ہنسی چھینی ہے تم کبھی نہ ہنس سکو۔"
میں نے بمشکل اپنی سسکاری دبائی میں سجل کو کیسے بتاتا کہ مجھے تمہاری بد دعا نہیں لگی مجھے تو محبت کی بد دعا لگی ہے یا محبت خود مجھے کسی بد دعا کی طرح لگی ہے۔
سجل نے پھر سلسلہ جوڑا۔
"مجھے ایک بار پھر حیرت ہوئی جب شادی کے کچھ عرصہ بعد زلیخا بہت خوش رہنے لگی یا ہو سکتا ہے خوش رہنے کی کوشش کرتی ہو یا پھر خوش رہنے کی اداکاری کرتی ہو' کیا پتا مگر اس کے ہونٹوں پر ہنسی ملتی تھی۔ حسن اس سے محبت کرتا تھا اس کا بہت خیال رکھتا تھا وہ بننے سنورنے لگی تھی' اپنا خیال رکھنے لگی تھی اور۔۔۔ ابھی ہواؤں نے سکھ کا سندیسہ دیا ہی تھا ابھی اس کی آنکھ کی ویران منڈیروں پر جگنو اترے ہی تھے۔ ابھی اس کے چہرے پر الوہی چمک آ کے ٹھہری ہی تھی کہ وہ ایک بار پھر بد نظری کا شکار ہو گئی شادی کے دوسرے

مہینے ہی ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں جب حسن کا انتقال ہو گیا۔۔۔!" یہ پہاڑ جتنا دکھ اس نے کس طرح جھیلا ہو گا۔ میں نے انتہائی کرب سے سوچا۔

☼ ☼ ☼

من چاہی لگن اگر سچی ہو اور جذبے صادق تو کار گزاری بہت دشوار نہیں رہتی۔

میں اس وقت جدید طرز تعمیر کی خوب صورت بلڈنگ کے سامنے کھڑا تھا جس کے ماتھے پر "الوفا پبلک اسکول" لکھا تھا جس کو محنت' لگن اور انتہائی کامیابی سے زلیخا کئی سالوں سے چلا رہی تھی۔ میں ایک بار بجھتے دیے میں حوصلے کا تیل ڈالنے چلا آیا تھا اس سے پہلے اس نے میرا تعارف جان کر مجھ سے ملنے سے انکار کر دیا تھا اور ظاہر ہے اسے اسی روز میری واپسی کی خبر مل گئی ہو گی جس روز میں نے رنگ پور میں قدم رکھا تھا۔ سو اس بار غیر اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے میں بنا اس کی اجازت و اطلاع کے اس کے آفس کے دروازے پر جا پہنچا۔ دروازہ ناک کرنے کے لیے میری انگلی اٹھی کی اٹھی رہ گئی جب اندر سے دروازہ کھلا تو میں دیکھتا رہ گیا۔ اتنے سالوں کے بعد میرے سامنے وہی چہرہ تھا' سردی کی میٹھی میٹھی دھوپ کے جیسا چہرہ۔۔۔ یہ وہی خدوخال تھے۔

یہ وہی چہرہ تھا جسے میں گزرے دس سالوں میں ایک لمحے کے لیے بھی نہیں بھول پایا۔۔۔ ایک پل' ایک ساعت کے لیے بھی وہ چہرہ میری نظر سے نہیں ہٹا' میں نے اس چہرے کو اتنا ہی سوچا جتنا خود کو' میں نے اس چہرے کو اتنا ہی دیکھا جتنا خود کو۔۔۔ میں جاگتا تو اسے سوچتا' میں سوتا تو خوابوں میں' نیندوں کے سفر میں وہ میرے ساتھ ساتھ ہوتی تھی۔ وہ آج بھی ویسی ہی تھی' شفاف کالی سیاہ آنکھوں پہ کالی سیاہ جھالر اوڑھے وہ میرے سامنے کھڑی تھی۔ اس کی آنکھوں میں کوئی گہرا حزن و ملال ٹھہر گیا تھا مجھے دیکھ کر وہ ایک لمحے کے لیے چونکی پھر سنبھل گئی۔

میں نے اس کے چہرے کو اپنی نگاہ کے حصار میں لیتے ہوئے کہا۔ "معافی چاہتا ہوں اجازت کے بغیر آ گیا ہوں بلکہ آنا پڑا ہے تمہارے ناروا سلوک کی بدولت۔"

وہ متانت و سنجیدگی سے بولی۔ "لگتا ہے فوج کی زندگی بھی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ پائی ورنہ سنا ہے کہ فوجی تو ڈسپلن کے بہت پابند ہوتے ہیں۔"

"ہاں' ٹھیک سنا ہے تم نے۔" میں ایک بار پھر کسی تکلف و اعتراض کو خاطر میں لائے بغیر کرسی پر اس کے روبرو جا بیٹھا۔

"فوجی زندگی بہت ڈسپلنڈ ہے مگر کیا کیا جائے ہمارے اصول ہر جگہ لاگو نہیں ہوتے۔" مجھے خدشہ تھا بلکہ یقین تھا کہ اجازت مانگنے پر ایک بار پھر ملنے سے انکار کر دیا جائے گا۔

وہ خشمگیں نگاہوں سے مجھے گھور رہی تھی۔ اس انداز میں بات کر کے میں اپنے اور اس کے درمیان سے اس گزرے وقت کو ہٹانا چاہتا تھا جو اس کے اور میرے بیچ کالی بلا کی طرح ٹھہرا تھا مگر یہ میری محض خام خیالی تھی۔ پھر ہمارے درمیان کتنے ہی پر آزار لمحے خاموشی کی نذر ہو گئے۔

حالانکہ میرا دل چاہ رہا تھا وہ مجھ سے کچھ تو پوچھے' کوئی سوال تو کرے' کوئی شکوہ' کوئی شکایت' کوئی تو بات کرے' بے شک لڑے جھگڑے' گئے وقت کے ایک ایک پل کا حساب مانگے' میرے روبرو مجھے بے وفا کہے' میرا گریبان پکڑ کے شکوے شکایتوں کے انبار لگا دے' کچھ تو کہے مگر وہ ایک اجنبی خاموشی کی بکل اوڑھے بیٹھی تھی اور میں بھی چپ تھا حالانکہ میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں اسے بتاؤں کہ میں بے وفا نہیں ہوں۔۔۔ میں جو یہاں سے چلا گیا تھا رات کے اندھیروں میں وہ میری مجبوری تھی میرے حالات نے میرے قدموں میں مجبوریوں کی بیڑیاں ڈال دی تھیں۔ جنہیں توڑ دینا میرے اختیار میں نہیں تھا۔۔۔ میرا دل چاہ رہا تھا میں اس کے بغیر گزارے وقت کا صفحہ صفحہ اس کے سامنے الٹ دوں۔۔۔ حرف حرف اس کو بتا دوں۔

مگر میں کچھ بھی نہ کہہ سکا بس حسن کے بے وقت

انتقال پر افسوس کیا اور چوہدری صاحب کی موت کی تعزیت کی اس نے جواباً" کوئی لفظ نہ بولا۔ آج میری کتنی خواہش تھی کہ وہ آنکھ سے ایک آنسو ہی بہا دیتی۔ مجھے گمان تو ہوتا کہ وہ مجھے آج بھی اپنا سمجھتی ہے۔

اس کی آنکھوں کی خشک سطح گیلی ہونے کا میں بہت دیر تک منتظر ہی رہا۔

☆ ☆ ☆

زلیخا کی بے بے جو اب بڑی چوہدرانی کے بجائے پورے گاؤں کی بے بے مشہور تھیں۔ زلیخا کی نسبت تو وہ مجھے انتہائی تپاک سے ملی تھیں۔ پھر میں اکثر ان سے ملنے حویلی چلا جاتا' وہ بولتی رہتیں اور میں سنتا رہتا' گئے وقتوں کے قصے' گزرے زمانوں کی باتیں' چوہدری ہوراں کی یادیں ان کے شوق' ان کے مشغلے ایک قصے کے بعد دوسرا قصہ' ایک واقعے کے بعد اگلا واقعہ... ان کو جیسے کوئی من پسند سامع مل گیا تھا۔ وہ مجھ سے دادی کی باتیں کرتیں اور اس بات پر متعجب ہوتیں کہ ہم لوگ اچانک راتوں رات گاؤں چھوڑ کر کیوں اور کہاں چلے گئے تھے۔ میں ان کو اپنی مجبوری بتا نہ پاتا میں زلیخا کی طرف دیکھتا تو وہ اگرچہ میری سمت دیکھ رہی ہوتی مگر میرے دیکھتے ہی فوراً" نگاہ پھیر لیتی اور میں اس ایک سرسری نظر سے اس کی آنکھوں میں لگے شکوے دیکھ لیتا... کاش زلیخا میں کسی طرح تمہارا دل صاف کرلوں۔

میں نے ایک بار اس کا رستہ روک لیا۔

"میں بے وفا نہیں ہوں زلیخا... وہ میری مجبوریاں تھیں۔" وہ کچھ نہ بولی اور چپ چاپ آگے قدم بڑھا دیے۔ میں بھاگ کر پھر اس کے رستے میں آگیا۔

"میں تمہیں ہر بات بتانا چاہتا ہوں تم میری بات تو سنو' میں تمہیں گزرے وقت کی تمام کہانی سنا دوں گا زلیخا...!"

وہ ٹھہر گئی اور ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں بولی۔ "میں نے تم سے کوئی شکوہ کیا ہے نہ ہی کوئی تم سے وضاحت مانگی ہے اور نہ ہی مجھے کوئی کہانی سننے کا شوق ہے۔ تم اس طرح سے میرے رستے میں مت آیا کرو۔"

"میرا رستہ صرف تم تک ہی آتا ہے اور تم ہی پر ختم ہے۔ میں اب واپس نہیں پلٹ سکتا۔ میں اب چاہتا ہوں میں اسی رستے پر عمر تمام کردوں۔ تم مجھ پر بھروسا کرو میں تمہارا وہی سانول ہوں..."

"تم اپنا اور میرا وقت ضائع کررہے ہو' تم اب بھی اسے بچپن کا کوئی گھڑی بھر کا کھیل سمجھتے ہو کہ کھیلا' کھلونے توڑے اور اپنی راہ چل دیے' لیکن اب یہ بچپن نہیں ہے۔"

"مجھے خوشی ہوئی ہے کہ تمہیں یاد تو ہے بچپن بھی اور میں بھی۔"

"ہونہہ... وہ زمانے گزر گئے سانول جب میں پاگلوں کی طرح تمہارے لیے روتی تھی۔"

"وہ زمانہ اب بھی ہے میں پاگلوں کی طرح اب بھی تمہارے لیے روتا ہوں اور بے تحاشا روتا ہوں۔" میں نے اسی کے انداز میں کہا" اور ہاں... میں روزانہ سرشام پیر سائیں کے مزار پہ دیا جلا کے منت مانتا ہوں کہ مجھے روٹھا یار منانا ہے مان جائے۔ مجھے میری گم شدہ خوشیاں مل جائیں اور میری محبت بھی اور... مجھے یقین کامل ہے کہ میری منت ضرور بر آئے گی۔" اس نے ساکت نظر سے ایک دم مجھے دیکھا۔ اس کے

بعد میں ٹھہرا نہیں وہاں سے پلٹ آیا اور اس روز میں نے اس کی آنکھوں میں ڈھیروں ڈھیر پانی جمع ہوتے دیکھا تھا اور مجھے اور کچھ نہیں دیکھنا تھا۔

محبت میں کیسی خواہش یہ قدرت نے رکھی ہے کہ کوئی ہمارے لیے روئے۔ وہ اب بھی مجھ سے محبت کرتی ہے وہ اب بھی میرے لیے روتی ہے۔

یہ احساس ہی ایسا خوب صورت تھا کہ میرا دل آسودگی سے سرشار ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

وقت بھی کیسے کیسے کھیل کھیلتا ہے' کیسی کیسی چالیں چلتا ہے کہ آدمی دنگ رہ جاتا ہے تو عقل محو حیرت ایک کھیل کے بعد دوسرا کھیل' ایک کرتب کے بعد اگلا کرتب اور آدمی کی زندگی تو بے ہی کوئی رراری کی ڈگڈگی' اپنے اختیار میں تو کچھ بھی نہیں ہے' سب فیصلوں کی اور کوئی جگہ اور ہمیں تو فقط راضی بہ رضا رہنے کا حکم ہے۔

ایک وہ وقت تھا جب بڑی حویلی کے در و دیوار مجھے کسی مہربان ماں کی طرح مانوس لگتے تھے پھر وقت کی ایسی ہوا چلی کہ وہ مانوس در و دیوار سفاک اجنبی ہو گئے۔ اس حویلی کی ظاہری شان و شوکت انا پر غرور خدوخال نے زندگی کے سامنے میری حیثیت دو کوڑی کی کردی مجھے آن واحد میں گھر بدر کردیا' گاؤں بدر کردیا' مجھ سے میری محبت چھین لی گئی۔ مجھ سے قوت فیصلہ چھین لیا گیا' مجھے سزا سنادی گئی اور میں ہوا کی زد پر آگیا۔ ہوا' کوبہ کو خزاں رسیدہ پتے کی طرح مجھے اپنے سنگ اڑائے پھری۔ وقت نے پھر کروٹ لی اور مجھے واپس اسی جگہ پہنچ دیا جہاں سے اٹھایا تھا۔ اور تب تک حالات بہت بدل چکے تھے ہاں اگر۔ نہیں بدلا تھا تو فقط میرا دل اور اس میں موجود زلیخا کی محبت۔ وہ محبت جو دل کے لیے خدائی تحفہ ہے۔

اس وقت میرے پاؤں شل ہو رہے تھے۔ میں بڑی دیر سے یہاں سے وہاں مارچ کررہا تھا۔ ظاہر ہے میں آرام سے کیسے بیٹھ سکتا تھا کافی دیر ہوئی عباس اور تجل بڑی حویلی گئے تھے میرا پرپوزل لے کر' اور میں تب سے اب تک ان کے کامیاب لوٹ آنے کی دعائیں مانگ رہا ہوں۔ میرا دل میرے کانوں کے کہیں آس پاس دھڑک رہا ہے۔ میں خود کو جوانی کے نئے نئے دنوں جیسا محسوس کررہا ہوں۔

یوں تو تجل بھابھی بڑے دنوں سے میری وکالت کر رہی تھیں بڑے دنوں سے زلیخا کا دل میری طرف سے صاف کرنے پر لگی ہوئی تھیں وہ اور عباس اگرچہ بہت زیادہ پرامید تھے مگر میرے دل کو جانے کیوں کوئی دھڑکا لگا ہوا تھا۔ لمبی سزا کاٹ کے آنے والی قیدی جیسا دھڑکا۔

اسی لمحے میرے سیل پر میسج کی ٹون ہوئی میں نے دیکھا تو حیرت زدہ رہ گیا۔ میرا دل سینے میں یوں پھڑپھڑایا جیسے آخری دم پر ہو۔ یہ زلیخا کا وہی نمبر تھا جس پر میں نے بات کرنے کی بڑی کوشش کی تھی اور ہر بار بڑی بے دردی سے لائن کاٹ دی جاتی' پھر میں نے میسجز کی بھرمار کردی کہ وہ عاجز آگئی ہوگی میں نے خاصی بے صبری سے موصول ہونے والا میسج پڑھا تو میرے آس پاس پھول ہی پھول کھل گئے خوشبوئیں بکھر گئیں۔

زندگی سے یہی گلہ ہے مجھے
تو بہت دیر سے ملا ہے مجھے
تو محبت سے کوئی چال تو چل
ہار جانے کا حوصلہ ہے مجھے!

میں بے ساختہ ہنس دیا تو مجھے لگا کہ کرہ ارض کی ہر چیز ہنس دی ہو' قہقہہ لگا رہی ہو' خوشیاں منا رہی ہو۔ گویا میری محبت معتبر ٹھہری' میری گواہیاں صادق تھیں۔ میری دعائیں مقبول ہوگئی تھیں اور میں خود۔ میں اس بے پایاں مسرت کو سنبھال ہی نہیں پارہا تھا۔ بے ساختہ میرے قدم بڑی حویلی کی جانب بڑھ گئے۔ صبح کے سورج کا رنگ کیسا اجلا اور روشن ہو گیا ہے۔ سارے موسم کتنے دل نشیں اور سہانے ہوگئے ہیں کہ تمام موسم دل کے موسم ٹھہرے۔

☼ ☼

نوکری کرنے کی نہ اسے اجازت تھی' نہ ضرورت مگر وہ سحرش ہی کیا تھی' جو کسی کی مان جائے' غصہ' آنسو' منت سماجت' بھوک ہڑتال کے بعد آخر کار وہ ابو کو منانے میں کامیاب ہوگئی۔ اجازت ملنے سے ابھی زیادہ مشکل کام نوکری کو تلاش کرنا تھا۔ کچھ محنت تھی اور کچھ قسمت بہت جلد اسے نوکری مل گئی۔

"ویسے سحرش تمہاری پہلی تنخواہ پر میرا پورا حق ہوگا۔ اچھی سی ٹریٹ لوں گی تم سے... ابو اور دادا کو منانے میں 100 فیصد میرا ہاتھ تھا۔"

"وہ بھی لے لینا... مگر یہ بتاؤ کل کون سا سوٹ پہن کر جاؤں۔" سحرش نے کہا۔

"یہ بلیو یا پنک رنگ میں سے ایک پہن لو۔" مریم نے دونوں سوٹ ہاتھ میں لے کر کہا۔

"ہاں یہ Pink والا ٹھیک رہے گا۔ اب آؤ میرے ساتھ کچن میں کام کرو۔ صبح سے بہت تھک گئی ہوں۔"

"نوکری ابھی شروع نہیں ہوئی۔ نخرے شروع ہوگئے۔" مریم نے اسے چھیڑتے ہوئے کہا۔

"اف یار تو... میں جا رہی ہوں اور تم پھر آجانا۔" مریم نے دوپٹے کا گولہ بنا کر اس کی طرف پھینکا۔

☆ ☆ ☆

"دور کے ڈھول سہانے" اس محاورے کا مطلب اب سحرش کو اچھی طرح سمجھ میں آیا تھا۔ آج اس کی نوکری کا پہلا دن تھا۔ وہ کچھ گھبرائی گئی تھی۔ ایک تو سخت گرمی' اوپر سے ٹریفک جام گھر پہنچی تو دو گلاس پانی پیا۔

"کیا بات ہے۔۔۔ پیدل آئی ہو۔۔۔ جو کہ اتنی گرمی لگ رہی ہے۔" مریم نے پوچھا۔

"ذرا باہر نکلو۔۔۔ تو پتا چل جائے گا۔ اف اللہ اتنی گرمی ہے۔ گھروں میں تو ہم لوگوں کو احساس تک نہیں ہوتا۔ یہ کس کی شادی کا کارڈ ہے۔" سحرش نے میز پر پڑے کارڈ کو دیکھا اور اشارہ کیا۔

"سدرہ اور فضا کی ہے۔ شادی کا کہنے آئی تھیں۔ تمہارے لیے خاص پیغام ہے۔" مریم نے کچن کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ فضا اور سحرش بچپن کی دوست تھی۔

"مریم کھانا لگاؤ۔۔۔ میں چینج کر کے آتی ہوں۔"

☆ ☆ ☆

ایک تو گرمی سے برا حال تھا۔ اوپر سے بس میں پاؤں رکھنے کی جگہ نہیں تھی۔ خدا خدا کر کے اسے سیٹ پر بیٹھنے کی جگہ مل گئی۔ اس کے ساتھ ایک بوڑھی اماں بیٹھی ہوئی تھیں۔ دو تین منٹ تو آرام سے گزر گئے۔ پھر اماں جی کے سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہو گیا' وہ گرمی سے بدحال تھی۔ دوسری طرف اماں جی کا انٹرویو' کہاں رہتی ہو؟ کہاں جا رہی ہو؟ کیا کرتی ہو؟ حتیٰ کہ بھائیوں اور بہنوں کی تعداد کا بھی پوچھا۔ اس سے پچھلی سیٹ پر بیٹھی لڑکی جو شاید اماں جی کی پوتی تھی۔ وہ بار بار انہیں چپ کرواتی۔ اچانک بس ایک جھٹکے سے رک گئی۔ بوڑھی اماں نے زوردار آواز میں پوچھا۔ تو پتا چلا کہ بس خراب ہو گئی تھی۔ سب مسافر نیچے اتر گئے۔ سحرش بھی اتر گئی اور سڑک کے ایک سائیڈ پر کھڑی ہو گئی۔ بوڑھی اماں نے سحرش کو دیکھ کر سیدھا اس کے پاس گئیں۔

"بیٹی کہاں سے پانی ملے گا۔" اماں جی نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔ سحرش کو ان پر ترس آیا۔

"ادھر سے میں لا دیتی ہوں۔" سحرش نے سامنے پڑے ہوئے کولر کی طرف اشارہ کیا۔ پانی پینے کے بعد اماں جی نے دکانوں کا پوسٹ مارٹم شروع کیا۔ سحرش سے یہ جان کر کہ سامنے اسلامی کتب کی دکان ہے۔ اماں جی کی آنکھوں میں چمک بڑھ گئی۔

"یہاں سے قرآن پاک بھی ہدیہ ہوں گے۔"

"جی ہاں یہاں سے ہدیہ ہوتے ہیں۔"

"مجھے بھی ہدیہ کروانا تھا بیٹا۔ بھابھی کی بیٹی کی شادی ہے۔ شادی میں تحفہ دینا ہے۔ انخاف میری پوتی کہتی ہے۔ دادی خوب مہنگا سا تحفہ دے دیں۔ میں نے کہا۔ میں اسے ایسا تحفہ دوں گی جو اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی کام آئے۔ یہ دنیا اور آخرت کا بہترین تحفہ ہے۔ یہ صدقہ جاریہ ہو گا۔ جب وہ تلاوت کرے گی تو مجھے بھی ثواب ملے گا۔ اس میں ہم دونوں کا فائدہ ہے۔ ہزاروں روپے خرچ کر کے اس تحفے کا کیا فائدہ۔ جو لوگ گھروں میں سجا لیتے ہیں۔" سحرش کے دل پر اماں جی کی باتیں لگ گئی۔ اس نے بھی سدرہ اور فضا کے لیے تحفہ لینا تھا' تو کیوں نا وہ تحفہ لیں جس میں دونوں کا فائدہ ہو۔ کل ہی تو دادا جان' ابو سے کہہ رہے تھے کہ ان کو تلاوت کے دوران الفاظ صاف نظر نہیں آتے۔ ان کے لیے بڑے حروف والا قرآن پاک ہدیہ کریں۔

سحرش نے دور جاتے ہوئے اماں کو مسکرا کر دیکھا۔ اسے اماں کی بات یاد آئی' کیوں نا ہم وہ تحفہ لیں جو اس دنیا میں اور اس دنیا میں فائدہ دے۔ جو ہمارے لیے صدقہ جاریہ ہو اور قرآن پاک سے بڑھ کر بھی کوئی تحفہ ہو سکتا ہے۔ وہ سیدھا اسلامی کتب کے دکان پر گئی اور قرآن پاک ہدیہ کر کے واپس گھر کی طرف چل پڑی۔

☆ ☆

تنزیلہ ریاض

مہر کو کہانیاں سننے کا بے حد شوق ہے۔ اسکول کے فینسی ڈریس شو میں وہ شہزادی راپنزل کا کردار ادا کر رہی ہے' اس لیے اس نے اپنے پاپا سے خاص طور پر شہزادی راپنزل کی کہانی سنانے کی فرمائش کی۔ کہانی سناتے ہوئے اسے کوئی یاد آجاتا ہے' جسے وہ راپنزل کہا کرتا تھا۔

نینا اپنے باپ سے ناراض رہتی ہے اور ان کو سلام کرنا بھی گوارا نہیں کرتی' وہ ابا سے جتنی نالاں اور متنفر رہتی' لیکن ایک بات حتمی تھی کہ امی سے اسے بہت محبت تھی' لیکن اسے محبت کا مظاہرہ کرنا نہیں آتا تھا۔ اس کی زبان ہمیشہ کڑوی ہی رہتی۔ نینا اپنے خرچے مختلف ٹیوشن پڑھا کر پورے کرتی ہے۔ اس کی بہن زری ٹیلی فون پر کسی لڑکے سے باتیں کرتی ہے۔

سلیم کی محلے میں چھوٹی سی دکان تھی۔ چند سال پہلے میٹرک کا رزلٹ پتا کر کے وہ خوشی خوشی گھر واپس آرہا تھا کہ ایک گاڑی سے اس کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے اور وہ ایک ٹانگ سے معذور ہو جاتا ہے۔ ذہنی بیمار ہونے کی وجہ سے اس کی ماں نے مثبت قدم اٹھاتے ہوئے محلے میں ایک چھوٹی سی دکان کھلوا دی' سلیم نے پرائیویٹ انٹر کر کے بی اے کا ارادہ کیا۔ سلیم کی غزل احمد علی کے نام سے ایک ادبی جریدے میں شائع ہو جاتی ہے' جو اس نے نینا کے ہاتھ بھجوائی تھی۔

صوفیہ کا تعلق ایک متوسط گھر سے تھا۔ وہ اپنی بہنوں میں قدرے دبی ہوئی رنگت کی مالک' لیکن سلیقہ شعاری میں سب سے آگے تھی۔ صوفیہ کی شادی جب کاشف نثار سے ہوئی تو پورے خاندان میں اسے خوش قسمتی کی علامتی مثال بنا دیا گیا۔ کاشف نہ صرف چلتے ہوئے کاروبار کا اکلوتا وارث تھا' بلکہ وجاہت کا اعلا شاہکار بھی تھا۔ کاشف خاندان کی ہر لڑکی اور

دوستوں کی بیویوں سے بہت بے تکلف ہو کر ملنا' جو صوفیہ کو بہت ناگوار گزرتا تھا۔ صوفیہ کو خاص کر اس کے دوست مجید کی بیوی حبیبہ بہت بری لگتی تھی۔ جو بہت خوب صورت اور ماڈرن تھی اور اس کی خاص توجہ کاشف کی طرف رہتی۔ حبیبہ کی وجہ سے کاشف اکثر صوفیہ سے کیے ہوئے وعدے بھول جاتا تھا۔ صوفیہ کے شک کرنے پر کاشف کا کہنا تھا کہ یہ اس کا کاروباری تقاضا ہے۔

بی بی جان' صوفیہ کی ساس کو کاشف سے جھگڑا کرنے سے منع کرتی ہیں' لیکن صوفیہ اپنے دل کے ہاتھوں مجبور تھی اور اکثر و بیشتر کاشف سے بحث کرنے لگتی جو کاشف کو ناگوار محسوس ہوتا۔ صوفیہ پریگننٹ ہو جاتی ہے اور بی بی جان کاشف سے صوفیہ کا خیال رکھنے کو کہتی ہیں۔

شہرین نے ضد کر کے اپنے والدین کی مرضی کے خلاف جا کر سمیع سے شادی تو کر لی' لیکن پچھتاوے اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ حالانکہ سمیع اسے بہت چاہتا ہے' اس کے باوجود اسے اپنے گھر والے بہت یاد آتے ہیں اور وہ ڈپریشن کا شکار ہو جاتی ہے اور زیادہ تر پلز لے کر اپنے بیڈ روم میں سوئی رہتی ہے۔ سمیع نے اپنی بیٹی ایمن کی دیکھ بھال کے لیے دور کی رشتہ دار اماں رضیہ کو بلا لیا جو گھر کا انتظام بھی سنبھالے ہوئے تھیں۔ سمیع اور شہرین دونوں ایمن کی طرف سے لاپروا ہیں اور ایمن اپنے والدین کی غفلت کا شکار ہو کر ملازموں کے ہاتھوں پل رہی ہے۔ اماں رضیہ کے احساس دلانے پر سمیع غصہ ہو جاتا ہے اور ان کو ڈانٹ دیتا ہے۔ شہرین کے بھائی بہن راستے میں ملتے ہیں اور سمیع کی بہت بے عزتی کرتے ہیں۔

سلیم' نینا سے محبت کا اظہار کرتا ہے۔ نینا صاف انکار کر دیتی ہے۔ سلیم کا دل ٹوٹ جاتا ہے' لیکن وہ نینا سے ناراض نہیں ہوتا اور ان کی دوستی اسی طرح قائم رہتی ہے۔ نینا کے ابا بیوی سے سلیم سے نینا کی دوستی پر ناگواری ظاہر کرتے ہیں اور بیوی سے کہتے ہیں کہ اپنی آپا سے نینا اور سلیم کے رشتے کی بات کریں۔

زری کے نمبر پر بار بار کسی کی کال آتی ہے۔ اور زری ماں سے چھپ کر اس سے باتیں کرتی ہے۔

نینا کی اسٹوڈنٹ رانیہ اسے بتاتی ہے کہ ایک لڑکا اسے فیس بک اور واٹس ایپ پر تنگ کر رہا ہے "آئی لو یو راپنزل" لکھ کر۔ نینا' سلیم کو بتا کر رانیہ کا مسئلہ حل کرنے کے لیے کہتی ہے۔

حبیبہ کے شوہر مجید کا روڈ ایکسیڈنٹ میں انتقال ہو جاتا ہے۔ وہ اپنا سارا پیسہ کاشف کے کاروبار میں انویسٹ کر دیتی ہے۔ اس کے اور کاشف کے تعلقات بہت بڑھ گئے ہیں۔ کاشف صوفیہ سے چھپ کر حبیبہ سے ملنے جاتا ہے اور صوفیہ کی آنکھوں پر اپنی محبت کی ایسی پٹی باندھ دیتا ہے کہ اسے اس کے پار کچھ نظر آنا ہی بند ہو جاتا ہے۔ حبیبہ کاشف پر شادی کے لیے دباؤ ڈالتی ہے۔ کاشف کے گریز اختیار کرنے پر اپنا روپیہ واپس مانگتی ہے اور یوں پہلی دل فریب کہانی اپنے اختتام کو پہنچ جاتی ہے۔ کاشف انکار کر دیتا ہے۔ حبیبہ غصہ میں کاشف کے تھپڑ مار دیتی ہے۔

شہرین اماں رانیہ کے توجہ دلانے پر ایمن کی سالگرہ جوش و خروش سے ارینج کرتی ہے۔ سالگرہ کا تھیم "راپنزل" رکھتی ہے۔ سالگرہ والے دن شہرین کی امی اور بہنوں کے کوسنے' طعنے اور بددعائیں سارے ماحول کو داغ دار کر دیتی ہیں۔ شہرین سر کے درد کی شدت سے بے ہوش ہو جاتی ہے۔

اب آگے پڑھیے

ساتویں قسط

"یا اللہ نوشی باجی کو کچھ نا ہو یا اللہ۔ پلیز انہیں کچھ نا ہو" نہنا نے جائے نماز پر بیٹھے نہ جانے کتنی دیر بار یہی الفاظ دوہراتے ہوئے دعا مانگی تھی۔ زری نے گہری سی سانس والی جماہی لی۔ پریشانی تو جو تھی سو تھی لیکن نہنا کا ردعمل اسے مزید پریشان کر رہا تھا۔ کب سے جائے نماز پر بیٹھی دعائیں کرتی جا رہی تھی۔ امی تو خالہ کو دیکھتے ہی ان کے ساتھ اسپتال چلی گئی تھیں۔ ان لوگوں کی باتیں' پھر فون کی گھنٹی اور پھر دروازہ کھٹکھٹائے جانے کی آواز سے

زری خود ہی اٹھ کر بیٹھ گئی تھی اور تب سے وہ نہنا کو تسلیاں دیتی ہوئی جیسے تھک سی گئی تھی جبکہ وہ ایک ہی انداز میں دعا مانگتی جاتی تھی۔

"مہرو بہت چھوٹی سی ہے یا اللہ۔ ماں کے بغیر کیسے رہے گی اتنی چھوٹی بچی۔ ماں کے بغیر رہنا بہت مشکل ہے یا اللہ۔ تو مہرو سے اس کی ماں واپس نا لے یا اللہ۔ مہرو کی ماما اسے واپس کردے یا اللہ۔"

"اللہ خیر کرے گا نہنا۔ کیوں اتنا برا سوچ رہی ہو۔ کچھ نہیں ہوگا نوشی باجی کو۔ آؤ تم سو جاؤ اب۔ ان شاء اللہ واقعی سب ٹھیک ہوگا۔" زری نے اسے ایک بار پھر نصیحت کی۔ نہنا نے چہرے سے ہاتھ ہٹا کر اسے دیکھا۔ زری اس کا چہرہ دیکھ کر دھک سے رہ گئی۔ اس کی آنکھیں بالکل سرخ ہو رہی تھیں اور یہ سرخی اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ زری کو اسی کی طبیعت خراب ہو جانے کا خدشہ ستانے لگا تھا۔

"زری۔ میرا دل بہت بے چین ہے۔ مجھے سکون نہیں آرہا۔ مجھے لگتا ہے کچھ ہونے والا ہے۔" وہ بالکل چھوٹی بچی کی طرح بے چین لہجے میں بولی تھی۔ نوشی باجی سے اس کی محبت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں تھی۔ وہ خالہ کی سب سے بڑی بیٹی اور سلیم لوگوں کی بہن تھی۔ نہنا جب خالہ کے گھر رہتی تھی تو نوشی باجی اور اس کی محبت مثالی تھی۔ نوشی باجی کسی بڑی بہن کی طرح اس کی ہر ضرورت کا خیال رکھتی تھیں اور نہنا بھی ہمہ وقت ان کا سایہ بنی رہتی تھی۔ اسکول جانا ہوتا تھا تو تیار بھی ان سے ہوتی تھی' کھانا ہوتا تھا تو بھی ان کے ہاتھ سے ہی کھاتی تھی۔ ان کی شادی کے بعد بھی نہنا شروع میں کافی اپ سیٹ رہتی تھی اور خالہ کے گھر کے بعد اگر نہنا کہیں جانے کے لیے آسانی سے رضامند ہو جاتی تھی تو وہ نوشی باجی کا ہی گھر تھا۔

ان کی شادی کو سات سال ہو چکے تھے لیکن ان کے سسرال والے ان کے حق میں زیادہ اچھے نہیں تھے۔ ان کے شوہر بھی ملازمت کی غرض سے سعودیہ رہتے تھے۔ ان کی ایک ہی بیٹی تھی اور اب تقریباً" پانچ سال بعد ان کے یہاں پھر سے پھول کھلنے والا تھا۔ ابتدا سے ہی ان کو کچھ پیچیدگیاں رہی تھیں' جس کا نہنا اور زری کو تو کچھ نہیں پتا تھا لیکن خالہ اور امی جب اشاروں اشاروں میں بات کرتی تھیں تو ان کے کانوں میں بھی کچھ نا کچھ پڑتا رہتا تھا اور اب ان کی ڈلیوری کچھ دن میں ہی متوقع تھی۔ اس لیے اس طرح باتھ روم میں گر جانا یقیناً کسی بڑی پریشانی کا باعث بن سکتا تھا۔ نہنا اور زری دونوں ہی تمام تر صورت حال سے تو مکمل طور پر آگاہ نہیں تھیں' لیکن خالہ جس طرح ہوائیاں اڑاتا ہوا چہرہ لے کر آئی تھیں اور امی بھی کافی عجلت اور پریشانی میں تھیں' یہی سوچ کر نہنا بے حال ہوئی جا رہی تھی اور زری اسے دیکھ دیکھ کر پریشان تھی۔ زری کو اس کی طرح خالہ کی فیملی سے بے پناہ انسیت تو نہیں تھی لیکن وہ بھی نہنا کے رونے سے وہم کا شکار ہونے لگی تھی۔

"تم بہت زیادہ سوچ رہی ہو نہنا۔ پلیز ایسے مت سوچو۔ دعا کرو۔ اللہ بہتر کارساز ہے اور پلیز یہ رونا بند کرو۔ ابا اٹھ جائیں گے تو وہ بھی پریشان ہوں گے۔" وہیں اپنے بیڈ پر بیٹھے اس نے کہا تھا۔ نہنا کچھ نہیں بولی' لیکن اس نے پھر سے چہرے پر ہاتھ رکھ لیے تھے اور ہل ہل کر دعائیں کرنے لگی تھی۔

اسی دوران فون کی گھنٹی بجی تھی۔ نہنا کرنٹ کھا کر اٹھی تھی اور پھر جیسے جھاگ بن کر بیٹھ گئی۔

"زری تم دیکھو پلیز۔ یا اللہ رحم یا اللہ رحم۔" وہ اس کی جانب التجائیہ انداز میں دیکھ رہی تھی۔ زری کے اپنے ہاتھ پاؤں پھول سے گئے تھے۔ وہ بستر سے اتر کر باہر فون کی جانب لپکی تھی۔ امی کا موبائل نمبر فون کی سی ایل آئی کی اسکرین پر چمک رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"MRI ۔۔۔؟" سمیع نے پریشانی سے چور لہجے میں ڈاکٹر صاحب کی جانب دیکھا۔
"گھبرائیے مت سمیع صاحب۔۔۔ اللہ پر بھروسا رکھیں۔" ڈاکٹر صاحب نے اسے تسلی دی تھی۔ شہرین انتہائی نگہداشت میں رات بھر رہی تھی اور ابھی بھی اسے ہوش نہیں آیا تھا۔ آن ڈیوٹی ڈاکٹرز کی جانب سے نیورو سرجن کو کال کیا گیا تھا' وہ اتفاق سے سمیع کے ایک دوست کے واقف کار تھے اور سمیع نے خاص طور پر انہیں فون کروایا تھا کہ شہرین کو بہترین سروسز مہیا کی جاسکیں۔ ڈاکٹر صاحب نے کچھ ابتدائی ٹیسٹ کروائے تھے جن کی رپورٹس لے کر سمیع اب ان کے کمرے میں موجود تھا۔ ان کے چہرے پر سوچوں کا جال بکھرا تھا جو سمیع کو کسی انہونی کے خدشے کا احساس دلا رہا تھا۔ مرد ہونے کے باوجود اس کا دل بے حد ڈرا ہوا تھا۔
"ڈاکٹر صاحب سب ٹھیک ہے نا۔۔۔ پہلے بھی اسے سر درد تو ہو جاتا تھا' لیکن ایسے۔۔۔ میرا مطلب یہ بے ہوشی۔۔۔" مناسب الفاظ نا ملنے پر اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔
"میں آپ کو مزید پریشان نہیں کرنا چاہتا۔" ڈاکٹر رضی نے اتنا ہی کہا اور پھر خاموش ہو گئے۔ سمیع کو بڑی کوفت سی ہوئی' لیکن وہ بولا کچھ نہیں۔ ڈاکٹر رضی نے اس کا چہرہ دیکھا۔
"یہ ہمارا وہم بھی ہو سکتا ہے' لیکن مستقل بے ہوشی اور پھر بلڈ پریشر کا مسلسل ہائی رہنا کوئی اچھی علامت نہیں ہے۔ ان پر دوا اثر نہیں کر رہی۔ ابھی بھی پوری طرح ہوش میں نہیں ہیں وہ۔" ڈاکٹر رضی پھر چپ ہوئے تھے۔
"یہی تو میں آپ سے پوچھ رہا ہوں کہ مسئلہ کیا ہے۔ کیوں نہیں ہو رہا بلڈ پریشر کنٹرول اور پھر شہرین کو بلڈ پریشر کا تو مسئلہ کبھی رہا ہی نہیں تھا۔ اس کو تو بس ڈپریشن کی وجہ سے سر درد رہتا تھا۔" سمیع ان کے انداز سے مزید بوکھلا سا گیا تھا۔
"آپ نے پہلے سب ضروری ٹیسٹ کروائے ہیں کبھی۔۔۔ ان کی رپورٹس ہیں آپ کے پاس۔" ڈاکٹر رضی ایک نظر اس کا چہرہ دیکھتے تھے اور دوسری نظر شہرین کی فائل کی جانب ڈالتے تھے۔ سمیع نے سر ہلایا۔
"جی جی سب رپورٹس موجود ہیں اور ابھی گزشتہ مہینے سب ٹیسٹ ہوئے ہیں۔ تھائی رائڈ۔ ایل ایف ٹی۔ رینل فنکشن ٹیسٹ۔" اس نے اپنی سمجھ کے مطابق ان تمام ٹیسٹ کے نام لیے تھے جو اس کے خیال میں کافی ضروری تھے اور جن کی شہرین کی تمام رپورٹس ٹھیک آئی تھیں۔ ڈاکٹر رضی نے سر ہلایا۔
"سی ٹی اسکین ہوا ہے کبھی۔۔۔؟ آپ نے بتایا کہ یہ دو سال سے مختلف معالجین کے پاس جا رہی ہیں۔ پہلے کبھی کسی نے سی ٹی اسکین یا ایم آر آئی وغیرہ کروایا۔ کیا رپورٹ آئی تھی؟" یہ اب تک کا ڈاکٹر رضی کا طویل ترین جملہ تھا۔ سمیع نے چند لمحے سوچنے میں صرف کیے۔
"سی ٹی اسکین تو ہوا تھا شاید۔۔۔ مجھے ٹھیک سے یاد نہیں ہے' لیکن رپورٹ تو اس کے تمام ٹیسٹ کی ٹھیک آتی رہی ہیں' میں ابھی گھر سے تمام رپورٹس منگواتا ہوں۔ ڈاکٹر بشریٰ صفدر کو جانتے ہیں آپ۔۔۔ یہ گائنا کولوجسٹ ہیں۔ ان سے تو ابھی دو ہفتے پہلے ملے تھے ہم۔۔۔ وہ کہہ رہی تھیں یہ صرف ڈپریشن ہے۔" سمیع بے چارگی سے چور لہجے میں بولا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کسی طرح سے ڈاکٹر رضی کے منہ سے یہ جملہ اگلوا لے کہ یہ صرف ڈپریشن ہے اور کچھ نہیں۔
"صحیح۔۔۔ صحیح۔۔۔ اللہ خیر کرے گا۔ ان شاء اللہ۔۔۔ بہرحال اچھی بات ہے کہ ٹیسٹ ہو جائے۔ آپ اسے احتیاطی تدبیر کہہ لیجیے۔۔۔ اللہ کریم ہے۔۔۔ آپ پریشان نہ ہوں اور فوری ایم آر آئی کروائیے۔" ڈاکٹر رضی نے فائل بند کر دی تھی۔ سمیع نے گہری سانس بھری۔ اس کے حلق میں درد سا ہونے لگا تھا۔ اسے لگا وہ رونے لگے

گا۔اس نے بمشکل خود پر قابو پایا۔

"جی ٹھیک ہے۔جو آپ مناسب سمجھیں،لیکن۔۔۔" اب کی باراس نے ڈاکٹر رضی کی طرح جملے میں وقفہ دیا تھا۔

"آپ کے ذہن میں کیا چل رہا ہے ڈاکٹر۔۔۔ میرا مطلب ہے آپ کا کیا خیال ہے۔ کیا اندازہ لگا رہے ہیں آپ؟" اس کے چہرے پر ایسی کیفیت تھی کہ ڈاکٹر رضی کو اس پر ترس سا آیا۔

"انسانی ذہن کے اندازوں پر مت جایئے سمیع صاحب۔۔۔ اللہ پر بھروسا رکھتے ہوئے علاج مکمل ہونے دیجیے۔۔۔ وہ بہترین حکمت والا ہے۔" ڈاکٹر رضی نے اسے تسلی دی تھی۔ سمیع نے سرہلایا۔

"بے شک اللہ کریم ہے۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔ شادی کے چار سال بعد اس کا دل چاہا تھا کہ اس کے گھر والوں میں سے کوئی اس کے پاس ہوتا۔ اسے کسی ایسے اپنے کی ضرورت تھی جو اس کی دل جوئی کر سکتا۔ اس کے قدموں کی تھکاوٹ ڈاکٹر رضی سے چھپی نہیں رہی تھی۔ انہوں نے بھی گہری سانس بھری۔ انہیں فوری ایم آر آئی رپورٹ کی ضرورت تھی۔

☼ ☼ ☼

محبت کی پہلی کہانی ختم ہوئی، لیکن زندگی ابھی باقی تھی اور وہ تمام شوق اور عادتیں بھی باقی تھیں جو کاشف نثار جیسے انسان کو اپنی حدود سے تجاوز کرتے رہنے پر اکساتی تھیں۔

یہ کچھ مردوں کی فطرت ہوتی ہے۔۔۔ انہیں یہ بات کبھی نہیں بھولتی کہ دل بہلانے والی سب ہی چیزوں میں انہیں عورت سب سے زیادہ مرغوب ہے، لیکن یہ بات وہ بھول جاتے ہیں کہ رغبت کے تحت اندھا دھند چلنے والوں کے لیے حساب کتاب اور عذاب بھی زیادہ ہوتے ہیں۔ کاشف مردوں کی اسی صنف سے تعلق رکھتا تھا بلکہ وہ اس رغبت کے ہاتھوں کچھ زیادہ ہی ستایا ہوا انسان تھا۔ گھر میں موجود بیوی اس کی تشفی کے لیے ناکافی تھی۔ اس لیے اس کی دوسری محبت کی کہانی، پہلی کے اختتام کے فوراً بعد ہی شروع ہو گئی تھی۔ اس کا نام رخشی طالب تھا اور وہ حبیبہ سے بالکل مختلف تھی۔ رخشی ایک ادھیڑ عمر پنجابی فلم اسٹار تھی جس کی طلب مارکیٹ میں کافی کم ہو چکی تھی۔ اس لیے وہ شادیوں وغیرہ پر یا چھوٹے شہروں میں کلچرل شو کر کے اپنی گزربسر کر رہی تھی۔ کاشف نے پہلی بار اسے کسی کاروباری دوست کے بیٹے کی شادی میں دیکھا تھا اور شاید رخشی نے بھی اسے پہلی بار وہیں دیکھا تھا۔

"یہ ہمارے بہت ہی پیارے عزیز ہیں۔۔۔ کاشف نثار۔۔۔ دوستوں کے دوست۔" رزاق توقیر نے رخشی سے متعارف کروایا تھا اس کو۔

"سیٹھ صاحب اگر آپ ان کو "پیارے عزیز" نہ بھی کہتے تو بھی رخشی دیکھ سکتی ہے۔۔۔ پیاری شکل مجھ سے چھپی نہیں رہتی۔" وہ کاشف کو بغور دیکھتے ہوئے مسکرا کر بولی تھی۔ کاشف کو اس کھلی تعریف پر ہنسی آئی۔

"آپ نے تو شرمندہ ہی کر دیا مجھے۔" وہ اتنا کہہ سکا۔

"ارے کاشف صاحب اس میں شرمانے کی کیا ضرورت ہے۔ کیا پہلے کبھی کسی نے آپ کو نہیں بتایا کہ آپ بہت ہی خوب صورت آدمی ہیں۔ کبھی فلموں میں ہیرو شیرو آنے کی کوشش کی یا نہیں۔" وہ پہلی ہی ملاقات میں اسے دل کھول کر سراہ رہی تھی۔ کاشف نے سر جھکا کر اپنے جوتوں کی ٹوہ کو دیکھا اور مسکراہٹ کو ہونٹوں میں ہی دبانے کی کوشش کی۔ رزاق صاحب کے سامنے کسی عورت کا اس طرح سراہنا اسے واقعی شرمانے پر مجبور کر گیا تھا۔

پھر خود چولہے کے پاس آگئی۔

"ابو آپ خود کیوں کچن میں آئے... مجھے بلوا لیتے۔" وہ ناراض ہو رہی تھی۔ خالو مسکرائے۔

"کیوں بھائی... میں کیوں بلواتا... مجھے پتا تھا میری بیٹی خود ہی میرے لیے کچھ اچھا سا ناشتا بنا کر لے آئے گی۔"

وہ ایک سمت میں پڑی بڑی سی میز پر بیٹھ گئے جسے وہ اسٹول کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ خالو کے ساتھ نمنا کی بہت جمتی تھی۔ سارے خاندان میں وہ واحد انسان تھے جن سے لاڈ کرتے ہوئے نمنا کبھی نہیں شرماتی تھی اور وہ بھی اس سے اپنی سگی اولاد کی طرح محبت کرتے تھے۔ وہ بہت سادہ سے انسان تھے۔ اپنے کام سے کام رکھنے والے' ایماندار شخص' محکمہ زراعت میں کلرک رہے تھے' پھر ریٹائرمنٹ کے بعد ایک بڑی ملٹی نیشنل پرائیویٹ کمپنی میں ملازمت کرنے لگے تھے۔ وہ کم گو تھے اور ہر قسم کے لڑائی جھگڑوں اور بحث سے کتراتے تھے۔ جو انہیں نہیں جانتے تھے ان کے لیے وہ ایک خشک سی شخصیت تھے' لیکن جو جانتے تھے انہیں پتا تھا کہ وہ ایک بہت ہی بذلہ سنج اور رونقی انسان تھے۔ نمنا نے سردیوں اور گرمیوں کی کئی شامیں ان کے ساتھ کیرم بورڈ اور لڈو کھیلتے ہوئے اور بلاوجہ کی بحثیں کرتے ہوئے گزاری تھیں۔ وہ اس کے لیے اس کے سگے باپ سے کہیں بڑھ کر تھے۔

"اچھا وچھا تو مجھے کوئی نہیں پتا... لیکن فریج میں شامی کباب پڑے تھے۔ میں سینڈوچ بنا لائی ہوں بس... آپ کو پتا ہے میں زیادہ سگھڑ نہیں ہوں۔" وہ ساس پین کے نیچے آنچ کو مناسب کر کے فریج کی جانب مڑتے ہوئے بولی۔ نوشی باجی کا سوچ کر دل ابھی بھی پریشان تھا' لیکن وہ خالو سے ان کے متعلق بات کرتے جھجک رہی تھی۔ اگر وہ پریگنینٹ نہ ہوتیں تو وہ برملا ان سے ان کے متعلق بات کرتی' لیکن ابھی اسے شرم سی آگئی تھی اور یہی حال ان کا بھی تھا سو وہ ایک دوسرے سے غیر ضروری باتیں کرنے لگے تھے۔

"زیادہ سگھڑ کی خوب کہی... تصحیح کرو... درست جملہ ایسے ہوگا آپ کو پتا ہے میں سرے سے سگھڑ ہوں ہی نہیں۔ ٹھیک سے اردو بولنا تو سیکھ لو کم از کم..." یہ سلیم کی آواز تھی۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ نمنا کو اپنے گھر میں داخل ہوتے دیکھتا اور پھر اس کو دیکھنے نہ آتا۔

"جی اچھا ماسٹر جی... کر لیتی ہوں تصحیح' میں سگھڑ ہوں ہی نہیں اور اب تم بھی ذرا تصحیح کر لو اور اپنے ذہن میں بٹھا لو کہ مجھے سگھڑ ہونے کا شوق بھی نہیں ہے۔" وہ ساس پین میں پتی اور چینی وغیرہ ڈالتے ہوئے عام سے انداز میں بولی۔

"حد ہے ڈھٹائی کی... بھلائی کا تو زمانہ ہی نہیں ہے۔" سلیم وہیل چیئر کو اپنے ابو کے سامنے لے گیا تھا۔

"یہ بھلائی نہیں پڑھائی تھی' لیکن مجھے اردو پڑھنے کا کوئی شوق نہیں۔ جملہ درست کر کے لکھیں والا پانچ نمبر کا سوال میں اردو کے پیپر میں بھی چھوڑ آیا کرتی تھی۔" وہ مگن سے انداز میں بولی۔

"اسی لیے تم اردو میں نکمی رہ گئی ہو۔ اسٹوڈنٹس کو اردو پڑھانے کے لیے گائیڈ بکس ڈھونڈتی پھرتی ہو۔" سلیم اسے چڑا رہا تھا اور ساتھ ہی اس کا بنایا ہوا سینڈوچ کھانے لگا تھا۔

"بہت اچھے سینڈوچ ہیں... بہت ذائقہ ہے میری بیٹی کے ہاتھ میں۔" خالو اسے سراہ رہے تھے۔

نمنا کچھ نہیں بولی۔ اس نے چائے میں دودھ ڈال کر آنچ کو مناسب کیا تھا پھر سنک میں پڑے رات کے بچے ہوئے برتن جلدی جلدی دھونے لگی۔ اسے ٹیوشن پڑھانے بھی جانا تھا' لیکن یہاں بھی کام بکھرے دیکھ کر صرف خالہ کی مدد کے خیال سے کام کرنے لگی تھی۔ وہ نہ جانے کب اسپتال سے آتیں اور پھر آتے ہی کچن بکھرا دیکھ کر اس میں لگ جاتیں۔ ان کے آرام کا خیال کر کے نمنا یہ سب کرنے لگی تھی۔

"آپ کس غلط فہمی میں ہیں۔ یہ زری نے بنائے ہوں گے۔ یہ صرف درگت بنا سکتی ہیں لوگوں کی... اسے کہاں بنانا آتا ہے کچھ۔" سلیم اسے چڑا رہا تھا۔

"سلیم صاحب کوئی لیٹر تو نہیں پوسٹ کرنا کوئی چیز تو نہیں بھجوانی' میں پوسٹ آفس جاؤں گی آج۔ اگر کوئی نئی چیز بھجوانی ہے کہیں تو دے دو۔" وہ سادہ سے انداز میں بولی تھی' لیکن یہ ایک دھمکی تھی جو سلیم ہی سمجھ سکتا تھا کہ وہ ابو کے سامنے اس کی شاعری کا ذکر کرنے لگی ہے۔ اس نے بھی ابو کی جانب دیکھا۔ وہ ان دونوں کی جانب ہی دیکھ رہے تھے۔ وہ سٹپٹا سا گیا۔

"کون سا لیٹر... میں نے کیا بھجوانا کسی کو...." وہ اسی انداز میں بولا تھا۔ سنک میں برتن ختم ہو گئے تھے۔ نیہا نے چائے کپوں میں انڈیل کر ان کے سامنے رکھی تھی۔

"وہی شاعری واعری... کوئی کہانی... افسانہ...." وہ ایسی ہی تھی۔ بے پروا اور اپنی مرضی کی مالک۔ سلیم نے اسے گھور کر دیکھا۔

"پتا نہیں کیا کیا بولتی رہتی ہو۔" وہ اپنی غلطی پر پچھتایا تھا۔ اس نے اطمینان سے چائے ان کے سامنے رکھی اور پھر ابو کو خدا حافظ بول کر بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ اس وقت اس نے اپنے ابا کو اپنے گھر کے دروازے سے نکلتے دیکھا تھا۔ اسے دیکھ کر ان کے چہرے کا زاویہ بدلا' لیکن انہوں نے کچھ کہا نہیں تھا۔ وہ اس کے قریب آئے تھے۔

"میں خالو کو ناشتا دینے آئی تھی۔" اس نے وضاحت کی تھی اور اسے سمجھ نہیں آیا تھا کہ اس نے ایسا کیوں کیا۔ ابا کے سامنے وہ خالو کو چاہتے ہوئے بھی ابو نہیں کہہ پاتی۔

"آؤ میں یونیورسٹی چھوڑ دیتا ہوں تمہیں...." ابا نے کہا تھا۔ گودام میں ان کی سوزوکی کھڑی ہوتی تھی جسے وہ کم ہی استعمال کرتے تھے۔ اپنی دکان پر آنے جانے کے لیے وہ موٹر بائیک کا استعمال کرتے تھے۔ کبھی گھر کی خواتین کے ساتھ آنا جانا ہوتا تھا تو گاڑی نکال لیتے تھے۔

"میں چلی جاؤں گی۔ گاڑی نکالنے میں جتنی دیر لگے گی۔ اتنی دیر میں تو میں پہنچ بھی جاؤں گی۔" اس نے سہولت سے انکار کر دیا۔ نوشی باجی کی طبیعت کی خرابی نے اس کے دل کو بوجھل سا کیا ہوا تھا۔

"بائیک پر چھوڑ دیتا ہوں۔" پیش کش کر رہے تھے۔ نیہا نے دوبارہ نفی میں سر ہلایا۔

"آجاؤ... آجاؤ...." وہ آگے بڑھے تھے۔ نیہا بھی سر جھکا کر ان کے پیچھے چل پڑی۔ بہت دن کے بعد اس کا دل چاہا تھا کہ ابا کی بات مان لے ورنہ تو وہ ہمیشہ ہی ان سے کتراتی ہی رہتی تھی اور ان کی بات سے انکار کرنا تو اس کا مشغلہ تھا۔

☼ ☼ ☼

"مجھے یہ عورت ایک آنکھ نہیں بھائی۔" بی بی جان نے رخشی سے پہلی بار ملنے کے بعد اپنی رائے کا اظہار کیا۔ صوفیہ کو حیرت ہوئی۔ وہ کسی کے بارے میں اس طرح فوری رائے نہیں دیتی تھیں۔ یہ تو اس کی عادت تھی کہ وہ فورا" ملنے والوں سے متعلق اپنے ایک مخصوص رائے قائم کر لیتی تھی اور اسے رخشی اچھی لگی تھی۔ تھوڑی فربہ' بڑھتی ہوئی عمر والی عورت تھی۔ جس کے رنگے ہوئے بال واضح اس کی عمر کا پتا دیتے تھے۔ چہرے پر جھریاں بھی بغور دیکھنے سے نظر آجاتی تھیں اور سب سے بڑھ کر چیچک کے نشان تھے جو میک اپ کی تہ بھی چھپا نہیں پاتی تھی۔ کاشف کے احباب میں رخشی ایک ایسی عورت تھی جس نے صوفیہ کے اعتماد کو بہت حوصلہ دیا تھا۔ اس کی صاف ستھری نکھری ہوئی سانولی رنگت' اس کے چمکتے ہوئے بال اس کا جوان سراپا اور پھر حمل کا مخصوص روپ جو زری کی دفعہ تو اس کے قریب سے بھی نہیں گزرا تھا جبکہ اس بار تو سب اس کو سراہتے تھے' اس سے رنگ روپ میں اضافے کی ٹپس مانگتے تھے۔ ان دنوں اس کا مورال اتنا ہائی تھا کہ اسے رخشی سے وہ خطرہ محسوس

"اوئے ہوئے ہوئے... اتنی سوہنی مسکراہٹ... بڑے ظالم ہیں بھئی آپ... ایسے مسکرائیں گے تو رخشی اپنا دل نکال کر آپ کے قدموں میں نہ رکھ دے گی۔" وہ بہت ہی منہ پھٹ تھی۔ کاشف اب کی بار اپنا قہقہہ روک نہیں سکا تھا۔ رزاق توقیر اس سے بھی زیادہ زور سے ہنسے تھے۔

"چلو بھئی کاشف... تمہارا تو صحیح پیچا پڑ گیا ہے۔ مزے کرو۔" وہ کاشف کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تھپتھپاتے ہوئے شرارت بھری مسکراہٹ اس کی جانب اچھال کر آگے بڑھ گئے تھے۔

"پیچا بھی پڑا ہے اور بو کاٹا بھی ہو جائے گا۔" رخشی نے ان کی پشت دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ کاشف کو اس کی کھلی ڈلی یہ عادت بڑی ہی چلبلی سی لگی۔ وہ اسے سب کے سامنے کس طرح سراہ رہی تھی۔ ایسی عورتیں روز روز کہاں ملتی تھیں۔ وہ رزاق صاحب کے ہٹتے ہی جی جان سے اس کی جانب متوجہ ہوا۔

"آپ کی آواز بہت خوب صورت ہے۔ اچھا گاتی ہیں آپ۔" کاشف نے اس کی تعریف کی تھی۔

"آواز میں کیا رکھا ہے سوہنیو... اصل خوب صورتی تو وہ ہے جو اللہ نے آپ کو دے رکھی ہے۔" رخشی نے رزاق صاحب کے ہٹتے ہی مزید دلبرانہ انداز اپنایا تھا۔ کاشف نے پھر قہقہہ لگایا۔ پیچا واقعی پڑ گیا تھا۔

وہ ایک پرکشش مرد تھا اور رخشی ایک کھلی ڈلی عورت تھی۔ اسے مردوں کے ہاتھوں پر ہاتھ مار کر فحش لطیفے سننے سنانے سے الجھن ہوتی تھی' نہ ہی وہ مردوں کی گود میں بیٹھ کر شراب کا گلاس پیش کرنے سے کتراتی تھی۔ کاشف نے ابھی تک خاندان کی تہذیب یافتہ تمیزدار عورتیں دیکھی تھیں یا حبیبہ جیسی نفاست پسند عورت اس کی زندگی میں رہی تھی۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اسے رخشی سے چڑ ہوتی اور وہ دوبارہ کبھی اس سے نہ ملتا' لیکن رخشی اسے بڑی پسند آئی۔ وہ اس کی اتنی تعریف کر رہی تھی کہ کاشف اس کے انداز کا لطف لینے لگا۔ دوسری ملاقات ایک غزل نائٹ میں ہوئی جس کے ٹکٹس خاص طور پر رخشی نے اسے بھجوائے تھے پھر تیسری چوتھی ملاقات کا پتا ہی نہیں چلا کہ کب کہاں کیسے ہوئیں۔ کاشف کو بس اتنا یاد رہا کہ حبیبہ کے چلے جانے سے اس کی زندگی میں بہت بڑا خلا پیدا ہوا تھا جسے رخشی جیسی بھاری بھرکم عورت ہی بھر سکتی تھی۔

☼ ☼ ☼

"آپ کیا کر رہے ہیں؟" اس نے خالو سے کچن میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا تھا۔ وہ چولہے کے پاس کھڑے نہ جانے کیا بنا رہے تھے۔ نوشی باجی کی حالت بہتر تھی' لیکن ڈاکٹر نے بہت زیادہ احتیاط کا مشورہ دیا تھا۔ امی نے فون پر یہی بتایا تھا۔ خالہ اسپتال میں ہی تھیں' لیکن امی صبح واپس آگئی تھیں۔ نمنا اور زری بھی امی کے گھر آنے کے بعد ہی سوئی تھیں پھر امی تاخیر سے سونے کے باعث صبح اٹھ نہیں پائی تھیں' لیکن نمنا اٹھی اور پھر یونیورسٹی کے لیے تیار ہو کر اس نے سینڈوچ میکر میں ڈبل روٹی پر کیچپ لگا کر شامی کباب والے سینڈوچ بنائے تھے۔ انہیں ایک پلیٹ میں بہت اہتمام سے رکھنے کے بعد فوائل سے لپیٹ کر وہ خالہ کے گھر آگئی تھی۔ ان کا دروازہ کھلا ہی تھا کیوں کہ سلیم نے دکان کا شٹر اٹھا رکھا تھا' لیکن وہ اسے نظر نہیں آرہا تھا شاید ابھی گھر والے حصے میں موجود تھا' لیکن اس نے زیادہ دھیان نہیں دیا تھا۔ وہ آج بالخصوص خالو سے ملنے آئی تھی' خالہ چونکہ اسپتال میں تھیں اور نمنا جانتی تھی کہ خالو اور سب لڑکوں کو ناشتا کرنا تھا۔ اسے اپنے ماں باپ کے ناشتے کی کبھی اتنی فکر نہیں ہوئی تھی' لیکن خالو کے بھوکے ہونے کا سوچ کر وہ اتنا تردد کر کے آئی تھی' ورنہ وہ اتنی من موجی تھی کہ دل نہیں چاہتا تھا تو بھوکی ہونے کے باوجود اپنے لیے بھی اتنا کام کرنے کو تیار نہ ہوتی تھی۔ خالو نے مڑ کر اس کی جانب دیکھا۔

"ارے میری بیٹی آئی ہے صبح صبح۔" وہ اسے دیکھ کر خوش ہوئے تھے۔ نمنا نے آگے بڑھ کر پہلے چولہے کی جانب دیکھا جس پر ساس پین پڑا تھا۔ وہ شاید اپنے لیے چائے بنا رہے تھے۔ نمنا نے ان کی جانب پلیٹ بڑھائی اور

نہیں ہوا جو حبیبہ یا کاشف کے قریب رہنے والی کسی دوسری عورت سے ہو سکتا تھا یا پہلے ہوتا رہا تھا۔ کاشف پہلے بھی اپنے احباب کو کاروباری مراسم رکھنے والوں کو گھر یا کبھی باہر کھانے کی دعوتیں دیتا رہتا تھا۔

"مجھے تو اچھی لگی بے چاری' تنہائی کی ماری ہوئی' آپ نے دیکھا نہیں کتنی جلدی گھل مل گئی۔ نخرہ وخرہ بھی نہیں کیا۔ کھانے کی تعریف بھی کر رہی تھی اور کس طرح شوق سے سب کھایا اس نے۔ لگتا ہی نہیں تھا کہ فلموں میں کام کرتی رہی ہے۔" صوفیہ نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔ بی بی جان پان پر چونا لگا رہی تھیں لیکن دھیان اسی کی طرف تھا۔

"ان کا بھڑکیلا چست لباس۔ ان کی گفتگو کا منہ پھٹ انداز۔ بات بات پر منہ کھول کر ہنس رہی تھیں اور پھر دو دفعہ تو کھانے کی میز پر گانا گانے لگی تھیں اور کیا کرتیں وہ کہ تمہیں یقین آجاتا کہ وہ فلموں میں کام کرتی رہی ہیں۔ اب کیا ناچ کر دکھا دیتیں؟" بی بی جان چڑ کر پوچھ رہی تھیں۔ صوفیہ کو ہنسی آئی۔

"میرے کہنے کا مطلب تھا کہ بڈھی ہو چکی ہے۔ اس کا دور ختم ہو چکا۔ چڑھتے سورج کو پوجنے والی دنیا نے اسے سائیڈ لائن کر دیا ہوا ہے۔ اس لیے ہم عام جیسے لوگوں میں بھی گھل مل گئی تھی۔ مجھے تو لگا انسانوں کی ترسی ہوئی تھی۔ حیرت ہے آپ اس سے خار کھا رہی ہیں۔ وہ ہاری ہوئی شیرنی تھی بی بی جان۔"

"ہاری ہوئی شیرنیاں زیادہ خطرناک ہو جاتی ہیں کیوں کہ ہارنے کے باوجود یہ شیرنیاں ہار نہیں مانتیں۔ اس لیے ان سے خار کھانا ہی چاہیے۔ تم کاشف سے کہنا اسے دوبارہ گھر مت بلوائے بلکہ کوشش کرنا کہ اس سے میل ملاپ بالکل نہ ہو دوبارہ۔ اب بچی کی ماں بن چکی ہو تم۔ خود بھی ان نزاکتوں کو سمجھا کرو اور کاشف سے بھی کہنا۔ میں اب ہر بات بیاہی اولاد سے کہتی اچھی نہیں لگتی۔" ان کا انداز دوٹوک تھا۔ صوفیہ کے چہرے پر شرارت چمکی۔

"یہی بات جب میں حبیبہ کے بارے میں کہتی تھی تو آپ خفا ہو جاتی تھیں اور اب یہ رخشی جو منہ متھے لگنے کے قابل نہیں ہے۔ اس سے محتاط رہنے کی تلقین کر رہی ہیں۔" جملہ مکمل کرتے ہوئے شرارتی رنگ طنزیہ سا ہو گیا تھا۔ بی بی جان نے پان منہ رکھ لیا تھا۔

"حبیبہ کی بات اور تھی۔ وہ کسی کی بیاہتا تھیں جب ہمارے حلقہ احباب میں شامل ہوئیں اور پھر ان کے اطوار ایسے نہیں تھے جیسے ان کے ہیں۔" انہوں نے دوٹوک سے انداز میں کہا تھا۔

"بیاہتا ہو یا بیوہ۔ لیکن وہ ایک گھر خراب کرنے والی عورت تھی۔ رخشی بے چاری تو خیر چھوڑیں۔" اس نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑی تھی۔

"تمہارا مسئلہ یہ ہے صوفیہ بیٹی کہ تم انسانوں کو ان کے چہروں سے جانچتی ہو۔ ان کا تجزیہ ان کے وجود سے کرتی ہو۔ ابھی بچی ہو نا اس لیے۔ تمہیں پہچان نہیں ہے' میں نے زمانے کے سب سرد گرم دیکھ لیے ہیں۔ میں وضع قطع دیکھ کر انسان کے اطوار بھانپ لیتی ہوں' میں نے کبھی حبیبہ کو اچھا نہیں کہا۔ اس کے انداز بھی اچھی عورتوں کے سے نہیں تھے' لیکن وہ اکیلی ہی قصوروار کب تھیں اور پھر۔" وہ لمحہ بھر کے لیے چپ ہوئیں پھر عادت کے مطابق ہنکارا بھرا۔

"خیر چھوڑو۔ اپنا دامن اٹھاؤ تو اپنا بدن ہی ننگا ہوتا ہے۔ تم بس کاشف پر نظر رکھا کرو۔ اسے اس عورت سے ملنے جلنے مت دو۔" صوفیہ نے سابقہ انداز میں ان کی جانب دیکھا۔ وہ ہمہ وقت اس انداز میں بات نہیں کرتی تھیں' لیکن جب کرتی تھیں تو دکھی سی ہو جاتی تھیں۔ ان کے انداز میں کاشف کے لیے شکوک تھے جبکہ صوفیہ کے دل سے اب ہر شک جڑ سمیت ختم ہو چکا تھا۔ اسی لیے اسے بی بی جان کا انداز ناقابل ہضم لگا۔

"کاشف کی حسیات اب اس قدر مردہ بھی نہیں ہوئیں۔ وہ تو حبیبہ ہی ان پر ڈورے ڈالتی رہتی تھی۔ وہ تو ہمیشہ ہی کتراتے رہے ہیں۔ اب عورت ہی بچھ بچھ جائے گی تو مرد کب تک دامن بچائے گا۔ اچھا ہوا مر کھپ گئی

کہیں... ہماری زندگی سے تو نکلی... اللہ کا شکر..." بی بی جان نے اس کی بات کاٹ دی۔
"اسی لیے کہہ رہی ہوں کہ بس اس رخشی سے دوبارہ میل ملاقات کی ضرورت نہیں۔"
"آپ فکر کیوں کر رہی ہیں۔ کاشف پر بھروسا ہے مجھے بی بی جان... وہ اب بہت بدل گئے ہیں... زرمین کے آنے سے بہت ذمہ دار ہوگئے ہیں انہیں اچھے برے کی پہچان ہو چکی ہے۔ اسی لیے تو حبیبہ کا نام بھی نہیں لیتے اب کیوں کہ ان کو خوب اچھی طرح پتا چل چکا تھا کہ وہ اچھی عورت نہیں تھی اور پھر یہ رخشی... یہ تو پکی عمر کی آنٹی ہے اور پھر..." وہ لحہ بھر کے لیے رکی اور لہجے میں شرارت سمو کر بولی۔
"آپ کا بیٹا بہت حسن پرست ہے بی بی جان... رخشی جیسی کو گھاس نہیں ڈالنے والے۔" بی بی جان نے اس کا چہرہ دیکھا اور پھر گہری سانس بھری۔ ساس بہو کے درمیان گفتگو عجیب رخ اختیار کر چلی تھی 'لیکن وہ پھر بھی اپنا موقف واضح کرنا چاہتی تھیں اس لیے بولیں۔
"صوفیہ میری ماں جی اللہ بخشے انہیں بڑی سیانی عورت تھیں... وہ کہا کرتی تھیں۔ مرد سرہانے رکھا سانپ ہوتا ہے۔ یعنی اس سے غافل نہیں رہنا چاہیے۔ اپنے مرد کے معاملے میں ہمیشہ مستعد اور چوکس رہو ورنہ وہ ڈنک مارتے لحہ نہیں لگاتے۔ تم سمجھ رہی ہو نا میری بات بیٹی..." بی بی جان نے اسے بڑی ہی قیمتی بات بتائی تھی۔ صوفیہ نے سرہلایا۔
"جی بی بی جان سمجھ رہی ہوں... آپ میری بڑی ہیں۔ بالکل ٹھیک رہی ہیں 'لیکن ایک بات میں بھی ضرور کہوں گی... ہر مرد بھی "ایسا" نہیں ہوتا... کچھ مرد عورت کے حسن سلوک اس کی خدمت اور محبت سے بالکل بدل جاتے ہیں۔ بچپن کے لاڈ پیار نے انہیں غیر ذمہ دار بنا رکھا تھا۔ آپ نے انہیں بے جا آزادی دے کر ان کو اس طرح کا بنا دیا ہوا تھا 'لیکن میری محبت اور خدمت نے کاشف کا دل جیت کر انہیں یکسر بدل ڈالا ہے بی بی جان... میں بہت مطمئن ہوں آپ مجھے دوبارہ سے ان وسوسوں کا شکار مت ہونے دیں جن سے میں بہت مشکل سے نکلی ہوں۔"
وہ انہیں تسلی دیتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھ گئی تھی۔ بی بی جان چپ کی چپ رہ گئیں۔ کل کی بچی سارا الزام ان کی تربیت کے سر رکھ کر انہیں ہی مورد الزام ٹھہرا گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

اماں رضیہ نے دوبارہ لینڈ لائن فون سے سمیع کے فون کا نمبر ملوایا تھا۔ مسلسل بیل جا رہی تھی 'لیکن وہ فون نہیں اٹھا رہا تھا۔ اماں رضیہ نے بے بسی سے فون کریڈل پر رکھ دیا۔ چوبیس گھنٹے سے زیادہ ہو چلے تھے اور شہرینہ ابھی تک اسپتال میں ہی تھی۔ سمیع نے دوپہر کے قریب فون کیا تھا اور بتایا تھا کہ شہرین کو ہوش آگیا ہے۔ اس کے کچھ ضروری ٹیسٹ ہیں اور ڈاکٹر نے ابھی ڈسچارج نہیں کیا ہے۔ اس کے علاوہ اس نے مزید کچھ نہیں بتایا تھا اور تب سے اماں رضیہ کا دل بالکل بجھا ہوا تھا۔ کبھی شہرین کی طرف دھیان جاتا کہ اللہ جانے بچی کو مسئلہ کیا ہے پھر سمیع کے لیے دل بے چین ہونے لگتا کہ نہ جانے اس نے کھانا کھایا ہوگا ابھی تک یا نہیں 'ساتھ ساتھ شہرین اور سمیع کے ماں باپ پر غصہ آنے لگتا جنہوں نے اپنی اپنی اولادوں کی زندگیوں کو کس قدر اذیت ناک بنا دیا ہوا تھا اور سب سے آخر میں اپنے ساتھ صوفے پر بیٹھی ایمن پر ترس آنے لگتا جسے ماں باپ کی توجہ ملی ہی نہیں تھی۔
"ایمن بیٹی... کچھ کھاؤ گی۔" انہوں نے بہت محبت سے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر پوچھا تھا۔ اس نے نفی میں سرہلا دیا۔
"یہاں آؤ میری بچی... میری گود میں آؤ... ہنسا بولا کرو کرو چندا... رانی اے رانی... ایمن کے کھلونے لاؤ۔" وہ

اسے اپنی گود میں لیتے ہوئے رانی کو آواز دے رہی تھیں۔
ایمن نے صبح سے اپنی ماں کو دیکھا تھا نا باپ کو اور اب مغرب ہو چلی تھی' لیکن وہ نہ روئی تھی نہ ان کے متعلق کچھ پوچھا تھا۔ وہ سارا دن ان کے ساتھ رہتی ہی نہیں بلکہ اس کا وقت رانی یا اماں رضیہ کے ساتھ ہی گزرتا تھا۔ اس کے باوجود اماں رضیہ کو محسوس ہو رہا تھا کہ ایمن کی آنکھوں میں سوال چھپا ہے' لیکن اسے پوچھا نہیں آرہا کہ اس کی ماں کہاں ہے۔ وہ انہیں معمول سے ہٹ کر خاموش لگ رہی تھی۔ انہوں نے اسے گود میں لے لیا۔ اسی دوران باہر کی بیل بجی تھی۔ گھر میں مرد ملازم ایک ہی تھا جو گیٹ کیپر بھی اور ڈرائیور کے طور پر بھی کام کرتا تھا' لیکن وہ عموماً" مغرب کے وقت چلا جایا کرتا تھا۔ وہ بھی سمیع کے ساتھ اسپتال میں ہی تھا۔ رانی کچن میں اپنے کھانے کے لیے روٹی بنا رہی تھی۔ اماں رضیہ نے ایمن کو گود سے اتار کر دوبارہ صوفے پر بٹھایا اور آہستگی سے اٹھیں تھیں تاکہ گیٹ کھول کر آسکیں۔ اسی دوران رانی جلدی جلدی کچن سے نکلی اور انہیں بیٹھنے کا اشارہ کرکے باہر نکل گئی۔ اماں کو یہ بھی برا لگا۔ انہیں اچھا نہیں لگتا تھا کہ جوان جہان بچی دروازہ کھولنے جائے۔ وہ آہستگی سے چلتی چلتی لاؤنج کے دروازے تک آگئیں جہاں سے گیٹ تک نگاہ پڑتی تھی۔
"اری کم بخت۔ دیکھ تو لیتی کون ہے۔" اسے بعجلت گیٹ کھولتا دیکھ کر وہ چڑ کر بولی تھیں۔ گیٹ کھلتے ہی دو لوگ اندر داخل ہوئے تھے اور ماں کے چہرے پر یک دم تاثرات بدلے تھے۔
"کیا اس گھر میں آنے والے مہمان کی اتنی عزت بھی نہیں کی جاتی کہ گھر کے مالک ان کے لیے دروازہ کھول دیں۔" آنے والی خاتون نے طنزیہ انداز میں رانی کو دیکھتے ہوئے اونچی آواز میں کہا تھا۔ آواز ماں رضیہ تک بھی آئی تھی۔ انہوں نے جلدی جلدی قدم دروازے سے باہر نکالے اور آنے والے مرد اور عورت کا استقبال کیا تھا۔ مرد کی نسبت عورت کے چہرے پر زیادہ رعونت تھی۔
"میں آہی رہی تھی بھابھی۔ ایمن کو لے کر بیٹھی تھی۔۔۔ اس لیے۔۔۔ ذرا۔۔۔" انہوں نے وضاحت کرتے ہوئے آنے والی خاتون سے معانقہ کیا تھا جس کا جواب زیادہ گرم جوشی سے نہیں دیا گیا تھا۔ رانی کھوجنے والے انداز میں ان کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ وہ ان لوگوں کو پہلی بار دیکھ رہی تھی' لیکن اس کے چہرے پر مخصوص قسم کا اشتیاق تھا۔ مہمانوں کی آمد اسے بڑی پسند تھی جو اس گھر میں کم ہی آتے تھے۔ ان کی بھابھی اور بہن اسے بتاتے رہتے تھے کہ مالکوں کے مہمان آتے جاتے انہیں سو پچاس دے کر ہی جاتے تھے جبکہ رانی نے اس گھر میں اس معاملے میں خشک سالی ہی دیکھی تھی۔ اماں رضیہ دونوں مہمانوں کو لے کر اندر کی جانب بڑھ گئی تھیں۔ رانی نے بھی ان کی پیروی کی۔
"یہ ایمن ہے۔۔۔ یہاں آؤ بچی۔۔۔ ہمیں پہچانتی ہو۔" وہ بیٹھتے ہی ایمن کو دیکھتے ہوئے سوال کر رہی تھیں۔ ایمن اسی انداز میں صوفے پر بیٹھی تھی۔
"یہاں تو آؤ۔ ماں نے سلام ولام کرنا بھی سکھایا ہے یا نہیں۔۔۔ ہمارے بارے میں تو کبھی جھوٹے منہ نہ بتایا ہوگا انہوں نے۔۔۔ ارے دادی دادا ہیں تمہارے۔۔۔ تمہارے باپ کے ماں باپ ہیں۔ جن کے کلیجے تمہاری ماں نے چیر رکھے ہیں۔" وہ ایمن سے بھی اسی انداز میں بات کر رہی تھیں جس میں اماں رضیہ سے کی تھی۔ وہ سمیع کے ماں باپ ہیں۔ یہ سن کر رانی مستعد ہو کر آگے بڑھی تھی۔
"یہ تو بہت اچھی بچی ہے باجی۔ ایمن دیکھو یہ آپ کی دادی ہیں۔ ہیلو تو بولو ان کو۔" وہ ایمن کے قریب آکر اسے سمجھانے لگی تھی۔ ایمن اس کے اس طرح کہنے پر ذرا سا منمنائی تھی۔ دادی نے اس کا کچھ اثر نہیں لیا تھا۔
"جاؤ اپنی مالکن کو بتا کر آؤ کہ ان کے سسرال والے آئے ہیں۔ دو گھڑی کو شکل دکھا جائیں۔" انہوں نے رانی کو طنزیہ انداز میں حکم دیا۔

"وہ تو جی کل سے گھر نہیں ہیں۔ سمیع صاحب اور وہ دونوں ہی۔۔۔" رانی نے اتنا ہی کہا تھا کہ انہوں نے بات کاٹ دی۔

"اچھا تو بچی کو یہاں چھوڑ کر سیر سپاٹوں پر نکلے ہوئے ہیں۔ یہ تو حال ہے اس پڑھی لکھی پٹھانی کا۔۔۔ یہ ذرا سی بچی کو تم لوگوں کے سپرد کر کے آپ گھر سے غائب ہیں۔ سمیع پر تو کالا جادو کر دیا ہوا ہے اس نے۔۔۔ اسے اب بھی عقل نہیں آئی۔ بتاؤ مجھے کہتا تھا کہ شیرین پڑھی لکھی لڑکی ہے۔ پڑھی لکھی لڑکی ہی گھر اور بچوں کو اچھے طریقے سے سنبھال سکتی ہے۔ ارے رضیہ اب تم کیوں منہ سی کر بیٹھی ہو۔ تم بھی نہیں سمجھاتی سمیع کو۔۔۔ تمہاری تو خوب سنتا ہے۔" تو پوں کا رخ اب اماں رضیہ کی جانب ہوا تھا۔ اماں رضیہ نے رانی کو اشارہ کیا کہ ان کے لیے کولڈ ڈرنک لائے پھر دھیمی سی آواز میں بولیں۔

"ارے نہیں بھابھی غلط فہمی ہوئی آپ کو۔۔۔ سیر سپاٹا کہاں کریں گے بے چارے۔۔۔ بیمار پڑی ہے بے چاری بچی۔۔۔ اسپتال میں ہے۔ سمیع کل سے ان کے ساتھ خوار ہو رہا ہے۔"

"اسپتال میں۔۔۔ اب کیا ہو گیا خیر سے۔۔۔؟" وہ ناک چڑھا کر پوچھ رہی تھیں۔

"یہی تو سمجھ میں نہیں آتا بس سر میں ہی درد ختم نہیں ہوتا۔ وہ کیا ہوتا ہے موا بلڈ ہائی رہتا ہے۔ ڈاکٹر کہتے ہیں ٹینشن ہے۔" اماں نے اپنی سمجھ کے مطابق جواب دیا تھا۔ سمیع کی امی کا ناک اور چہرہ یک دم پھول سا گیا۔ انہوں نے ناگواری سے جتانے والے انداز میں اپنے شوہر کی طرف دیکھا جو بس ادھر ادھر دیکھ کر شاید بیٹے کی مالی حالت کو نظروں ہی نظروں میں تول رہے تھے۔

"اسی لیے۔۔۔ بس اسی لیے۔۔۔ میں کسی پڑھی لکھی لڑکی سے شادی کے حق میں نہیں تھی۔ ان کی تو دکانداریاں ہی الگ ہوتی ہیں۔ نخرے نزاکتیں ہی ختم نہیں ہوتے۔۔۔ بتاؤ سر درد بھی کوئی بیماری ہے بھلا۔۔۔ ہمیں تو کبھی نہ ہوا یہ سر درد۔۔۔ ہمیں تو شوہر کے سامنے کبھی تکلیف بیان کرنے کی جرات بھی نہ ہوئی اور ایک یہ شیرین بیگم ہیں۔۔۔ چھینک کو بھی ہارٹ اٹیک کہہ کر شوہر کو سناتی ہوں گی۔ مجھے پتا ہے۔ سب جانتی سمجھتی ہوں میں۔۔۔ شوہر کی توجہ اور روپے پیسے بٹورنے کے لیے بیمار ہی پڑی رہتی ہوں گی ہماری بہو رانی۔" ان کے چہرے پر رعونت مزید بڑھ گئی تھی۔ اماں رضیہ کا دل کسی نے نچوڑ کر رکھ دیا۔ وہ بھی ماں نہیں بنی تھیں لیکن شیرین اور سمیع دونوں کی مائیں بھی کبھی انہیں گوشت پوست کے انسان کے بجائے کسی سنگلاخ چٹان کو کاٹ کر بنائے گئے مجسمے لگتے تھے جن کے سینے میں اللہ نے دل ہی نہیں رکھا ہوا تھا۔

"نہیں بھابھی۔۔۔ وہ تو خود بے چاری ڈاکٹرز سے بے زار ہے۔۔۔ دوا کھا کھا کر اتنا اکتا چکی ہے کہ اب دواؤں کی شکل بھی نہیں دیکھتی۔ بس اچھے انسانوں کی آزمائشیں ختم نہیں ہوتیں۔ شیرین بٹی بھی ایسے لوگوں میں سے ایک ہے۔" اماں رضیہ نے دھیمے سے لہجے میں شیرین کی حمایت کرنی چاہی تھی لیکن سمیع کی امی بھڑک ہی اٹھیں۔

"ارے رضیہ تم تو ہو ہی تھالی کا بینگن۔۔۔ بس جہاں اپنا فائدہ دیکھا اسی طرف لڑھک گئیں۔ سمیع کے یہاں رہ رہی ہو۔۔۔ اس کی بیوی کا دم نہیں بھرو گی تو کیا میرا بھرو گی۔۔۔ مجھے نہ بتاؤ کون کتنا اچھا ہے۔ جن کتابوں کے سبق تم اب پڑھ رہی ہو نا یہ سب ہم نے بچپن میں پڑھ لی تھیں۔ تم سے زیادہ پہچان ہے مجھے اچھے برے کی۔" وہ کچھ زیادہ ہی بھری ہوئی تھیں۔ اماں رضیہ چپ کی چپ رہ گئیں کیوں کہ اس لمحے رانی کولڈ ڈرنکس کے گلاس لیے چلی آئی تھی اور اماں رضیہ کی درگت بنتے دیکھ رہی تھی۔

"ہاں بس اب یہ دو جوس پلا کر رخصت کر دو ہمیں ہمارے ہی بیٹے کے گھر سے۔۔۔ چائے پلوانے کی تو ہماری بہو کی جانب سے ممانعت ہو گی کہ سسرال والوں پر تو دھیلا بھی نہ خرچا جائے۔" وہ ایک بار پھر تنک کر بولیں۔ اماں رضیہ اپنی جگہ سے اٹھی تھیں۔

"ایسا کیوں کہہ رہی ہیں بھابھی۔۔۔ چائے کیا' آپ کھانا بھی کھائیں۔ آپ کا اپنا ہی گھر ہے۔ میں بس چائے بناتی ہوں آپ کے لیے۔۔۔ کل کیک لائے تھے سمیع میاں بہت اچھا اور تازہ تھا۔ وہ بھی لاتی ہوں آپ کے لیے۔" اماں رضیہ نے اب کی بار جواب کا انتظار بھی نہیں کیا تھا۔ انہیں پتا تھا یہاں سے جلی کٹی ہی سننے کو ملنی تھیں۔ سمیع کی امی کی ایک کزن بھی یہاں کراچی میں ہی مقیم تھیں۔ گمان غالب تھا کہ ان لوگوں کا قیام ان ہی کے یہاں تھا ورنہ کچھ سامان وغیرہ تو ہمراہ ہوتا۔ اماں رضیہ یہی سب سوچتی کچن کی جانب چلی گئی تھیں۔ سمیع کی امی نے رانی کو بغور دیکھا تھا۔ اس نے بھی فوراً "جوس کا گلاس اٹھا کر پہلے ان کے شوہر کو اور پھر انہیں دیا۔ اس کے بعد اس نے میز پر پڑا ریموٹ اٹھا کر سامنے کی طرف رکھ دیا تھا تاکہ اگر سمیع کے والد چاہیں تو ٹی وی لگالیں۔ وہ ان لوگوں کے سامنے کچھ زیادہ ہی مستعد نظر آنے کی کوشش کررہی تھیں۔ وہ گھر کے مالک کے والدین تھے اور اماں رضیہ کی جو حالت اتنی سی دیر میں انہوں نے کردی تھی اسی سے رانی کو اندازہ ہوگیا تھا کہ رعب اور دبدبے کے بوجھ سے کچھ زیادہ ہی لدے پھندے ہیں۔ ایسے لوگوں کی حمایت ملازموں کے لیے بڑی ہی ضروری ہوتی ہے اور رانی ان کی حمایت حاصل کرنا چاہتی تھی۔ ایمن اماں رضیہ کے تعاقب میں کچن کی جانب چلی گئی تھی۔ دادی کے خشمگین انداز نے اس پر کوئی اچھا تاثر نہیں چھوڑا تھا۔

"کیا نام ہے تمہارا۔۔۔؟" سمیع کی امی نے تو یوں کا رخ اس کی جانب کیا۔

"جی نام تو میری ماں نے زیب النساء رکھا تھا پر سب پیار سے رانی رانی کہتے ہیں۔" وہ جواب دینے کے لیے بالکل چوکس تھی۔

"اچھا تو بیگم رانی رانی۔۔۔ یہ بتاؤ تمہاری بیگم صاحبہ کب سے اسپتال میں ہے؟" وہ اسے گھور رہی تھیں۔

"جی شیرین باجی تو کل رات سے ہی وہاں ہیں۔ ابھی تک واپس نہیں آئیں۔ سمیع بھائی کا فون آیا تھا۔ کہتے ہیں ابھی ایک دن اور لگے گا۔" اس نے اپنی طرف سے مزید اضافہ کرکے بتایا تھا۔ سمیع کی امی نے ناک سے مکھی اڑانے والے انداز میں سر ہلایا۔

"ایسا کیا ہوگیا ہے تمہاری شیرین باجی کو۔۔۔" سمیع کی امی کی انداز میں طنز کی آمیزش مزید بڑھ گئی تھی۔ رانی نے کچن کی جانب دیکھا۔ اماں رضیہ یقیناً "وہاں مصروف تھیں۔ اس نے ان کی جانب سر جھکایا اور آہستہ سی آواز میں بولی۔

"وہ جی ایمن کی سالگرہ تھی نا کل۔۔۔ تو ان کے گھر والے بھی آئے تھے۔ بڑی بے عزتی کی انہوں نے شیرین باجی کی اور سمیع بھائی کی بھی۔۔۔ ایمان سے ساری تقریب کا ستیاناس کردیا۔ ان کی امی نے گالیاں والیاں بھی دیں۔" وہ مکمل جاسوسی کے موڈ میں تھی۔ سمیع کی امی کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ چمکنے لگی۔

"اچھا ہی ہوا۔ اب سمیع کو احساس ہوا ہوگا کہ میں کس لیے اسے پٹھانوں میں رشتہ کرنے سے روکتی تھی۔۔۔ سن رہے ہیں آپ۔۔۔ یہ سب ہورہا ہے آپ کے بیٹے کے ساتھ یہاں پر۔۔۔" یہ کہتے ہوئے انہوں نے اپنے شوہر کی شکل بھی دیکھی جواب تک بالکل غیرجانبداری سے بس جائزہ لینے میں مگن تھے۔

"بس جی یہی بات دل پر لے لی شیرین باجی نے۔۔۔" رانی نے مزید ٹکڑا لگایا۔ سمیع کی امی استہزائیہ انداز میں ہنسیں۔

"ارے ہاں بھئی۔۔۔ بہت ہی نازک دل ہے تمہاری شیرین باجی کا۔۔۔ دل پر کیوں نا لیں گی۔۔۔ انہیں پتا جو ہے کہ ان کے شوہر نے انہیں ہتھیلی کا چھالا بنا رکھا ہے۔" رانی نے ایک بار پھر کچن کی طرف دیکھا۔ اس کے پاس ایک اور اہم خبر بھی تو تھی جو وہ سمیع کی امی کو بتا سکتی تھی۔ کیا پتا اسے سو دو سو مل ہی جاتے۔ سو وہ اب کی بار بالکل ہی ان کے صوفے کے قریب جھکی تھی۔

"وہ.جی ان کو بچہ بھی ہونے والا ہے نا۔۔۔ لیکن بتاتی نہیں ہیں کسی کو۔" سمیع کی امی نے چونک کر اسے دیکھا تھا پھر طنزیہ انداز میں شوہر کو بھی دیکھا تھا۔ اماں رضیہ کو کچن میں خبر بھی نہ ہوئی تھی کہ رانی نے ان کے پیچھے کیا قیامت برپا کردی ہے۔

"میں نے اپنی سم کچھ دن کے لیے بند کردی ہے۔ آپ نے یہی کہا تھا نا مجھے۔۔۔" رانیہ کسی تابعدار بچی کی طرح اسے خود ہی بتا رہی تھی۔

نیناکو دل ہی دل میں بڑی شرمندگی ہوئی۔ اس نے دو دن پہلے اس سے وعدہ تو کرلیا تھا کہ وہ اس کی مشکل کو حل کرنے کے لیے ضرور کچھ کرے گی، لیکن وہ عملی طور پر کچھ بھی نہیں کرپائی تھی۔ اس کا ارادہ تھا کہ صبح گھر سے نکلنے سے پہلے وہ سلیم سے پوچھے گی کہ اس نے اپنے دوست سے سم بلاک کرنے کی بات کی یا نہیں، لیکن نوشی باجی کی پریشانی اس کے حواسوں پر اس طرح سوار رہی تھی کہ اسے کچھ بھی یاد نہیں رہا تھا۔ یونیورسٹی اسے ابا نے ڈراپ کردیا تھا اس لیے وہ رانیہ کو پڑھانے نہیں آسکی تھی اور ابھی بھی وہ آنا نہیں چاہتی تھی، لیکن رانیہ کے ایگزامز کا اس کی امی نے اتنی بار تذکرہ کرکے اسے تاکید کی ہوئی تھی اور پھر ایڈوانس میں ٹیوشن فیس بھی دے دی ہوئی تھی اس لیے نینا نے سوچا تھا کہ یونیورسٹی کے بعد رانیہ کو پڑھا آتی ہے، لیکن دوسری ٹیوشن سے چھٹی کرلے گی۔ اس ساری پریشانی میں اس کے ذہن سے رانیہ کے گھر آتے ہوئے بھی اس کی مدد والی بات نکل ہی گئی تھی، لیکن جب رانیہ نے خود اس بات کا تذکرہ کیا تو اسے فوراً" اپنا سارا دھیان اس کی طرف لگانا پڑا۔ اس کی یہ بات اچھی تھی کہ جب کسی کے ساتھ ہمدردی یا اس کی مدد کا وعدہ کرلیتی تھی تو پھر جی جان سے وہ کام نبھاتی تھی۔

"یہ اچھا کیا آپ نے۔۔۔ اور آپ گھبراؤ مت۔۔۔ وہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔" اس نے رانیہ کو تسلی دی تھی۔

"دراصل اکیڈمی کے کچھ لوگ اس کے پاس ایڈ ہیں۔ مجھے ڈر لگتا ہے یہ سوچ کر کہ وہ میرے بارے میں کوئی الٹی سیدھی بات نہ کردے۔ سب لوگ پھر اکیڈمی میں باتیں کریں گے میرے بارے میں۔" وہ بے چاری واقعی ڈری ہوئی تھی۔ ورنہ اتنے دنوں میں نینا نے اسے بہت ہشاش بشاش ہی دیکھا تھا، لیکن اب کچھ دن سے وہ بالکل بجھی بجھی سی تھی۔

"فیس بک پر۔۔۔" نینا نے یہ سوال پہلے بھی پوچھا تھا، لیکن اب دوبارہ پوچھ کر یقین دہانی چاہ رہی تھی۔ نینا نے شرمندہ ہوتے ہوئے سر ہلایا۔

"میں نے آپ سے کہا تھا نا کہ ایسے لوگوں کو بلکہ کسی بھی بغیر جان پہچان کے انسان کو فیس بک پر ایڈ مت کیا کریں۔" وہ ابھی اتنا ہی بولی تھی کہ رانیہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

"قسم سے نینا باجی میں نے ایڈ نہیں کیا ہوا، لیکن میں نے آپ کو بتایا تھا نا کہ میری فیس بک اکاؤنٹ راپنزل کے نام سے تھی۔ اس نے مجھے ایک بار میسج کیا۔ میں نے پوچھا کہ "آپ کون ہیں" "میں آپ کو نہیں جانتی تو اس نے فوراً" سوری بول دیا اور کہنے لگا کہ دراصل اس کی گرل فرینڈ کا اکاؤنٹ بھی راپنزل کے نام سے ہے تو وہ مجھے اپنی۔۔۔ دراصل۔۔۔ وہ سمجھا شاید میں اس کی گرل فرینڈ ہوں۔" رانیہ یہ سب بتاتے ہوئے بے حد شرمندہ نظر آرہی تھی۔ نینا کو اس پر ترس آیا۔ اس کے اندر عام بچیوں والی تیزی طراری مفقود تھی۔ وہ واقعی اس بات کی وجہ سے کافی گھبرائی ہوئی تھی۔ ساتھ ہی نینا کو اس پر لڑکے پر بے پناہ غصہ آیا۔

"میں نے اسے فوراً" اسے بتادیا تھا کہ میں اس کی گرل فرینڈ نہیں ہوں۔ اس کے بعد اس نے مجھے بتایا کہ وہ جھوٹ بول رہا تھا۔ دراصل اسے میرا نمبر واٹس ایپ والے گروپ سے ملا ہے اور پھر اس نے فضول میسجز

کرنے شروع کردیے اور بار بار کہنے لگا کہ مجھے فیس بک پر ایڈ کرو یا مجھ سے فون پر بات کرو۔ وہ تو یہ بھی کہتا ہے کہ اس نے مجھے دیکھ رکھا ہے۔ اکیڈمی کی کسی پارٹی کی تصویریں ہیں اس کے پاس۔۔۔" وہ رک رک کر بات مکمل کر رہی تھی۔

"مجھے سب سے زیادہ اسی بات کا ڈر ہے کہ وہ کسی گروپ میں یا کسی فورم پر میرے بارے میں کوئی الٹی سیدھی بات نہ کر دے۔"

"اتنا کیوں ڈر رہی ہو۔ اتنا ہی سورما یا بہادر ہوتا وہ تو ایسے بزدلوں کی طرح آپ کو ڈرانے کی کوشش نہ کر رہا ہوتا۔ وضاحتیں مت دو رانیہ۔۔۔ دکھاؤ مجھے ذرا کیا آئی ڈی ہے اس کی۔ تصویر وغیرہ لگائی ہوئی ہے اس نے اپنی۔۔۔؟ وہ اگر آپ کی پروفائل چیک کر کے آپ کو تنگ کر سکتا ہے تو یہ کام ہم بھی کر سکتے ہیں۔" وہ ناراضی بھرے لہجے میں بولی تھی۔ رانیہ نے فوراً" ہی اسے ایک نام بتا دیا تھا۔ نیناں نے اسی کے لیپ ٹاپ سے اسی کی آئی ڈی پر سرچ کر کے اس شخص کی پروفائل کھول لیا تھا۔

"یہی ہے۔۔۔؟" نیناں نے اس کی پروفائل پکچر کو انلارج کر کے رانیہ سے پوچھا۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"آپ نے دیکھا ہے اسے کبھی نہیں۔۔۔ اکیڈمی وغیرہ میں۔۔۔" وہ تصویروں کو بغور دیکھتے ہوئے دوسرا سوال پوچھ رہی تھی کیوں کہ تصویروں میں نظر آنے والا لڑکا رانیہ کی طرح کوئی سترہ اٹھارہ سال کا تو نہیں لگ رہا تھا۔ شکل سے تو وہ یونیورسٹی کا اسٹوڈنٹ لگ رہا تھا۔ اس نے اپنی تصاویر بھی کافی ساری شیئر کر رکھی تھیں نیناں دھیرے دھیرے سب دیکھنے لگی پھر اس نے رانیہ کا چہرہ دیکھا تھا۔

"پتا نہیں اب اس نے تصویر بھی اپنی لگا رکھی ہے یا نہیں۔۔۔" وہ اپنا خیال ظاہر کر رہی تھی۔ رانیہ نے بے بسی سے کندھے اچکائے۔

"آپ اتنا ڈر کیوں رہی ہیں رانیہ۔۔۔ دیکھیں اگر انسان سچا ہو تو اسے کبھی ڈرنا نہیں چاہیے۔ آپ کسی کو بھی جواب دینے سے پہلے خود اپنے آپ کو۔ اپنے اللہ کو جواب دہ ہیں۔ آپ نے اگر کوئی غلط کام نہیں کیا ہے تو اللہ آپ کی مدد ضرور کریں گے۔" نیناں نے اتنا ہی کہا تھا کہ رانیہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

"میں بالکل سچ کہہ رہی ہوں نیناں باجی۔۔۔ میں ایسی لڑکی نہیں ہوں۔" اب کی بار نیناں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"میں وضاحت نہیں مانگ رہی رانیہ۔۔۔ میں آپ کو ایز اے ٹیچر نصیحت کر رہی ہوں۔" نیناں نے اتنا کہا پھر اس کی جانب دیکھ کر بولی۔

"رانیہ مجھے نہیں پتا آپ نے اپنی آئی ڈی راپنزل نام کی کیوں بنائی' لیکن مجھے لگتا ہے ہر لڑکی ہی راپنزل ہوتی ہے۔ اپنی حدود اور روایات کے قلعے میں محصور' اپنے پیاروں کی حفاظت میں ہر برے شخص سے محفوظ۔۔۔ ہمارے جیسے گھروں میں ماں باپ ہمیں بہت محبت سے زمانے کے سرد و گرم سے بچا کر پالتے ہیں۔ ہماری حفاظت کرتے ہیں ہمیں گندی میلی آنکھوں سے 'برے ارادوں سے محفوظ رکھنے کے لیے ہمیں اپنے حصار میں رکھتے ہیں کیوں کہ ایک لڑکی کی حرمت اس کی حیا اس کی عزت دنیا کی سب سے قیمتی چیز ہوتی ہے اور قیمتی چیزیں قلعوں کی دیواروں میں محصور رکھی جاتی ہیں۔ ان کی حفاظت کی جاتی ہے۔ یہ سب انٹرنیٹ' موبائل پر لڑکوں سے فرینڈشپس وغیرہ یہ سب تو حرمت کی دیوار میں دراڑ ڈالنے کی چیزیں ہیں۔ اسے بھٹکانے گمراہ کرنے کے اوزار۔۔۔" وہ بہت اچھے طریقے سے اسے سمجھا رہی تھی اور رانیہ بھی اس کی بات کو مکمل ارتکاز کے ساتھ سن رہی تھی۔

"بالکل ایسے جیسے راپنزل نے اپنے بالوں کو چور دروازہ بنا لیا تھا اسی طرح یہ سب فضولیات بھی ایک لڑکی کی زندگی میں چور دروازے کھول دیتی ہیں اور چور دروازے چاہے عاشقی معشوقی کے لیے کھولے جائیں یہ چور دروازے ہی رہتے ہیں۔۔۔ یہ بھٹکا دیتے ہیں۔۔۔ انسان کو گمراہ کر دیتے ہیں۔ یہ سب فینٹسی صرف کہانیوں تک

اچھی لگتی ہے کہ ایک لڑکی سارے زمانے سے چھپ کر ایک لڑکے سے مل رہی تھی۔۔۔ تو وہ اس کے حق میں اچھا بھی ثابت ہوا تھا۔ حقیقت میں کبھی ایسا نہیں ہوتا۔ شہزادے چور دروازوں سے نہیں آیا کرتے رانیہ" نمنا نے ساتھ ساتھ اس کا چہرہ بھی دیکھا تھا۔ وہ بے چاری چپ کی چپ رہ گئی تھی۔ نمنا نے اس کا ہاتھ سہلایا۔

"آپ گھبراؤ مت۔ بس اپنی پڑھائی پر توجہ دو۔ اوکے۔ اور فکر مت کرو۔ اس بندے کو میں سنبھال لوں گی۔" وہ نصیحت کرنے کے بعد تسلی بھی دے رہی تھی۔ رانیہ نے مشکور نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ وہ کچھ مطمئن نظر آنے لگی تھی۔ نمنا کی آنکھوں میں لیپ ٹاپ کی اسکرین پر نظر آنے والے شخص کا چہرہ محفوظ ہو گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"ادلیگوڈینڈروگلیوما۔۔۔" رپورٹس اس کے ہاتھ میں تھیں اور ان پر سرخ مارکر سے یہ لکھا تھا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ اس میں اتنی ہمت نہیں کہ وہ لفافہ کھول کر ایک دفعہ نظر ہی ڈال لیتا۔ لفافے کے اوپر مارکر سے یہی ایک لفظ لکھا تھا۔ سمیع کو وہ لفظ نہیں ایک بڑی سی چمگادڑ لگ رہی تھی جو سارے پر پھیلا کر اس کے چہرے کو اپنے حصار میں لے لینا چاہتی تھی۔ وہ میڈیکل کی ٹرمز کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا تھا۔ اسے نہیں پتا تھا کہ یہ سب کیا ہے لیکن اس کی چھٹی حس چیخ رہی تھی اور چیختی ہی جا رہی تھی۔ وہ تھکے ہوئے وجود کو لے کر ڈاکٹر رضی کے کمرے کے باہر اپنی باری کا انتظار کر رہا تھا۔ شیریں کو ہوش آگیا تھا لیکن اسے بے حد نقاہت محسوس ہو رہی تھی۔ چند گھنٹوں میں ہی وہ برسوں کی بیمار لگنے لگی تھی شاید اسپتال کسی خون چوسنے والے عفریت کا نام تھا جو یہاں آجاتا تھا۔ ڈھے جاتا تھا۔ سمیع کو لگ رہا تھا وہ خود بھی بے حد بیمار ہے۔

ڈاکٹر رضی کے روم کے اوپر لگی کالنگ لائٹ جلنے بجھنے لگی تھی۔ اس کا نمبر لکھا نظر آنے لگا تھا۔ اندر موجود مریض باہر آگیا تھا۔ وہ اٹھا اور پھر من من بھاری قدموں کو گھسیٹتا ہوا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ ڈاکٹر رضی اپنے کمپیوٹر پر مکمل ارتکاز کے ساتھ مصروف تھے۔ اسے دیکھ کر انہوں نے خوش آمدید کہنے والے انداز میں سر ہلایا۔

"آ بیٹھے سمیع صاحب۔" ڈاکٹر رضی نے کہا تھا۔ ان کے چہرے پر کچھ ایسے رنگ تھے کہ سمیع کا دل مزید زور سے اچھلا تھا۔

"یہ رپورٹس آگئی ہیں۔۔۔ ان پر یہ لکھا ہے۔۔۔ ادلیگو۔۔۔" وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر ان کا چہرہ دیکھنے لگا۔ اسے اس لفظ کو ٹھیک سے ادا کرنا بھی نہیں آیا تھا۔

"جی۔۔۔ پورٹس میرے سامنے موجود ہیں۔۔۔ لیبز کے ریکارڈ کمپیوٹرز میں آجاتے ہیں۔"

"آپ نے دیکھ لی ہیں رپورٹس۔ سب ٹھیک ہے نا۔ کوئی پریشانی والی بات تو نہیں۔۔۔؟" وہ بے تابی سے پوچھ رہا تھا۔ ڈاکٹر رضی نے چند لمحے اس کی جانب دیکھنے کے بعد مانیٹر کی اسکرین کو دیکھا۔

"سمیع صاحب حوصلہ رکھیں۔ آپ کو بہت توانائی کی ضرورت ہے۔ آپ تو خود بیمار لگنے لگے ہیں مجھے۔ کھانا وغیرہ کھایا آپ نے۔ کوئی جوس وغیرہ پیجیے۔ منگواؤں آپ کے لیے؟" وہ مسکرائے بغیر اس سے پوچھ رہے تھے۔ سمیع نے بمشکل ہونٹوں کے کناروں کو پھیلایا لیکن وہ مسکرا نہیں پایا تھا۔ وہ کیسے مسکرا سکتا تھا۔ شیریں کو اس طرح اسپتال کے بستر پر پڑا دیکھ کر تو اس کے حلق سے پانی کا گھونٹ نہیں اتر رہا تھا۔

"سمیع صاحب۔۔۔ آپ نے پہلے کبھی ادلیگو۔۔۔ کا نام سنا ہے؟" وہ اس سے پوچھ رہے تھے۔ سمیع نے نفی میں سر ہلایا۔

"کینسر۔۔۔؟" یہ لفظ ادا کرتے ہوئے ان کا انداز استفہامیہ تھا۔ یہ لفظ کس کو نہیں پتا تھا۔ سمیع کا بدن اپنی جگہ

سے نہیں اچھلا تھا لیکن روح نے تو قلابازی لگا ڈالی تھی۔ اسے لگا اس کے بدترین اندازوں کی تصدیق ہوئی ہے۔
"شہرین کو... یہ ہے... میرا مطلب... اولیگوڈینڈروگلیوما... کینسر ہے...؟" یہ سوال نہیں تھا۔ یہ ایک پکار تھی 'ایک چیخ تھی۔
"آپ کے ساتھ کوئی اور ہے۔ میرا مطلب مریضہ کا کوئی اور رشتہ دار۔" وہ الٹا اس سے سوال پوچھ رہے تھے۔
"ڈاکٹر صاحب شہرین کو... کیا ہے...؟" اس کی ہمت نہیں ہوئی تھی کہ وہ یہ الفاظ دہراتا تھا۔ یہ کوئی فلم یا سیریل نہیں تھا کہ کوئی آرام سے یہ لفظ بول دیتا۔ اس کا اپنا دماغ لفظ "کینسر" پر جھنجھنا اٹھا تھا۔ اسے ایسا لگا جیسے اس نے جلتی ہوئی استری پر ہاتھ رکھ دیا ہے اور ابھی تک رکھا ہی ہوا ہے۔ ڈاکٹر رضی اس کی نفی کرتے تو ہاتھ جلتی گرم استری سے اٹھتا لیکن انہوں نے اگلا جملہ یوں کر اس کے پارے وجود پر ابلتا ہوا پانی ڈال دیا تھا۔
"آئی ایم سوری سمیع صاحب۔ خبر واقعی کچھ اچھی نہیں ہے۔ آپ کی اہلیہ کو ٹیومر ہے... برین ٹیومر... 1 پوائنٹ 3 سینٹی میٹر کا... بظاہر سننے میں یہ چھوٹا سا ٹیومر لگتا ہے۔ لیکن آپ اسے گریڈ 2 کا کینسر سمجھ لیجیے۔"
سمیع کا صبر ختم ہوا تھا۔ نا چاہتے ہوئے بھی اس کی آنکھ سے پانی ٹپکا تھا۔ اس نے بائیں ہاتھ سے آنکھوں کو صاف کیا اور کوشش کی کہ وہ اس طرح بے قابو نا ہو لیکن اس کی کوشش ناکام رہی تھی۔ اس کے لیے قیامت کا سماں ایک لمحہ پہلے ہی شروع ہوا تھا۔ اسے اب صور کی آواز بھی اس طرح نہیں ہلا سکتی تھیں جس طرح ڈاکٹر رضی کی آوز نے اسے ہلا ڈالا تھا۔ اس نے میز کی سطح پر سر رکھا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔
"سمیع صاحب سنبھالیے خود کو پلیز۔" ڈاکٹر رضی نے میکینیکل سے انداز میں کہا۔ وہ شہر کے بہترین نیوروسرجن تھے اور اس کے پاس اکثر ہی مریضوں کو دینے کے لیے اچھی خبریں نہیں ہوا کرتی تھیں۔ انہیں اب لاچار آنسوؤں کو سہنے کی عادت سی ہو گئی تھی لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ انہیں دکھ بھی نہیں ہوتا تھا۔ سمیع کے آنسو یقیناً" ان کے دل کو بھی بوجھل کر رہے تھے۔ سمیع نے ان کی تسلی کے جواب میں سر اٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔ یہ صرف اس کا دل جانتا تھا کہ لفظ "کینسر" بظاہر پانچ حرفوں کا مجموعہ تھا لیکن جب یہ آپ کے کسی پیارے کو تشخیص ہوتا تھا تو یہ ایک میزائل بن جاتا تھا۔ ڈاکٹر رضی کے ایک جملے نے کسی میزائل کی طرح اسے اڑا کر بھسم کر ڈالا تھا۔

☆ ☆ ☆

"بی بی جان کو تو رخشی ذرا پسند نہیں آئی۔" رات کو کاشف کے بازو پر سر رکھے صوفیہ نے لاڈ بھرے لہجے میں بات شروع کی۔ اس کا انداز مذاق اڑانے والا تھا۔ کاشف کا دھیان ٹی وی کی جانب تھا لیکن پھر بھی اس نے صوفیہ کا مکمل جملہ سنا تھا۔
"اس میں اچھا لگنے والا کچھ تھا بھی تو نہیں... میڈم بانوری" کاشف نے اس سے بڑھ کر مذاق اڑایا اور ناک بھی چڑھائی۔ صوفیہ نے قہقہہ لگایا۔ یہ نہ جانے زنانہ فطرت کی کونسی حس ہے کہ جب آپ کا مرد آپ کے سامنے کسی دوسری عورت کو اس طرح تضحیک کرے تو آپ کو لطف آئے۔ صوفیہ کو گدگدی ہوئی۔
"اس میڈم بانوری میں کچھ تو ایسا ہوگا نا جو وہ آپ کے قریبی احباب میں شامل ہے۔" وہ ٹوہ لیتے ہوئے ذرا سا اتر کر بولی۔
"اوہ یار... بزنس کے بڑے جھمیلے ہیں... پتا نہیں کیسے کیسے لوگوں کو منہ لگانا پڑتا ہے۔ خوشامد کرنی پڑتی ہیں۔ اور آؤ بھگت بھی۔" کاشف بے زار کن ترین لہجے میں بولا پھر صوفیہ کے اگلے سوال کا انتظار کیے بغیر کہنے لگا۔
"اوہو... تمہارے ذہن میں کیا چل رہا ہے۔ کہیں پھر شک کا کیڑا وہ بھی کئی سو ٹانگوں والا تو نہیں گھس گیا دماغ

میں۔۔۔؟" وہ شرارتی انداز میں پوچھ رہا تھا۔ صوفیہ نے ہنستے ہوئے نفی میں گردن ہلائی۔
"نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ میں تو نہیں۔۔۔" وہ کچھ کہنا چاہ رہی تھی لیکن کاشف نے اس کی بات کاٹ دی۔
"خدا کو مانو یار۔ میرے لیے وہ رخشی ہی رہ گئی ہے۔ دنیا میں خوب صورت عورتیں مرگئی ہیں کیا یا میری جمالیاتی حس مرگئی ہے۔" وہ اسے چڑا رہا تھا۔ صوفیہ کو اب کی بار اس کے جملے نے پہلے سے بھی زیادہ لطف دیا۔
"میں کچھ نہیں کہہ رہی۔ دراصل بی بی جان کو ہی آپ کی فطرت کا علم ہے۔ سمجھا رہی تھیں مجھے کہ کاشف کو بچا کر رکھو اس عورت سے۔" صوفیہ نے مزا لیتے ہوئے اسے بتایا۔ کاشف نے ناگواری سے سر ہلایا۔
"بیوی تو بیوی۔ میری ماں بھی نہ جانے میرے بارے میں کیا کیا سوچتی رہتی ہیں۔ اتنا وہمی بھی نا ہو' اب انسان۔" وہ زچ ہو کر بولا۔
"کیوں نا ہوں بھئی۔ ہمیں ہونا پڑتا ہے۔ خوب صورت آدمی کی بیوی اور ماں کو تو بہت زیادہ وہمی اور محتاط ہونا پڑتا ہے ورنہ یہ حبیبہ اور رخشی ٹائپ عورتیں تو آپ جیسوں کو ورغلا کر نجانے کہاں تک لے جائیں۔" صوفیہ صاف گوئی سے بولی تھی۔
"کیا ہو گیا ہے صوفیہ۔ رحم کرو مجھ پر۔ رخشی کو تو میں کبھی نظر بھر کر بھی نہیں دیکھتا۔ وہ دیکھنے کے قابل ہے بھلا۔ میرا اس کے ساتھ صرف کاروباری ربط ہے۔ گھر بلانے کا مقصد بھی ان روابط کو بڑھانا تھا۔ تم لوگوں کو کچھ نہیں پتا ان کاروباری تعلقات کا۔ یہ رخشی بہت کام کی عورت ہے۔ اس کے دور دور تک تعلقات ہیں۔ گورنر ہاؤس اور اس کے متعلقہ ذیلی دفاتر میں اگلے مہینے سے پنکھے اور اسپلٹ یونٹ لگنے ہیں۔ سنا ہے سب کچھ تبدیل کروانا ہے۔ اتنا بڑا تو گورنر ہاؤس ہے اور پھر کئی آفس ہیں۔ سنا ہے ایک ایک آفس میں تین تین یونٹ لگیں گے۔ پنکھے بھی تبدیل ہوں گے۔ اور بھی چھوٹے بڑے کئی کام ہوں گے۔ میں چاہتا ہوں یہ کانٹریکٹ مجھے مل جائے۔ وارے نیارے ہو جائیں گے۔ اس لیے میں رخشی سے ذرا بنا کر رکھنا چاہتا ہوں۔ تم دعا کرو جیسا میں سوچ رہا ہوں ویسا ہی ہو جائے۔ سرکاری کام کے اپنے ہی مزے ہوتے ہیں۔" کاشف نے جملہ مکمل کیا تو صوفیہ نے پھر سر ہلایا۔
"مجھے پتا ہے آپ بہت محنت کرنے والے انسان ہیں اور آپ کے لیے تو ہمہ وقت دعا کرتی ہوں۔" وہ اس کے کندھے پر اپنا سر رکھ کر بولی تھی۔ کاشف مسکرایا۔
"بہت شکریہ میری جان اور اب کسی شک کو دل میں مت پالنا۔ میری کیا مت ماری گئی ہے جو رخشی جیسی عورت میں دلچسپی لوں۔ میری تو اپنی بیوی لاکھوں میں ایک ہے۔ اس جیسی تو میں چراغ کیا' لالٹین لے کر بھی ڈھونڈنے نکلوں تو نا ملے۔ مجھے کیا دلچسپی کسی دوسری عورت میں۔" وہ اس کے گرد اپنی بازو کا حلقہ سخت کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ صوفیہ نہال ہی ہو گئی۔ اسے پتا تھا وہ لاکھوں میں ایک نہیں ہے لیکن محبت میں ریاضی کے اصول تھوڑی چلتے ہیں کہ ثابت ہوں گے تو تسلیم کیے جائیں گے۔ یہ تو مذہب کی طرح بس ایمان لانے کی بات تھی۔ صوفیہ دل و جان سے کاشف کی محبت پر ایمان لا چکی تھی۔ اسے یقین آ گیا تھا کہ جب کاشف اسے لاکھوں میں ایک کہہ رہا ہے تو بس وہ لاکھوں میں ایک ہی ہے۔ طمانیت کی لہر اس کے پورے وجود میں اتری اور اس کی آنکھوں میں گردبن کر چھانے لگی۔

☼ ☼ ☼

"یہ کیا پکایا ہے۔۔۔؟" اس نے باؤل کی جانب دیکھ کر ناک چڑھایا تھا۔
"دال ہے۔ مونگ مسور۔" زری ٹرے رکھ کر پانی لینے کچن کی جانب جا رہی تھی۔ اسے جواب دے کر آگے بڑھ گئی۔

"اتنی پتلی دال۔۔۔" نمنا نے باؤل میں چمچہ چلایا تھا۔
"ہاں یہ ڈائٹنگ کررہی ہے۔" زری مسکرائی تھی۔ امی پھر اسپتال چلی گئی تھیں تو دوپہر کا کھانا زری نے بنایا تھا۔
"یہ ڈائٹنگ کررہی ہے یا تم ڈائٹنگ کررہی ہو۔" نمنا ابھی بھی باؤل میں چمچہ چلارہی تھی۔
"میں بھی کہاں کررہی ہوں۔ بلکہ آج تو امی نے سختی سے منع کیا ہے۔ نوشی باجی کی وجہ سے پریشان تھیں۔ اور ملبہ سارا اس بات پر گرا کہ لڑکیاں اپنی غذا کا خیال نہیں رکھتیں جس کی وجہ سے انہیں بعد میں مسئلے ہوتے ہیں۔" زری نے اچار اور چپاتیوں والی ٹرے بھی میز پر رکھی تھی۔
"نوشی باجی کی تو مجھے بھی بہت ہی ٹینشن ہے۔ اللہ انہیں جلدی جلدی ٹھیک کردے بس۔" نمنا نے پلیٹ میں دال نکالتے ہوئے کہا تھا۔
"زری ہم کھانا کھالیں تو تم ابا سے فون کرکے کہونا ہمیں اسپتال لے چلیں۔ میں نوشی باجی کو دیکھنا چاہتی ہوں۔" وہ اس سے درخواست کررہی تھی۔
"میں نے امی سے کہا تھا کہ ہم آجائیں اسپتال تو امی نے کہا کل آجانا۔ کل سرجری کی ڈیٹ دی ہے ڈاکٹر نے۔۔۔ بے بی دیکھنے چلیں گے ان کا۔" زری پرجوش تھی۔
"کل بھی چلے جائیں گے بے بی دیکھنے۔۔۔ لیکن آج نوشی باجی کو تو دیکھ آئیں۔ پتا نہیں کیوں میرا بہت دل چاہ رہا ہے۔" نمنا نے لجاجت بھرے لہجے میں کہا تھا۔ زری نے سرہلایا۔
"اچھا کھانا کھالیں۔ پھر فون کرتی ہوں ابا کو۔" اس کا اصرار دیکھ کر زری نے بھی ہامی بھرلی تھی۔ کھانا وغیرہ کھاکر اس نے ابا کو کال کرکے پوچھا تو انہوں نے بھی مثبت جواب دے دیا کہ تم لوگوں کو ملوا تا ہوں اور تمہاری امی کو بھی لے آئیں گے۔
"ابا اتنے اچھے ہیں۔ ہماری ساری باتیں ہی مان لیتے ہیں۔" زری کو بڑی خوشی ہوئی کہ اس کے ایک بار کہنے سے ابا نے اس کی بات کا مان رکھ لیا۔ نمنا نے گہری سانس بھری۔
"میں نے کب کہا کہ اچھے نہیں ہیں۔ اور تمہاری باتیں تو ابا ای سب ہی مان لیتے ہیں۔" وہ سادہ سے انداز میں کہہ رہی تھی۔ زری باتھ روم میں گھس گئی۔ کپڑے بدل کر اس نے اطمینان سے کاجل اور لائنر لگایا۔ لپ پنسل سے ہونٹوں کی شیپ بنائی اور گلوز لگا کر حتی الامکان نیچرل لک لینے دینے کی کوشش کی تھی۔
"تم خوب صورت ہو۔ اور خوب صورت ہی رہوگی بہن۔ اب چل پڑو" نمنا نے منہ بھی نہیں دھویا۔ بس بال ٹھیک کیے اور دوپٹا اوڑھ کر دیوان پر بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے لگی تھی جبکہ وہ کمرے سے نکل ہی نہیں رہی تھی۔ اسی لیے نمنا نے اکتا کر کہا تھا۔ وہ پھر بھی نہیں نکلی۔ نمنا اپنی جگہ سے اٹھی تھی اور کمرے میں اسے دیکھنے کی غرض سے داخل ہوئی تھی۔ زری پر نظر پڑتے ہی ناگواری اس کے چہرے پر پھیل گئی' زری نے ہاتھ میں موبائل پکڑ رکھا تھا اور وہ اپنی تصاویر بنانے میں مگن تھی۔
"ہم مریض کی عیادت کے لیے جارہے ہیں۔ سیاحت کے لیے نہیں جارہے زری۔" اس نے منہ بنا کر ٹوکا تھا۔ خجالت بھری مسکراہٹ زری کے چہرے پر چمکی۔ اس کے باوجود وہ رکی نہیں تھی۔ اس نے دو تین مزید کلک کیے تھے۔
"کتنی سیلفیاں لیتی رہتی ہو تم۔ کیا ملتا ہے ان سے" زری ہنسی۔
"مجھے اچھا لگتا ہے بس۔" زری اتنا ہی کہہ سکی۔

"اس میں اچھا لگنے والی بات کیا ہے۔ میں تو یہ سمجھ نہیں سکی آج تک۔ کسی کو بھیجتی ہو لینے کے بعد۔؟" نینا نے عام سے انداز میں پوچھا اور ایک دم اس کے چہرے پر نظریں گاڑیں۔ زری کے چہرے کا رنگ بدلا تھا۔ چند سیکنڈ زوہ چپ ہی رہی۔

"ہاں بلاول بھٹو کو بھیجتی ہوں۔ بڑی فرمائشیں کرتا ہے کہ زری پلیز کبھی تو سیلفی بھیج دیا کرو۔" وہ اس کی بات کو مذاق میں اڑا کر بولی تھی۔ نینا چند لمحے اس کی جانب دیکھتی رہی جبکہ زری لاتعلق سی ہو کر جوتے کے اسٹریپ باندھنے لگی تھی۔

"آئے ہائے نینا۔ تم نے تو میرا دل ہی توڑ دیا۔ میں کس کو بھیجوں گی یار۔ میری ایسی قسمت کہاں کہ کوئی مجھے سیلفی بھیجنے کو بولے۔ پتا نہیں کب میری منگنی ہو گی۔ کب میرا منگیتر ہو گا۔ کب میں بھی سب کے سامنے اس کی باتیں کر کے شیخیاں بگھاروں گی۔ اسے اپنی حسین حسین سیلفیاں بھیجوں گی۔ یار تم کہو نا امی کو کہ اب زری کے لیے کوئی رشتہ ڈھونڈیں۔" وہ شرارتی انداز میں کہہ رہی تھی۔

"ہاں کہوں گی امی سلیم سے رشتہ کر دیں زری کا۔" نینا کا دل ہی جانتا تھا کہ زری کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے اس نے یہ جملہ کیسے بولا۔ توقع کے عین مطابق زری کے چہرے پر ناپسندیدگی اور ناگواری کے رنگ چمکنے لگیں۔

"اونہہ۔ اور کیا پتا امی تمہارا رشتہ سلیم سے کرنے کا سوچ رہی ہوں۔" زری بے ساختگی میں یہ کہہ گئی۔

"کیا آ آ آ۔ سلیم سے میرا رشتہ۔ یہ ممکن نہیں ہے۔ امی بھی ایسا سوچ بھی نہیں سکتیں۔" وہ دونوں کمرے سے ایک ساتھ باہر نکلی تھیں۔ زری نے کچھ کہنا چاہا اسے بتانا چاہا کہ ابا تو یہ بات سوچ رہے ہیں پھر ارادہ ترک کر دیا۔ نینا کا کوئی بھروسا تھوڑی تھا کہ ابھی منہ بنا کر مزاج بگاڑ کر بیٹھ جاتی۔ زری کے دل یہ کھد بد ضرور مچی تھی کہ آخر امی اور نینا دونوں اس بات کو ناممکنات میں سے کیوں قرار دے دیتی ہیں جبکہ ابا اس نہج پر سوچ رہے تھے۔ وہ اس کے پیچھے سیڑھیاں اترنے لگی تھی۔ اسی دوران اس کے موبائل کی رنگ بجی تھی۔ اس نے دیکھا۔ امی کال کر رہی تھیں۔ اس نے فون کان سے لگایا۔ "جی امی بس نکل رہے ہیں ہم۔ ابا آ گئے ہیں۔"

"پوچھو نوشی باجی کیسی ہیں اب۔" نینا نے لفظ "امی" سن کر مڑ کے اسے کہا تھا۔

"کیا آ۔ اچھا۔ سب ٹھیک ہے نا۔ میرا مطلب خطرے والی بات تو نہیں۔" زری نے فون پر پوچھا تھا۔ نینا کے چہرے کا رنگ بھی بدلا۔ وہ بھی دو اسٹیپ چڑھ کر دوبارہ اس تک آئی تھی۔

"ٹھیک ہے۔ اللہ خیر کرے۔ ہم دعا کرتے ہیں۔ آپ ہمیں بتائیے گا پھر۔" اس نے جملہ ادھورا چھوڑا تھا۔

"کیا ہوا ہے۔ سب ٹھیک ہے نا؟" نینا کا دل لرزنے لگا تھا۔

"امی کہہ رہی ہیں۔ نوشی باجی کو ابھی سرجری کے لیے لے جا رہے ہیں۔ ان کو سانس نہیں ٹھیک سے آ رہا تھا۔ ایمرجنسی میں لے گئے ہیں دوبارہ۔" زری بھی پریشان تھی لیکن نینا کے تو ہاتھ پاؤں ہی پھول گئے۔ وہ وہیں اسٹیپ پر ہی بیٹھ گئی تھی۔

(باقی آئندہ ماہ)

☼ ☼

سرورق کی شخصیت	
ماڈل	دیا شاہ
میک اپ	روز بیوٹی پارلر
فوٹوگرافی	موسیٰ رضا

شبینہ گل

اس کے موبائل کی رنگ ٹون کافی لاوڈ تھی' سو اوپر کمرے کے اندر ڈریسنگ ٹیبل پر پڑے موبائل پر جب کال آئی تو بند دروازے کا لحاظ کیے بنا نیچے تک سنائی دی۔ دھلے فرش پہ وائپر لگاتی عائزہ کے ہاتھ غیر ارادی طور پر تھمے اور یوں ہی بے مقصد اس نے سر اونچا کر کے ٹیرس کی ریلنگ سے نظر آتے اپنے کمرے کے بند دروازے پر نظر ڈالی اور پھر سے وائپر لگانے لگی۔ روبینہ بیگم نے مسالا بھونتے بھونتے پلٹ کر اپنی اکلوتی بہو کے تاثرات جانچے مگر اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔ وہ کام چھوڑ کر گئی بھی نہ تھی۔ چند لمحے اس کے بولنے کے انتظار میں گزار کر بالآخر وہ خود بول پڑیں۔

"عائزہ تمہارا فون بج رہا ہے کیا؟" اس نے چونک کر سر اٹھایا۔

"خوب پہچانتی ہیں میری رنگ ٹون... مگر..." دل میں سوچا' پھر لاپروائی سے بولی۔

"جی امی... کوئی بات نہیں... ماما کو فون ہوگا۔ میں فارغ ہو کر ہی بات کروں گی۔" پھر سے شڑپ شڑپ وائپر لگانے لگی مگر اب کے انداز میں عجلت روبینہ بیگم نے واضح نوٹ کی تھی۔ اندر ہی اندر وہ بے چین ہوئی تھی مگر بظاہر پرسکون نظر آنا چاہتی تھی۔ اس لیے اپنے طور پر سکون سے کام نپٹا رہی تھی لیکن پھر بھی وائپر لگانے کی اسپیڈ میں اضطراب نمایاں تھا۔ روبینہ بیگم مسالا بھون رہی تھیں اور پاس کھڑی سائرہ بظاہر انجان اور لاتعلق بنی چاول چن رہی تھی۔ عائزہ کے ذمے صبح کا ناشتا اور شام کی چائے تھی' جبکہ کھانا وہ خود سائرہ کو ساتھ لگا کر بناتی تھیں۔ دونوں وقت کا کھانا ایک ہی بار بنتا تھا۔ صفائی ستھرائی کا کام عائزہ اور سائرہ میں برابر تقسیم تھا۔ سو فیصد فی الوقت' عائزہ اپنی ڈیوٹی نپٹا چکی تھی۔ جھاڑو اور وائپر اسٹور میں مقررہ جگہ پر رکھے' پائپ لپیٹا اور پورچ میں موجود موٹے سے کیل پر لٹکا کر اوپر چل دی۔ سائرہ نے چاول بھگو کر رکھے اور باہر نکل کر اوپر دیکھا۔ عائزہ کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔ وہ پلٹ کر کچن میں آئی۔ روبینہ بیگم آنچ دھیمی کر کے اب سلاد بنا رہی تھیں۔

"دے گئیں بھابھی..." دو لفظی فساد۔

"ہونہہ..." روبینہ بیگم نے سر جھٹکا۔

"بس اب ایک گھنٹا تو سمجھو یوں گیا۔" انہوں نے ہاتھ لہرا کر چٹکی بجائی تو سائرہ ہنس دی۔

"ساری مصیبت ان موبائل والوں کی وجہ سے آئی ہے۔ نت نئے پیکیج بنا دیے ہیں کہ بس گھنٹا سے کم تو بات ہی نہ ہو۔ اصل غلطی تو شوہروں کی بھی ہے نا۔ ہر وقت فضول گپوں کے لیے بیلنس ڈلوا کر ہی کیوں دیتے ہیں۔ ضرورت کی چیز کو ضرورت تک ہی محدود رکھو۔ نا کہ ہر وقت سسرال کی رپورٹنگ کے لیے استعمال کرو۔" سائرہ استہزائیہ ہنسی ہنستی باہر نکل گئی۔ عائزہ روز ہی اپنی ماما سے گھنٹا پیکیج پر بات کرتی تھی اور چونکہ وہ فارغ اوقات میں بات کیا کرتی تھی' اس لیے روبینہ بیگم برملا مخالفت بھی نہیں کر پائی تھیں۔ ان کا بیٹا اور عائزہ کا شوہر ہادی بھی کافی براڈ مائنڈڈ تھا۔ اس لیے ڈائریکٹ اسے کہنا بھی روبینہ بیگم کو مناسب نہیں لگا کرتا تھا۔ بیٹے کے آگے ویلیو ڈاؤن کرنا انہیں قطعی نامنظور تھا۔

☼ ☼ ☼

بیڈ پر بیٹھتے ہوئے عادتاً" اس نے سائیڈ ٹیبل پر پڑا موبائل اٹھا کر اسکرین روشن کی تو ماتھے پر ہاتھ مار کر رہ گئی۔

"چار مس کالز... صفیہ آپی... اف ف ف..." وہ پھرتی سے بیڈ سے اتری اور چپل پہنے بنا باہر بھاگی۔ روبینہ بیگم اب لاؤنج میں پنکھے تلے بیٹھی پسینہ خشک کر رہی تھیں۔ اسے یوں بھاگم بھاگ آتا دیکھ کر سوالیہ انداز میں بھویں اچکائیں۔

"امی... صفیہ آپی کی مسڈ کالز تھیں۔ موبائل کمرے میں تھا۔ مجھے پتا ہی نہیں لگا۔"

"اوہو... تو پاس رکھا کرونا موبائل کو... کیا فائدہ کہ بج بج کے بند ہی ہو جائے اور بندے کو پتا بھی نہ چلے۔ اپنی بھابھی سے ہی سیکھو' کیسی اونچی ٹون سیٹ کی ہے کہ پاتال میں بھی سنائی دے جائے۔ اب منہ کیا دیکھ

رہی ہو' جلدی نمبر ملاؤ' ذرا گھڑی دیکھو' ابھی اس کے بچے آجائیں گے تو بات نہیں کرنے دیں گے۔" سائرہ نے جلدی سے نمبر ملا کر فون ماں کو پکڑا دیا۔ وہ کان سے لگا کر دوسری طرف جاتی بیل سنتی بھی بولے جا رہی تھیں۔

"دو گھڑی بے چاری سسرال کے جنجال سے وقت نکال کر ماں کو فون ملاتی ہے کہ چلو دکھ سکھ کرلوں تو بہن صاحبہ کا موبائل ہی لاوارثوں کی طرح پڑا رہتا ہے۔ ہاں صفیہ کیسی ہو میری بچی۔" بچی نے دوسری طرف سے کال پک کی تو سائرہ کو سکھ کی سانس نصیب ہوئی۔ روبینہ بیگم اٹھ کر کمرے میں چلی گئیں تو اس نے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آن کرلیا۔

"اب امی اور آپی کا گھنٹا تو لگے گا۔" وہ بڑبڑائی اور اپنا فیورٹ کوکنگ چینل لگا کر صوفے پر دونوں پاؤں اوپر کرکے بیٹھ گئی۔

☼ ☼ ☼

"جی جی ماما جانی۔۔۔ عماد سو رہا ہے۔ تب ہی تو سکون سے بات کررہی ہوں۔ ہاں جب آپ کی بیل آئی تھی تب اٹھ گیا تھا۔ میں نے دوبارہ سلایا۔" عائزہ سوا سالہ گپلو سے عماد کے سلکی بالوں میں دھیرے دھیرے انگلیاں پھیرتی محو گفتگو تھی۔

"اب دیکھو نا بیٹا تم بھی تو ہو۔۔۔ بچہ سوئے تو ماں سے بات کرتی ہو اور ایک یہ تمہاری بھابھی ہے شانزہ۔۔۔ بچہ رو تا رہے' بلکتا رہے' اس کی بلا سے۔ یہ ماں سے بات کرتی رہے گی۔ فون بند نہیں کرے گی جب تک پیکج ختم نہ ہوجائے۔ یہ اچھی مصیبت ہے کہ پیسے ضائع ہونے کے ڈر سے بندہ پورا گھنٹا موبائل سے چپکا رہے۔ خواہ کرنے کو کوئی بات ہو یا نہ ہو۔" عائزہ کی ماما اپنی داستان سنا رہی تھیں۔ عائزہ ہنس دی۔ اسی لمحے عماد نے آنکھیں کھول دیں۔ عائزہ کا دھیان اس کی طرف نہیں تھا۔ وہ بات کرتے ہوئے اپنے نفاست سے ترشے ناخنوں کا جائزہ لینے میں مصروف تھی۔

"ہائے ماما تو پھر کون دیکھتا ہے شانزم اور شایان کو۔ ابھی تو کتنے چھوٹے ہیں دونوں۔" عماد صاحب نے جو دیکھا کہ اماں متوجہ نہیں ہیں تو ریں ریں شروع کردی۔ عائزہ فوراً" اس کی طرف مڑ کر لیٹ گئی اور تھپکنے لگی مگر اب وہ بہلنے والا نہیں تھا۔

"کون دیکھے گا۔ میں کام کاج میں لگی ہوتی ہوں۔ کبھی تو کمرے سے نکال کر میرے سر پہ سوار کردیتی ہے اور کبھی کمرے میں ہی روتے رہتے ہیں' جب تک کہ وہ فون بند نہ کردے۔"

"اوہو ماما عماد بھی اٹھ گیا۔ آپ ہولڈ کریں' میں اسے ٹوائز دے دوں۔" اس نے موبائل سائڈ ٹیبل پر رکھا اور کمرے کے کونے میں پڑی ٹوائے باسکٹ لاکر اس کے آگے رکھ دی۔ وہ بہل گیا۔ اس نے پھر فون اٹھالیا۔

"جی ماما۔۔۔ اب بولیں۔۔۔ کچھ دیر یہ کھیلتا رہے گا۔"

"چلو شکر ہے۔ اب دیکھو نا ایسے اگر بچے کو بہلا لو تو کیا جاتا ہے۔ مگر شانزہ بیگم کو تو صرف ماں کو بہلانا آتا ہے۔ بچے جائیں بھاڑ میں۔۔۔" وہ زیادہ ہی تپی ہوئی تھیں۔ ادھر عماد کو کھلونے نہیں ماں کی توجہ چاہیے تھی۔ دو چار کھلونے نکال نکال کر بیڈ پر رکھے' پھر باسکٹ پرے دھکیل کر رونا شروع ہوگیا۔

"اوہو ماما۔۔۔ ایک منٹ ہولڈ کریں' میں اسے فیڈر بنادوں' بند نہ کرنا پیکج ہے۔۔۔ اوکے۔" وہ پھر سے موبائل رکھ کر فیڈر بنانے لگی۔ فیڈر عماد کو تھما کر فون اٹھایا لیکن عماد نے فیڈر دور پھینک دیا اور گود میں آنے کے لیے ہاتھ بڑھادیے۔

"اب یہ کیوں رو رہا ہے' فیڈر نہیں پیا؟" انہوں نے اکتا کر پوچھا تو وہ بھی جھلا گئی۔

"پتا نہیں ماما۔۔۔ ضدی ہوگیا ہے بہت۔ نہیں بہل رہا کسی بھی طرح۔۔۔"

"تمہاری ساس نند کیا کررہی ہیں' ذرا دیر انہیں پکڑا دو۔ کم از کم دو گھڑی بات تو سکون سے کرے بندہ۔"

"ساس نند سنبھال لیں تو رونا کس بات کا۔" تنگ آکر اس نے اپنا جیولری باکس اس کے آگے رکھ دیا۔

وہ ذرا سا عجیب ہوا۔

"اور دیکھو ذرا اپنی بھابھی کو... اپنی ماں سے ... بات مکمل ہوئی تو کچن میں آئی ہے... اور ایک تم ہو۔ رگڑ دیا خود کو سسرال میں..." عائزہ ضرور خوشی کا اظہار کرتی' اگر عماد ایسا کرنے دیتا۔ وہ پھر رونے لگا تو اس کی ماما آسیہ بیگم بھی جھنجلا گئیں۔

"اچھا تم چھوڑو اسے... یہ تو روتا ہی رہے گا لیکن میری بات رہ جائے گی۔ مجھے تم سے سفیان کی شادی کے بارے میں ڈسکس کرنا تھا۔" انہوں نے اپنے بھانجے کا ذکر کیا تو وہ پرجوش ہوگئی۔ عماد کا رونا دھونا بیک گراؤنڈ میں چلا گیا۔

"اوہ ماما ڈیٹ فکس ہوگئی سفیان بھائی کی۔ ہاں ان کی شادی کے حوالے سے تو مجھے بھی کافی کچھ ڈسکس کرنا تھا ماما۔" وہ عماد کو بیڈ پہ بیٹھا چھوڑ کر کھڑکی کے پاس آکھڑی ہوئی۔ عماد ہنوز بری طرح رو رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"بچے جڑواں ہیں تو ضدیں اور فرمائشیں بھی جڑواں..."

شانزہ بری طرح جھنجلائی ہوئی تھی۔ دو بجنے والے تھے۔ شازمہ اور شایان اسے بری طرح زچ کیے دیے رہے تھے۔ دونوں کو اس کی گود میں آکر جھولا لینا تھا اور باری باندھنے پر ایک بھی راضی نہ تھا۔ محض دو سال کے بچوں کو وہ سمجھاتی بھی تو بھلا کیسے۔ ہنڈیا اس کی ساس آسیہ بیگم نے چڑھالی تھی' اب اس نے روٹیاں پکانی تھیں۔ شہزاد لنچ کے لیے گھر آنے ہی والے تھے اور بچے جونک کی طرح اس سے چمٹے ہوئے تھے۔ کچھ عرصہ قبل اس نے اسی طرح بچوں کو روتا بلکتا چمٹتا چھوڑ کر روٹیاں بنانی شروع کردی تھیں۔ پھر روٹیاں پکاتے پکاتے توا ذرا سا ٹیڑھا ہوا۔ اسے سیدھا کرنے کے لیے جوں ہی اس نے صافی سے توے کا ہینڈل پکڑا عین اسی لمحے شایان نے پیچھے سے اس کا وہی بازو کھینچا اور اس کے بازو کے ساتھ توا بھی کھنچتا ہوا نیچے جا پڑا۔ صد شکر کہ شایان پیچھے کو تھا۔ شانزہ بھی اچھل کر پیچھے ہٹی تھی' ورنہ کوئی ایک تو ضرور ہی جل جاتا۔ تب سے ہی شانزہ نے ایسا رسک دوبارہ لینے سے توبہ کر رکھی تھی... مگر اب... اس نے ایک نظر گھڑی پر ڈالی اور دوسری نظر ساس کے کمرے پر... وہ ہنوز موبائل کان سے لگائے عائزہ نامہ سننے میں محو تھیں۔ وہ مسلسل آدھے گھنٹے سے بچوں کو بہلانے کی ناکام کوششیں کر رہی تھی۔

ساس کا قہقہہ اسے کچن میں سنائی دیا تو اس کی برداشت جواب دے گئی۔ اس نے دونوں بچوں کو ایک ایک تھپڑ رسید کیا اور کچن سے باہر نکال کر کچن کا دروازہ اندر سے بند کردیا۔ بچے روتے بلکتے بالا خر دادی کے سر پہ جا پہنچے جنہوں نے اس افتاد پر ایک خشمگیں نگاہ کچن کے بند دروازے پر ڈالی۔ اندر شانزہ کپڑے میں لپٹا بیلن کھولتی بڑبڑا رہی تھی۔

"حد ہوتی ہے ایک بات کی۔ یہ کوئی ٹائم ہے فون پر گپیں لگانے کا۔ عین کھانے کے ٹائم پہ عائزہ بی بی کی یاد ستاتی ہے ان کو بھی اور ان محترمہ کو بھی لگتا ہے کرنے کو کوئی کام نہیں۔" نہایت پھرتی سے گول گول پیڑے بناتی وہ دل کی بھڑاس نکالتی جا رہی تھی۔

"اپنے ہی بیٹے کی اولادیں ہیں مگر مجال ہے جو کبھی سنبھال لیں... ہونہہ... بیٹی کے چونچلے اٹھانے کو ہمہ وقت تیار ہیں۔" سارا غصہ چپاتی پہ نکل رہا تھا۔ وہ برق رفتاری سے ایک کے بعد دوسری اور پھر تیسری چپاتی پکا پکا کر ہاٹ پاٹ میں رکھتی جا رہی تھی۔ بچے دادی کے پاس خاموش تھے۔ فون بند ہوچکا تھا۔

☼ ☼ ☼

"دس سال بیتے ان کے بیاہ کو... بچے بڑے ہو رہے ہیں' عمریں ڈھل رہی ہیں لیکن یہ کھلنڈری لڑکی بنی موبائل کان سے لگائے گھنٹا گھنٹا ماں سے باتیں کرتی رہیں گی۔ بچوں کو اسکول بھیج کر شکر کرتی ہیں۔ چھوٹی بہن بھی یہی سب سیکھ کر سسرال جائیں گی' لگتا یہی ہے۔" یہ صفیہ کی ساس تھیں۔ صفیہ کے بچوں کو اسکول سے آئے آدھا گھنٹہ گزر چکا تھا۔ احمر

ماں کا فون بند ہونے کے انتظار میں لاؤنج کے صوفے پر ہی جوتوں سمیت سو گیا۔ انفر موقع سے فائدہ اٹھا کر بیٹ بال لیے صحن میں چلا گیا اور ہانیہ ریں ریں کرتی کبھی دادی کا دماغ کھاتی تو کبھی اپنی پھپھو فضا کا۔
صفیہ کی ساس کا پارہ ہائی ہوا تو فضا نے ہانیہ کا ہاتھ پکڑا' بھابھی کے کمرے کا دروازہ بجایا' پھر ہلکا سا دھکیل کر ہانیہ کو اندر دھکیلا اور دھاڑ سے دروازہ بند کر کے چلی گئی۔ یہ دھاڑ کی آواز دوسری طرف روبینہ بیگم نے بخوبی سنی تھی۔

☼ ☼ ☼

"لو بھئی پکڑو اپنا موبائل۔" روبینہ بیگم نے پٹخنے کے انداز میں موبائل اسے دیا تو وہ سوالیہ انداز سے دیکھنے لگی۔
"کیا ہوا۔ بات نہیں ہوئی صفیہ آپی سے۔" اس نے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی کا والیوم کم کیا۔
"کیا خاک بات ہوتی ایسے ٹائم۔ ذرا دیر میں اس کے بچے آگئے۔ ساس نند سے برداشت نہیں ہوا۔ دو منٹ بعد ہی وہ فضا صاحبہ بچی کو کمرے میں بھیج کر دروازہ دھڑ سے بند کر کے چل دیں۔ میری بچی جان مار دے سارا دن اور اس ہڈ حرام سے اتنا نہیں ہوتا کہ ذرا دیر بچوں کو ہی دیکھ لے۔ پھپھو پہ بھی حق ہوتا ہے بچوں کا۔" سائرہ نے ماں کی بات پر نظریں چرالیں۔ اوپر سے عماد کے رونے کی آوازیں جو آرہی تھیں۔ روبینہ بیگم جو صوفے کی پشت پہ سر گرائے بیٹھی تھیں' یک دم سیدھی ہو گئیں۔
"لو۔ اب اسے کیا ہوا' اتنی بری طرح رو رہا ہے۔"
"بھابھی فون پر بات کر رہی ہوں گی نا امی۔ آپ کے سامنے تو گئی تھیں۔" اس نے ہلکی آواز میں کہا تو انہوں نے آنکھیں پھیلائیں۔
"ارے تو کیا اب تک فون پہ لگی ہے؟ غضب خدا کا۔ ایک تو ان ماں بیٹی کی رازداریاں نہیں ختم ہوتیں۔ خدا جانے روز روز اتنی باتیں کہاں سے آجاتی ہیں۔ تم

جاؤ عماد کو تو اٹھا لاؤ۔ پھر کہیں گی پھپھو سنبھالتی نہیں۔"
اور سائرہ کو تو گویا بچھو نے ڈنک مارا۔
"میں کوئی نہیں جارہی۔ اتنا زبردست کوکنگ شو ہے، سب بیکنگ آئٹمز سکھائے جارہے ہیں آج اور آپ نے براؤنی کی ریسپی مس کروادی۔" اس نے ٹی وی کی جانب اشارہ کیا تو روبینہ بیگم بھی صوفے سے اٹھ کر ٹی وی کے سامنے والے صوفے پہ آ بیٹھیں۔
"ارے... پھر تو کیک وغیرہ بھی بنائیں گے۔"
"تو اور کیا..." سائرہ کشن گود میں رکھ کر مزید آرام سے بیٹھ گئی۔ روبینہ بیگم نے ریموٹ اس کے ہاتھ سے لے کر والیوم مزید بڑھایا۔ عماد کے رونے کی آوازیں اب کم سنائی دے رہی تھیں۔ اس کی آواز سننے سے مکر جانا آسان ہوگیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"ارے فضا... بچے ذرا مدیحہ کو تو فون ملاؤ۔" ثروت بیگم نے قدرے لجاجت سے بیٹی کو کہا تو وہ جو اسٹڈی میں مصروف تھی کتاب بند کرکے اٹھی۔
"صفیہ کو دیکھو، تین بچوں میں بھی ماں سے بات کرنے کا ٹائم نکال لیتی ہے۔ ایک ہماری مدیحہ ہے۔ ابھی کوئی بچہ بھی نہیں ہے، پھر بھی بات نہیں کرپاتی۔ صفیہ کے ٹھاٹ دیکھتی ہوں تو اپنی مدیحہ کا اداس چہرہ نظروں میں آجاتا ہے۔ کئی کئی دن ہوجاتے ہیں خیریت معلوم کیے۔"
"ابھی کل شام ہی تو آپ کی بات کروائی تھی میں نے مدیحہ بجو سے۔" فضا نے موبائل اسکرین پر انگلیاں پھیرتے ہوئے سرسری انداز میں ماں کو کہا تو انہوں نے ان سنی کردیا اور اس کے بیڈ پر بیٹھ گئیں۔ فضا نے نمبر ملا کر موبائل ماں کو پکڑایا اور اپنی کتابیں اٹھا کر باہر نکل گئی۔
"اب امی اور بجو کے سسرال ناموں میں میری پڑھائی تو ممکن نہیں۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی لاؤنج میں آ بیٹھی۔ ڈائننگ ٹیبل پہ صفیہ بھابھی تینوں بچوں کو لیے ہوم ورک کروا رہی تھیں۔ اس لیے ماحول میں امن تھا۔ اس نے سکون سے کتاب کھولی۔ صفیہ نے ایک نظر اپنی نخریلی نند پر ڈالی جو کسی صورت بھی اپنے کمرے کے علاوہ کہیں بھی اسٹڈی نہیں کیا کرتی تھی لیکن وہ ساس کو اس کے کمرے میں جاتا دیکھ چکی تھی۔ اس لیے سمجھ گئی تھی کہ وہ وہاں بیٹھی مدیحہ سے فون پر بات کررہی ہوں گی۔ اس نے ایک سرد آہ بھری اور بیٹی کی جانب متوجہ ہوئی جو اسے غیر متوجہ دیکھ کر کاپی پر لکیریں پھیرنے لگی تھی۔ اسے ایک ہلکی سی چپت لگا کر وہ ربڑ سے لکیریں مٹانے لگی۔

☼ ☼ ☼

مدیحہ کی شادی کو محض ڈیڑھ برس گزرا تھا۔ اس کے سسرال میں ساس اور شوہر کے علاوہ دو دیور اور ایک طلاق یافتہ نند بھی ہوتی تھی۔ اس کے ساس سسر نے اکلوتی بیٹی کو اس قدر ناز و نعم میں پالا کہ اس کی نازک مزاجی سسرال کی سخت مزاجیاں برداشت نہ کرپائی، یوں وہ سال کے اندر اندر ہی طلاق کا تمغہ لیے گھر آبیٹھی۔ اب اس قابل رحم ٹائٹل کے ساتھ وہ خاندان بھر کی ہمدردیاں اور محبتیں سمیٹا کرتی تھی۔ اس کی نازک مزاجی کسی اور کو اپنے آگے برداشت نہیں کرتی تھی۔ سو مدیحہ کا بھی ہر وقت جینا حرام کیے رکھتی۔ مدیحہ جب بھی ماں سے فون پر بات کرتی تو ثوبیہ ایک کی دس لگا کر ماں کو بھڑکاتی اور یوں ایک فساد برپا ہوجاتا۔ اب بھی یہی ہوا۔ مدیحہ ماں سے گپ شپ کررہی تھی۔ ثوبیہ نے فوراً" کاشفہ بیگم کو اطلاع پہنچائی۔
"روزانہ کا یہی سلسلہ ہے بھئی... ہماری کون سنتا ہے۔ روزانہ نہ جانے کتنے روپے پیکج پر برباد ہوتے ہیں۔ ہر وقت یہی دھن سوار رہتی ہے کہ کون سا ایسا پیکج ہو جس پر لمبی سے لمبی بات ہوسکے۔" کاشفہ بیگم دھلے کپڑوں کو تہ لگاتی بولتی جارہی تھیں۔ پاس ہی

کرسی پر بیٹھی ثوبیہ فروٹ چاٹ کھا رہی تھی۔ ماں کی بات پر فوراً بولی۔

"ایک ہم ہیں کہ بس ضرورت کے لیے موبائل رکھا ہوا ہے۔ بھائی صاحب کو کبھی دھیان نہیں آیا کہ بہن کے موبائل میں بھی بیلنس ڈلوا دیں۔ بیوی کو ہر روز بیلنس بھجوایا جاتا ہے۔" مبالغہ آرائی کی حد ہے۔

"ہمیں تو پہلے کام کاج کی فکر ہوتی ہے۔ ضرورت کی بات کی اور بس بیں۔" بالوں کو ایک ادا سے جھٹکتی وہ نخوت سے کہہ رہی تھی۔

"آئے نا آج کاشان..... دیکھنا کیسی خبر لیتی ہوں۔ اس مہارانی کا بیلنس بند کرواتی ہوں آج تو....."

"جیسے وہ تو مان ہی جائے گا نا۔ آپ بھی نا بہت بھولی ہیں امی۔" ثوبیہ نے ناک چڑھائی اور خالی پیالہ وہیں سینٹر ٹیبل پر رکھ کر بیڈ پر چڑھ کے لیٹ گئی۔ کاشفہ بیگم نے آخری سوٹ تہ لگا کر بیڈ پر گویا پٹخا اور اٹھیں۔

"پچھلے ہفتے کا بھول گئیں تم؟ جب اس نے سارا دن موبائل پہ باتیں کرتے گزارا تھا' تو میں نے کاشان سے کہہ کر اس کا بیلنس بند کروایا تھا نا۔ پھر جب تک اس نے ناک نہیں رگڑی تھی کاشان نے بھی بیلنس نہیں ڈلوایا تھا۔" انہوں نے فخریہ انداز میں اپنا کارنامہ دہرایا تو ثوبیہ قہقہہ مار کر ہنس دی۔

"ہاں امی..... یہ بات تو ہے کہ کاشان آپ کی بہت مانتا ہے۔"

"اللہ اسے خوش رکھے' سلامت رکھے۔" کاشفہ بیگم نے دل سے اسے دعا دی' اس ناانصافی بھری فرماں برداری کے عوض۔ سینٹر ٹیبل پر پڑا ثوبیہ کا مہنگا اسمارٹ فون تھرتھرایا اور ایک مدھر سی رنگ ٹون کمرے میں گونجی۔ اس نے اٹھ کر ہاتھ بڑھایا۔ موبائل اسکرین پر نگاہ ڈالتے ہی وہ کھل کر مسکرائی۔

"سعدیہ کالنگ....." کے الفاظ جگمگا رہے تھے۔ کاشفہ بیگم تہ کیے کپڑے وارڈروب میں رکھ کر مڑیں تو ثوبیہ اپنے کمرے میں جارہی تھی۔ انہوں نے ایک سرد آہ بھری۔

"ثوبیہ باجی بھی تو موبائل پیکیج پر گھنٹوں بات کرتی ہیں۔ پھر مجھ پر اعتراض کیوں؟" ان کی سماعتوں میں کچھ عرصہ پرانی آوازیں گونجی تھیں۔ یہ ان کی بہو مدیحہ کی آواز تھی۔ جس کے جواب میں کاشان نے ملین ڈالر جواب دیا تھا۔

"وہ دکھی ہے' اس کا گھر اجڑا ہے۔ سہیلیوں میں خود کو بہلائے رکھے تو اس کے لیے اچھا ہے۔ اس کا ہے ہی کون۔ وہ یہ سب بھی نہ کرے تو پھر کرے کیا اور ویسے بھی..... تم بہو ہو' وہ بیٹی ہے۔ تم اپنے کام سے کام رکھو۔ اس کے معاملات میں بولنے کا تمہیں کوئی حق نہیں۔" ان کے فرماں بردار بیٹے نے بیوی کی نم آنکھوں سے نظریں چرا کر جواب دیا تھا اور وہ سرخرو ہوگئی تھیں۔ ثوبیہ کے کمرے کا دروازہ بند تھا۔ مدیحہ کے کمرے کا دروازہ بھی بند تھا۔ شام کے پانچ بج رہے تھے۔ چائے ثوبیہ بناتی تھی مگر وہ مصروف تھی۔

"ذرا خیال نہیں مدیحہ بیگم کو کہ چائے کا ٹائم ہو چلا ہے۔ پیکیج کا گھنٹا جو پورا نہیں ہوا۔" کاشفہ بیگم نے تنفر سے سوچا اور اپنے بیڈ پر لیٹ گئیں۔

☼ ☼ ☼

گریبان سب کے کھلے ہوتے ہیں اور قریب تر بھی لیکن اپنے گریبان میں جھانک کر تعفن برداشت کرنے کی ہمت کسی کسی میں ہی ہوتی ہے۔ کسی نے سچ ہی تو کہا ہے کہ.....

"یہاں انسان اپنے دکھ سے اتنا دکھی نہیں جتنا دوسروں کے سکھ سے دکھی ہے۔ آج کی عورت اپنے کچن کے چولہے میں آگ بعد میں جلاتی ہے' دوسروں کے دلوں میں پہلے بھڑکاتی ہے۔ یہ ہر گھر کی کہانی ہے۔"

☼ ☼

فرح بخاری

روما کی برتھ ڈے پکچرز کمپیوٹر میں ڈالنے سے اتنا راستہ پھیلے گا ہلال کے سان و گمان میں بھی نہیں آسکتا تھا۔۔۔ اوپر سے بڑے ابا کی سخن طرازیاں۔۔۔ یعنی حد ہو گئی۔۔۔ سنا تو یہ تھا کہ ناخلف اولاد ماں باپ کو کہیں منہ دکھانے لائق نہیں چھوڑتی پر یہاں۔۔۔ ایک عدد باتمیز، سلجھے، ذمہ دار والد محترم (یہ اوصاف ان کی اصلیت جاننے سے پہلے کے ہیں) ایک انتہائی غیر متنازعہ بلکہ غیر اخلاقی بیان دینے کے بعد حد درجہ ڈھٹائی سے اپنے بیان پر اڑ کر بیٹھ گئے تھے۔ جس کی رو سے اب ان سب کو بڑے ابا کا رشتہ لے کر جانا تھا، رومانہ کی والدہ محترمہ کے لیے۔

"اب میں کیا منہ لے کر جاؤں گا روما کے سامنے۔" ہلال نے اپنے سرخ پڑتے چہرے پر رومال پھیرا۔

"محاورہ کچھ سوٹ تو نہیں کرتا میرے بھائی۔۔۔" عابس نے ایک مصنوعی آہ بھر کر ہلال کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"لیکن یہ بڑے ابا نے کچھ غلط عمر میں آکر پر پرزے نکالنا شروع نہیں کردیے۔" ہلال کا دل تو چاہا کہ سر پھوڑ دے اس بے موقع کی ہمدردی کرنے والے کا۔۔۔ لیکن مجبوری یہ تھی کہ عابس عبدالعلی صاحب مستقبل کے سالے صاحب ٹھہرے تھے، کڑوا گھونٹ چپ کرکے حلق سے اتارا اور نجانے کتنے کڑوے گھونٹ آگے بھی پینے تھے ان اباجی کی بدولت۔

"یار یہ بڑے ابا تو قسم خدا کی ہاتھ سے ہی نکل گئے ہیں۔" جازم نے سرگوشی کے انداز میں کہتے انہیں جوائن کرکے ثواب کمایا تو ہلال نے باقاعدہ سر کو ہاتھوں پر گرالیا۔

"بس ایک کام اچھا کیا تھا تم نے۔۔۔" جازی نے اسے شانوں سے تھام لیا۔

"جو روما کو اپنی بہن بنا لیا تھا۔۔۔ سوچو ورنہ ایسی آکورڈ سچویشن میں تمہاری تو لٹیا ہی ڈوب جاتی۔"

"میں تو ہمیشہ ہر حال میں اچھا ہی کرتا ہوں، اپنی خیر مناؤ۔" ہلال کو حساب برابر کرنے کا بالاخر ایک موقع مل ہی گیا۔

"روما کے سہانے سپنے تو تم سے جڑے ہیں۔"

"بے شک۔۔۔" جازی نے فوراً" حلف کے انداز میں ہاتھ بلند کیا۔

"اور اسے سہانے سپنوں کی سیج پر بھی مابدولت ہی بٹھائیں گے لیکن۔۔۔" اس نے قبل از وقت کا قہقہہ بلند کیا۔

"لیکن میں نے کبھی اس کے سامنے بڑے ابا کی عظمت کا نقشہ نہیں کھینچا تھا۔" وہ بدستور ہنس رہا تھا۔۔۔ آخر میں عابس کے ہاتھ پر تالی کے انداز میں ہاتھ بجایا تو ہلال سے مزید برداشت کرنا مشکل ہو گیا غصے سے کھولتا بھناتا کمرے میں جاکر بند ہو گیا۔ لیکن ان دو خبیثوں کے ہاتھی کی چنگاڑ جیسے قہقہوں سے پیچھا نہ چھڑا سکا۔

☼ ☼ ☼

ذرا سا فلیش بیک میں جائیں تو قصہ کچھ یوں ہے کہ

ایک دن محمد علی کاظمی صاحب جو عرصہ دراز سے خاندان بھر میں بڑے ابا کے نام سے پکارے جاتے ہیں اور بڑوں بچوں سبھی میں یکساں مقبول شخصیت ہیں.... حتیٰ کہ سگے دو بیٹے بھی اب اوروں کی دیکھا دیکھی انہیں بڑے ابا پکارنے لگے تھے.... حسب عادت محفل کی روح رواں بنے چائے کی چسکیاں لے رہے تھے کہ بختی مارے موبائل کا میموری کارڈ فل ہو گیا۔ مزید تصویروں کی گنجائش نہ پاتے ہوئے ہلال نے وہیں بیٹھے بیٹھے کارڈ کا ڈیٹا کمپیوٹر میں ڈالنا شروع کر دیا۔ عابس اور جازم تو خیر نہایت دلجمعی سے بڑے ابا کا آرمی نامہ سن رہے تھے.... بڑے ابا ریٹائرڈ کرنل تھے اور دو سال پہلے ہی ریٹائرمنٹ کے بعد مستقل بنیادوں پہ گھر واپس آ گئے تھے۔ حد درجہ اعلا ذوق کے حامل تھے۔ دھیمے نرم لہجے میں بولنا شروع کرتے تو ان کی شیریں بیانی کے سحر سے نکلنا مشکل ہو جاتا۔ ظاہرا" بھی زبردست پرسنالٹی کے حامل تھے.... صحت بھی قابل رشک پائی تھی فوجی تربیت کے اثرات سرتاپا دکھائی دیتے تھے۔

ساٹھ برس کی عمر میں بھی چست اور تندرست تھے نہ بڑھی ہوئی توند نہ چہرے پہ جھریاں.... ادبی ذوق بھی خوب پایا تھا۔ شاعری سے بے انتہا شغف رکھنے والے بڑے ابا نئی نسل کو روکھے پھیکے تو خیر کبھی بھی نہیں لگے تھے لیکن یہ "رنگین مزاجی" البتہ ایک دھماکا خیز انکشاف ہی ثابت ہوا تھا خیر تو ارسلہ بی بی نے کسی طرح خود کو باتوں کے سحر سے نکال کر کمپیوٹر کی گیلری کھول لی.... ہلال ڈیٹا ٹرانسفر کر کے اٹھا اور وہ مزے سے تصویریں دیکھنے لگی.... یہاں تک بھی سب کچھ ٹھیک جا رہا تھا.... روما کی برتھ ڈے کی تصویریں سامنے آئیں تو اس نے بے ہنگم نعرہ مار کر سب کو شرکت کی دعوت دی۔ کیونکہ محترمہ چاکلیٹ براؤن ڈریس میں معمول سے کچھ زیادہ ہی حسین لگ رہی تھیں.... ہلال نے اپنی آنکھیں سینکنے کے لیے کلوز اپ بھی ہر ہر اینگل سے لیے تھے.... عابس، جازم کے ساتھ ساتھ بڑے ابا بھی نزدیک کی عینک لگا کر عین کمپیوٹر ٹیبل کے سامنے تشریف فرما ہو گئے۔ اور خوب دھیان سے تصویریں دیکھنے میں مشغول ہو گئے۔ ہلال کو بھلا کیا اعتراض ہونا تھا کہ روما اب ان سب کی فیملی فرینڈ بن چکی تھی.... بلکہ ذاتی حیثیت میں اس کی منہ بولی بہن بھی.... ارسلہ کی البتہ وہ خود ساختہ دوست تھی.... اور اس خود ساختگی کی بیک پر جازم عبدالعلی کا ہاتھ تھا جنہیں ہلال کی منہ بولی بہن میں مستقبل کی نصف بہتر نظر آنے لگی تھی۔ جھٹ بہن کو دوستی کا ہاتھ بڑھانے کے لیے آگے کر دیا۔ اور سیدھی سادی بھولی بھالی روما.... اتنے بہت سارے "مخلص" دوست ایک ساتھ پا کر پھولے نہیں سما رہی تھی.... تبھی تین ماہ کی گاڑھی دوستی کے رزلٹ کے طور پر سب کو اپنی سالگرہ میں مدعو کر لیا۔

"میرا تو ایک بھی کلوز اپ نہیں لیا...." جازی نے منہ بنایا۔

"لو یہاں بھی میری بیک...."

"تو تم کیا برتھ ڈے گرل تھے؟" ارسلہ نے چمک کر جواب دیا۔

"گرل....؟" جازم تڑپ ہی اٹھا۔

"آئی مین بوائے.... بٹ۔" وہ بے چاری گڑبڑا گئی۔

روما کی ماما اور سسٹر تو آپس میں بہنیں لگتی ہیں۔ دیکھو شکلیں بھی ایک جیسی ہیں عابس نے خوامخواہ ٹانگ اڑائی ویسے نہ بھی اڑاتا تو کون سا بڑے ابا اگنور کر جاتے۔

"ذرا زوم کرو اس پکچر کو...." وہ آگے کو ہوئے۔

"یہ کون خاتون ہیں.... نام کیا ہے۔" جانے آواز کیوں کپکپا گئی تھی۔

"یہ روما کی امی ہیں.... سفینہ آنٹی۔"

"سس.... سس۔" بڑے ابا کی سوئی کچھ یوں اٹک گئی تھی.... گویا ٹیپ ریکارڈر میں کیسٹ اڑ گئی ہو۔

"جی، جی.... سفینہ نام ہے۔" ہلال کا دم گھٹنے لگا تھا ان کی سا رے گا ما سے۔

"کہاں ہوتی ہیں یہ۔۔۔ تم لوگوں سے کیسے تعارف ہوا ان کا۔" وہ ہنوز گڑبڑائے ہوئے سے تھے۔ ہلال کو تب تک بھی خطرے کی بو نہیں آپائی تھی۔

"جی۔۔۔ روما میری یونیورسٹی فیلو ہے۔۔۔ ہمارا ڈیپارٹمنٹ ایک ہے۔ ابھی چند ماہ پہلے ہی دوستی ہوئی ہے۔ بہت اچھی فیملی ہے بڑے ابا۔" ارسلہ نے آغاز سے بتانا شروع کیا۔

"جہلم سے ہی ہیں یہ لوگ بھی۔۔۔ لیکن کافی سال اسلام آباد گزار کر آئے ہیں۔ ان کے امی ابو شاید شادی کے بعد اسلام آباد سیٹ ہوگئے تھے لیکن ابو کی وفات کے بعد یہ لوگ جہلم واپس آگئے اور۔۔۔"

"تیمور مرگیا؟" ان کا منہ اور آنکھیں ایک ساتھ کھلیں جس پر بیک وقت تین سر ان کی طرف گھومے۔

"نہیں۔۔۔؟"

"مم' میرا مطلب ہے تیمور نظامی کی ڈیتھ ہوگئی۔۔۔ کب؟" انہوں نے مشکل سے خود کو سنبھالا۔

"آپ جانتے ہیں ان لوگوں کو۔۔۔؟" ہلال کو پہلی مرتبہ کسی انہونی کا احساس ہوا۔

"یہ محترمہ ہماری پرانی محلے دار ہیں۔۔۔ چینج نہیں ہوئیں ناں آج تک اس لیے پہچان لیا۔" جانے کیوں پر اس لمحے صفائی دیتے وہ جازی کو کالے چور جیسے لگے۔۔۔ پتا نہیں کیا چھپا رہے تھے اور کیا بتا۔۔۔؟

"کیا کرتی ہیں آج کل۔۔۔ بچے کتنے ہیں؟"

"پہلے تو کسی کالج میں پڑھاتی تھیں۔ جب اسلام آباد میں تھیں۔ اب واپس آئی ہیں تو گھر پر ہوتی ہیں۔ تین بیٹیاں ہیں' دو کی شادیاں ہو چکی ہیں۔ تیسری روما ہے جو ہمارے ساتھ پڑھتی ہے۔ ابو ان کے کوئی پانچ سال پہلے فوت ہوئے تھے۔" ارسلہ کو جتنا معلوم تھا سب گوش گزار کردیا۔

"کسی دن لے جانا مجھے بھی ان کے ہاں۔۔۔ بہت اچھا وقت گزرا تھا۔" وہ اب خود کو مکمل طور پر سنبھال چکے تھے۔ بکھرنے کا وقت البتہ باقیوں کا نزدیک آچکا تھا۔ جس کی سنگینی کا احساس انہیں چار روز بعد ہوا۔

اب بڑے ابا نے "مرد تا" تھوڑی کہا تھا جانے کے بارے میں' ان سب نے اگرچہ کچھ ایسا ہی سمجھا تھا۔۔۔ لیکن یہ سراسر ان کی بھول تھی باقی بیچ کے چار روز تو انہوں نے اپنی پالش پر صرف کرنے کو لیے تھے۔۔۔ ورنہ بعید نہیں تھا کہ کمپیوٹر کے سامنے سے اٹھتے ہی روما بٹیا کے دروازے کی بیل بجانے لگتے۔ ہلال' عابس اور جازی کو ان کی خاص الخاص تیاری بھی ان کے کریکٹر کے بارے میں مشکوک نہ کرسکی کہ پروقار شخصیت کا رعب ہی ایسا سر چڑھ کر بولتا تھا۔ پھر بھی ارسلہ کی چہ میگوئیوں سے کچھ کچھ کان کھڑے ضرور ہوئے۔ بڑے ابا نے پہلی مرتبہ بالوں کے ساتھ ساتھ مونچھیں بھی ڈائی کی تھیں' ان سب کو تو پہلی نظر میں عجیب سے ہی لگے' بہرحال وہ خود خاصے مطمئن انداز میں آئینہ دیکھ رہے تھے پرانا تھری پیس اسی شام صادق کے ہاتھ ڈرائی کلین کے لیے بھیج دیا۔ سامنے کے اوپر والے چار دانت چھوڑ کر داہنی طرف کا پانچواں دانت جو عرصہ دو سال سے داغ مفارقت دے گیا تھا' کی جدائی اچانک ہی کھلنے لگی اور اگلی صبح اپنے ڈینٹل سرجن سے اپائنٹمنٹ لے کر دو دنوں کے اندر اندر نیا

دانت فکس کرالیا۔

"رومابجی کو بتا دینا... آج شام ہم ان کے ہاں آ رہے ہیں۔"

"جی...؟" ہلال کو چار دن پہلے کا بیان یکسر بھول چکا تھا۔ یا پھر اس نے سیریس ہی نہیں لیا تھا... "ایویں ہی خوامخواہ۔" لیکن یہ تو اب اس کی غلطی تھی۔ شام کو بڑے ابا زبردستی ارسلہ' ہلال اور جازم کو گاڑی میں لاد کر خود ڈرائیو کرکے رومابجی کے گھر رواں دواں ہو گئے۔ عابس نے عین وقت پر معذرت کرکے انجانے میں خود کو بہت بڑی خفت سے بچالیا تھا۔

تیمور میاں کی تعزیت کو جانے والے بڑے ابا سسس ارے وہی بھئی سفینہ آنٹی کی "اتنی" جان پہچان والے نکلیں گے کسی نے تصور میں بھی نہیں سوچا تھا... شروع کے دس منٹ میں ہی جازی کے تیز دماغ نے جانچ لیا کہ "کتنا اچھا وقت" گزار چکے ہیں دونوں... پہلا جھٹکا تو سفینہ آنٹی کی سا' رے 'گا' ما پر لگا۔ بڑے ابا کو دیکھتے ہی 'ما' ما کی تکرار سے مراد در اصل محمد علی کہنا تھا۔ "ہمارے" محمد علی کی بھی زیبا ہو گی... واللہ کبھی سوچا نہیں تھا۔" چائے کی چسکیوں میں جازم نے ہلال کے کان میں پہلی سرگوشی کی۔

"نہیں' نہیں... غلط گمان مت کرو۔ بے تکلفی تو پرانی محلے داری کی وجہ سے ہو گی... جیسے ہم لوگ فری ہیں' عامر' کاشی اور علی وغیرہ سے..." ہلال نے کھسیا کر باپ کا دفاع کیا۔

"ہاں اور ناعمہ... ثمی اور ارم سے بھی..." جازم کے اضافے نے ہلال کے کانوں سے دھواں ہی تو نکال دیا تھا۔

"تو کیا ابا جی اپنے دور کے تیس مار خان بھی... نہیں' نہیں۔" سر جھٹک کر سامنے توجہ کی تو نظر سیدھے سفینہ آنٹی کی شرمیلی ہنسی میں اٹک گئی... شناسا مسکراہٹ میں قوس قزح کے سارے رنگ نظر آ رہے تھے... ہلال کو اختلاج سا ہونے لگا۔ سائنس نے اتنی ترقی کرلی کاش ایک آلہ ماضی میں جھانکنے والا بھی تیار کرلیں جس کی مدد سے ہم اس دور میں جا سکیں جہاں ہمارے بزرگوں کو' اپنے بزرگوں کی ڈانٹ پڑ رہی ہو... یا وہ رنگ رلیاں دکھائی دے جائیں جن سے ہمیں باز رکھنے کی نصیحتیں کی جاتی ہیں۔

لیکن ہلال محمد بے خبر تھے اس حقیقت سے کہ محترم بزرگوار تو ماضی کی باقیات سے حال میں ہی خوب خوب مستفید ہونے کا تہیہ کرکے بیٹھے ہیں۔

☼ ☼ ☼

کاظمی ہاؤس میں دو بھائی بمع اپنی فیملیز کے مقیم ہیں۔ بڑے محمد علی کاظمی اور چھوٹے عبدالعلی کاظمی... محمد علی گزشتہ سات برس سے زوجہ مرحومہ کی رحلت کے باعث رنڈوے ہیں اور دو عدد جوان بیٹوں کے باپ بھی... ان کے بڑے صاحبزادے خرم نے اپنی محنت کے بل پر لیدر گارمنٹس کا کاروبار شروع کیا اور کامیابی سے اسی کو چلا رہے ہیں... ایک سال پہلے انہیں رشتہ ازدواج میں بھی منسلک کردیا گیا۔ چھوٹے ہلال محمد یونیورسٹی میں جرنلزم کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ گھر کے ایک پورشن میں محمد علی یعنی بڑے ابا بیٹے خرم' ہلال اور بہو سجیلہ رہتے ہیں اور دوسرے پورشن میں عبدالعلی صاحب' اہلیہ رابعہ اور تین عدد بچے بالترتیب جازم' عابس اور ارسلہ رہتے ہیں۔

عبدالعلی صاحب کاروباری بندے ہیں... امپورٹ ایکسپورٹ کا اپنا بزنس ہے... عابس آئی ٹی کے اسٹوڈنٹ ہیں اور جازم وکالت کے شعبے میں کوئی نام کمانا چاہتے ہیں... اور ارسلہ صاحبہ نے تو ہمیشہ ہی ہر کام میں ہلال کو فالو کیا تھا... ہلال محمد یونیورسٹی میں جرنلزم کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور ارسلہ کو لگا کہ اس شوق کے جراثیم اس کے اندر بھی پائے جاتے ہیں۔ تو بنا رد و کد اپنا ایڈمیشن بھی کروالیا... اور وجہ اس انسپریشن کی یہ ہے کہ ہلال محمد عرصہ دراز سے ارسلہ بی بی کے دل پر براجمان ہونے کی وجہ سے ان کی نظر عنایت کے خاص نشانے پر ہیں۔ محترمہ بچپن سے صرف وہی کرتی آئی ہیں جو ہلال محمد نے کیا۔ چاہے ٹھیک یا غلط... پر ارسلہ بی بی کی عینک سے تو سب اچھا

کی ہی رپورٹ آتی ہے۔

رومانہ تیمور نے جب پہلے روز کسی کام کے سلسلے میں ہلال کو ہلال بھائی کہہ کر پکارا تو ہلال بھائی نے اس پر نگاہ غلط ڈالنے کو سراسر بے ہودگی تصور کرتے ہوئے جھٹ سے اپنی بہن تسلیم کرلیا' لیکن عین اسی روز جازی میاں ارسلہ سے ملنے جرنلزم ڈیپارٹمنٹ آ دھمکے اور روما پر پہلی نظر پڑتے ہی عشق کا تیر کھا بیٹھے۔ ارسلہ کی منت زاریاں کر کے اس سے دوستی پیدا کروائی اب کوشش تو تھی اپنا راستہ سیدھا کرنے کی لیکن یہاں کام بن گیا تایا جان یعنی بڑے ابا کا.....!

☼ ☼ ☼

"بھئی کچھ بھی کہو... ہمارے بڑے ابا ہیں گوناگوں شخصیت کے مالک۔" جازی نے کب کا بولا ہلال کا جملہ بڑے آرام سے خود اسی کے کان میں انڈیلا... جو اس نے کسی اور سے نہیں بلکہ روما سے ہی کہا تھا بڑے ابا کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ایک کرتے اب جن گوناں گوں خصوصیات کا تذکرہ ہلال اس دن کرنا چاہ رہا تھا ان میں "ایسا" کچھ تو ہرگز شامل نہیں تھا۔ پر یہ جازی تو گوناگوں کو دگرگوں کرنے کے درپے ہو گیا تھا۔

"لیکن غلط کہاں بولا..." عابس نے بھی مداخلت ضروری سمجھی۔

"پہلے نہیں بھی تھے تو آج ثابت ہو گئے... گوناگوں شخصیت کے مالک" چپکے سے بھائی کے ہاتھ پہ ہاتھ مار کر داد وصول کی....

پچھلے روز ہی بڑے ابا نے لائبریری میں چھوٹے بھائی عبدالعلی کے ساتھ نشست جمائی تھی جس کا دیسی گھی جیسا نچوڑ یہ تھا کہ وہ سفینہ تیمور جو اب دوبارہ سفینہ احمد بن چکی ہیں' سے بیاہ رچانا چاہتے ہیں۔ سفینہ احمد کو اپنی تینوں بیٹیوں کی حمایت حاصل ہے کیونکہ روما کی شادی کے بعد وہ اپنی ماں کو تنہائیوں کے حوالے نہیں کرنا چاہتیں۔

"سچ کہا ہے کسی نے کہ بیٹیاں ہی ایک ماں کی سچی

دوست ہوا کرتی ہیں۔اور بیٹے۔۔۔" عابس نے بڑے ابا کا لہجہ اپنایا۔

"ناہنجار اولاد بھی اللہ کسی کا نصیب نہ کرے۔۔۔ بندہ کسی کو منہ دکھانے جوگا بھی نہیں رہتا۔"

"دیکھو عابی تم۔۔۔" ہلال نے آنکھیں نکالیں اور مزید کچھ کہنے کا تہیہ کیا ہی تھا کہ جازی نے جملہ اچک لیا۔

"جملے کو تصحیح کی ضرورت ہے۔ کیونکہ یہاں باپ نہیں بلکہ اولاد کسی کو منہ دکھانے جوگی (لائق) نہیں رہی۔۔۔ الویں تم بے چارے ہلال۔۔۔" اور یہ لگا جو گر اس کی کمر پر۔۔۔ جازم ڈھٹائی سے ہنستے ہوئے پیٹھ مسلنے لگا۔

کوئی نہیں جانتا تھا کہ اسے روز آنٹی اور بڑے ابا کے درمیان نگاہوں کو تبادلے کے دوران نمبرز کی ادلا بدلی کب ہوئی لیکن یہ بات صاف تھی کہ دونوں رابطے میں تھے۔۔۔ اب اس خفت سے تو ہلال بچ گیا تھا کہ روما اس کے اور ابا کے متعلق کیا سوچے گی۔۔۔ کیونکہ تعریفوں کے جو پل کبھی اس نے باپ کی محبت سے چور ہو کر روما کے سامنے باندھے تھے ان کا اثر الٹا پڑ گیا اور روما نے اپنی دو بڑی بہنوں کو ماں کی دوسری شادی کے لیے بڑی خوب صورتی سے قائل کر کے ان کے اچھے مستقبل کی گارنٹی دے دی تھی۔

اور مسئلہ تو کھڑا ہو گیا تھا ہلال کے لیے۔۔۔ جو کسی صورت باپ کی دوسری شادی کے لیے اپنا ذہن بنانے کو تیار نہ تھا۔ اکھچو ٹیلی باپوں کو دوسری شادی بھی کرنی ہی نہیں چاہیے۔ خصوصاً" جب ان کا ایک بچہ شادی شدہ ہو اور ایک یونیورسٹی شدہ۔۔۔ اب وہ کیسے اپنے دوستوں اور خاندان والوں میں سر اٹھا کر جی پائے گا۔۔۔ آج کل ایسے ہی خیالات اس کے دماغ میں کیڑے کی طرح کلبلاتے رہتے تھے۔

"پھر ابا جی نے بھی تو حد کر دی۔۔۔ یعنی نہ تو صلاح مشورہ نہ اعتماد میں لینے کی کوئی کوشش۔۔۔ مطلب اولاد کی ویلیو ہی کوئی نہیں۔۔۔ اور یہ روما۔۔۔ سوچ کے دھارے نے اچانک پلٹی کھائی۔۔۔ آخر کیا سوچ کر ایک بیٹی اپنی ماں کی دوسری شادی کے خیال سے خوش ہو سکتی ہے۔" اس نے فی الفور روما کا نمبر ملایا۔۔۔ پہلی کوشش کان بھرنے اور سائیڈ ایفیکٹس بتانے کی تھی لیکن رومانی بی کی دردناک کہانی سن کر کچھ بھی الٹا سیدھا بولنے کی ہمت نہیں ہوئی۔۔۔ اور درد بھری کہانی کا لب لباب یہ تھا کہ والدہ محترمہ کو نہ تو اللہ نے کوئی بیٹا دیا نہ ہی بھائی۔۔۔ تین بیٹیوں کو بیاہ کر وہ بھائیوں کے گھر بھی نہیں جا سکتیں۔۔۔ رہ گئے سسرال والے۔۔۔ تو وہ انتہائی خود غرض نکلے تھے۔ تیمور میاں کے آنکھیں بند کرتے ہی اپنی آنکھیں پھیر گئے۔۔۔ دامادوں کے ہاں امی حضور خود رہنا نہیں چاہتیں اور اکیلے انہیں بیٹیاں رہنے نہیں دیتیں۔۔۔ وغیرہ وغیرہ اور دردناک کہانی کے اختتام پر ہلال کو قائل کرنے کے لیے روما کے پاس ایک فصیح و بلیغ تقریر بھی ریڈی تھی۔

جسے ہلال نے درمیان میں ہی منقطع کر دیا۔۔۔ کیونکہ اپنی برین واشنگ کی بھیانک تصویر اس کی نگاہوں میں گھوم گئی اور وہ قطعاً" کسی قیمت پر کنوینس نہیں ہونا چاہتا تھا۔

"بڑے ابا آج آری نامہ کی جگہ محبت نامہ سنانے جا رہے ہیں حاضرین سے درخواست کی جاتی ہے کہ مونگ پھلی چلغوزے' چاکلیٹ' پستہ غرض جو بھی دل بستگی کا سامان ہاتھ لگے لے کر ٹی وی لاؤنج میں آجائیں۔" عابس نے با آواز بلند اعلان کیا اور ہلال کی آنکھوں سے سچ مچ آنسو بہہ نکلا۔ یہ بڑے ابا شرمندہ کروانے کا ایک بھی موقع گنوانا نہیں چاہتے۔ کیوں۔۔۔ آخر کیوں؟ اس نے اپنی اسپائیک نوچی۔

☼ ☼ ☼

"تقدیر کے کھیل بھی نرالے ہیں بھیا۔" بڑے ابا لبوں پر میٹھی مسکان سجائے خشک میوے سے انصاف کرتے آج آری نامے سے ایک چھوٹو پیچھے کی داستان پہلی مرتبہ گوش گزار کرنے کے موڈ میں خوب سکون سے چوکڑی مار کر بیٹھے تھے بقول جازم کہ جسے سنانا اب ناگزیر ہو گیا تھا ورنہ ہوش سنبھالنے سے آج

تک تو صرف فوج کے قصوں پر ٹرخاتے آئے تھے۔
"مجھے فوج میں بھرتی ہوئے تین سال کا عرصہ ہو چکا تھا۔ اور سال میں ایک یا دو بار چھٹی کے موقع پر ہی گھر آنا ہوتا تھا۔ ان دنوں میں پورے بیس دنوں کی چھٹی پر آیا ہوا تھا۔ اماں جی سے پتا چلا کہ سامنے والے گھر میں نئے لوگ آئے ہیں۔ اماں سے ان لوگوں کی کافی گہری دوستی لگ رہی تھی۔ کیونکہ اگلی شام ہی انہوں نے میری آمد کی خوشی میں دعوت رکھ دی۔ میں نے سفینہ کو پہلی مرتبہ وہیں دیکھا وہ ان دنوں میٹرک کی اسٹوڈنٹ تھی۔ مجھے تو وہ اول روز ہی بھا گئی تھی اور آنکھوں ہی آنکھوں میں اپنی پسندیدگی کا اظہار بھی میں نے وہیں پر کر دیا لیکن اس کا جواب سمجھنے سے البتہ قاصر رہا تبھی اگلے روز ہی خط لکھ کر دیوان درد میں ڈال کر عبدالعلی کے ہاتھ سفینہ کو بھجوا دیا۔ اور جواب یوں مانگا کہ اگر اقرار ہے تو شام کو کچھ میٹھا پکا کر ہمارے گھر آنا ہوگا اور اگر انکار ہے تو پورے تین دن وہ ہمارے گھر نہیں آئے گی۔"
"واؤ انٹرسٹنگ..." جازی نے تکیہ گود میں جما کر تھوبڑا ہاتھ کے پیالے میں لیا۔
"پر وہ نہیں آئی..." بڑے ابا نے ڈھیلا سانس خارج کیا۔
"ہائیں... تو پھر آپ کو دیکھ کر وہ شرما کیوں رہی تھیں اس روز۔" جازی کے پیٹ میں کچھ زیادہ جلدی درد اٹھا۔ ہلال کے ساتھ ساتھ بڑے ابا نے بھی خوب گھور کر اسے دیکھا۔
تو ڈھول کا پول پہلے دن ہی کھل گیا تھا۔
"ارے بھائی آگے تو سنو... ہوائی جہاز سے ریس لگائی ہے کیا؟ میں نے لکھا تھا انکار کی صورت میں تین دن تک سامنے نہ آنا... اور وہ تو بس دو ہی روز میں ہار مان گئی۔ تو جناب تیسری شام جب مایوسی مکمل میرے اعصاب پر غلبہ پا چکی تھی' وہ گاجر کا حلوہ لیے خراماں خراماں ہمارے گھر میں داخل ہوئی۔"
"گاجر کا حلوہ بنانے میں تین دن لگ گئے۔" ارسلہ کا بھونڈا سوال خاصی سنجیدگی لیے ہوئے تھا پر ابا جی خوب محظوظ ہوئے۔
"آپ تو بڑے چالاک نکلے بڑے ابا... یعنی اس دور میں بھی اتنا سمجھتے تھے کہ لڑکیاں پہلی مرتبہ میں اظہار نہیں کیا کرتیں اکٹھے تین دن دے دیے سوچنے کے لیے۔" عالی کو بڑا مزا آ رہا تھا۔
"ارے میرا دور تو بہت اچھی کی بات ہے۔ یہ ٹرک تو میرا خیال ہے شہزادہ سلیم' مجنوں' رانجھا' فرہاد بھی اچھی طرح جانتے ہوں گے..." وہ تو خوب باغ و بہار بنے بیٹھے تھے۔
"پھر کیا ہوا بڑے ابا...؟" چپکے سے جازی کو آنکھ مار کر عالی سب مزید آگے ہوا۔
"بس پھر ان اٹھارہ بیس دنوں میں تو عبدالعلی کے ذریعے خط و کتابت چلی' اور میرے واپس جاتے ہی باقی ڈاک کا سلسلہ شروع ہوا لیکن وہ بھی یک طرفہ... کیونکہ میری طرف سے تو اسے کھلی اجازت تھی کہ ہاسٹل کے پتے پر خط ارسال کر دیا کرے لیکن میں اسے خط کا جواب نہیں بھیج سکتا تھا۔ نہ اس کے گھر کے پتے پر نہ اپنے... تو ہوتا یوں کہ میں اس کے ہر خط کا جواب لکھ کر اپنے پاس رکھ لیتا اور جب بھی گھر جانا ہوتا یا علی مجھ سے ملنے آتا میں اکٹھا پلندہ بھیج دیتا۔"
"خط و کتابت کی آپ کی لائف میں کافی اہمیت رہی ہے۔ ہے ناں بڑے ابا؟" ارسلہ مسکرائی۔
"صرف ہماری نہیں... خط و کتابت کی اس دور میں شاید ہر کسی کی زندگی میں بہت زیادہ اہمیت تھی۔ ڈاکیہ کو دروازے پر پا کے ایک عجیب خوش کن احساس جاگتا تھا... ہمیں تو خیر اس قدر عادت ہو گئی تھی خطوں میں بات کرنے کی کہ چھٹی پر گھر آیا ہوتا تب بھی بہت کچھ لکھ کر ایک دوسرے سے کہتے... ملنے پر بھی زیادہ تر خطوط کا تبادلہ ہوتا۔"
"آپ لوگ ملتے بھی تھے...؟" عالی نے ملنے پر خصوصی زور دیا۔
"ارے کیوں نہیں بھئی..."
"پلیز بڑے ابا... آ۔ آپ کو اب آرام کرنا چاہیے۔" ہلال نے ممنی سی آواز نکال کر احتجاج نما

مداخلت کی۔

"لگتا ہے بیٹا جی ناراض ہیں ہم سے۔" بڑے ابا مسکرائے۔

"یہاں آؤ۔" اتنی محبت سے انہوں نے بلایا کہ وہ انکار نہ کرسکا۔

"کیا بات ہے ہلال... کیوں چپ چپ ہو؟" انہوں نے جس ولار سے استفسار کیا ہلال کو لگا ان سے بات منوانے کا اس سے بہتر موقع پھر نہیں ملے گا لیکن کاش ہوش کے ناخن لینے کی بھی تھوڑی مہلت مل جاتی تو وہ کوئی مناسب جملہ ترتیب دے لیتا اور اپنے حساب سے تو جو جملہ اس نے عجلت میں پھینکا وہ بھی سونے میں تولنے لائق تھا لیکن یہ جازی... لعنت ہے ایسے آستین کے سانپوں پر۔

"بولو ناں بیٹا... کیوں اداس ہے میرا پرنس۔" انہوں نے پیار سے ہلال کو اپنے ساتھ لگایا تو حقیقتاً اس کی پلکیں بھیگ گئیں اور جذباتی لبوں سے بے ساختہ پھسلا۔

"امی کی بہت یاد آتی ہے ابا جی..." ماضی کے ہنڈولوں میں سفینہ کے سنگ جھولتے بڑے ابا کو حال میں لانا ہلال کے نزدیک اس وقت سب سے زیادہ ضروری تھا۔ لیکن وائے قسمت کہ امی جان سے متعلقہ حال بھی اب تو ماضی بعید بن چکا تھا۔ جازی نے فوراً اس کے کندھے تھامے اور لہجے میں رقت پیدا کر کے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"وہ تمہارے باپ ہیں ہلال... تمہاری تکلیف تمہارے بتانے سے پہلے ہی سمجھ گئے تھے اسی لیے تو..." اس نے شانوں پر دباؤ بڑھایا۔

"اسی لیے تو آج یہ سب کرنے پر مجبور ہوئے ہیں۔ ورنہ دیکھو ان کی طرف... سات سالوں سے تنہائی کی آگ میں جل جل..."

"زیادہ ہو گیا..." ہلال غصے سے ہاتھ جھٹک کر پیر پٹختے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

"بچہ ہے بڑے ابا... ہم سمجھالیں گے۔ جی تو پھر کیا ہوا۔ کیوں آپ دونوں کی راہیں جدا ہو گئیں۔ سب کچھ کیسے رومانوی انداز میں آگے بڑھ رہا تھا۔" جازی نے تاسف سے عابس اور ارسلہ کی طرف دیکھا... عابس تو خیر ہنوز رومانونیت کے اثر میں دکھائی دیا لیکن یہ ارسلہ... پگلی کی نگاہیں اب بند دروازے کے پار کچھ کھوج رہی تھیں۔

"بس یار نصیب کی باتیں ہیں..." بڑے ابا دھکا ملنے پر پھر اسٹارٹ ہو گئے۔

"تین سالوں تک تو معاملات ایسے ہی چلتے رہے... پھر ایک دن سفینہ کے خط سے پتا چلا کہ گھر والے اس کا رشتہ طے کر رہے ہیں۔ میں نے فوراً عبدالعلی کو خط لکھا کہ وہ جلد از جلد اماں کو سفینہ کا رشتہ لے کر بھیجے... اماں بے چاری تو جھٹ سے تیار ہو گئیں' ابا کو بھی کوئی اعتراض نہیں تھا۔ لیکن بس قسمت ہی ناراض تھی۔ سفینہ کے والد نے بتایا کہ وہ لوگ خاندان سے باہر لڑکیوں کو بیاہنے کے قائل نہیں ہیں۔ اور اس وقت بھی خاندان کے اندر تین رشتے اس کے لیے موجود ہیں لہٰذا وہ محمد علی کے لیے کسی قیمت پر حامی نہیں بھر سکتے۔ بس پھر مجبوراً پیچھے ہٹنا پڑا۔ اب پڑھی لکھی سلجھی ہوئی فیملیز سے تعلق تھا دونوں کا' کسی قسم کی باغیانہ سوچ دل و دماغ کو چھو کر بھی نہیں گزری... سفینہ احمد چھ ماہ کے اندر اندر مسز تیمور بن کر محلے کو بے رونق کر گئیں اور میں بطور آرمی آفیسر اپنے فرائض انجام دینے لگا۔"

"پر حیرت ہے بڑے ابا... آپ نے اتنے برسوں بعد بھی انہیں جھٹ سے پہچان لیا۔"

"ایسی بات نہیں ہے۔ بڑے ابا نے ٹانگیں سیدھی کر کے تکیے سے ٹیک لگائی "بھلے یہ شادی دادی کا معاملہ تیس' بتیس سال پرانا ہے' لیکن آخری مرتبہ ہماری ملاقات کچھ پندرہ سال پہلے ہوئی تھی۔ پرانے محلے کے بریگیڈیئر صاحب کے بیٹے کی شادی تھی تیمور میاں بھی ساتھ تھے اور شاید بچیاں بھی۔"

"عجیب بات ہے ناں بڑے ابا... آپ نے تو کبھی سوچا بھی نہیں ہو گا کہ زندگی کے ایسے موڑ پر تقدیر آپ کو ملانے کے اسباب پیدا کر دے گی۔" عابس تو

پوری طرح اس فیری ٹیل کا حصہ بن گیا تھا۔
"ہاں بس دعا کرو' سب کچھ اچھی طرح سیٹ ہو جائے۔ سفینہ کے ایک داماد ہیں جو ذرا ہضم نہیں کرپا رہے اس معاملے کو۔"
"ہائیں۔۔۔" ہلال کی امید کے بجھتے دیے میں جیسے کسی نے تیل ڈال دیا ہو۔۔۔ کمرے میں بیٹھے بھی اس کے کان کھڑکی سے آنے والی آوازوں پر لگے تھے۔
"چلو کوئی تو اپنا ہمنوا نکلا۔۔۔" اس کی آنکھوں کی جوت چمکنے لگی اور "ہمنوا" سے اچانک اسے خرم بھائی کا خیال آیا۔ "عجیب بے حس آدمی ہیں۔ یعنی کسی معاملے سے کچھ لینا دینا ہی نہیں۔۔۔ آخر سوچ کر کیا بیٹھے ہیں۔" وہ شام کو کھانے کے بعد ہی ان کے کمرے میں چلا آیا۔
"استغفراللہ۔۔۔" ہلال پہلے منظر پر ہی بلبلا اٹھا۔
"آپ۔۔۔ آپ جی ٹی اے کھیل رہے ہیں۔۔۔؟" خرم آس پاس سے بے نیاز ایک لمبے تڑنگے آدمی کو دبئی کی سڑکوں پر بھگا بھگا کر ذلیل کر رہے تھے۔
"سمجھ نہیں آتی ایک عاقل' بالغ' باہوش و حواس آدمی جی ٹی اے جیسی بے ہودہ گیم کیسے کھیل سکتا ہے۔" اس نے بادل ناخواستہ کرسی گھسیٹ کران کے پاس نکالی۔
"جیسے کچھ ذہین' ہوشیار' سمجھ دار لوگ کینڈی کرش کھیلتے ہیں۔ وہ بھی باتھ روم میں۔" خرم نے ذرا کی ذرا ابرو اٹھا کر اسے دیکھا تو وہ مزید بدمزہ ہوا۔
"چھوڑیں یہ گیمز ویمز۔۔۔ بہت ضروری بات کرنی ہے آپ سے۔"
"اباجی کے بارے میں بات کرنی ہے؟" خرم کا سکون قابل دید تھا۔
"ہاں۔۔۔ ہاں وہی۔۔۔ لیکن۔۔۔" ہلال مزید گڑبڑایا۔
"ارے بھیا بند کریں ناں گیم۔۔۔ آپ کو کچھ فکر ہے کہ نہیں۔ بڑے ابا اتنا بڑا فیصلہ کر کے بیٹھ گئے۔۔۔ کیا منہ دکھائیں گے ہم دنیا والوں کو۔۔۔ اور آپ۔۔۔ آپ کی سچویشن تو اور بھی آکورڈ ہے۔۔۔ کیا کہیں گے آپ کے سسرال والے۔"

"اباجی سے میری بات ہو چکی ہے۔ میرے تمہارے منہ دکھانے سے انہیں کچھ سروکار نہیں ان کے حساب سے یہ ایک بالکل جائز شرعی اور مناسب فیصلہ ہے۔"
"ٹھیک ہی تو ہے ناں۔۔۔" سجیلہ بھابھی ہاتھ پر کچھ دھلے کپڑے اٹھائے ابھی وقت اندر داخل ہوئیں۔
"اگر وہ اپنی زندگی میں ایک خلا ایک کمی سی محسوس کرتے ہیں تو انہیں پورا حق ہے کہ وہ اپنی مرضی کی زندگی جئیں' پتا نہیں کس قسم کی اولاد ہو تم لوگ چاہیے تو یہ تھا کہ آگے بڑھ کران کے فیصلے کا خیر مقدم کرتے راہ میں آنے والی ساری مشکلات کو خود دور کرتے۔۔۔ لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بہت سیلفش ہو تم دونوں۔۔۔ بھئی زندگی میں ہر رشتے کی اپنی ایک جگہ اور اہمیت ہوتی ہے۔۔۔ اولاد کی محبت لاکھ ہر رشتے پر بھاری سہی' پر بیوی جیسی دوست اور غمگسار کا متبادل نہیں ہو سکتی۔۔۔ وہ اگر اس حوالے سے اپنی لائف کو ادھورا اور نامکمل محسوس کرتے ہیں تو۔۔۔"
"حیرت ہے بھابھی۔۔۔ آپ کو بھی کوئی پروا نہیں کہ لوگ کیا کہیں گے' آپ کے گھر والے کیا سوچیں گے۔۔۔ شادی شدہ بیٹے کے ہوتے خود شادی کرنا۔" ہلال قطعاً "موم نہیں ہوا۔
"لو۔۔۔ تم شادی شدہ کی بات کرتے ہو۔۔۔" خرم نے مضحکہ اڑایا۔
"بڑے ابا عنقریب دادا ابا بننے والے ہیں اور یہ بے وقوف کہتی ہے کوئی مسئلہ نہیں۔" خرم نے اب کے کھل کر اپنی مخالفت کا اظہار کیا لیکن ہلال کے لیے اس سے بڑی خوشخبری ایک اور تھی۔
"سچ کہہ رہے ہو بھیا۔۔۔ میں چاچو بننے والا ہوں۔" وہ باقاعدہ اچھل کر کھڑا ہو گیا تو سجیلہ نے شرما کر منہ الماری میں دے دیا۔
"پھر تو سمجھیں ہمیں دو' دو خوشیاں ملنے والی ہیں۔۔۔ آپ کو نہیں پتا بھیا آپ نے انجانے میں کیا نوید سنادی۔ جیو میرے لال۔۔۔ میرے چھوٹے سے شیر۔۔۔

میرے ترپ کے پتے۔" ہلال پاگلوں بلکہ بندروں کے انداز میں اچھلتا کودتا دروازے کی طرف بڑھا اور خرم نے سعیلہ کو دیکھ کر کندھے اچکائے۔
"بائی دا وے۔ کب آئے گا ننھا مجاہد اس دنیا میں ...؟" وہ جاتے جاتے پلٹا۔
"آں ... "خرم نے سر کھجایا۔ "شاید پانچ ماہ بعد ... ہے ناں؟" اس نے سعیلہ سے تائید چاہی تو اس نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا۔
"گڈ ... "وہ تھمبز اپ کرتا باہر نکل گیا۔

☼ ☼ ☼

ہلال کے شیطانی دماغ نے دلیل تو ایک بھی قبول نہ کی تھی۔ راستہ ضرور تلاش کر لیا تھا بڑے ابا کو شادی سے باز رکھنے کا۔ بڑے ابا اگر یہ جان لیتے کہ عنقریب وہ دادا بننے والے ہیں تو یقیناً "سدھ بدھ کھو بیٹھتے ... وجہ یہ تھی کہ قریب چھ ماہ پہلے ان کے ریٹائرڈ کرنل دوست سعید اللہ صاحب نے بھی دوسرا بیاہ رچایا تھا ... پانچ دوستوں کے گروپ میں سے صرف محمد علی صاحب تھے جنہوں نے سب سے زیادہ اس عمل پر تھو تھو کی تھی۔ سارے دوست اس رات بڑے ابا کے ہاں مدعو تھے۔ سعید اللہ صاحب بھی برسوں سے رنڈوے تھے بلکہ پوتوں، نواسوں والے بھی تھے۔ ان کے اقدام شادی پر باقی تین دوستوں نے یا تو ہاں میں ہاں ملائی یا خاموش رہے ... لیکن سب سے زیادہ بڑبولے بنے تھے محمد علی صاحب ... اتفاق سے سارا قصہ ہلال محمد کا آنکھوں دیکھا تھا۔ دعوت کا سامان رابعہ چچی سے لے کر وہی ڈرائنگ روم میں سرو کر رہا تھا ... اور بڑے ابا ... واہ کیا لمبی لمبی چھوڑ رہے تھے۔
"میں نے سات سال بیگم کی جدائی میں گزار دیے ... اولاد کی خوشی کو ہر چیز پر مقدم سمجھا ... اپنی شادی کی عمر میں بیٹے کی ذمہ داری سے سبکدوش ہوا ... اب قسمت میں اتنا ہی ساتھ لکھا تھا بیگم صاحبہ کا ... تو بس صبر کر لیا ... کہ ہر چیز وقت پر ہی اچھی لگتی ہے ... اب اس عمر میں سہرا سجاتا کیا خاک بندہ اچھا لگتا ہے۔ اب تو پوتے پوتیوں کو کھلانے کی عمر ہے ... "وغیرہ وغیرہ ... غرض جو جی میں آ رہا تھا وہ بلا روک ٹوک بولے جا رہے تھے بنا یہ دیکھے کہ متاثرہ کرنل صاحب اور باقی کے تین افراد کس درجہ امپریس ہو رہے ہیں۔ امپریس منٹ تو خیر ہلال کو بھی خوب ہوئی تھی اس روز ... لیکن آج ... اس نے خیالوں میں اپنا کندھا تھپکا۔
"کیا دماغ پایا ہے ہلال محمد ... اب بڑے ابا کہاں جائیں گے بچ کر۔"
اگلے روز صبح ہی صبح وہ ٹیرس پہ آیا تو بڑے ابا وہاں پہلے سے موجود تھے اور دھوپ سینکنے کے ساتھ ساتھ اخبار کا مطالعہ فرما رہے تھے۔
"بڑے جلدی جاگ گئے آج تو؟" انہوں نے خوشدلی سے کہہ کر اخبار لپیٹا جبکہ ہلال نے اپنی زہریلی ہنسی کو بمشکل شہد آگیں بنایا۔
"خوشی سے مجھے تو نیند ہی نہیں آئی۔" پہلا جوابی فائر۔
"خوشی ...؟" محمد علی صاحب خوامخواہ چونک گئے۔ کچھ اور سوچ کر۔
"گھر میں اتنی بڑی خوشی آنے والی ہے۔ میری تو ابھی سے نیند اڑ گئی۔"
"ہیں ... سچ؟" ان کا سیکنڈز میں سیروں خون بڑھا۔ "تو تم خوش ہو بیٹا ... "جذب سے ان کا لہجہ ڈبڈبا سا گیا۔
"جی بڑے ابا ... خوش کیوں نہ ہوں ... آخر کو میں چاچو اور آپ دادا بننے والے ہیں۔" ہلال نے خباثت کے سارے ریکارڈ توڑتے ہوئے اطلاع بہم پہنچائی۔
"یعنی ...؟" جو سمجھ میں آیا اس سے سچ مچ آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔
"جی بڑے ابا ... ہمارے گھر پہلی خوشی آنے والی ہے۔ بھابھی ماں بننے والی ہیں۔"
"یہ تم سے کس نے کہا ... اور کب؟" ان کی آنکھوں کے آگے تاروں کی جگہ بہت سارے لوگ ناچ گئے، جو گول گول دائرے میں گھوم کر ان کا منہ چڑا رہے تھے۔ سرفہرست دوستوں کا گروپ تھا۔

"رات ہی بھیا نے خوشخبری۔۔۔"

"ابے یہ کیا مذاق ہے۔" انہوں نے اخبار میز پہ پھینکا۔

"حد ہو گئی۔۔۔ یعنی یہ بھی کوئی موقع ہے ایسی خبر سنانے کا۔۔۔ کہاں ہے خرم۔" وہ باقاعدہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ جیسے خرم نے کوئی غلط ڈیل سائن کرلی ہو اور ان کے بروقت پہنچنے پر جسے کینسل کیا جاسکتا ہو۔

"ارے آہستہ ابا جی۔۔۔ اس عمر میں کوئی دوڑ کر سیڑھیاں اترتا ہے۔۔۔" اب پتا نہیں جملہ بے ساختہ ہلال کے منہ سے پھسلا تھا یا یہ بھی خباثت کی کوئی کڑی تھی۔ بڑے ابا بیچ سیڑھیوں میں رک کر اسے گھورنے لگے۔

"مم۔۔۔ میرا مطلب ہے۔ بھاگنے سے کیا حاصل جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا۔ مطلب ہونے والا ہے۔ چند ماہ بعد۔"

"چند ماہ سے کیا مراد۔۔۔؟" انہوں نے تیوری چڑھا کر تفتیش کی۔

"پانچ ماہ۔"

"ہوں۔۔۔" انہوں نے آنکھیں گھما کر حساب لگایا۔ "میں آج ہی سفینہ سے بات کرتا ہوں۔ شادی اب تین ماہ بعد ہو گی۔ خوامخواہ چھ مہینے مانگ لیے۔ فلاں داماد یہ کہتا ہے۔ ڈھمکاں وہ کہتا ہے اور اب تو نئے سال میں بھی تین ماہ رہتے ہیں۔ اس کار خیر کے لیے یکم جنوری بہترین دن ہے۔" وہ اب دھیمے قدموں سے اپنے کمرے میں داخل ہو گئے تھے۔

"لیکن بڑے ابا۔۔۔ بات یہ تھوڑی ہے۔" ہلال نے پیچھا نہیں چھوڑا۔

"بات تو یہ ہے کہ آپ عنقریب دادا بننے والے ہیں۔ اب دو ماہ پہلے شادی کریں یا بعد میں لوگ تو انگلیاں اٹھائیں گے میرا مطلب ہے اس عمر میں شادی ذرا سوچ سمجھ کر کرنی چاہیے۔۔۔ دیکھا نہیں بے چارے عمران خان کے ساتھ کیا ہوا۔"

"ارے میں بہت چھوٹا ہوں اس سے۔"

"چھوٹے ہیں؟ ہلال نے آنکھیں نکالیں۔" پھر تو اور بھی محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ آپ کا تجربہ تو پھر اس سے بھی کم ہوا اور۔۔۔" بات ہلال کے منہ میں ہی رہ گئی اور بڑے ابا کچھ غضبناک قسم کی کھوجتی نگاہوں سے اسے گھورنے لگے۔

"خوب سمجھ رہا ہوں، تمہارے چاچا بننے کی خواہش۔۔۔ یاد رکھو میاں۔۔۔" انہوں نے وارن کرنے کے انداز میں انگلی اٹھائی۔ "اگر تم نے اس شادی کے آڑے آنے کی کوشش کی تو بہت ساری چیزوں سے محروم ہونا پڑے گا۔۔۔ یونیورسٹی آنے جانے کے لیے گاڑی بھی کسی اور سے مانگنا اور وہ سولہ میگا پکسل کے موبائل کا خواب بھی چھوڑ دو۔ ماہانہ جیب خرچ بھی ضبط سمجھو۔"

"تت۔۔۔ تو آپ دلا رہے تھے مجھے گاڑی، موبائل؟" ہلال کی آنکھیں حیرت سے کانوں تک پھیل گئیں۔۔۔ مکھی چوس ابا کے منہ سے اپنی بھولی بسری فرمائشیں سن کر اس پر شادی مرگ کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ بیچ میں بڑے ابا۔ اس کے بھی باپ تھے۔

"تو اب۔۔۔؟" ہلال کے دماغ میں ٹام اینڈ جیری والا سوچ کا بادل ابھرا۔۔۔ جس میں گاڑی + موبائل = قربانی درج تھا (قربانی ان جذبات کی جو باپ کی محبت میں چور ایک پوزیسیو بچے کی ہو سکتی ہیں۔ بلکہ تھیں) کیونکہ باپ کے لیے تنگ دلی کے جذبات کو ترک کرنا قدرے آسان ثابت ہوا تھا۔

"لیکن نہیں۔۔۔" اس نے ایک چور نگاہ بڑے ابا پر ڈالتے ہوئے کچھ دیر سوچا فوری سرنڈر حالات کو ایک بار پھر اس کے خلاف کر سکتا تھا۔۔۔ اب اتنی بلیک میلنگ تو اس کا حق بنتی تھی۔۔۔ آخر بڑے ابا کی صدیوں پرانی خواہش پوری ہو رہی تھی۔ (مبالغہ آرائی نہیں ہے۔ کیونکہ محبوب کی جدائی کا تو ایک ایک پل صدی کے برابر ہوتا ہے۔ اس حساب سے تیس بتیس سالوں کے ایک ایک پل؟؟؟)

"تو ٹھیک ہے۔۔۔" ہلال نے معصوف انداز میں گھڑی دیکھتے ہوئے بنیا گیری کا آغاز کیا "پہلے آپ گاڑی اور موبائل دلائیں میں آپ کی راہ کے سارے

روڑے ہٹادوں گا۔"

"روڑے..." بڑے ابا نے مصالحت آمیز انداز میں دوہرایا کیونکہ بڑے بڑے دو روڑے تو سامنے راہ میں پڑے دکھائی دے رہے تھے۔

"پر تم اس معاملے میں میری کیا مدد کرسکتے ہو۔ میرے حساب سے تو سب کچھ آسانی سے حل ہو جائے گا۔" وہ اب جھولتی نشست سنبھال کر لبوں پہ انگلی بجارہے تھے۔

"یہ آپ کو لگتا ہے پیارے ابا جی...." وہ سرگوشی سے کہتا ان کے پہلو میں آیا۔ پچھلے دنوں روما سے ہونے والی گفتگو کو اپنے مفاد میں استعمال کرنے کا وقت آگیا تھا۔

"چھ ماہ کی مہلت مانگنا تو ایک سازش ہے آنٹی کے داماد کی...."

"اچھا..." بڑے ابا کا نازک دل دھک سے رہ گیا۔ "کیسی سازش۔"

"دیکھیں...." ہلال نے سمجھانے کے انداز میں انگلی پہ گنا۔ "آپ کی راہ کے دو روڑے ہیں۔ پہلا آنٹی کا داماد جو رشتہ ہونے میں آنا کانی کر رہا ہے... ٹھیک؟" ہلال نے تائید طلب کی تو بڑے ابا نے کسی معمول کی طرح سرہلایا۔

"ٹھیک۔"

"اور دوسرا ہے آپ کا آنے والا ننھا پوتا یا پوتی.... جس کی دنیا میں آمد سے پہلے پہلے آپ کا سہرا باندھنا۔"

"سہرا نہیں باندھوں گا گدھے کی اولاد.... سادگی سے چار بندوں کی موجودگی میں نکاح ہو گا۔" وہ بے چارے تڑپ اٹھے۔

"جی، جی۔ وہی لیکن یہ سب دادا بننے سے پہلے انجام پانا ضروری ہے۔ ورنہ سعید انکل سے تو آپ کی دوستی خطرے میں پڑے گی ہی.... پانچ رکنی کمیٹی (دوستوں کا گروپ) بھی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو سکتی ہے۔"

"یہ تمہیں کیسے پتا؟" محمد علی صاحب نے مشکوک انداز میں استفسار کیا۔

"وہ سب چھوڑیں... اور یہ بتائیں، ان دو مسائل سے نمٹنا اس وقت کا سب سے اہم ٹاسک ہے یا نہیں۔"

"مان لیا..." بڑے ابا کچھ کچھ رام ہوئے۔ "لیکن تم کچھ بتا رہے تھے وہ داماد کی سازش۔"

"جی جی بالکل.... میں آپ کو سفینہ آنٹی کے داماد کاشف کی سازش کے بارے میں بتا رہا تھا۔ اور اصل مسئلہ بھی یہی ہے اس وقت کا.... دراصل کاشف نہیں چاہتا کہ اس کی ساس صاحبہ اس عمر میں بیاہ رچائے۔ تو اس نے چھ ماہ کے اندر اندر روما کے لیے ایک گھر داماد ڈھونڈ کر آنٹی کے تنہائی والا مسئلہ، ہمیشہ کے لیے جڑ سے اکھاڑنے کا پلان بنایا ہے۔"

"ہیں....؟" بڑے ابا نے زرد پڑتا چہرہ پوری تشویش سے ہلال کی طرف پھیرا۔ "اب یہ تمہیں کیسے پتا؟"

"بات تو بالکل صاف ہے ابا جی.... اس داماد میاں کو یونیورسٹی پڑھتی سالی آج تک تو کبھی دکھائی نہیں دی تھی... عین آنٹی اور آپ کی شادی کی بات چلتے ہی روما کی فکر ستانا.... ویسے روما بھی مجھے صاف صاف بتا چکی ہے کہ اس کے بہنوئی کے ارادے کیا ہیں۔"

"ہوں... سمجھ گیا۔" وہ کرسی سے اٹھ کر بے چینی سے ٹہلنے لگے "مجھے سفینہ سے بات کرنی ہو گی اس پورے معاملے پر۔"

"او نئیں ابا جی۔" ہلال گھبرا کر لپکا.... ابا جی تو سب گڑبڑ کردینا چاہتے تھے۔ "اگر آپ نے آنٹی سے اس انداز کی بات کی تو ان کا ووٹ بھی گنوا بیٹھیں گے۔"

"یار تم کیا کہہ رہے ہو، مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی۔" بڑے ابا کے ڈھیلے پڑتے اعصاب دیکھ کر ہلال کو بھی ہاتھ پیر کی پڑ گئی۔

"میں آپ کو آرام سے سمجھاتا ہوں.... پلیز آپ چپ کر کے میری پوری بات سن لیں۔" اس نے کندھوں سے پکڑ کر آرام سے انہیں دوبارہ کرسی پر بٹھایا اور خود ان کے گھٹنے سے لگ گیا۔

"میرا آئیڈیا یہ ہے کہ ہم جازی کا رشتہ روما کے لیے مانگ لیں... لیکن بنا آنٹی پر وہ داماد والا قصہ ظاہر کیے۔

ورنہ وہ سوچیں گی کہ اپنا الو سیدھا کرنے کے لیے ہم زبردستی روما کو کنارے لگانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ آخر وہ اولاد ہے ان کی۔۔۔ روما کا رشتہ بھی ہم کچھ اس انداز سے مانگیں گے کہ رابعہ چچی ان کے ہاں آپ کے اور سفینہ آنٹی کے رشتے کے سلسلے میں جائیں گی اور اتفاق سے انہیں روما اپنے جازی کے لیے پسند آجائے گی۔۔۔ اور انہیں بھی جازی پسند آگیا تو ہنسی خوشی کے ماحول میں جلد از جلد دونوں کی منگنی کر دیں گے۔ اس سے نہ صرف گھر داماد والے مسئلے سے نجات مل جائے گی بلکہ چھ ماہ کی مہلت والا قصہ بھی خود بخود پاک ہو جائے گا۔ آپ کی شادی بھی تین ماہ میں فکس کر دیں گے۔ پھر بنتے رہیں آپ شادی کے دو ماہ بعد دادا جان کیا فرق پڑتا ہے۔" ہلال نے اس مرتبہ سمجھا کر مفصل جواب دیا۔

"لیکن جازی ہی کیوں؟ کیا وہ انٹرسٹڈ ہے روما میں۔۔۔؟"

"نہیں، نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔" ہلال نے فوراً" ان کا خیال رد کیا کہیں غلطی سے بھی انہیں یہ بھنک پڑ جاتی کہ جازم، روما میں ذاتی دلچسپی رکھتا ہے تو ہلال کو گاڑی اور موبائل دونوں سے ہاتھ دھونے پڑ جاتے۔ لہٰذا یہ کار خیر تو سراسر اپنے ہاتھوں انجام دینا تھا۔

"لیکن وہ نالائق تو کرتا دھرتا بھی کچھ نہیں۔۔۔ سفینہ کو کیا پڑی ہے۔"

"اب ایسی بھی بات نہیں ہے ابا جی۔" ہلال نے پینترا بدلا کوئی اور وقت ہوتا تو وہ ابا کے سنہری الفاظ موبائل میں ریکارڈ کر کے جازی کو سناتا اور بلند و بانگ قہقہے لگا کر اسے خوار کرتا۔

"وکیل بننے والا ہے ماشاءاللہ۔۔۔"

"کیا خاک وکیل بنے گا۔۔۔ ہر سمسٹر میں ایک دو مضامین کی سپلی آجاتی ہے نامراد کی۔۔۔ پتا نہیں کیا سوچ کر وکالت کے چکر میں پڑا تھا اس سے اچھا تھا باپ کا بزنس۔۔۔"

"باپ کا بزنس۔۔۔" ہلال کے دماغ کی گھنٹی بجی۔

"بالکل بڑے ابا یہی۔۔۔ بس یہی کہہ کر آپ نے آنٹی کو بھی مطمئن کرنا ہے۔ باپ کا کروڑوں کا بزنس ہے روپے پیسے کی کوئی کمی نہیں فیوچر تو ویسے ہی محفوظ ہے لڑکے کا۔۔۔ سب سے بڑا فائدہ یہ کہ بچی ان کے اتنے قریب ان کی آنکھوں کے سامنے رہے گی۔"

"ہاں۔۔۔ پر جازی ہی کیوں۔۔۔" ان کی بے چینی ہنوز برقرار تھی۔ "مگر عابس ہوتا تو۔۔۔"

"نہیں بڑے ابا ایسا نہیں ہو سکتا۔" ہلال کو گیم ہاتھ سے نکلتی نظر آئی۔

"وجہ کیا ہے آخر۔۔۔؟"

"وہ کیا ہے ناں بڑے ابا۔۔۔ ایک تو عابس کی کہیں اور کمٹ منٹ ہے (پہلا جھوٹ) اور جازم نے ایک بار کہا تھا کہ وہ جب بھی شادی کرے گا خالص اپنے بڑوں کی خوشی اور رضامندی سے کرے گا (دوسرا جھوٹ) تو بس۔۔۔"

"ایسا جازی نے کہا؟" بڑے ابا کو دوسرا جھوٹ کچھ ہضم نہیں ہوا ان کی بے یقینی بجا تھی لیکن ہلال کہاں ہار ماننے والا تھا وہ تو اس لمحے چالاک لومڑی کی بھی مات دیے بیٹھا تھا۔

"جازی آپ کو مایوس نہیں کرے گا بڑے ابا۔ آپ یقین کریں۔"

"ہوں ٹھیک ہے۔" انہوں نے پرسوچ نگاہ سامنے پینٹنگ پر جمائی "تو اب مجھے کیا کرنا ہے؟"

"کچھ بھی نہیں۔۔۔ آپ بس آرام سے بیٹھیں۔۔۔ میں آج ہی سارے معاملات طے کر کے آپ کو بتاتا ہوں۔" ہلال انہیں بھرپور تسلی دے کر فوراً" باہر نکلا کچھ معاملات اسے بڑے ابا کو بیچ میں لائے بنا بالا ہی بالا طے کرنے تھے۔ خصوصاً" اس جازی خبیث کو شیشے میں اتارنا اچھی خاصی جان جوکھم کا کھیل تھا۔ پھر وہ ارسلہ۔۔۔ روما، کچھ معاملات میں ان سے انڈر اسٹینڈنگ بھی بہت ضروری تھی۔

☆ ☆ ☆

"تم نے بس اتنا کہنا ہے۔۔۔ جی بڑے ابا اگر آپ کی

یہی مرضی ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں... بڑوں کا حکم سر آنکھوں پر۔ آپ کی خوشی کی خاطر میں کچھ بھی کر سکتا ہوں۔" ہلال نے اسے سارے حالات مفصل بتانے کے بعد آخر میں سبق پڑھایا۔

"اور میری فرمانبرداری کا انعام...؟" جازم نے ابرو چڑھایا۔

"کیا مذاق کر رہے ہو۔" ہلال کھسیا گیا۔ "تمہیں تو روما مل رہی ہے ناں انعام میں... دیکھو میں نے کیسے تمہارے حق میں گراؤنڈ تشکیل دیا۔"

"ضرورت نہیں تھی۔" جازی نے فوراً" چاپلوسی رد کی۔ "اول تو روما خود کبھی کسی گھر داماد کے لیے راضی نہیں ہوگی... دوسرے تمہیں شاید پتا نہیں ہے۔ اب وہ بھی مجھے پسند کرنے لگی ہے اور وقت آنے پر اپنی امی سے بات بھی کر سکتی ہے۔"

"پلیز یار سمجھو ناں... مجھے اس وقت گاڑی کی اشد ضرورت ہے۔ پھر سوچو... اگر مجھے گاڑی مل جاتی ہے تو تمہارا جب، جہاں دل چاہے تم مجھ سے لے جا سکتے ہو۔" ہلال نے موقع محل کے مطابق ٹون میں تبدیلی کی۔

"ارے واہ... بڑے دیالو بن رہے ہو۔" وہ بدمعاشی سے ہنسا۔

"چلو مان لیا... لیکن اتنا کافی نہیں ہے۔"

"بکو... اور کیا چاہیے؟" ہلال کا موڈ سخت آف ہو گیا۔ بڑے ابا کو نئی ای پلیٹ میں سجا کر پیش کرنے کا خواب چکنا چور ہوتا دکھائی دیا۔ "تمہیں تو نیا موبائل مل رہا ہے ناں۔ زیرو میٹر... پینتالیس، پچاس ہزار والا... "جازی نے آغاز لیا۔

"تو...؟" ہلال نے گھبراہٹ سے تھوک نگلا۔

"تو تمہیں اپنا پرانا موبائل مجھے دینا ہوگا۔"

"ارے... لیکن۔" ہلال کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا۔ "یہ تو اچھا خاصا نیا موبائل ہے۔ یاد نہیں بائیس ہزار والی کمیٹی سے لیا تھا خالص اپنی محنت کے بل پر... ابھی بھی مارکیٹ میں بیچوں تو چودہ پندرہ ہزار آرام سے نکال دے گا۔"

"وہی تو میں سوچ رہا ہوں۔" جازی کی آنکھوں میں چمک ابھری۔

"یہ نہیں ہو سکتا۔" ہلال کا وجود سلگنے لگا۔

"ابے حرام خور... لاکھوں کا مال ہتھیا کر بھی تمہاری نیت نہیں بھری اسے بیچ کر مہینے، دو مہینے کا جیب خرچ بھی کھرا کرنا چاہتے ہو۔"

"ہاں یہی بات ہے۔" ہلال بھی ڈھٹائی سے اڑ گیا۔

"بولو۔ کیا کر لو گے...؟"

"بتاؤں۔ کیا کر سکتا ہوں۔" وہ چیئر گھسیٹ کر آرام سے ٹانگ پہ ٹانگ چڑھا کر سامنے بیٹھ گیا۔

"تو ڈیئر دشمن... میں یہ کروں گا کہ سیدھے بڑے ابا کے پاس جاؤں گا اور کہوں گا کہ آپ کی راہ کی تمام رکاوٹیں تو میری وجہ سے ہٹ رہی ہیں... پھر یہ ہلال کس خوشی میں آپ کو لاکھوں کا نقصان دے رہا ہے... اور جہاں تک میری بات ہے تو مجھے کسی چیز کا لالچ نہیں، میرے لیے یہی خوشی سب سے قیمتی ہے کہ میں آپ کے کسی کام آیا۔ مجھے آپ کی دعاؤں کے علاوہ کچھ نہیں چاہیے۔" رقت آمیز لہجے میں کہتے آخر میں آنکھ ماری "کیسا ہے...؟" ہلال نے جواباً" گھونسا دکھایا تو جازم نے قہقہہ بلند کیا۔

"اب سوچ لو... چودہ پندرہ ہزار میں جیت کا کریڈیٹ، گاڑی اور موبائل فون گھاٹے کا سودا تو نہیں ہے... ادر وائز نہ کریڈیٹ لے پاؤ گے اور نہ بینفٹ... اور ہاں۔" وہ اچانک اٹھ کھڑا ہوا۔

"اس پندرہ ہزار کے نقصان کو بھی میرا احسان سمجھنا۔ کیونکہ آج تمہارے لومڑی جیسے دماغ کی بدولت روما اور میرے ملنے کی راہیں قدرے زیادہ آسان ہو گئی ہیں۔"

"ٹھیک ہے... ٹھیک ہے۔" ہلال نے رکھائی سے ہاتھ لہرایا "اب تم اپنے ڈائیلاگ ذرا اچھی طرح رٹ لو۔"

"کچھ رٹوانے کی ضرورت نہیں ہے حضور۔" وہ شرارت سے مسکرایا۔ "میدان محبت میں ہم بڑے ابا کے حقیقی جانشین ہیں۔" اس نے بطور خاص "محبت"

پہ زور دے کر ہلال کو مزید تپایا اور۔۔۔ یہ جا وہ جا۔۔۔!

☆ ☆ ☆

"تھینک یو سو مچ ہلال۔۔۔ تم نے بہت اچھا کیا جو بڑے ابا اور آنٹی کے رشتے کے لیے حامی بھرلی۔۔۔ میں بہت خوش ہوں۔" ارسلہ اچانک کہیں سے چہکتی ہوئی نمودار ہوئی فوری طور پر ہلال عاجزی کا ایکسپریشن دینا بھی بھول گیا سٹپٹا کر دائیں بائیں دیکھا اور پھر کسی کو قریب نہ پاکر بھرپور اعتماد سے مسکرایا۔

"اس میں تھینکس کی کیا بات۔۔۔ یہ تو میرا فرض تھا ڈیئر! دل کے معاملات کو دل والوں سے بہتر کون سمجھ سکتا ہے۔"

"لیکن ارسلہ۔۔۔ مائی سوئیٹ ہارٹ۔" اس نے تحمل سے گلا کھنکارا "آج تو جازم اور روما کی منگنی ہے ناں۔۔۔ دیکھو کتنے اچھے لگ رہے ہیں دونوں ساتھ ساتھ۔" ہلال کو حیرت ہوئی کہ چم چم کرتے جازی اور روما کے ہوتے ارسلہ کی نظریں۔۔۔ "ساٹھ اور باون" کی جوڑی پر اٹکی تھیں۔

"ہاں پر ان دونوں کی منگنی بھی بڑے ابا اور آنٹی کی وجہ سے ممکن ہو پائی ناں۔"

"تت، تمہیں کس نے بتایا؟" ہلال نے گھبرا کر تھوک نگلا۔ یہ تو ٹاپ سیکریٹ ڈیل تھی۔۔۔ کیا بڑے ابا نے "یہ سب" بھی پھیلا دیا۔ کاش میں نے معاملے کو خفیہ رکھنے کا عہد بھی لے لیا ہوتا۔۔۔ کم از کم ارسلہ کو تو کسی قیمت پر پتا نہیں چلنا چاہیے۔ ہونے والی بیوی اور محبوبہ پر کتنا برا امپریشن پڑ سکتا ہے۔۔۔ ارے کہیں جازی نے تو بات لیک نہیں کر دی۔۔۔ ہاں وہی کمینہ۔۔۔

"کیا کھچڑی پک رہی ہے دماغ میں۔۔۔؟" جازی نے کندھے پر ہاتھ دھرتے اس کی سوچ پڑھی۔ پتا نہیں سامنے اسٹیج سے وہ اچانک یہاں کیسے آن ٹپکا تھا۔

"ایک منٹ۔۔۔" ارسلہ سے معذرت کر کے وہ جازی کو بازو سے کھینچ کر سائیڈ میں لے آیا "یار یہ خفیہ ڈیل کے بارے میں کس نے بتایا ارسلہ کو۔۔۔ وہ کہہ رہی ہے 'آج اس لیے تم دونوں کا رشتہ ہو پایا کیونکہ۔۔۔"

"تو بھائی بارہ کیوں بج رہے ہیں منہ پر۔۔۔" جازی نے مذاق اڑانے کے انداز میں قہقہہ لگایا۔

"ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے ہم دونوں کا رشتہ اس لیے ہو پایا کیونکہ بڑے ابا اور آنٹی کا رشتہ طے ہونے کے موقع پر امی کو روما پسند آئی تھی اور اس لیے۔۔۔"

"اوہ۔۔۔" ہلال پھیکا سا ہنس دیا۔ "میں تو کچھ اور ہی سمجھا تھا۔"

"تم نے بھی کچھ زیادہ غلط نہیں سوچا تھا۔۔۔ اب جھوٹ کے پاؤں تو ہوتے نہیں کہ پکڑے جانے پر وہ بھاگ کھڑا ہو۔۔۔ ہاں شاید آنکھیں ہوتی ہیں اور اس وقت کھلی آنکھوں سے جو مجھے دکھائی دے رہا ہے وہ۔۔۔ تم بھی دیکھو۔" جازی نے شرارتی مسکراہٹ لبوں پہ سجا کر سامنے کی جانب اشارہ کیا۔ بڑے ابا موقع ڈھونڈ کر سفینہ آنٹی کے پاس جا کھڑے ہوئے تھے۔

"اب اگر سفینہ آنٹی نے بڑے ابا کو بتا دیا کہ روما اور جازی پہلے سے ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے۔۔۔ تو گاڑی واڑی کا خواب بھول جاؤ۔ کہا بھی تھا اس منگنی وغیرہ سے پہلے اپنے معاملات سیٹ کر لو۔۔۔ کبھی کبھی اندھا اعتماد بھی بندے کو لے ڈوبتا ہے۔"

"ابے۔۔۔ سفینہ آنٹی کو کس نے بتایا روما اور تمہارے بارے میں۔۔۔" ہلال ہونقوں کے انداز میں منہ کھولے کبھی جازی تو کبھی بڑے ابا کو باری باری دیکھ رہا تھا۔

"میرے سمجھانے سے پہلے ہی روما اپنی امی کو بتا چکی تھی۔"

"تو اب کیا ہو گا؟" ہلال کو ٹھنڈے پسینے آنے لگے۔

"پانچ ہزار۔۔۔"

"ہائیں۔۔۔ پانچ ہزار لوگوں کو پتا چل گیا؟" ہلال کی آنکھیں پھٹ پڑیں۔

"پانچ ہزار لگیں گے۔" جازی نے ہلکی بڑبڑاہٹ سے سمجھایا۔

"ذلیل انسان۔۔۔ تم۔" ہلال بے یقینی سے دو قدم

آگے آیا۔

"نہیں مانو گے۔ تو سنو۔" اس نے آواز صاف کی۔

"ارسلہ سمیت تم باقی سب پر یہ ظاہر کرنا چاہتے ہو کہ باپ کے رشتے کو تم نے انسانیت کی بنیاد پر دل سے تسلیم کیا ہے اور بڑے ابا پر یہ ظاہر "نہیں" کرنا چاہتے کہ روما اور جازی کا رشتہ خالص ان کی مرضی، محبت اور رضامندی سے طے پایا ہے۔۔۔ تو بیٹا' اب کہانی کا تیسرا خفیہ کردار اور رازدار میں ہی ہوں جو دونوں طرف کے معاملات کو اس وقت اچھے طریقے سے ہینڈل کر سکتا ہے۔"

"تو تم کیا تیر مار لو گے؟" ہلال نے مضحکہ اڑایا۔

"مجھے اپنی ہونے والی ساس کے پاس جا کر صرف ایک جملہ بولنا ہے اور وہ یہ کہ "آنٹی دراصل میرے ابو ذرا پرانے خیالات کے ہیں۔ ان پر میں نے اپنی پسندیدگی ظاہر نہیں کی۔۔۔ پلیز آپ بھی ہماری فیملی کے کسی فرد سے اس بات کا ذکر نہیں کریں۔۔۔ اب ویسے تو کسی میں بڑے ابا بھی آجاتے ہیں۔ لیکن تم کہو تو میں باقاعدہ نام لے کر بھی کہہ دوں گا اور ہاں۔۔۔" وہ جاتے جاتے مڑا۔

"ایسا میں صرف تمہاری گاڑی کی محبت میں کر رہا ہوں۔ کیونکہ اپنی منگیتر کو آئے دن ڈیٹ پر لے جانے کے لیے ابو جی تو گاڑی دیں گے نہیں۔۔۔ ہاہ۔۔۔ اب کیا کریں۔" جازی نے مصنوعی آہ بھری "یہ خواہشات بھی بڑی کمینی چیز ہیں۔ نہ چاہتے ہوئے بھی انسان ان کا غلام بن جاتا ہے۔ اب پتا نہیں میں اپنے دل کو کیسے تیار کروں گا ایک جھوٹے رشوت خور سے بہن کو بیاہنے کے لیے۔۔۔ اور ارسلہ کو تو جھوٹ سے سخت نفرت ہے۔" جازی کی بلیک میلنگ کا دائرہ وسیع تر ہوتے دیکھ کر ہلال کان لپیٹ کر اباجی کی طرف نکل آیا۔

"دیکھ لوں گا تمہیں جازی کے بچے۔۔۔ بس ایک بار یہ گاڑی میرے ہاتھ آجائے اور ہاں بڑے ابا کی شادی بخیر و عافیت انجام پا جائے۔۔۔ بلکہ اسے ایک اور خیال آیا ارسلہ بھی میری ہو جائے۔۔۔ اف" اس نے اپنے کانوں پہ ہاتھ رکھا۔ "خواہشات کی زنجیر تو واقعی بہت لمبی ہے۔"

"آرام سے۔۔۔" سجیلہ نے بمشکل خود کو سنبھالا۔ آندھی طوفان کی طرح آتا ہلال کسی سانڈ کی طرح اس سے ٹکرانے والا تھا۔

"اوہ۔۔۔ سوری بھابھی۔" اس نے سخت خجالت سے زبان دبائی۔۔۔ سجیلہ بے چاری دوپٹا اپنے آگے درست کرتی آگے بڑھ گئی۔

"یا اللہ! اب کہیں اباجی یہ شرط نہ رکھ دیں کہ ان کی شادی کے بعد مجھے گاڑی دلائیں گے۔" جازم اور روما کی منگنی کے معاملات ہی دو ماہ لے گئے تھے۔ اب کیا ایک مہینے میں وہ اپنی شادی کرانے میں کامیاب ہو جائیں گے کیونکہ کسی بھی قیمت پر انہیں بنا "دادا" کا ٹیگ لگائے شادی کرنی تھی۔

"اف!" ہلال نے اپنے چکراتے سر کو تھاما۔ کاش جھوٹ کے پاؤں ہوتے تو وہ سرپٹ کہیں دوڑ جاتا۔

☼ ☼ ☼

نئے سال کی چمکیلی صبح اپنے دامن میں کئی خوشخبریاں سمیٹے نمودار ہوئی تھی ہلال محمد نہ صرف اب نئی گاڑی اور نئے موبائل فون کے مالک تھے بلکہ محمد علی صاحب کی شادی خانہ آبادی بھی آج ہونا قرار پائی تھی۔ سبھی لوگ اس وقت سفینہ آنٹی کے کشادہ ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے۔ محمد علی صاحب اور ان کی زیبا کی سج دھج دیکھنے لائق تھی۔ ان دونوں کی نہ نہ کے باوجود کافی اہتمام کر لیا گیا تھا۔ محمد علی صاحب سلور گرے تھری پیس میں ملبوس تھے اور سفینہ آنٹی لائٹ پنک اور نیوی بلو کے کول امتزاج میں ہمیشہ کی طرح بہت اسمارٹ اور ڈیسنٹ نظر آرہی تھیں۔۔۔ سارے بال سادگی سے بیک پر بند کیے ہوئے تھے۔ بہت لائٹ میک اپ میں بیٹیوں کے بیچ عام روٹین کی باتیں کرتیں سچ مچ ان کی بڑی بہن ہی لگ رہی تھیں۔۔۔ داماد بھی دونوں موجود تھے۔۔۔ سڑیل سے کاشف نے بھی یہ سوچ کر مصالحت کی راہ اپنا لی کہ بہرحال ایک جمہوری

ملک میں جائز' اصولی' حق کی راہ اپنانے والے پر ناجائز دھونس نہیں جمائی جاسکتی تو یوں جناب ... آزاد ملک کے دو آزاد شہری' کہیں کسی کی بلیک میلنگ کا شکار ہوتے تو کہیں کچھ روٹھے ہوؤں کو منت سماجت کر کے مناتے بالآخر ایک ہو ہی رہے تھے۔

ایجاب و قبول اور نکاح نامے پر دستخط کا مرحلہ بس آیا ہی چاہتا تھا کہ رابعہ چچی اچانک ہانپتی کانپتی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئیں ... سجیلہ ابھی کچھ دیر پہلے تک سب کے درمیان بیٹھی تھی کہ اچانک کسی عجیب سے احساس نے اسے کمرا چھوڑ کر باہر جانے پر مجبور کیا۔ پرائے گھر میں باتھ روم بھی مشکل سے دستیاب ہوا ... رابعہ چچی اس کے پیلے پڑتے چہرے کو دیکھ کر پیچھے آئی تھیں ... اور یہ بھی خدا کا لاکھ کرم ہوا ورنہ وہ باتھ روم کا دروازہ کھول کر بے بس سی جھکی کھڑی تھی۔

اتنی طاقت بھی خود میں محسوس نہیں کر پا رہی تھی کہ دو قدم چل کر سامنے رکھے پلنگ تک جاسکتی ... رابعہ چچی نے سہارا دے کر اسے بیڈ پر لٹایا ... حالت دریافت کی ... اور جو کیفیت سجیلہ نے بتائی اس کی روشنی میں اچھی خاصی تشویش محسوس کرتیں واپس ڈرائنگ روم میں آئیں۔

"جلدی چلو خرم ... سجیلہ کو ہسپتال لے جانا ہے۔"

"ہسپتال ..." سفینہ اور ان کی بڑی بیٹی نے پریشانی سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"بہو کی حالت کچھ تسلی بخش نہیں لگتی۔ معذرت چاہوں گی لیکن فوراً" لے جانا بہت ضروری ہے۔ مجھے لگتا ہے شاید ٹائم آگیا ہے۔" انہوں نے کسی قدر ہچکچاتے بالآخر کہہ دیا تو بڑے ابا نے بے ساختہ سب سے پہلے ہلال کو دیکھا کہ سارا پلان اور پروگرام تو اس کے بیان کی بنیاد پر ترتیب دیا گیا تھا اور وہ بے چارہ بڑے ابا کی چبھتی نگاہوں کی تاب نہ لاتے ہوئے بغلیں جھانکنے لگا۔ اب پتا نہیں یہ کیسی کایا پلٹ تھی ... خرم بھائی کا بیان تو چلو مشکوک ہو سکتا تھا کہ ازل سے بے بھروسا آدمی تھے لیکن سجیلہ بھابھی نے کیوں شہ پا کر ان کے کہے پر تصدیق کی مہر ثبت کی تھی۔

"یہاں آؤ ..." بڑے ابا نے کڑے تیوروں سے قریب بلایا۔ تو وہ مرے مرے قدموں سے تقریباً" خود کو گھسیٹتا ہوا پاس آیا۔

"قسم خدا کی بڑے ابا۔" اس نے کان میں پھسپھسانے کی کوشش کی۔

"اوئے نالائق ... گدھے جاکر مولانا صاحب کو واپس چھوڑ آؤ۔ ہم سب بھی ہسپتال جارہے ہیں۔ یہاں کے معاملات فی الحال پوسپونڈ کرنے پڑیں گے۔" وہ کہتے ساتھ ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔ ماحول میں عجیب بے ہنگم سی بھگدڑ مچ گئی تھی۔ بڑے ابا نے نئے فرمان سے سفینہ کے بڑے داماد حسن اور بھائی عبدالعلی کو آگاہ کیا اور سب گھر والے عجلت میں سجیلہ کو لے کر ہاسپٹل روانہ ہوگئے۔

سجیلہ کو فوری طور پر نہ صرف ایڈمٹ کرلیا گیا بلکہ آپریشن بھی تجویز کیا گیا۔ فی الحال ماں اور بچہ دونوں خطرے میں تھے۔ ہلال کو تفتیش کرنے پر معلوم ہوا کہ ابھی تو پریگننسی کے سات ماہ ہی پورے ہوئے تھے ... انوکھے لاڈلے کو دنیا میں آنے کی شاید زیادہ ہی جلدی تھی۔ غالباً" بڑے ابا کی شادی کی لائیو ٹیلی کاسٹ دیکھنا چاہتے تھے۔ اور فی الحال اپنے مشن میں کامیاب ہی جارہے تھے۔

ڈھائی گھنٹے کے طویل انتظار کے بعد بالآخر سات ماہ کا پری میچیور بے بی دنیا میں صحیح سلامت تشریف لے آیا ... نہیں بلکہ لے آئی ... خرم اور سجیلہ کو اللہ نے چاند سی بیٹی عطا کی تھی سجیلہ بھی اب خیریت سے تھی ... بڑے ابا نہ چاہتے ہوئے بھی دادا بن گئے تھے۔ مزید ستم یہ کہ "رنڈوے" کا اسٹیٹس باوجود سرتوڑ کوشش کے چینج نہیں کرپائے تھے۔

"مبارک ہو بڑے ابا ... آپ دادا بن گئے۔" سب سے پہلی مبارک ارسلہ نے بم کی طرح سر پر پھوڑی تو ان کا منہ دیکھنے والا تھا۔ محض تین گھنٹے پہلے تھری پیس پہن کر پرفیوم لگا کر گھر سے نکلتے ان کے تصور میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ کچھ دیر بعد بجائے شادی کی مبارک

یاد کے وہ دادا بننے کی مبارک وصول کر رہے ہوں گے۔ سچ کہا ہے کسی نے ... جتنا کسی چیز سے چڑو گے اتنا وہ سامنے آکر مزید تمہارا منہ چڑائے گی۔ ہاسپٹل کے کوریڈور میں دادا بننے کی مبارکیں وصول کرتے وہ اپنی قسمت کو کوس رہے تھے جب نرس نے گلاس کمبل میں لپٹا ایک معصوم وجود زبردستی ان کے ہاتھوں میں تھما دیا۔ لحظے کو سفینہ کا گلابی آنچل نگاہوں میں لہرا گیا اور وہ جبراً" مسکراتے ہوئے ذہن جھٹک کر ہاتھوں کی طرف متوجہ ہوئے ... نظر ایک معمول سے کہیں زیادہ چھوٹے سائز کے بچے پر پڑی ... یہ پہلی نگاہ تھی جو بڑے ابا کی اپنی پوتی کے چہرے پر پڑی تھی ... سائز میں بہت چھوٹا لیکن ایک مکمل اور بہت خوب صورت وجود ... جو کہیں نہ کہیں ان کی رگوں میں بہتے خون سے جڑا تھا۔ آخری مرتبہ ان کے ہاتھوں پر شاید ہلال کو ڈالا گیا تھا ... وہ بھی ایک خوشی تھی ... دوسرے بیٹے کی پیدائش کی خوشی لیکن یہ ... وہ جبراً" نہیں بلکہ دل کی پوری خوشی سے مسکرائے تھے۔

ایک عجیب وغریب احساس 'جس کا اندازہ وہ بنا اس پری کے ہاتھوں میں آئے کسی قیمت پر لگا نہیں سکتے تھے۔ پوتی کی پیدائش اور پہلی مرتبہ دادا بننے کی خوشی جس کا کوئی نعم البدل نہیں تھا ... کیونکہ جب خرم اور ہلال ہاتھوں میں آئے تو وہ باپ بننے کی خوشی تھی ... دادا بننے کی نہیں ... لیکن یہ نیا احساس ... وہ حیرت سے اس چند منٹ کی بچی کو دیکھ رہے تھے۔ دنیا کی آلائشوں' نفرتوں' سازشوں سے انجان' وہ معصوم وجود ... کیا واقعی ان کی خوشیوں کی راہ میں رکاوٹ تھا ... انہوں نے شرمندگی سے لب کاٹے۔

بے بی نے اپنی مندی مندی آنکھیں کھولنے کی کوشش کی تھی چمکیلی کرنجی آنکھوں کی ایک جھلک سی ان کی آنکھوں میں پڑی۔ کوئی پیغام تھا جو بچی کی آنکھوں سے ان کے ذہن میں منتقل ہوا۔ وہ کہہ رہی تھی۔

"بڑے ابا ... میں کبھی آپ کی خوشیوں کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتی ... کیونکہ میں بیٹی ہوں آپ کے گھر کی ... پہلی بیٹی ... اور بیٹیاں تو والدین کی دوست ان کی غم خوار ہوا کرتی ہیں۔ مجھ سے آپ کا رشتہ ہر موڑ پر آپ کے لیے باعث فخر ہوگا۔"

محمد علی صاحب کی پلکیں بھیگ گئیں۔

"ہاں میری بچی ... تم ہی ہو میرا فخر' میرا حصہ ... میرا دل ... اور ایک بہت پیارے رشتے کی تکمیل کا باعث بھی۔" وہ روتے روتے مسکرائے۔ "ایک دادا اور پوتی کا رشتہ ..." انہوں نے جھک کر بچی کو بوسہ دیا تو کسی غیر معمولی پن کا احساس ہوا ... بچی کی سانسیں اکھڑ رہی تھیں ... انہوں نے کمبل ذرا سا سرکایا تو سینے کے کمزور پنجر میں سانس بری طرح پھول پچک رہی تھی۔ بچی کے گلابی ہونٹ رنگ بدل رہے تھے۔ وہ نڈھال سی سر ڈھلکائے پڑی تھی۔ محمد علی صاحب بھاگ کر نرس کے پاس آئے۔

"بچی ٹھیک نہیں ہے ... ڈاکٹر کو بلاؤ ... ہری اپ ... اور اور اسے تو انٹینسیو کیئر میں ہونا چاہیے تھا۔ اٹس اے پری مچیور بے بی ... اسے میرے پاس کیوں لائیں آپ؟" وہ دبے دبے لہجے میں احتجاج کر رہے تھے تاکہ ان کی اونچی آواز بچی کے لیے تکلیف کا باعث نہ بنے۔

"سس' سوری سر' بچی بالکل نارمل بریتھ لے رہی تھی اس لیے۔" وہ فوراً" اسے لیے اندر دوڑ گئی ... ڈاکٹر کو خرم خود بھاگ کر بلا لایا تھا ... اسے اب ٹریٹ تو کیا جا رہا تھا لیکن مسئلہ شاید سیریس نوعیت کا تھا' دو نرسیں گھبرائی گھبرائی سی دائیں بائیں دوڑ گئیں اور ایک دوسرا ڈاکٹر تیز قدموں سے چلتا اندر داخل ہوا۔ محمد علی صاحب کے جسم کا سارا خون نچڑ کر جیسے چہرے پر آگیا ... سارا ماحول عجیب تناؤ کا شکار ہو گیا تھا ... بچی کو کچھ ہو جانے کے تصور سے ہی ان کی جان کانپ گئی ... اور پھر بنا جگہ' ماحول کی پروا کیے وہ کوریڈور میں ہی سجدہ ریز ہو گئے۔

"یا اللہ! میری بیٹی کو بچا لو ... اسے مجھ سے مت چھیننا مالک ابھی ابھی جو خوشی مجھے ملی ہے اس کی عمر بہت طویل ہو ... میری بیٹی میرے گھر کی خوشی کو مجھ

سے جدا مت کرنا پروردگار..."
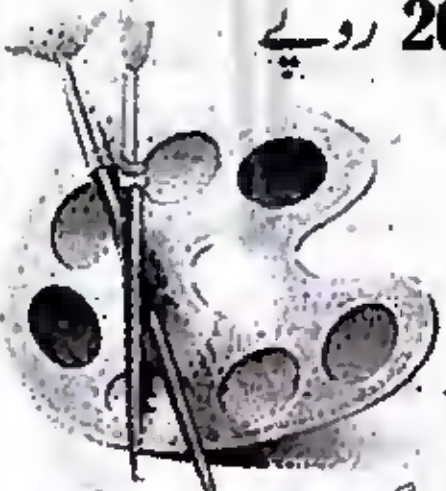
سفینہ احمد جب روما کی سنگت میں وہاں پہنچیں تو محمد علی صاحب اسی حالت میں سجدہ ریز تھے... پریشانی سے رابعہ کی طرف دیکھا تو آگے بڑھ کر اس نے ہاتھ تھاما۔

"بے بی۔ اب ٹھیک ہے سر۔" نرس نے گھبرائے لہجے میں سب سے پہلے انہیں اطلاع دینا ضروری سمجھا۔ عابس نے کندھوں سے تھام کر اٹھانے میں مدد دی۔ وہ رومال سے اپنی سرخ سرخ آنکھیں صاف کرنے لگے۔ سفینہ پر نظر پڑی تو بری طرح جھینپ گئے۔ جازم انہیں ویٹنگ روم میں بٹھا گیا۔ سفینہ بھی اندر آکر قریبی چیئر پر بیٹھ گئیں... روما نے بچی دیکھنے کا شوق ظاہر کیا تو باقی سب اسے لیے دوسری طرف چلے گئے۔

"کرنل صاحب تو آج بھی اتنے ہی جذباتی ہیں... فوجی لائف بھی جناب کی نرم خوئی کو کم نہیں کر سکی۔" سفینہ نے ان کی بھیگی آنکھوں کی طرف اشارہ کرکے چھیڑا تو محمد علی صاحب مسکرانے لگے۔

"فوج کی زندگی جسمانی مشقت کی حد تک تو ضرور سخت بنا دیتی ہے لیکن دل تک اس کی رسائی نہیں ہے... اگر ایسا ہو تو آرمی میں آپ کو محض سانس لیتے روبوٹ دکھائی دیں، اور روبوٹ کبھی وطن کی محبت میں جان نہیں دیتے۔"

"واہ صاحب، آپ کے پاس تو مکمل فلسفیانہ جواب موجود ہے۔" وہ بھی ہنسنے لگیں۔

"اور یہ آنسو تو شرمندگی اور پچھتاوے کے تھے۔" انہوں نے سنجیدگی سے آہ بھری۔ "میرا پچھتاوا جو شاید ابھی بھی کم نہیں ہوا۔"

"کیا بات ہے محمد علی...؟" سفینہ ایک دم پریشان نظر آنے لگیں "کیا آپ واقعی پچھتا رہے ہیں اپنے فیصلے پر...؟" جانے کیا سوچ کر سفینہ کا دل بیٹھنے لگا۔ محمد علی صاحب نے چونک کر ان کی صورت دیکھی۔ بس ایک لمحہ لگا ان کا ذہن پڑھنے میں۔

"اوہ... تو ان کے جملے سے سفینہ نے کوئی اور نتیجہ اخذ کیا تھا۔" محمد علی صاحب کا دل تو خوب مچلا اس

کیفیت کا مزا لیتے ہوئے بات کو مزید بڑھانے کا، لیکن وقت اور ماحول کی نزاکت دیکھتے ہوئے صفائی دینے پر مجبور ہوگئے۔

''ارے آپ سمجھی نہیں۔'' وہ ہنسنے لگے۔ ''ایک منٹ...'' انہوں نے اجازت طلب کرکے سائڈ جیب سے موبائل نکالا اور ایک نمبر ملا کر فون کان سے لگایا۔

''السلام علیکم کرنل صاحب... ایک خوشخبری دینی تھی تمہیں... ناراض ہو یار... ابھی تک...؟

اچھا یہ بتاؤ... معافی مانگنے خود آؤں... یا تم آرہے ہو؟ (ہا۔ہا) میں آیا تو تمہارا خرچہ ہو جائے گا۔ اب اصولاً تو جیب اس کی ڈھیلی ہونی چاہیے جو قصوروار ہے۔ اچھا تم شام کو تیار رہنا میں خود تمہیں لینے آؤں گا۔ باقی تینوں کو بھی بلا لیتا ہوں۔ دست بستہ معافی مانگنی ہے تم سے سب کے سامنے۔

او ہاں... خوشخبری یہ ہے کہ میں دادا ابا بن گیا ہوں۔ خرم کو اللہ نے بیٹی عطا کی ہے۔

خیر مبارک۔

میں شرمندہ ہوں اپنے الفاظ پر سعید... زندگی میں ہر رشتے ہر تعلق کی اپنی جگہ، اپنا مقام اور اپنی اہمیت ہے۔ کوئی رشتہ کسی دوسرے کا نعم البدل نہیں ہو سکتا... امید ہے تم اسے دوست کی کوتاہ بینی سمجھ کر فراموش کر دو گے... اور ہاں۔ دوسری خوشخبری تمہیں شام کو سناؤں گا اور اگلی مبارک باد کل وصول کروں گا۔ میرا خیال ہے کہ تم سمجھ گئے ہو گے، سرمد کہہ رہا تھا اس نے تمہیں بتا دیا ہے۔

ہوں اور وعدہ کرو۔ آئندہ ایسے نہیں روٹھو گے ہاں۔'' وہ کسی بات پر ہنسے۔

''تھینکس تو ایکسیپٹ مائی اپالوجائز۔'' (میری معافی قبول کرنے کا شکریہ) اور دوسری طرف کی بات سن کر موبائل آف کر دیا۔ سفینہ کی طرف اچانک متوجہ ہوئے تو وہ جو فون کے دوران مسلسل محمد علی صاحب کے ایکسپریشنز کو پورے انہماک سے دیکھ رہی تھیں، نروس ہو کر دوسری جانب دیکھنے لگیں۔

گزرے مہ و سال کے رنگ، تبدیلیاں جانے ان کے چہرے کو پڑھتے وہ کیا کچھ سوچے جا رہی تھیں۔ محمد علی صاحب خوشدلی سے مسکرا دیے۔

واقعی، ہر رشتہ نہ صرف دوسرے سے الگ ہے بلکہ الگ ''احساسات'' کا حامل بھی ہے۔ انہوں نے رخ سفینہ کی طرف موڑ کر کہنی کرسی کی پشت پر ٹکائی پچھتاوا... دوست کو کھونے کا تھا۔ اور الفاظ کے غلط چناؤ کا... بلکہ الفاظ ہی کیوں... نظریات کے غلط ہونے کا بھی... سعید اللہ سے معافی نہ مانگتا تو ضمیر کی عدالت میں خود کو فیس کرنا بھی مشکل ہو جاتا۔ خیر... وہ کھل کر ہنستے ہوئے اپنے ماحول میں واپس آئے۔

''آؤ۔ تمہیں اپنی پوتی سے ملواؤں... میری بیٹی، میری دوست... ہے تو بہت چھوٹی سی... لیکن یہاں۔'' انہوں نے اپنے دل پہ ہاتھ رکھا۔ ''اچھا خاصا ایریا گھیر چکی ہے۔ بس تم جیلس نہ ہونا...'' آخر میں وہ چھیڑنے سے باز نہیں آئے اور اس مرتبہ سفینہ نے بھی ان کا ساتھ دیا۔

''جیلس نہیں ہو سکتی محمد علی صاحب... قدرت کے اس عجیب و غریب ملاپ نے ایک بات تو صاف کر دی کہ کرنل صاحب کے دل کا ایک کونا یقیناً ''میری یاد سے ہمیشہ آباد رہا تھا۔''

''بلاشک و شبہ۔'' انہوں نے ہنس کر دروازہ کھولا ''ویسے ہم پروفیسر صاحبہ سے فرصت میں پوچھیں گے، آخر کسی نہ کسی کونے کھدرے میں انہوں نے بھی چھپا رکھا تھا پرانی یاد کو...''

''بڑے ابا۔ وہ مولوی صاحب کا فون آیا تھا... بھابھی کی خیریت دریافت کر رہے تھے اور آگے کا پروگرام بھی پوچھ رہے تھے۔'' ہلال فون ہاتھ میں لیے دوڑتا ہوا آیا۔

''کل چار بجے ان شاء اللہ... کیا خیال ہے۔'' انہوں نے تائید طلب نظروں سے سفینہ کو دیکھا تو وہ ہلال کی موجودگی کے خیال سے اچھی خاصی شرمندہ ہو گئیں۔

''میرا خیال ہے بچی اور سجیلہ پوری طرح ٹھیک ہو جائیں تو زیادہ بہتر رہے گا۔ فی الحال تو شاید ہاسپٹل

میں ہیں دونوں۔"

"جی ہاں... بھابھی اور بے بی کو تین دن بعد ڈسچارج کیا جائے گا۔ ابھی ڈاکٹر صاحب بتا رہے تھے۔"

"تو ٹھیک ہے پھر... جب میری بیٹی اور بہو خیریت سے گھر واپس آجائیں گے۔ پروگرام بھی تب ہی رکھا جائے گا۔" وہ ایک فیصلے پر پہنچے "آخر میری بچی نے وقت سے پہلے دنیا میں آنے کا رسک یونہی تو نہیں لیا۔ اسے بھی حق ہے دادا ابا کی خوشی میں شرکت کرنے کا۔"

"تو پھر کہہ دوں مولوی صاحب سے... کہ چار دن بعد ہمارے بڑے ابا اپنی پوتی کو گود میں لے کر نکاح نامے پر دستخط کریں گے۔" ہلال نے موبائل کان سے لگاتے ہوئے چھیڑا۔

"بالکل کہہ دو..." وہ شوخی سے مسکرائے۔ "اور تم..." انہوں نے آگے بڑھ کر ہلال کا کان مروڑا۔ "اگر مجھے اس نئے رشتے کی خوب صورتی کا احساس ذرا پہلے ہو جاتا تو آج تم گاڑی اور موبائل سے محروم ہوتے۔"

"پر مجھے احساس تھا بڑے ابا..." ہلال نے ہنس کر کان چھڑوایا "تبھی تو دونوں چیزیں پہلے ہتھیالی تھیں۔"

"دیکھ لو... بچے ہم سے زیادہ ہوشیار ہیں۔" انہوں نے کھسیا کر سفینہ کو دیکھا۔

"کوئی بات نہیں..." وہ مسکرانے لگیں۔ "کچھ چیزوں کا حسن ان کی تخلیق سے جڑا ہوتا ہے... وجود میں آتے ہی دل جنہیں دریافت بھی خود بخود کرلیتا ہے... جو احساس آج آپ کے دل میں پوتی کے لیے پیدا ہوا ہے وہ کسی اور کے بتانے سے سمجھ میں تو آسکتا تھا' محسوس نہیں ہو سکتا تھا۔"

"ہوں..." محمد علی قائل ہوئے "خاندان کا بڑھنا اور پھلنا پھولنا تو انعام ہے اس ذات پاک کا... چونکہ ہم جیسوں کو بنا مانگے یہ خوشیاں مل گئی ہیں اس لیے نہ تو ہمیں اتنی قدر ہے اور نہ اس حساب سے شکر گزاری کے جذبات... پر اب ہم ہر نئے رشتے کی قدر کریں گے۔" وہ اسے دیکھ کر ایک جذب سے مسکرائے۔

"تو آئیں... میں بھی دیکھنا چاہتی ہوں اس خوب صورت انعام کو جو ہمیں اللہ تعالیٰ نے بہت خوب صورت موقع پر عطا کیا ہے۔" سفینہ مسکراتے ہوئے محمد علی صاحب کی سنگت میں آگے بڑھیں۔ کھڑکی کے پار ڈوبتے سورج کی سفید کرنیں اب پیلی پڑنے لگی تھیں۔ نئے سال کا پہلا دن ڈھلتے ڈھلتے انہیں کئی نئے رنگوں سے روشناس کرا گیا تھا۔ انہوں نے سنا ضرور تھا کہ نئے سال میں لوگ نئے عہد باندھتے ہیں لیکن خود ایسا کرنے کی کبھی نوبت نہیں آئی تھی۔

پر آج... انہوں نے انکیوبیٹر میں سکون سے لیٹی اپنی پوتی کو دیکھا' جس نے بنا منہ سے کچھ بولے اپنے بڑے ابا سے بہت بڑا عہد لے لیا تھا۔ رشتوں پر اعتماد کا عہد' وسیع النظری کا عہد اور سب سے بڑھ کر ایک دادا اور پوتی کی بے مثال دوستی کا عہد جنہیں پورا کرنے کا عزم کرتے محمد علی صاحب پورے دل سے مسکرا دیے اور نئے سال کی پہلی گلابی شام بھی مسکرا اٹھی۔

☆ ☆

نایاب جیلانی

دل ٹوٹ کے ہارا تھا

دوسری قسط

"جذبات کا اظہار انسان کو بے وقعت کردیتا ہے۔" کوئی اس کے کان پاس چلایا تھا۔ اس نے بے ساختہ اپنے دونوں ہاتھ کانوں پہ رکھ لیے تھے۔ وہ اس وقت کوئی بھی آواز سننا نہیں چاہتی تھی۔

"اور جذبات کا اظہار عزت نفس کی موت ہے۔"

کسی نے پھر سے اس کی دکھتی رگ پہ ہاتھ رکھ لیا تھا۔ اب کہ وہ چلا بھی نہیں سکی تھی۔ کسی نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ جذبات کا اظہار عزت نفس کی موت تھی۔ اور وہ خود اپنے ہاتھ سے اپنی عزت نفس کو پھانسی چڑھا آئی تھی۔ خود کو عون عباس کی نگاہوں میں دو کوڑی کا کر آئی تھی۔

اس کے پیچھے اب بھی آوازوں کا شور تھا۔ اور کوئی اب بھی اس کے پیچھے بھاگا بھاگا آرہا تھا۔ ماہ رو بلند آواز میں روتے روتے جیسے تھم گئی تھی۔ معا" کسی نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر چیختے ہوئے کہا تھا۔

"ماہ! یہ تم ہو ماہ! کہاں بھاگی جارہی ہو؟ تم نے یہ اپنی حالت کیا بنا رکھی ہے؟ تمہیں کیا ہوا!؟" وہ ماہم تھی۔ اس کی سہیلی۔ فریحہ سے کچھ زیادہ' اس کے بے انتہا قریب۔ اور اس وقت ماہ رو کی "حالت" کو دیکھ کر شاکڈ ہورہی تھی۔

سرخ انگارہ دھلی ہوئی آنکھیں۔ بھیگی پلکیں' شدت ضبط سے سرخ پڑتا چہرہ۔ کانپتے ہونٹ' کپکپاتا وجود۔ وہ تو ماہ رو سرفراز نہیں کوئی ژولیدہ حال شکستہ دل بھکارن لگ رہی تھی۔ ماہم جیسے دھک سے رہ گئی تھی۔

"ماہ رو! تمہیں کیا ہوگیا؟" اس کا منہ بھی کھل گیا تھا آنکھیں پھٹ پڑی تھیں۔ اور ماہ رو جیسے اتنے دن اکیلے' تنہا ہر اذیت کا بوجھ سہہ سہہ کر تنگ آچکی تھی۔ تھک چکی تھی۔

اس کے دل پہ بہت بوجھ تھا۔ اسے اپنے دل کو اس بوجھ سے آزاد کرنا تھا۔ وہ فٹ پاتھ پہ ہی ماہم کے گلے سے لگی اور چیخ چیخ کر رونے لگی۔ ماہم کچھ اور بوکھلا گئی تھی۔ آخر کیا ہوا تھا؟ ماہ رو کو اس کے ابراڈ جانے کے دوران ماہ رو پہ کیا کچھ بیت گیا تھا اسے خبر ہی نہیں ہوسکی تھی۔

"مجھے روگ لگ گیا ہے۔" ماہ رو نے کتنی ہی دیر بعد بمشکل سنبھل کر جواب دیا تھا۔ ماہم کچھ اور ہکا بکا ہوگئی تھی۔ آخر یہ ماہ رو کس قسم کی باتیں کررہی تھی۔

"کیسا روگ؟ اور یہ تم کیسی عجیب باتیں کررہی ہو۔؟" ماہم نے بوکھلا کر دوبارہ پوچھا۔

عون عباس کی وہ دھیمی سلگتی چنگھاڑ میں کہا گیا لفظ "گو" اس کی روح کو دہکتے کوئلوں پہ گھسیٹ رہا تھا۔ آفس کا دروازہ کھول کر ماہ رو کو باہر نکل جانے کا اشارہ کرنا۔ وہ عمر بھر چاہتی بھی تو اس ذلت اور صدمے کو نہیں بھلا سکتی تھی۔ وہ اس کی زندگی کا پہلا کرش تھا۔ کبھی نہ بھولنے والا۔ کیا وہ سمجھ رہا تھا۔ ماہ رو کوئی کریکٹر لیس بگڑی ہوئی امیرزادی تھی۔ جو محبت کے نام پر۔ اسے لبھانے آئی تھی۔ اس کی شاندار پرسنالٹی پہ مٹ گئی تھی۔

کیا ماہ رو نے خوب صورت مرد نہیں دیکھے تھے؟ کیا عون عباس دنیا کا پہلا اور آخری خوب صورت مرد تھا؟

ہرگز نہیں۔ قطعاً" نہیں۔ ماہ رو نے اپنی زندگی میں بہت سحر طراز چہرے بھی دیکھے تھے۔ لیکن کوئی اسے اس طرح اسیر نہیں کرسکا تھا۔ کوئی اسے دیوانگی کی اس حد تک نہیں لاسکا تھا۔

یوں عون عباس وہ پہلا اور آخر کا مرد تھا جس سے ماہ رو سرفراز نے محبت کی تھی۔ ایسی محبت جو اسے شاہانہ انداز میں رسوا کررہی تھی۔

جب وہ ماہم کو اپنے دل پر گزرنے والی حکایت کی داستان سنا رہی تھی تب بہت آرام سے ساری رام کہانی سننے کے بعد ماہم نے ماہ رو سے کہا تھا۔

"میں تمہیں اتنا بزدل نہیں سمجھتی تھی۔" اس نے نہایت تاسف کا اظہار کیا۔ وہ بولی تو بس اتنا ہی۔

"کوئی آپ کے پیار کو ریجیکٹ کردے۔ آپ کو دھتکار دے۔ تو کیا کرنا چاہیے۔" ماہ رو نے ٹوٹے
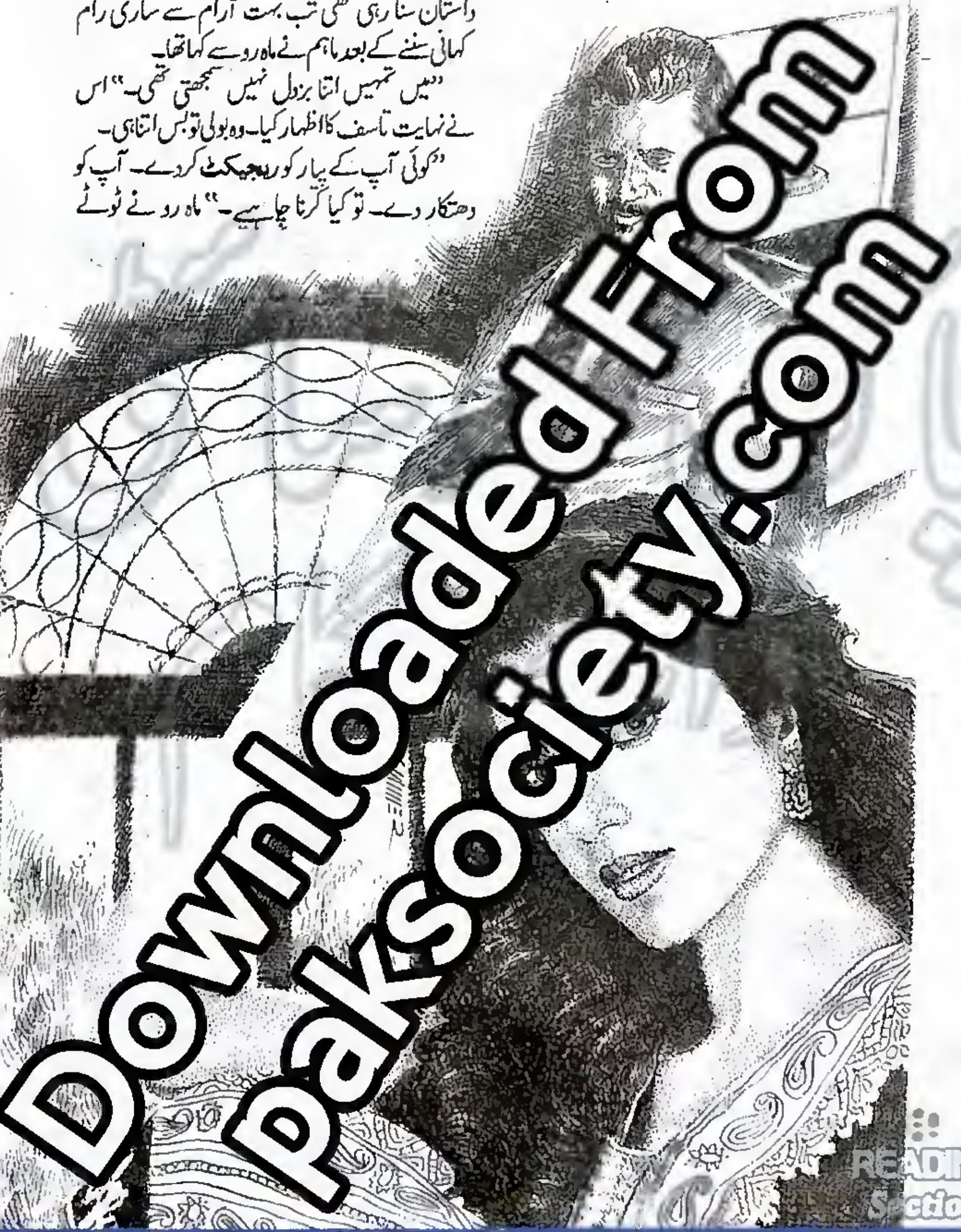
پھوٹے لفظ لبوں سے ادا کیے تھے۔ اس کا لہجہ نہایت دھیما اور پرسوز قسم کا تھا۔

"کم از کم شکست تسلیم کر کے تمہاری طرح رونا نہیں چاہیے۔" ماہم کا انداز سابقہ ہی تھا۔ ہنوز خفگی میں لپٹا۔ وہ اس کے رونے دھونے پر سخت مشتعل ہوئی تھی۔ کوئی اتنا بھی کم ہمت اور بزدل ہوتا ہے؟ ماہم اس کی جگہ ہوتی تو کم از کم اس کی عقل ضرور ٹھکانے لگا کر آتی؟ کوئی اتنا احمق اور اندھا بھی ہو سکتا ہے"؟ جو ماہ رو جیسی لڑکی کو ٹھکرا دے۔ ماہم کو یقین ہی نہ آیا۔

"تو؟" ماہ رو نے ہونق پن سے گہری افسردگی بھری سانس خارج کرتے ہوئے کہا تھا۔

"تو یہ کہ ڈفر رنسز! اس فولش ٹائپ فیز سے نکلو۔ خود کو فریش کرو۔ بحال کرو' تم ماہ رو سرفراز ہو۔ ڈنکے کی چوٹ پہ محبت کرنے والی۔ تمہیں گھٹ گھٹ کر مرنے کی ضرورت نہیں۔ تم اسے چاہتی ہو۔ کیا اس کے لیے" یہ اعزاز کیا کم ہے؟ مل اونر سرفراز احمد کی بیٹی اسے چاہتی ہے۔

کیا مڈل کلاس لڑکیوں کی طرح آنسو بہا رہی ہو۔ اس نے تمہیں ایک سنائی تھی۔ تم دس سناتیں۔ اور محبت کرتیں بہانگ دہل۔ وہ مانتا یا نہ مانتا' چاہتا یا نہ چاہتا۔ لیکن اسے ہماری ماہ رو کو رلانے کا کوئی حق نہیں تھا۔" ماہم ایک ہی سانس میں متواتر بولتی چلی گئی تھی۔ ماہ رو نے ایک گھٹا گھٹا سانس کھینچ کر باہر نکالا۔

"کیا یہ ممکن تھا؟" اس کے لہجے اور آواز میں مایوسی کے سوا کچھ نہیں تھا۔ ماہم نے تنک کر کہا۔

"کچھ بھی ناممکن نہیں۔ اس دنیا میں کچھ بھی ناممکن نہیں۔ آسمان اس پرندے کا نہیں ہوتا۔ جس کے پر بڑے ہوتے ہیں۔ بلکہ آسمان اس پرندے کا ہوتا ہے۔ جس میں قوت پرواز ہو" ماہم کا انداز گہرا ناصحانہ تھا۔ تحریک دلانے والا۔ حوصلہ بلند کرنے والا۔ ماہ رو کو اپنے اندر ایک نئی روح اترتی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ ایسی تو نہیں تھی۔ پہلی ٹھوکر پر ہی اٹھ نہ سکتی۔ ایک مرتبہ پھر محبت کا کشکول لے کر عون عباس کے پاس نہ جاتی بلکہ پورے استحقاق سے محبت وصول کرتی۔

زبردستی' اعلانیہ' ڈنکے کی چوٹ پہ' اپنی ہمت کے بل بوتے پہ۔ ماہم نے اس کے اندر مرجھائے اعتماد اور اس کی دل پاور کو پالش کر دیا تھا۔

"تم ریفائن منٹ اسکوائر میں عون عباس کی زندگی میں تہلکہ مچا سکتی ہو۔ اس کے غرور' اکڑ' نخوت اور مین کو توڑ سکتی ہو۔ اس کے اعتماد کو ڈیس ٹرائیڈ (تہس نہس) کر سکتی ہو۔ اور تمہیں ایسا کرنا ہو گا۔ اس کا الی ہویئر تمہارے لیے انسلٹنگ تھا۔ بے انتہا انسلٹنگ' کیا سوچ کر اس نے تمہاری توہین کی۔ تمہیں ڈی گریڈ کیا۔ اسے بدلے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔" ماہم کا لہجہ بے حد روکھا اور روڈلی قسم کا تھا۔ جس میں عون عباس کے لیے ذرا بھی نرمی کی گنجائش نہیں تھی۔

ماہ رو کا دل جیسے رک رک کر چلنے لگا۔ دھڑک دھڑک کرر کنے لگا۔

"پلیز نہیں۔ میں عباس کو تکلیف نہیں دے سکتی۔" اس نے ماہم کے بدلے والے آپشن کو ریجیکٹ کر دیا تھا۔ ہاں وہ اپنی محبت پانے کے لیے ہر حد سے گزر سکتی تھی۔ اور آخری سانس تک اسٹرگل کر سکتی تھی۔ اتنا پوچھنے کا حق تو محفوظ رکھتی تھی۔ وہ اسے ایک مرتبہ نہیں کئی مرتبہ صدا دے کر روکے گی۔ اسے مڑنے پہ مجبور کرے گی۔ ماہم اس کے تاثرات دیکھ رہی تھی جہاں نئی امید اور حوصلہ جگمگاتا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ اس کا ایک ایک تاثر پڑھ رہی تھی۔ پھر گہرا سانس کھینچ کر سر جھٹکتے ہوئے بولی۔

"خاصی ٹف اسائنمنٹ ہے ماہ رو! مجھے امید ہے تم اسے حل کر سکتی ہو۔" وہ اس کا گال تھپتھپا کر مسکرا رہی تھی۔

"کیا تم نے سنا نہیں' جب حسن تقریر کرنے لگتا ہے تو بڑے بڑے زبردست فصیح مقرر گونگے ہو جاتے ہیں۔" ماہم نے بڑے انداز میں بڑے کام کا فلسفہ جھاڑا تھا۔ وہ ابراڈ سے آ کر خاصی سمجھدار ہو گئی تھی۔ ماہ رو کو مانتے ہی بنی۔

"تو اس کا مطلب ہے...؟" ماہ رو کی آنکھوں میں

چمک بڑھ گئی تھی۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص ارادے کا پکا ہو وہ دنیا کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال سکتا ہے۔" ماہم نے اس کا کندھا بھی تھپتھپا دیا تھا۔ اس کے اندر ایک امید، ایک تحریک رواں ہو گئی تھی۔ وہ کچھ دیر پہلے ملنے والی ذلت کو بھول گئی تھی۔

اسے عون عباس کو ہر قیمت پر پانا تھا۔ چاہے دل جاتا یا چاہے جان بھی چلی جاتی۔

خلیل جبران نے ٹھیک کہا تھا۔ بالکل ٹھیک کہا تھا۔

"محبت طویل قربتوں کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ وحی کی طرح کسی لمحے میں ہمارے دلوں میں اتر جاتی ہے۔"

محبت کوئی الہامی طاقت تھی جو خدا کی طرف سے دلوں میں پیوست ہو جاتی اور عمر بھر کے لیے اپنا ٹھکانا بنا لیتی۔ کبھی نہ نکلنے کے لیے کبھی نہ چھوڑنے کے لیے۔ اس نے محبت کا ان دنوں فلسفہ اور نصاب پڑھنا شروع کیا تو جانے کون کون سے انکشافات کے در وا ہوئے تھے۔ اس کا جی چاہتا۔ وہ دن بھر محبت کے پھول کاڑھے اور رات بھی اس کی ردا اوڑھ کر سوتی رہے۔ کتنی مٹھاس تھی اس لفظ محبت میں۔

گو کہ محبت کتنی آنکھوں کے آنسو پیتی ہے، پھر بھی یہ کھاری بدذائقہ نہیں ہوتی۔ لوگ اسے امرت سمجھ کر پی لیتے ہیں۔ جیسے اس نے امرت سمجھ کر محبت کے جام کو پی لیا تھا۔ اور اب ایک بے سکونی تھی۔ جو رات دن گھیر میں لیے پھرتی تھی۔ لیکن اس بے چینی کے گھیر میں ایسا لطف تھا۔ ایسا مزہ تھا جو وہ اس مدار کو عمر بھر چھوڑنے کی ہمت نہ کرتی۔ ہمیشہ اسی مدار میں رہتی۔

ان دنوں ماہ رو کی ساری بیرونی سرگرمیاں ٹھپ پڑی تھیں۔ وہ باقاعدہ کلب جایا کرتی تھی۔ ایکسر سائز کرتی تھی۔ جم جوائن کر رکھا تھا۔ اسپورٹس میں فٹنس کے لیے حصہ لیتی تھی۔ لیکن آج کل ہر ایکٹیویٹی سے ناطہ توڑ رکھا تھا۔ اس کا پورا وقت ماہم کے ساتھ گزر رہا تھا۔ ماہم کے آجانے سے وہ تر و تازہ ہو گئی تھی۔ اس دن لان میں ٹینس کھیلتے ہوئے ماہم کو اچانک فریحہ کا خیال آگیا۔

"تمہاری وہ سو کالڈ فرینڈ کہاں ہے آج کل؟ کافی دنوں سے اس کا ذکر نہیں سنا۔ ورنہ تم تو فریحہ نامہ کھول بیٹھو تو بند ہی نہیں کرتیں۔" ماہم نے ریکٹ ہوا میں اچھالتے ہوئے اچانک پوچھا تھا۔ ماہ رو کو بھی فریحہ کے ساتھ ایک ستم گر بھی یاد آگیا تھا۔ گو کہ ماہم جانتی تھی کہ عون عباس فریحہ کا کزن ہے تاہم وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ وہ لوگ اکٹھے رہتے ہیں۔

"میں نے کال پہ کافی دفعہ ٹرائی کیا ہے۔ وہاں کوئی کال پک نہیں کرتا۔ ایک دن ملازمہ نے اٹھایا تھا۔ فریحہ لوگ کچھ خاص مصروفیت میں ہیں۔ میں نے تفصیل نہیں پوچھی تھی۔ گھر اس لیے نہیں جاتی۔ عباس کی فیملی بھی وہیں ہوتی ہے۔ ان کا جوائنٹ فیملی سسٹم ہے۔ میں نہیں چاہتی، عباس سے دوبارہ سامنا ہو۔" ماہ رو نے ایک افسردہ سانس فضا کے سپرد کرتے ہوئے آرام سے بتایا تھا۔ وہ ماتھے پہ بندھا بینڈ اتار کر لان چیئر پہ ڈھے گئی تھی۔ ماہم بھی ریکٹ گھاس پہ لڑھکا کے ٹیبل تک آئی۔ فریش جوس گلاسوں میں ڈال کر اس نے ماہ رو کے سامنے نشست سنبھال لی تھی۔

"ایک مرتبہ پھر کی تم نے بزدلوں والی بات۔" ماہم نے اسے بے ساختہ ٹوکا تھا۔

"تو کیا منہ اٹھا کر اس کے گھر جاتی رہوں۔ بغیر کسی بہانے کے۔ جبکہ فریحہ میرے لاکھ کہنے پہ بھی یہاں نہیں آتی۔" ماہ رو نے اس کا بڑھایا ہوا جوس کا گلاس پکڑ لیا تھا۔

"اوہوں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "میرا یہ مطلب بھی نہیں تھا۔ اینی وے، فریحہ کو چھوڑو۔ اس کے کزن تک آؤ۔ عباس کا کوئی کانٹیکٹ نمبر ہے۔؟"

"نہیں۔" ماہ رو مایوس سی بولی۔ ماہم جیسے چیخ پڑی تھی۔ "کانٹیکٹ نمبر بھی نہیں؟ فریحہ کے گھر گھاس چرنے جاتی رہی ہو۔؟ بہانے سے عباس کا نمبر تو اڑا لیتی۔ حد ہے یار! یہ انیس سو ساٹھ والی محبت کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔" ماہم نے اسے آنا" فانا" لتاڑ کر رکھ دیا تھا۔

"فریحہ سے کس طرح مانگتی؟ تم بھی نا۔ اور ویسے بھی میں عباس کی غیر موجودگی میں جاتی تھی۔" ماہ رو نے خفگی سے بتایا تھا۔

"اس کی بہن سے لیتی۔ کیا نام ہے؟ کائنات۔" اس نے سوچ کر جھٹ سے کہا تھا۔ ماہ رو نے اسے گھور کر دیکھا۔

"تاکہ اس کی فیملی میں سب کو شک ہوجاتا۔" اسے ماہم کی عقل پہ تاؤ آیا تھا۔ بڑا کمال کا مشورہ دے رہی تھی۔

"او مائی گڈنیس تم کس صدی میں اچانک پلٹ گئیں ماہ رو سرفراز! یہ تم کیسی باتیں کررہی ہو۔ یہ خط اور رقعہ بازی کا زمانہ نہیں۔ انٹرنیٹ کا جدید دور ہے۔ جو کام زبان نہیں کرتی، وہ موبائل کرتا ہے۔ ایک ایس ایم ایس پوری قیامت اٹھالاتا ہے۔ جو کام زبان سے لے رہی تھیں۔ وہ موبائل سے لیتیں۔ آخر پتھر میں سوراخ ہو ہی جاتا۔ کالز، میسجز، چیٹ، وہ کب تک اوائڈ کرسکتا تھا؟" ماہم نے ایک مرتبہ پھر اسے بری طرح لتاڑ دیا تھا۔

"تم ٹھیک کہتی ہو۔" ماہ رو نے تسلیم کرلیا۔ "ویسے ایک بات تو بتاؤ۔ محبت میں پہل کس کو کرنی چاہیے۔ مرد یا عورت؟" بڑے دنوں سے کلبلاتا ایک سوال وہ ماہم سے پوچھ بیٹھی تھی۔ کیونکہ وہ خود سے زیادہ ماہم کو عقل مند سمجھتی تھی۔ کچھ دیر کے بعد ماہم سوچ میں پڑ گئی۔

"ان فیکٹ، مرد کو۔ عورت کو نہیں۔ بٹ تمہاری سچویشن الگ ہے۔ تم ون سائیڈڈ کا شکار ہو۔ یہاں تمہیں پہل کرنا چاہیے تھی۔ تاکہ دوسری طرف کے اموشنز تک رسائی حاصل ہوجاتی۔ سو تم گلٹی فیل مت کرو۔" ماہم نے اسے اپنی سمجھ کے مطابق سمجھایا تھا۔ ماہ رو بھی کچھ مطمئن ہوگئی۔ ان کی سوسائٹی میں اظہار محبت ٹائپ چیزیں معیوب نہیں سمجھی جاتی تھیں۔ یہ ایک عام روٹین ورک تھا۔ کسی سے پیار ہونا، شادی کرنا اور پھر طلاق کی خبر بھی سن لینا۔

"کبھی کبھی میں گلٹ فیل کرتی ہوں۔ مجھے لگتا ہے عون عباس ایسا بندہ نہیں تھا۔ جسے کوئی بھی منہ اٹھا کر آئی لو یو بول دیتا۔ میں اس کے لیے انجان تھی۔ ہم ایک دوسرے کو جانتے تک نہیں تھے۔ پھر میں نے اچانک ایک ایسی بات کہی جو اس کے تصور میں ہی نہیں تھی۔ آئی تھنک میں نے ایک مناسب بات کو ایک غیر مناسب سچویشن میں بے مول کرکے ناکارہ کردیا ہے۔ میں اپنے لفظوں کی قیمت کھو چکی ہوں۔" ماہ رو نے افسردگی بھرے لہجے میں اپنے اندرونی خیالات اور بے چینی کی گانٹھ کھولی تھی۔

"یو ڈونٹ وری، تم الٹا سیدھا کچھ مت سوچو۔ جو تم نے کیا بہتر کیا۔ اس تک اپنے خالص جذبے پہنچادیے۔ وہ عقل مند ہوا تو ان کی قدر کرے گا۔ پذیرائی کرے گا۔ ویسے بھی تم اس سے محبت کرتی ہو۔ وہ تو انجان ہے۔ کیونکہ اس کے جذبات تمہارے لیے ایسے نہیں۔ عباس کو الہام تو ہونا نہیں تھا۔ تم بتاتی تو اسے پتا چلتا۔ اگر انیس سو ساٹھ کی ہیروئن بنی رہتیں تو وہ کسی اور کو ڈولی میں بٹھا کر گھر لے آتا۔ اور تم دل میں عباس کو بسا کر کسی بزنس مین کے روز و شب تباہ کرتیں۔ میرے نزدیک تو یہ صاف رنگنگ ہے۔ انتہائی دہرا پن۔ کھلی منافقت۔ شفاف دھوکا۔" ماہم نے جوس کا گلاس خالی کرکے ہاتھ جھاڑ لیے تھے۔ اس نے حتی المقدور ماہ رو کے اندر سے گلٹ اکھاڑنے کی کوشش کی تھی۔

"تم نے سنا نہیں۔ کسی ایسی خواہش کے پیچھے بھاگنا فضول ہے جس کے نہ پورا ہونے کا گمان ہو۔ لیکن کسی ایسی خواہش کے پیچھے بھاگنا سودمند ہے۔ جس کے پورا ہونے کا قوی یقین ہو۔" ماہم نے ایک مرتبہ پھر اس کا شانہ تھپتھپا کر امید دلائی تھی۔ ماہ رو کے ہونٹوں پہ بھولی بسری مسکان اتر آئی۔

"ماہم! یو آر گریٹ! مجھے یقین آگیا۔ کامیابیاں حوصلوں سے ملتی ہیں۔ حوصلے دوستوں سے ملتے ہیں اور دوست مقدروں سے ملتے ہیں۔ اور مقدر انسان خود بناتا ہے۔" اس کے اندر تروتازگی کی لہر پھیل رہی تھی۔ یہ امید صبح جمال تھی۔ جس کے طلوع ہونے پہ

سویرا ہر سو سنہرا پن بکھیر دیتا ہے۔ روشنی کرنوں کو بھی جگمگاتی ہے۔

☼ ☼ ☼

آج شام کو مایوں کی رسم تھی۔ گھر میں مہمانوں کی چہل پہل سے خوب رونق کا سماں تھا۔ اس کی کچھ کزنز نے تو ڈھولکی منگوا کر رکھ لی تھی۔ ہر روز ڈھولک پر گانوں کی پریکٹس ہوتی تھی۔ عامر' یاسر' عاشر بھی شریک ہو جاتے۔ پھر اتنا ہنگامہ بپا ہوتا کہ حد نہیں۔ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ مہمانوں کے آنے سے گھر سچ مچ شادی والا گھر لگنے لگا تھا۔ ایک دم مصروفیت بڑھ چکی تھی۔ فریحہ کو ان دنوں کاموں سے آزادی تھی۔ سو وہ بور ہو ہو کر تھک چکی تھی۔ تائی اور امی اسے کچن میں بھی نہیں جانے دیتی تھیں۔ کزنز سب کائنات کے ساتھ مل کر یا تو اپنا حسن نکھارتیں یا لڈو کھیلتیں یا شطرنج کی بساط بچھ جاتی اور یا پھر گانوں پہ تانیں لگائی جاتی تھیں۔ غرض ان میں سے کسی کے پاس بھی فریحہ کے لیے وقت نہیں تھا۔ ان دنوں اسے شدت سے ماہ رو یاد آرہی تھی گو کہ ماہ رو کی بہت سی فرینڈز تھیں تاہم فریحہ نے صرف ماہ رو کو ہی اپنا دوست بنایا تھا۔ ان کی دوستی کا ایک اصول یہ بھی تھا کہ وہ دونوں ہی اپنے گھر اور گھریلو باتوں کو ڈسکس نہیں کرتی تھیں۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے بارے میں اتنا کچھ نہیں جانتی تھیں۔ فریحہ کو ماہ رو کے بارے میں اتنا پتا تھا کہ وہ ایک بڑے مل اونر کی اکلوتی بیٹی تھی' بہت شوخ مزاج' کچھ نخریلی' مغرور اور ہلے گلے کی شوقین اور ماہ رو کو ہمیشہ سنجیدہ مزاج فریحہ کو اپنے دل کے قریب لگی تھی۔

اسے یاد تھا جب پہلی مرتبہ فریحہ ماہ رو کو گھر لے کے آئی تھی پورا گھرانہ اسے دیکھنے کے لیے اکٹھا ہو گیا تھا۔ کائنات اور اس کی بھابیاں تو ماہ رو کے نام کی مالا جپتی تھیں۔ حتیٰ کہ تائی اور تایا بھی ماہ رو سے بڑی محبت سے پیش آتے تھے۔ ان چند دنوں میں ہی ماہ رو ان کے گھر میں مقبول ہو گئی تھی۔ جب وہ نہیں آتی تو ثنا' مریم اور کائنات فریحہ کا سر کھا لیتی تھیں۔ تب پہلی مرتبہ فریحہ کو اس کی امی نے ماہ رو کو یہاں بلانے پہ ٹوک دیا تھا۔ وہ تب امی کی بات میں اتری گہرائی کو سمجھ نہیں پائی تھی' لیکن جب ماہ رو کا اس گھر کے چند افراد سے التفات معنی خیز حد تک بڑھ گیا تھا تب فریحہ کی امی نے اسے بے انتہا جھڑک کر منع کیا۔

"ماہ رو کو یہاں مت لایا کرو۔ میں نے تمہیں کتنی مرتبہ سمجھایا ہے۔" امی کا لہجہ دبا دبا غصیلا تھا۔ جیسے وہ بہت پہلے ہی آنے والے برے وقت کی آہٹیں پا چکی تھیں۔ تب تک فریحہ کو بھی ماہ رو کا یہاں اس قدر تسلسل سے آنا جانا کھٹک گیا تھا۔ وہ خود اس صورت حال پر گھبرانے لگی تھی۔ کیونکہ ماہ رو کا التفات تایا کی فیملی سے دن بدن بڑھتا جا رہا تھا۔

"امی! میں اسے نہیں بلاتی۔ وہ خود ہی بہانے سے آجاتی ہے۔ شاید وہ اپنے گھر کی تنہائی سے تنگ آچکی ہے۔ اسے یہاں اپنائیت بھرا ملنے ملنے والا ماحول ملتا ہے شاید اسی لیے..." وہ چاہ کر بھی منفی خیالات کو اپنے دماغ میں جگہ نہیں دینا چاہتی تھی۔ وہ امی کے وسوسوں کو اپنے دل میں نہیں گھسانا چاہتی تھی۔ امی نے اس کی بات سن کر ترشی سے کہا۔

"امیروں کو تنہائی کی کیا پروا... جب چاہا' باہر نکلے' گھومے پھرے' ہوٹلنگ' شاپنگ کی اور دن گزار لیا۔" ان کا موڈ خراب تھا۔ "سہیلی تمہاری اور بہنا پہ ان کے ساتھ۔"

"وہ میرے توسط سے تو آتی ہے۔" فریحہ منمنائی تھی۔

"آخر پہلے کیوں نہیں آتی تھی؟" امی کا انداز سوچتا ہوا کچھ کچھ طنزیہ قسم کا تھا اور یہاں پہ ماہ رو کے لیے اس کی ساری وکالت دھری کی دھری رہ جاتی تھی۔ فریحہ حیران ہوتی تھی۔ واقعی ماہ رو پہلے کبھی اتنی ضد کر کے کیوں نہیں اس کے گھر آتی تھی؟ آخر اس دن ہوا کیا تھا؟ اس بھری دھوپ میں کون سی ایسی مقناطیسی کشش تھی جب ماہ رو ان سب کے ساتھ برج' فیشن زون' آوٹ فٹر اور رحمان پلازہ میں خوار ہونے کے

باوجود گھر چلی آئی تھی۔ وہ بھی بضد اصرار۔ بہت شوق اور چاہ میں۔
اگر فریحہ پچھلے کچھ عرصے پہ نگاہ دوڑاتی اور اس دھوپ بھری دوپہر کو یادداشت کے ہر کونے سے کھنگال کر سامنے لاتی تو اسے اس بھری دوپہر میں ماہ رو کے بدلتے انداز اور چہرے میں کچھ غیر معمولی پن ضرور دکھائی دیا تھا۔ ہاں تب فریحہ نے محسوس نہیں کیا تھا۔ غور بھی نہیں کیا تھا۔ حالانکہ تب گھر آتے ہوئے وہ زبردستی اسے ڈراپ کرنے آئی تھی اور برابر اس کے بارے میں چھوٹی سے چھوٹی بات کرید رہی تھی حالانکہ پہلے ایسا ہرگز نہیں تھا۔ اس نے تو کبھی یہ پوچھنا بھی گوارا نہیں کیا تھا کہ فریحہ کے بہن بھائی کتنے ہیں؟ پھر اچانک ماہ رو کو کیا ہوا؟
لیکن وہ اچانک بھی نہیں تھا۔ ماہ رو برج' فیشن زون اور آؤٹ فٹر سے لے کر رحمانی پلازہ پہنچنے تک۔ بے زار دکھائی دی تھی۔
لیکن یہ بے زاری اسی وقت ختم بھی ہوگئی جب۔ جب؟ اور جب فریحہ کو اپنے رحمان پلازہ آنے کی وضاحت دینا پڑی تھی۔ کیسے وضاحت دینا پڑی تھی؟ یہ تو کچھ بھی ڈھکا چھپا نہیں تھا۔ رحمان پلازہ میں اسے ڈانٹنے اور سخت سست سنانے کی جرات کرنے والا صرف عون عباس تھا۔ جسے اپنے گھر کی خواتین کا پلازہ میں آنا کبھی گوارا نہیں ہوتا تھا۔ اور اس چھوٹی سی جھڑپ کے بعد عون چلا گیا تھا جب تک وہ وہاں رہا تھا اس کی ماہ رو والی سائڈ طرف پشت تھی۔ ہاں بڑے بڑے خوب صورت آئینوں میں عکس ضرور واضح ہوتا تھا۔ اس کے چلے جانے کے بعد ماہ رو کے ساتھ جو بھی ہوا وہ حیران کن تھا۔ ماہ رو کی بے زاریت ختم ہوگئی تھی۔ اس کا اتنی گرمی میں ان سب کے ساتھ معمولی شاپنگ کا حصہ بننا اور اس بات پہ غصہ کرنا بھی ختم ہوگیا تھا۔ ماہ رو کے موڈ میں واضح تبدیلی آئی تھی۔ اس تبدیلی کو سمیرا اور ہما وغیرہ نے محسوس نہیں کیا تھا بلکہ اس وقت فریحہ نے بھی محسوس نہیں کیا تھا۔
لیکن آج اپنی مایوں سے پہلے اس ستاروں بھری شام میں وہ بے دریغ ماہ رو کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ اس کے ایک ایک بدلے انداز کو' اس کے ایک ایک سابقہ انداز کو۔ وہ پہلے اور اب والی ماہ رو کا تقابلی جائزہ لے رہی تھی۔ اس میں کہاں کہاں بدلاؤ آیا تھا؟ وہ سوچتی رہی' سوچتی رہی اور ایک دم جیسے شاکڈ رہ گئی۔ ماہ رو تو سرتاپا بدل چکی تھی۔ وہ پہلے والی غرور کا مرقع بنی ماہ رو سے کس قدر مختلف ہو چکی تھی جو فریحہ کے گھر میں اس کی عام سی کزنز اور بھابیوں میں بیٹھ کر معمولی گوسپ پہ خوش ہوتی تھی اور قہقہے لگاتی تھی۔ آخر کیوں؟ کس لیے؟ اس کے "بدلاؤ" کی وجہ کیا تھی؟ فریحہ کا سوچ کی اس انتہا پہ جیسے دل بند ہونے لگا تھا۔
وہ اس وقت کوئی بھی منفی بات سوچنا نہیں چاہتی تھی' لیکن کچھ تو تھا جو من کو بے قراری کے پھیر میں گھبرانے پہ مجبور کر رہا تھا۔ پھر جب فریحہ نے مایوں کا لباس زیب تن کر لیا اور تائی اس کی بلائیں لیتی اچانک کچھ یاد آنے پہ چونک گئی تھیں۔ انہیں ویسے اچانک خیال ہرگز نہیں آیا تھا وہ تین چار مرتبہ پہلے بھی پوچھ چکی تھیں۔
"فری! تم نے ماہ رو کو نہیں بلایا۔ ؟ وہ کیوں نہیں آرہی۔ اس کا نمبر بھی بند ہے۔ وہ ٹھیک تو ہے نا۔۔۔؟"
جس قدر ماہ رو اس گھر میں تیزی کے ساتھ اپنی جگہ بنا کر مقبول ہوگئی تھی سو اس کا اچانک بلاوجہ ہی تعلق ختم کرلینا سب کے لیے اچنبھے کا باعث تھا اور تائی تو کچھ زیادہ ہی ماہ رو کے لیے کانشس ہو رہی تھیں۔
"میں نے بھی کال کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس کا نمبر بند ہے۔" فریحہ کو بھی یہی بہانہ سوجھا تھا۔ وہ بتا نہیں سکی تھی کہ امی نے اس سے بات چیت کرنے سے منع کر رکھا ہے۔
"تو پھر تم عاشر کے ساتھ جا کر خود شادی کا کارڈ دے آتیں۔ اتنی پیاری تو بچی ہے۔ کیسے ہم میں گھل مل گئی تھی۔ ذرا بھی نخریلی نہیں۔۔۔ دیکھو تو دل خود بخود خوش ہو جائے۔ ماشاء اللہ ایسی موہنی صورت کہ نظر نہ ہٹے۔۔۔ یہ کائنات وغیرہ کا تو اس پہ دل آگیا تھا۔ میں بھی

چاہتی تھی کہ عاشر سے..." وہ بولتے بولتے اچانک امی کی مداخلت پہ لحہ بھر کے لیے رک گئی تھیں۔ ورنہ وہ روانی میں ضرور کہہ جاتیں کہ ان کا ارادہ عاشر کے لیے اس کا رشتہ مانگنے کا تھا۔ امی بھی ان کی ادھوری بات کا مفہوم سمجھ گئی تھیں۔

"وہ تو باہر چلی گئی بھابھی! امیر لوگ ہیں آج ادھر تو کل سیر و تفریح کے لیے ملک سے باہر۔ اسی لیے رابطہ بھی منقطع ہے۔ پہلے پہل تو وہ باہر سے بھی کال کر لیتی تھی۔ جانے زیادہ مصروف نہ ہو۔" امی کے بروقت ٹھوس قسم کے بہانے پہ فریحہ لحہ بھر کے لیے چپ سی کر گئی تھی۔ امی کا یہ جھوٹ اگر کھل جاتا؟ ماہ رو آج ہی اگر اچانک آجاتی؟ کیونکہ وہ فریحہ کے گھر ہمیشہ اچانک ہی آتی تھی۔ اگر اسے سمیرا وغیرہ فریحہ کی شادی کے متعلق بتا دیتیں تو وہ ماہ رو کو نہ بلانے کا کیا جواز پیش کرتی؟

"اور بھابھی! کہاں ماہ رو' مل اونر کی بیٹی اور کہاں ہم درمیانے درجے کے کاروباری لوگ۔ بھلا ہمارا اور ماہ رو کی فیملی کا کیا مقابلہ۔ اچھا کیا آپ نے عاشر کا رشتہ مانگ کر بات نہیں گنوائی۔ بھلا ماہ رو کا ہمارے ساتھ کوئی جوڑ بنتا ہے؟ اس کا باپ تو دو ٹوک انکار کر دیتا۔ یہ تو چھوٹا منہ اور بڑی بات والا معاملہ ہو جاتا تھا۔" امی اپنی بیٹی کے لیے ڈھال بننے کی کوشش میں اپنے ماں ہونے کا پورا پورا حق نبھا رہی تھیں۔

"میرے عاشر میں بھلا کیا کمی ہے؟ وہ تو خود ہی چھری تلے نہیں آرہا۔ اتنے رشتے آرہے ہیں۔ وہ مانتا ہی نہیں جانے کہاں دل اٹکا رکھا ہے۔ کچھ بھاپ بھی نکالے تو تب نا۔" تائی کچھ آبدیدہ سی ہو گئی تھیں۔ کیونکہ عاشر کا معاملہ ہمیشہ کھٹائی میں رہا تھا۔ لاکھ فرمانبرداری کے باوجود وہ ہرگز بھی شادی کے لیے نہیں مان رہا تھا۔ نہ اپنی پسند بتاتا تھا' نہ ان کی پسند پہ حامی بھرتا تھا۔ بس ایک ہی بات کہتا۔

"آپ عون کی شادی کر دیں... میں اس کے بچوں کا چاچا بن کر ہی خوش ہو تا رہوں گا۔" جانے اس کے من میں کیا تھا۔ اور اس وقت عاشر کی اچانک آمد نے تائی کو ماہ رو کو بلانے والے موضوع سے ہٹا دیا تھا۔ فریحہ نے دل ہی دل میں سکھ کا سانس لیا۔

"یہ میرے خلاف کیا پروپیگنڈا ہو رہا ہے؟" فریحہ پہ ایک اچٹتی نگاہ ڈال کر وہ ماں سے مخاطب ہوا۔ جو اسے دیکھ کر ٹھنڈی آہ بھر کے رہ گئی تھیں۔ کیا تھا اگر وہ شادی کے لیے مان جاتا۔

"تائی تمہیں بھی قربان کرنے کا سوچ رہی ہیں۔" فریحہ نے مسکرا کر ماحول کی کثافت کم کرنا چاہی تھی۔

"میں تو ایک پر ہی قربان ہو چکا ہوں۔ مزید قربانی نہیں دے سکتا۔" عاشر کا انداز معنی خیز قسم کا تھا۔ فریحہ کو کچھ عجیب لگا۔ گو کہ وہ پہلے بھی خاصی معنی خیز گفتگو کرتا تھا تاہم اس وقت فریحہ کو کچھ الگ ہی فیل ہوا۔

"تو وہ جنم جلی ہے کہاں؟" تائی کو غائبانہ ہی اس پر تاؤ آگیا۔ "سامنے ہو تو اس کے پیر پکڑ کر بھی لے آئیں۔"

"وہ پیر پکڑنے سے بھی نہیں آئے گی۔ قسمت کے پھیر میں پھنسی ہوئی ہے۔" عاشر نے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا۔

"کیسی منحوس ہے۔" تائی کو اور بھی بری لگی تھی۔

"منحوس نہیں... بڑی بھاگوان ہے۔ نصیب والوں کی دہلیز پہ اترے گی۔" عاشر ہلکا سا مسکرا دیا تھا۔ اس کا انداز سابقہ ہی تھا تاہم اس میں ہمیشہ والی معصومیت ضرور موجود تھی۔

"میرا دل تو فریحہ کی سہیلی پہ آگیا تھا۔ ایسی سندر بچی ہے کہ پورے گھر میں اجالا بھر دے۔" تائی کو ایک مرتبہ پھر ماہ رو یاد آگئی۔

"کیوں؟ ہمارے گھر بجلی نہیں ہے... یا جنریٹر کا فقدان ہے۔" عاشر نے تائی کی بات کو اپنے ہی رنگ میں لیا تھا۔ تائی نے اسے گھور کر دیکھا تھا پھر اپنی بات جاری رکھی۔

"ایسی چینی کی گڑیا' دل چاہے تو شو کیس میں سجا دیں۔"

"کمال کرتی ہیں امی آپ؟ شو کیس برتن سجانے کے لیے ہوتے ہیں جیتے جاگتے انسان نہیں۔ پھر ہمیں

ایک بیوی درکار ہے کوئی ڈیکوریشن پیس نہیں۔ محترمہ کوئی کام نہیں کرتیں۔ ہر کام کے لیے دس دس نوکر ہیں۔

پھر جم میں الگ سے جانا ہوتا ہے۔ شاپنگ، ہوٹلنگ، ہلا گلا اضافی کمالات ہیں۔ آپ اتنے اونچے خواب نہ ہی دیکھیں تو بہتر ہیں اور اگر اتنا ہی ماہ رو بی بی پہ دل آگیا تھا تو پھر عون کو تختہ مشق بنا لیتیں۔ یقین واثق تھا کہ عون ان محترمہ کو سدھارنے کی طاقت رکھتا تھا۔ مجھ غریب کو تو کھڑے کھڑے گولی سے اڑا دیتی۔ حد ہے بھئی۔ خواب بھی دیکھا تو آسمانوں والا۔" وہ اتنے مزاحیہ انداز میں بولا تھا کہ فریحہ کی ہنسی چھوٹ گئی تھی۔ پھر وہ ہنس ہنس کر دوہری ہو گئی تھی۔ اس کی شفاف جھرنوں سی ہنسی نے لحہ بھر کے لیے عاشر کو تھما دیا تھا۔ اس کے اپنے لبوں کی مسکراہٹ غائب ہو گئی تھی۔ پھر وہ ایک لمحے کے لیے بھی نہیں رکا تھا۔ الٹے قدموں ہی پلٹ گیا تھا۔ تائی امی اور فریحہ اس کے ردعمل پہ ششدر رہ گئے تھے۔ اسے اچانک ہوا کیا تھا؟

☆ ☆ ☆

یہ شدید گرم ترین دن تھا۔ نہ صرف گرم ترین بلکہ مصروف ترین بھی۔ عاشر کو بخار تھا سو وہ کام پہ نہیں آسکا۔ عاصم اور قاسم بھائی نیا مال بک کروانے کراچی گئے ہوئے تھے۔ رات کو تین ٹرک سامان کے آئے تھے۔ جنہیں خالی کروانا تھا اور آج ہی کروانا تھا۔ اگلے تین دن اور بھی مصروفیت کے تھے۔ کیونکہ اگلے تین دن میں باقاعدہ شادی کی رسموں کا آغاز ہو جانا تھا۔ عون عباس کو آج ہی تمام کام نمٹا کر فارغ ہونا تھا۔

وہ اپنے زیر نگرانی پیکنگ میں بند نیا مال اتروا کر گودام میں رکھوا رہا تھا۔ پھر پلازہ کی مختلف دکانوں میں مطلوبہ سامان پہنچانا بھی اسی کی ذمہ داری تھی۔ پیکنگ کھلوانا بھی اسی کے ذمے لگایا گیا تھا۔ خاص طور پر الیکٹرونکس کے ٹرالوں کو خالی کروانا بڑا محتاط قسم کا کام تھا۔ اوپر سے بلا کی گرمی تھی اچانک ہی سورج انتہائی پر تپش ہو گیا تھا۔ ابھی ایک ٹرک خالی ہوا تھا جب اس کی جینز کی پاکٹ میں رکھا سیل فون ایک تواتر سے بجنے لگا۔ اس نے مصروف انداز میں موبائل نکال کر کان سے لگایا تھا۔ دوسری طرف ایک دل نشین جانی پہچانی نسوانی آواز سنائی دی تھی۔ عون کی بھنویں تن سی گئیں۔ ماتھے پہ سلوٹ نمودار ہوئی تھی۔ اس کے اعصاب تک کھنچ گئے تھے۔ اس کا وجدان جس خاتون کی طرف اشارہ کر رہا تھا اگر کالر وہی تھی تو پھر آج اس کی زندگی کا انتہائی برا ترین دن تھا۔ اور وہ اگلے دس سال تک بھی اس کال کو بھلانے والی نہیں تھی۔ اگر ذرا سی بھی غیرت رکھتی تو شرم سے ڈوب مرتی۔ اس دن کی ذلت کے بعد ایسی جرات کا دوبارہ مظاہرہ نہ کرتی۔

عون عباس کو اندازہ ہی نہیں تھا۔ اس کا کس ڈھیٹ اور انتہائی ڈھیٹ خاتون سے واسطہ پڑا تھا۔ مہذب الفاظ میں ایسی عورتوں کو مستقل مزاج کہا جاتا ہے تاہم عون کے نزدیک وہ کمال درجے کی ڈھیٹ لڑکی تھی۔ جسے اپنی انا، عزت اور وقار کا ذرا پاس نہیں تھا، لیکن آج وہ اس کے تمام طبق روشن کر دینا چاہتا تھا۔ جیسے ہی اس نے مدھر آواز میں عباس کہا۔۔۔ ٹھیک اسی لمحے وہ ذرا فاصلے پر شیڈ تلے کھڑا ہو کر سورج کی تپش سے بڑھ کے آگ اگلنے لگا تھا۔

"مجھے امید نہیں تھی۔ تم اس دن کی انسلٹ کے بعد رابطہ رکھوگی، لیکن آج پتا چلا ہے تم کس قدر ڈھیٹ قسم کی لڑکی ہو۔ بلکہ شریف لڑکیوں کے نام کی بھی توہین ہو۔ تم میں ذرا بھی غیرت نہیں۔ میں نے اپنی زندگی میں تم سی بے حیا اور بے ہودہ لڑکی نہیں دیکھی۔" عون جیسے چھوٹتے ہی پھٹ پڑا تھا۔ یہ ماہ رو کی خوش نصیبی تھی جو وہ اس وقت عون کے سامنے نہیں تھی۔ ورنہ یہ سامنے کھڑا ٹرالر اس کے اوپر سے گزار دیتا یا پھر بلڈوزر کے پہیوں تلے دبا دیتا۔ اور ماہ رو جیسے ہر قسم کے رویے کی توقع رکھ کر کال کرنے کی ہمت خود میں لائی تھی۔ وہ جانتی تھی عون کسی بھی انتہا پہ غصے کا گراف لے جا سکتا تھا۔ سو اس کے اطمینان

میں عون کے زہر اگلنے پہ بھی فرق نہیں پڑا تھا۔ بلکہ اس نے بڑے سکون اور دلچسپی سے عون کے الفاظ کو سنا تھا پھر انتہائی برجستہ لہجے میں بولی۔

"ویل 'کوئی حسرت تو نہیں رہے گی نا۔ اب مجھ جیسی بے ہودہ تو دیکھ لی ہے۔ تم یہ بھی سمجھ چکے ہوگے میں کس قدر مستقل مزاج ہوں۔۔۔ تمہارے الفاظ میں ڈھیٹ ترین ہوں۔ تو پھر تم میرے ٹیلنٹ کو مان گئے نا۔ تمہارے نمبر تک رسائی بھی حاصل کرلی ہے۔ کسی دن تم تک بھی پہنچ جاؤں گی۔ پھر تمہارے دل کو اپنا بنانا بھی مشکل نہیں ہوگا۔" ماہ رو نے بڑے دلربا انداز میں کہا تھا۔ یوں کہ عون کا سارا خون رخساروں پہ سمٹ آیا۔ اس کی بے ہودہ گوئی پہ عون کو بے انتہا غیض چڑھا تھا۔

"مجھے یقین نہیں آتا۔ فریحہ نے تم جیسی لڑکی کو دوست بنا رکھا تھا۔ کیا فریحہ کو اچھے برے کی ذرا پہچان نہیں۔۔۔ تم تو ایسی بے لگام لڑکی ہو چار شریف لڑکیوں کو منٹوں میں اپنے جیسا بے لگام کردو۔" وہ اسے بھگو بھگو کر جوتے مار رہا تھا۔ اور ماہ رو ان فقروں کو کسی اعزاز کی طرح وصول کررہی تھی۔ اف یہ محبت بھی نا۔ کتنا لاچار کرتی ہے۔ کتنا خوار کرتی ہے۔ کتنا بد حال کرتی ہے۔

"فریحہ کو اچھے برے کی پہچان ہے یا نہیں۔ یہ تم فریحہ سے ہی پوچھ لو۔ اگر میں نے فریحہ کی شرافت کو خراب کیا ہے۔ پھر تو یہ الزام سچا ہوگا۔ اگر نہیں تو پھر اپنے الفاظ پہ ذرا دوبارہ غور کرلو۔ میں تو شریف لڑکیوں کو خراب کرنے والے الزام سے بری ہوں۔" ماہ رو نے بڑے انداز سے عون کو زچ کرنا چاہا تھا۔ باہم برابر اسے وکٹری کا نشان دکھا کر بیک اپ کررہی تھی۔ اس کی کمر ٹھونک رہی تھی۔

"جسٹ شٹ اپ۔" وہ دھیمی آواز میں پھنکارا تھا۔ "تم نے مجھے فون کیوں کیا ہے؟"

ڈھنگ کا سوال تو اب کیا نا۔" ماہ رو جیسے قربان جانے لگی تھی۔ "میں نے تمہیں ایک بات بتانا تھی۔ اگر تم غصہ تھوک کر آرام سے سن لو تو۔۔۔" اب کے ماہ رو نے تھوڑا انداز بدل کر لہجے میں عاجزی بھرلی تھی۔ اور وہ شاید کال ڈسکنکٹ کرنے والا تھا۔ لمحہ بھر کے لیے رک گیا۔ پھر اس نے پینترا بدل کر کہا۔

"میں تمہاری بات سن لیتا ہوں مگر وعدہ کرو تم دوبارہ کال نہیں کرو گی۔ یہ تمہاری آخری فون کال ہوگی۔" عون کو اچانک لہجہ بدلنا پڑا تھا۔ اسے لگا' وہ غصہ دکھا کر اسے مزید چڑا رہا ہے۔ ایسی لڑکیوں کو دوسرے طریقے سے ہینڈل کرنا چاہیے۔ ورنہ غصے اور انسلٹ پہ وہ ضد اور سرکشی پہ بھی اتر سکتی تھی۔ یوں وہ دوہرا نقصان بھی پہنچا دیتی۔ سو عون کو اپنا دماغ حاضر رکھنا پڑا۔ ماہ رو کچھ الگ قسم کا کیس لگتی تھی۔

گو کہ اس دن سے عاشر نے کئی مرتبہ اسے دفتر میں بلا کر کریدا تھا۔

"یہ فریحہ کی سہیلی کیوں آئی تھی! اور روتی ہوئی کیوں گئی؟ کوئی پرابلم تھی کیا؟" اس دن چاچا اور کئی ایک سیل بوائز نے بھی ماہ رو بی بی کو آتے اور جاتے دیکھا تھا۔ تب اس نے عاشر کو تو مطمئن کردیا تھا۔ لیکن خود کو مطمئن نہیں کرسکا تھا۔

اس دن چاچا نے بھی عون کو بلا کر ماہ رو کے بارے میں استفسار کیا تھا۔ ہر ایک کی سوالیہ نظروں سے عون کو ایسی الجھن ہورہی تھی کہ حد نہیں۔ صد شکر کہ سب لوگوں کو مطمئن کردیا تھا۔ اور گھر تک یہ بات نہیں پہنچ سکی تھی۔ اور آج پھر وہی ماہ رو ایک دفعہ مزید اس کے ضبط اور صبر کا امتحان لینے فون کال پہ موجود تھی۔ اور عون کو بڑے طریقے کے ساتھ سے ہینڈل کر کے اپنا پیچھا چھڑوانا تھا۔ کیونکہ وہ ان امیرزادیوں کی چند روزہ محبت کے شغل سے بخوبی آگاہ تھا۔ اور ماہ رو کے جھانسے میں آنے والا بھی نہیں تھا۔ اس نے بڑے طریقے سے ماہ رو کو گھیر گھار کے وعدہ لینا چاہا تھا۔ اور ماہ رو نے بھی بغیر منت لگائے اقرار کا وعدہ کرلیا۔

"لیکن میری بھی ایک شرط ہوگی۔" اس نے بڑی حاضر دماغی کا ثبوت دیتے ہوئے بدلے میں شرط سنادی تھی۔ عون کو لہجے اور آواز میں کچھ تبدیلی لا کر نرمی بھرنا پڑی۔ اگر ایک شرط کے بدلے میں اس چپکنی جونک

سے پیچھا چھوٹ جاتا تو یہ کوئی بہت بڑا سودا نہیں تھا۔ عون نے بھی کچھ سوچ کر اقرار کرلیا۔

"دیکھ لو، تم اپنے پرامس سے ہٹو گے نہیں؟ وعدہ؟" ماہ رو نے اپنے ازلی اعتماد کے ساتھ کہا۔ عون کو دل ہی دل میں شدید تاؤ چڑھا تھا۔ کیا یہ واقعی فریحہ کی سہیلی تھی؟ کیا وہ جانتی نہیں تھی۔ تین دن بعد اس کی فریحہ سے شادی ہے۔

اس نے دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتے ہوئے ایک لفظ وعدہ کہا۔ یوں کہ دوسری طرف ماہ رو کو جیسے ہفت اقلیم کی دولت حاصل ہوچکی تھی۔ وہ بے انتہا مسرور اور شاد ہوئی۔ خوشی اس کی آواز سے چھلک رہی تھی۔

"میں تمہیں دوبارہ کال کرکے تنگ نہیں کروں گی۔ لیکن تمہیں بھی میری محبت کا یقین کرنا ہوگا۔ اور اس یقین کا اقرار بھی کرنا ہوگا۔" ماہ رو نے ایک جذب کے عالم میں اس تک اپنی شرط پہنچادی تھی۔ جسے سن کر اسے ڈنک لگا تھا۔ وہ جیسے بدک کر پیچھے ہٹا تھا۔ دوسرے ہی لمحے وہ غرا اٹھا۔

"شٹ اپ۔" اس کی غراہٹ پہ کچھ فاصلے پہ کھڑے چاچا مزدوروں سے کرٹن اٹھواتے چونک سے گئے تھے۔ معا" عون کو خیال آنے پر اپنا لہجہ دھیما کرنا پڑا تھا۔ اس نے جیسے خون کا گھونٹ بھرا تھا۔ پھر فون کو کان سے ہٹا کر دوبارہ لگاتے ہوئے بمشکل بولا۔

"میں یہ کام نہیں کرسکتا۔" اس نے صاف انکار کردیا تھا۔

"تو پھر میں چوبیس گھنٹوں میں تمہیں اڑتالیس کالز کروں گی۔ اور دو ہزار ایس ایم ایس۔ بولو منظور ہے۔؟" وہ جیسے لمبا سا لطف لیتے ہوئے بلیک میلنگ پہ اتر آئی تھی۔ دوسری طرف عون کو لمحہ بھر کے لیے دماغ کو ٹھنڈا کرکے سوچنا پڑا تھا۔ اسے شاید گمان ہوا تھا کہ یہ لڑکی اتنی آسانی سے پیچھا نہیں چھوڑے گی۔ وہ چاہتا تو فریحہ کو بتا کر اس کا امیج تباہ کرسکتا تھا۔ اس کے کرتوتوں کا اشتہار لگوا سکتا تھا۔ لیکن پھر ہوتا کیا؟ ماہ رو بدنام ہوجاتی۔ ایک لڑکی' ایک عورت۔ جسے اپنے نسوانی پندار کی پروا نہیں تھی۔ لیکن عون بھی گھر میں بہن' بھائی' کزنز اور مزید رشتے رکھتا تھا۔ وہ کسی کی بیٹی تو کیوں بلاوجہ بدنام کرتا۔ گو کہ اب تو وجہ بھی تھی پھر بھی یہ سب اس کی تربیت کا حصہ نہیں تھا۔

کافی دیر سوچنے کے بعد عون نے ذرا نرم آواز میں اسے الجھانے اور بات ختم کرنے کی غرض سے کہا۔

"ویل۔ میں تسلیم کرلیتا ہوں کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو۔ لیکن میں یقین کیسے کروں؟ تمہیں یقین تو دلانا پڑے گا۔ اب یہ تم پر ڈیپینڈ کرتا ہے کہ تم مجھے کیسے یقین دلاتی ہو۔" اپنے تئیں اس نے ماہ رو کو لاجواب کرنا چاہا تھا۔ مگر وہ ماہ رو ہی کیا جو لاجواب ہوجاتی۔ اس کا ازلی اعتماد' نخرہ اور حاضر جوابی لوٹ آئی تھی۔ اب اسے عون کو ستا کر مزہ آرہا تھا۔ وہ اس گفتگو کو مزید لمبا کھینچنے کی خواہش رکھتی تھی۔

"میں تمہیں یقین دلاسکتی ہوں۔ کیونکہ میں تم سے سچی محبت کرتی ہوں۔ وقتی ابال والی محبت نہیں۔ لمبی اور ہمیشہ والی۔ تم کہو' کس طرح سے یقین کروگے؟ کیا زہر پھانک لوں؟ سوسائیڈ کرلوں؟ شہ رگ کاٹ لوں۔ خود کو آگ لگالوں؟ یا تمہارے پلازہ کی چوتھی منزل سے کود جاؤں۔" اس کے اگلے الفاظ نے عون کے چودہ طبق روشن کردیے تھے۔ اس کی سماعتیں جیسے سلگ اٹھی تھیں۔ وہ برجستہ بول پڑا۔

"میں تمہارا قتل اپنے ذمے کیوں لوں؟ اگر مرنا چاہتی ہو تو شوق سے مرو۔"

"تاکہ تمہارا پیچھا چھوٹ جائے۔" ماہ رو نے طنزیہ کہا۔

"خاصی سمجھ دار ہو۔" وہ بھی طنز پہ اتر آیا تھا۔

"بہت بددماغ بھی ہوں۔" اس نے جتلایا۔

"وہ تو نظر آرہا ہے۔" اس نے فون بند کرنا چاہا۔

"میری بات سنو۔۔۔۔" ماہ رو جیسے اس کا ارادہ بھانپ گئی تھی۔

"کیا ہے۔۔۔۔؟" وہ مشتعل ہوا۔ "کیا پیچھا چھوڑو گی یا نہیں؟" اس کے ضبط کی انتہا ہوچکی تھی۔

"ہرگز نہیں۔" ماہ رو نے کال کاٹ دی' تھی۔ پھر وہ

بیڈ پہ لیٹ کر ہنس ہنس کے لوٹ پوٹ ہوگئی۔ عون سے بات کر لینے کی سرخوشی اس کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا۔ عون نے اس سے اتنی لمبی بات کی تھی اور اس کی ہر بے سروپا بات کا جواب بھی دیا تھا۔ ماہ رو کا یقین کامل تھا کہ ایک نہ ایک دن عون کو اس کی محبت پہ یقین بھی آجائے گا اور ماہ رو پہ اس خوب صورت دن مبارک بادی کا فیضان ہوگا۔

☆ ☆ ☆

پھر یہ فون کالز کا سلسلہ رکا نہیں تھا۔ بڑھتا چلا گیا تھا اور وہ اگلے تین دن سے بھی پہلے صرف چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر ناک کے بانسے تک عاجز آگیا تھا۔ چوبیس گھنٹوں میں ہر ایک منٹ بعد ماہ رو کی کال آرہی تھی۔ ہر سیکنڈ بعد میسج موصول ہو رہا تھا۔ وہ بیک وقت تین تین نمبروں سے کال، مس کال، میسج اور ایم ایم ایس کر رہی تھی۔ پھر یہ سلسلہ عون کے موبائل تک محدود نہیں رہا تھا بلکہ پلازہ کے ہر مختلف پارٹ، دکان، حصے میں لگے الگ الگ فونز پہ بھی کالز آنا شروع ہوگئی تھیں۔ وہ صرف چوبیس گھنٹوں میں ہی اس صورت حال پہ متوحش ہوگیا تھا۔ یوں لگتا ہر اٹھتی نگاہ اس سے سوال کرتی ہے۔ ہر اٹھتی نگاہ میں اس کے لیے عجیب تاثر ہوتا تھا۔ یہ اس کی اپنی اندرونی کیفیات تھیں جو اسے چور بنا رہی تھیں۔

اور آج تو حد ہو چکی تھی۔ صبح سے لے کر شام تک اسے ایک سو اسی کالز اور سات سو کے قریب میسجز موصول ہوئے تھے۔ سب سے بڑی شرمسار کرنے والی بات تو یہ تھی۔ جب وہ کپڑے کے لوڈ ڈپو سے کپڑا اتروا رہا تھا تب اس کی جیب میں موبائل بھیانک سائرن کی طرح بجتا رہا۔ متواتر میسجز بھی آتے جا رہے تھے۔ تنگ آکر اس نے فون سائلنٹ پہ کر دیا لیکن تب ہی ابو اور چاچا کی غصے بھری کالز پی ٹی سی ایل پہ آنے لگیں۔ وہ اسے موبائل توڑ دینے کا مشورہ دے رہے تھے۔ ظاہر ہے جب ضرورت کے وقت اٹھانا نہیں تھا تو پھر موبائل جیسی سہولت کی ضرورت کیا تھی۔ تین دن سے وہ سائلنٹ والا حربہ بھی آزما کر بے زار ہو چکا تھا۔ کیونکہ ابو اور چاچا کے بعد امی، چاچی اور بھابیوں نے بھی اسے خوب سنائی تھیں۔ وہ تین گھنٹے ٹریفک میں پھنسی رہیں اور بار بار اسے کال کر رہی تھیں کہ وہ انہیں دوسرے روٹ سے پک کر لے لیکن چونکہ عون نے سیل سائلنٹ پہ کر رکھا تھا۔ اس لیے پتا ہی نہیں چل سکا تھا۔ وہ تو اس سچویشن پہ چکرا کر رہ گیا تھا۔ اب تو دکان میں کام کرنے والے لڑکے تک جان چکے تھے۔ صور اسرافیل کی طرح بجتی گھنٹیوں میں کوئی خاص بات تو ضرور تھی۔ یوں لگتا ہر آنکھ میں عون کے لیے کھوج بھر گئی ہے۔ یعنی وہ بھی... عون عباس بھی اس لت سے محفوظ نہیں رہ سکا تھا۔ جسے بڑے بڑے محتاط رہنے کے دعوے ہوا کرتے تھے۔ جس کا ماضی صاف شفاف تھا اور جو کسی پرائی عورت کو آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا تھا۔

اسے اپنے باپ اور چاچا کی برسوں بنائی گئی عزت اور ناموس کی بڑی پروا تھی۔ سو، عون کیوں نہ اس صورت حال پہ پریشان ہوتا۔ جو بنی بنائی عزت پہ کیچڑ اچھالنے کا سبب بن رہی تھی۔ پھر چاچا اور ابو تک نے اسے بلا کر پوچھ لیا تھا۔ یعنی اس کے اردگرد رہنے والے قریبی لوگ اچنبھے کا شکار ہو کر چونک رہے تھے۔

"کوئی مسئلہ ہے عون! تمہارا دھیان کام پہ نہیں۔ ہر وقت موبائل کی گھنٹیاں بجتی ہیں۔ میں کچھ اڑتی

اڑتی بکواس بھی سن رہا ہوں۔" ابو نے نرم آواز میں اسے خوب اندر تک لتاڑ دیا تھا۔ تب وہ اور بھی پریشان ہوا تھا تھا۔ اس وقت ابو اور چاچا کو تو قائل کر لیا تھا لیکن وہ اپنے دل کی بے چینی کو کسی طور پہ قابو نہیں کر سکا تھا۔ جیسے یوں لگتا تھا کچھ ہو کر رہے گا۔ یہ جو ولایتی طوفان اس کی زندگی میں اٹھ رہا تھا' یہ کوئی معمولی طوفان ہرگز نہیں تھا۔ پہلے پہل اس نے یہی سوچا تھا۔ وہ لڑکی اس کا روڈلی بیہوئیر دیکھ کر خود بخود ہٹ جائے گی لیکن ایسا ہرگز نہیں تھا۔ وہ انتہائی ڈھیٹ لڑکی تھی۔ وہ نہ بے عزتی سے ڈرتی تھی' نہ بدنام ہونے سے اور زبان اس کی اتنی لمبی تھی کہ اکثر وہ خون کے گھونٹ بھر کر رہ جاتا تھا۔ حتیٰ کہ تنگ آکر اس نے ماہ رو کو یہ تک بھی کہا۔

"میری شادی ہو رہی ہے اور تم میرا پیچھا نہیں چھوڑ رہیں۔" اس کے لہجے میں غصہ تھا' گرج تھی' غراہٹ تھی اور کچھ بے بسی بھی' اس نئی اطلاع کو سن کر بجائے وہ شاکڈ ہوتی' اس پہ لعنت بھیجتی' اس کا پیچھا چھوڑتی' بلکہ وہ تو بہت ایکسائیٹڈ ہو چکی تھی۔

"کیا میرے ساتھ.....؟" اس کا انداز انتہائی برجستہ تھا۔ وہ ہر بات کو چٹکیوں میں اڑا دیتی تھی۔ اس کے لیے کچھ بھی سنجیدہ نہیں تھا۔ جب اسے اپنے نسوانی پندار کی پروا نہیں تھی تو پھر وہ عون عباس کی پروا کیوں کرتی۔ اس وقت بھی وہ نئی سم منگوا کر پہلی سم کو توڑنے کے بعد سر تھام کر بے بس سا بیٹھا تھا۔ یہ ایک ہی دن میں چوتھی سم تبدیل ہو رہی تھی۔ اب تو اس کے بھائی بھی چونک کر سوال کرنے لگے تھے۔

"تم نے سمیں بدلنے کا کوئی ریکارڈ تو نہیں قائم کرنا؟" یہ سوال قاسم نے کیا تھا۔ ابھی یہ پہلا سوال تھا۔ پھر سوالوں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ یوں کہ عون عباس بوکھلا گیا اور ابھی اس وقت عاشر نے اندر آتے ہوئے بار بار اسے کسی کی کال کو ڈسکنیکٹ کرتے دیکھ لیا تھا۔ پھر وہ اس کے قریب ہی لیدر کے آرام دہ صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس کی نگاہیں عون کے وجیہہ چہرے پہ پھیلی الجھن کو دیکھ رہی تھیں۔

اس کا انداز بھی کچھ کھوجتا ہوا تھا۔ کافی دیر دونوں بھائیوں کے درمیان معنی خیز سی چپ کی ردا تنی رہی تھی' پھر عاشر کو ہی پہل کرنا پڑی۔

"آج کل فون پہ بڑے مصروف رہتے ہو' کبھی میسج دیکھتے ہو' کبھی میسج لکھتے ہو' کبھی کالز سنتے ہو' کبھی سم بدلتے ہو' کبھی سم توڑ دیتے ہو' کبھی فون بند رکھتے ہو' کبھی سرے سے فون ہی توڑ دیتے ہو' یہ کوئی تیسرا موبائل ہے تمہارا۔ آخر معاملہ کیا ہے؟ آج کل ابو اور چاچا بھی تمہاری روش سے اچنبھے کا شکار ہیں۔" عاشر نے بغیر تمہید کے صاف صاف بات کرنے کی ٹھان لی تھی۔ اسے ابو نے عون کے پاس بھیجا تھا' تاکہ وہ اس کی پرابلم تو کھوج آئے۔ ویسے بھی دونوں بھائیوں میں اتنی بے تکلفی اور دوستی تو تھی ہی کہ وہ باآسانی عون سے ہر معاملے پہ ڈسکشن کر سکتا تھا۔ عون جیسے عاشر کی بات سن کر بھونچکا رہ گیا تھا۔ تو گویا بہت سی باتیں طشت ازبام ہونے کا وقت آگیا تھا۔ عون عجیب سی بے بسی میں جکڑ گیا۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی کو بتا دیا' تب بھی عذاب تھا نہ بتایا تب بھی عذاب تھا۔

"کچھ نہیں یار!" عون نے دھیمی آواز میں کہا تھا۔ اس دوران بار بار اس کا موبائل فون بلنگ کر رہا تھا۔ عاشر نے اک نظر موبائل اسکرین کو دیکھا اور پھر عون کے چہرے کی طرف۔ کچھ دیر بعد میسجز آنا شروع ہو گئے تھے۔ عاشر کی توجہ بار بار اصل موضوع سے ہٹ رہی تھی اور پچھلے کچھ دنوں سے ہر ایک فرد کو عون سے یہی شکایت تھی۔ اس کے پاس ایک منٹ کھڑے ہو کر بات کرنا بھی عذاب ہو جاتا تھا۔ کیونکہ ایک منٹ میں ایک سو دفعہ اس کے نمبر پہ کال اور میسج آنے شروع ہو جاتے تھے' جب تک کہ وہ اٹھا نہ لیتا' سن نہ لیتا' دیکھ نہ لیتا یا ڈس کنیکٹ نہ کر دیتا۔

"یہ سب کیا ہے عون! کیا تم جواب دینا ضروری سمجھتے ہو؟" اس دفعہ عاشر نے بہت غصے میں کہا تھا' چونکہ عون کی توجہ بھی بار بار ہٹ رہی تھی۔ وہ ترچھی نظروں سے موبائل کو دیکھتا تھا۔ جس کی اسکرین منٹ

منٹ بعد روشن ہو جاتی تھی۔ "ابھی یہ بات ہم تک محدود ہے' کل کو چاچی' امی' فریحہ اور باقی سب بھی جان جائیں گے۔ بہتر یہی ہے' تم اس سلسلے کو بند کرو' کل تمہاری بارات ہے اور آج شام کو مہندی کی رسم۔ ادھر تم فون خریدنے' توڑنے اور سمیں بدلنے میں مشغول ہو۔" عاشر نے اتنے دنوں کا غصہ باہر نکال دیا تھا اور خاصے جارحانہ انداز میں اس کو لتاڑنے کی کوشش کی تھی۔ عون کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔ اس نے بے انتہا توہین اور ذلت محسوس کی تھی۔ وہ اپنے سے دس ماہ چھوٹے بھائی کے سامنے بے انتہا شرمندہ ہو گیا تھا۔ اب عون عباس پہ یہ بھی وقت آنا تھا۔ وہ چھوٹے بھائی کے سامنے سوالیہ نشان بن گیا تھا۔ وہ اس کے سامنے کمرہ عدالت میں کھڑا ہو گیا تھا۔ اس ماہ رو سرفراز کی سرکشی کے سبب' اس ایک ماہ رو سرفراز نے عون عباس کو اتنا ہلکا اور بے بس کر دیا تھا۔ جسے اپنے ڈیفنس میں بولنا بھی محال لگ رہا تھا۔ وہ ہونٹ چباتا غصے میں کھڑا ہو گیا۔

"میں تمہیں سمجھا رہا ہوں عون! گھر میں خوشیوں کے شادیانے بج رہے ہیں۔ تم بھی ذرا سنبھل جاؤ۔ ایسا ویسا کوئی قصہ ہے تو اس پہ لعنت ڈالو۔ تم اچھی طرح سے جانتے ہو۔ فریحہ ہم سب کو کس قدر عزیز ہے اور اس کی آنکھ میں اترا آنسو کوئی بھی دیکھ نہیں سکتا۔ تم فریحہ کو رلانے کا سبب بنے تو اچھا نہیں ہو گا۔ بالکل بھی اچھا نہیں ہو گا۔ اسے میری وارننگ سمجھ لو۔ ابو کسی بھی بدنامی کے بار کو اٹھانے کے متحمل نہیں ہو سکتے۔" وہ اسے ڈھکے چھپے لفظوں میں سمجھا گیا تھا۔ دوسرے معنوں میں ابو کی طرف سے وارننگ دے گیا تھا اس کا مطلب تھا ابو بھی کچھ کچھ ماہ رو والے قصے سے آگاہ ہو رہے تھے۔ ظاہری بات تھی۔ سب کچھ اس قدر واضح تھا کہ ہر کوئی اپنی سمجھ کے مطابق نتیجہ اخذ کر لیتا۔ عون مارے غصے کے بپھر رہا تھا اور اسی غصے کے عالم میں اس نے دفتر کی ایک ایک قیمتی چیز کو تہس نہس کر دیا تھا۔ اوپر سے اس کا موبائل بھی بھیانک سریں بکھیر رہا تھا۔ پھر ایک انجان نمبر سے میسج آ گیا۔ وہ جو تھک ہار کے صوفے پہ ڈھے گیا تھا۔ لمحہ بھر کے لیے چونک گیا۔ کیا اسے میسج کھول کے دیکھ لینا چاہیے؟ کیا خبر کسی کا ضروری میسج ہو۔ اگر اس نے میسج نہ دیکھا اور ابو تک فون چلا گیا تو اس کی اچھی بھلی کلاس لگنے کا خدشہ تھا۔ اسی لیے عون کو میسج کھول کر دیکھنا پڑا۔ سامنے ایک نظم کے چند الفاظ چمک رہے تھے۔

کوئی مجھ کو ایسی دلیل دے
کہ میں ٹوٹ کر تیرے نقش
آنکھ کی پتلیوں سے مٹا سکوں
کوئی مجھ کو ایسی دلیل دے
کہ میں دل سے پھر تیری عمر بھر کی
رفاقتوں کو بھلا سکوں
کوئی مجھ کو ایسی دلیل دے
کہ میں عمر بھر تیری یاد کا
کوئی جشن ہی نہ منا سکوں
اگر ایسی کوئی سبیل ہے تو پھر آزما
جو نہیں تو پھر۔
مجھے یاد کر' مجھے یاد آ

عون کے دماغ سے شرارے نکل رہے تھے۔ اس کے اندر جوار بھاٹا تھا جو جمع ہو رہا تھا۔ آتش فشاں تھا جو پھٹ رہا تھا۔ کیونکہ ابھی کچھ دیر پہلے دفتر کی حالت زار کو دیکھ کر اس کا باپ آگ کی طرح بھڑک اٹھا تھا۔ ابو ابھی کچھ دیر پہلے ہی پلازہ میں آئے تھے۔ آتے ساتھ عاشر سے ٹکراؤ ہو گیا تھا۔ عاشر نے انہیں تسلی دی تھی کہ عون ٹھیک ہے۔ کوئی بڑا مسئلہ نہیں۔ سو وہ بڑے چین کے عالم میں اوپر دفتر کی طرف آئے تھے۔ ان کے دل سے چند دن پہلے والے وسوسے مٹ چکے تھے۔ عاشر نے ان کی اچھی تسلی کروادی تھی۔ کیونکہ کچھ دن پہلے ہونے والے واقعات میں انہیں عون بڑا چڑچڑا' بے زار اور بد مزاج محسوس ہو رہا تھا۔ وہ بات بے بات کاٹ کھانے کو دوڑتا تھا۔ اس کی شادی ہو رہی تھی اور یہ شادی زبردستی کی بھی نہیں تھی۔ پھر عون کے غصے اور بد مزاجی کا سبب کیا تھا؟ اسے تو خوش ہونا چاہیے

تھا' جبکہ وہ دن بدن بے زار' روکھا اور غصیلا ہو رہا تھا۔ عون کے باپ اور فریحہ کے تایا ہونے کے ناطے ان کے سارے وسوسے بے سبب نہیں تھے۔ انہیں ڈر تھا' کچھ انہونا نہ ہو جائے۔ وہ ان دنوں سخت پریشان تھے اور چاہتے تھے کہ عون' فریحہ کی شادی خیر' خیریت سے نپٹ جائے اور اب دفتر کی حالت دیکھ کر انہیں عون کی ذہنی کنڈیشن کا صاف نظارہ ہو رہا تھا۔ وہ تو پورے دفتر کو ٹوٹا بکھرا دیکھ کر بھونچکارہ گئے تھے۔ انہیں عاشر کی تسلی پہ تاؤ چڑھ گیا۔ کیا اس نے اپنے باپ سے جھوٹ بولا تھا؟ وہ بھائی کے کسی عیب' غلطی یا راز کو چھپا رہا تھا۔ آخر کچھ تو تھا پس پردہ جسے عاشر نہ سہی عون لازمی طور پہ چھپا رہا تھا۔ آخر کیا تھا؟ کیا تھا جس کی پردہ داری تھی؟ ان کے دماغ سے عون کی طرح ہی شرارے نکل رہے تھے۔ اوپر سے اس کا بجتا موبائل چونکہ تین تین موبائل تھے اور ہر نمبر پہ ایک ساتھ کالز آرہی تھیں۔ ابو جیسے لمحوں میں سمجھ کر آگ بگولا ہو گئے تھے۔ ان کا شک یقین میں بدل رہا تھا۔ عون کے پیچھے کوئی تھا؟ کوئی لڑکی' شاید اس کی محبوبہ؟ یا پھر؟ ان کے دماغ کی نسیں پھٹنے لگی تھیں۔

وہ خون خوار تیور لے کر اس کے قریب آئے تھے۔ پھر انہوں نے زندگی میں پہلی مرتبہ اپنے سب سے لاڈلے بیٹے کا گریبان پکڑ کر جھنجوڑا تھا اور خونی رنگ آنکھوں سے عون کو گھورتے ہوئے لہرا کر اس کے منہ پر گونج دار تھپڑ دے مارا۔ یہ ساری کارروائی آدھے منٹ میں ہوئی تھی۔ اس کے بعد انہوں نے دروازہ لاک کر دیا تھا۔ پھر وہ شرارے اگلتے اس کے سر پہ کھڑے چلانے لگے تھے۔

"میں کہتا ہوں تم بے غیرت ہو چکے ہو۔ شرم نہیں تمہیں۔ رات کو مہندی کا فنکشن ہے۔ کل بارات ہو گی اور تم مجھے پوری برادری کے سامنے ذلیل کرنا چاہتے ہو۔ ایک جائز تعلق بننے میں رات بھر کا وقفہ بچا ہے اور تمہارے پچھلے عشق کی آگ نہیں بجھ رہی۔ اتنے دنوں سے تماشا دیکھ رہا ہوں۔ تحمل سے کام لے رہا ہوں' تاکہ تمہیں کچھ تو شرم آئے۔ مجھے تمہارے منہ نہ ہی لگنا پڑے۔ جو باپ بیٹے کے درمیان پردہ سا حائل ہے وہ چاک نہ ہی ہو' مگر تم نے آج انتہا کر دی۔" جب ان کا سارا لاوا ابل ابل کر عون کے پورے وجود کو غبار آلود کر گیا تھا۔ جب عون کی عمر بھر کی پونجی کو انہوں نے ایک ہی جھٹکے میں داغ دار کر دیا تھا۔ جب عون کے کردار تک بات پہنچ گئی تھی۔ تو پھر عون کے پاس باقی کیا بچتا تھا؟

اس کا سب کچھ تو لٹ گیا تھا۔ وہ اپنے باپ کے سامنے رسوا ہو گیا تھا۔ اس کا باپ تو اپنی بھڑاس نکال کر جا چکا تھا لیکن عون عباس کے اندر ابلتے آتش فشاں کو کیسے روکا جاتا؟ وہاں تو آگ ہی آگ تھی جو آج عون عباس کے نصیب میں ذلت آئی تھی۔ اس کا ایک حصہ ماہ رو کو بھی ملنا چاہیے تھا۔ وہ بھی اتنی ہی ذلت اور رسوائی کی حق دار تھی۔ اگر عون عباس ذلیل ہوا تھا۔ اپنے باپ کے سامنے خوار ہوا تھا تو ماہ رو سرفراز کو بھی اپنے باپ کے سامنے ذلیل ہونا تھا۔ وہ جارحانہ انداز میں اٹھا تھا اور کسی بپھرے طوفان کی طرح باہر نکل گیا۔ اس کے انگ انگ سے شرارے پھوٹ رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

پورا گھر لائٹنگ سے سجایا جا رہا تھا۔ باہر گراؤنڈ میں شامیانے لگائے جا رہے تھے۔ مہندی کا فنکشن گراؤنڈ میں ہونا تھا۔ برات ہوٹل میں آنی تھی۔ اگر عون' تایا' تائی کا بہت لاڈلا تھا تو فریحہ اپنے والدین کی اکلوتی بیٹی تھی۔ اس لیے یہ شادی انتہائی دھوم دھام سے ہونا قرار پائی تھی۔ کیونکہ یہ واقعی ہی یادگار ترین شادی تھی۔ کبھی بھلائے جانے والی نہیں تھی۔ نہ کوئی اسے بھلا پاتا۔ فریحہ تو کبھی بھی نہیں۔

سرشام ہی ڈھولک کی تھاپ پہ گیتوں کی پریکٹس شروع ہو گئی تھی۔ اس کی ساری کزنز بہت پرجوش تھیں اور رات بھر سے ڈانڈیا سیکھ رہی تھیں۔

تائی اور امی بہت مصروف تھیں۔ ثنا اور مریم پارلر روانہ ہو چکی تھیں۔ کائنات مہندی لگوا رہی تھی۔ ثنا کی بیٹی زینب' فریحہ کے پاس تھی۔ جسے تھپک تھپک

کر سلاتے ہوئے اس کی سوچوں کا کوئی رخ بھی مثبت نہیں تھا۔ امی نے اسے چپکے چپکے آنسو بہاتے دیکھا تو اندر آگئیں۔ پھر انہوں نے اسے ڈپٹ کر کہا۔

"فریحہ! کیوں رو رہی ہو؟ حد ہے بیٹا! تمہیں کوہ قاف نہیں جانا' نہ کسی دوسرے شہر جانا ہے' نہ کسی دوسرے پورشن میں جانا ہے۔ بس ایک کمرہ تو بدلے گا۔ یہاں سے عون کے کمرے تک۔" امی نے بے ساختہ اس کی پیشانی چوم لی تھی۔ تب پہلی مرتبہ فریحہ نے اپنی گھبراہٹ کی بھاپ امی کے سامنے نکال دی تھی۔ وہ دل پہ بوجھ لیے لیے تنگ آچکی تھی۔ امی پریشان نہ ہوں۔ بس یہی سوچ کر وہ ہر بات دل میں دبائے ہلکان ہوچکی تھی لیکن اس وقت فریحہ میں ضبط کا یارہ نہیں رہا تھا۔

"پتا نہیں امی! دل کیوں گھبرا رہا ہے۔ اندر کہیں چین نہیں۔" اس کی آواز پھر سے بھرا گئی تھی۔

"تم وہم میں نہ پڑو۔ اچھا اچھا۔ خوش گوار سوچو۔" امی نے اسے دلاسا دیا تھا۔ آج امی بہت خوش تھیں۔ بیٹی کا فرض بھی ادا ہو رہا تھا اور عمر بھر آنکھوں کے سامنے بھی رہتی اور داماد بھی دل پسند تھا۔ وہ اسے تسلی دے کر چلی گئیں۔ شاید کسی نے انہیں آواز دے کر بلایا تھا۔ فریحہ' زینب کو تھپک تھپک کر سلا چکی تھی' جب عاشر کا وہاں سے گزر ہوا تھا۔ فریحہ نے اچانک اسے آواز دے کر روک لیا تھا۔ عاشر لمحہ بھر کے لیے رک گیا تھا۔ پھر اندر بھی آگیا۔ فریحہ مایوں کے زرد لباس میں خود بھی خاصی زرد لگ رہی تھی۔ موتی چور کے لڈو جیسی۔ عاشر نے ایک اچٹتی نگاہ ڈالی تھی۔ پھر جلدی سے نظروں کا رخ موڑ لیا۔ تاثرات بھی سپاٹ سے کرلیے تھے۔ فریحہ نے انگلیاں مسلتے ہوئے عاشر سے پوچھا۔

"عون آج کل کہاں ہے؟ پردہ تو مجھے اس سے کرنا تھا۔ وہ خود ہی روپوش ہو کر بیٹھ گیا۔" اس کے لہجے میں ٹوٹ پڑتی' رنجیدگی کا عنصر نمایاں تھا۔ عاشر نے گہرا سانس کھینچ لیا۔ وہ فریحہ کو کیا بتاتا؟ عون تو واقعی چند دنوں میں ایک پہیلی بن چکا تھا۔ اس کے دن رات کی کچھ خبر نہیں تھی۔ بات کرو تو کاٹ کھانے کو دوڑتا تھا۔ ایسی بد مزاجی تو عون کی طبیعت کا حصہ نہیں تھی۔

"کیا پتا۔ پلازہ میں ہی مایوں بیٹھ چکا ہو۔" عاشر نے اپنا لہجہ ہلکا پھلکا سا بنالیا تھا۔ "سوچتا ہو گا گھر میں تردد کیوں کروں؟ پھر تو امی وغیرہ گھر میں باؤنڈ کرلیں گے۔"

"مذاق نہیں کرو پلیز....." فریحہ کی سنجیدگی برقرار تھی اور جو دبی دبی بے چینی' اضطراب اس کے چہرے پہ دکھائی دے رہا تھا' عاشر اس اضطراب کی وجہ بخوبی سمجھتا تھا۔ چاہے جتنا مرضی چھپانے کی کوشش کی جاتی۔ فریحہ کے دل میں بجتی خطرے کی گھنٹیوں سے کچھ بھی چھپانا محال تھا۔

"مجھے بتاؤ..... عون کے ساتھ پرابلم کیا ہے؟ وہ ایسا تو نہیں تھا۔" اس نے دوٹوک عاشر سے وہ سوال پوچھ ہی لیا تھا۔ جس سے بچنے کی خاطر عاشر' فریحہ کے سامنے بھی نہیں آتا تھا۔ وہ جیسے بے بس ہو گیا۔

"فٹ ہے یار! کوئی پرابلم نہیں۔ تمہیں کس نے بتا دیا؟" عاشر بلاوجہ مسکرانے لگا۔ شاید فریحہ کو مطمئن کرنے کے لیے۔

"میرے دل نے....." فریحہ کے جواب نے عاشر کو لمحہ بھر کے لیے لاجواب کر دیا تھا۔

"کیا پتا تمہارا دل جھوٹ کہتا ہو۔" عاشر کے لیے بات بنانی مشکل ہو گئی تھی۔

"ایک بات بتاؤں عاشر! دل سب کچھ کہتا ہے لیکن جھوٹ نہیں کہتا۔" فریحہ کا انداز ہنوز وہی تھا' بلا کا سنجیدہ۔

"اور تم کچھ بتاؤ یا نہ بتاؤ..... میرا دل کچھ اچھا نہیں بتا رہا۔"

"رہنے دو بس.... دل کی حکایتیں۔ ہر بات اس کم بخت کی نہیں سنتے۔ ورنہ نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ ذرا خسارہ اٹھانا پڑتا ہے۔" عاشر کا لہجہ کچھ افسردہ سا ہو گیا تھا۔

"اور مجھے لگتا ہے میرا دل خسارہ اٹھانے والا ہے۔" فریحہ کے اگلے الفاظ نے عاشر کو دم بخود کر دیا تھا۔ وہ بے ساختہ بول اٹھا۔

"اللہ نہ کرے، کیسی باتیں کرتی ہو۔"

"کیا تمہیں نہیں لگتا؟" وہ عاشر کی سننے کی بجائے اپنی کہے جارہی تھی۔ کھوئے کھوئے اداس سے لہجے میں۔ عاشر کو ہول اٹھنے لگے تھے۔

"اللہ کی پناہ... بس کرو فریحہ! مت جان نکالو۔ ابھی مجھے اپنے بھائی کا ولیمہ کھانا ہے۔" وہ گفتگو کو پھر سے مزاحیہ لہجہ دے رہا تھا لیکن اسے لگتا تھا کہ اس کی کوشش نری بے کار ہے۔

"پتا نہیں... وقت کا کچھ اعتبار نہیں لگ رہا۔" فریحہ نے دلی آواز میں کہا۔

"مجھے تو تمہارا اعتبار نہیں لگ رہا۔" عاشر خفا سا ہوا تھا۔ "بندہ کوئی ڈھنگ کی بات سوچتا ہے۔ شکل اچھی نہ ہو تو بات اچھی کرلیتا ہے لیکن یہاں تو تم کیے بعد دیگرے ڈرائے جارہی ہو' تاکہ مارے خوف کے ہر کسی کی گھگھی بندھ جائے یا ٹینشن کی وجہ سے سرسام ہوجائے۔" اس نے اچھی بھلی فریحہ کی کلاس لے لی تھی۔ فریحہ کچھ دیر تک خاموش ہوگئی تھی۔ جانے کیا سوچنے لگی تھی۔ پھر جب بولی تو اس کا لہجہ بلا کا سرد اور مضطرب تھا۔

"تم ہی بتاؤ... مجھے شادیانے بجانے چاہئیں؟ تمہارا بھائی نہ جانے کس کے پیچھے باؤلا ہوچکا ہے۔" وہ جیسے پھٹ پڑی تھی۔ عاشر ہکا بکا رہ گیا تھا۔ یہ فریحہ کو کس نے بتادیا؟ پھر ابھی کچھ کنفرم تو نہیں تھا۔ یہ ہوائی کس نے اڑادی تھی؟ عاشر بے چین سا ہوگیا۔ فریحہ کو عون کے بدلتے معاملات 'معمولات کا کیسے پتا چلا؟

"کس نے بکواس کی؟ کس نے بتایا تمہیں؟" اس نے بلا کے روکھے لہجے میں پوچھا۔ فریحہ جیسے بولی اور بولتی چلی گئی تھی۔' اس کی بے گانہ ہوتی روش نے' اس کے اجنبی انداز نے' اس کے بدلتے معمولات نے اور...' عاشر جیسے خوددم بخود رہ گیا تھا۔ ابھی اس نے فریحہ کو کچھ بتایا ہی نہیں تھا اور وہ ساری کہانی' فریحہ نم آواز میں ترتیب کرتا رہی تھی۔ فریحہ کو آخر کس نے بتایا تھا؟ آخر کس نے؟ وہ یہ جانتا ہی نہیں تھا کہ فریحہ کو اس کے دل نے بتایا تھا۔ اس کے دل نے۔

☼ ☼ ☼

اس نے سنہری ڈھلتی سہ پہر کو سمٹ کر گلابی شام میں بدلتے دیکھا اور مسکرادی تھی۔ پھر اس نے جمائی کو روکا۔ گلاس ونڈو سے کرٹن ہٹا کر وہ لاؤنج کے پار اترتی گلابی شام کے حسن کو دیکھ رہی تھی۔ محسوس کررہی تھی۔ آج کل بات بہ بات اس کے ہونٹ مسکرارہے تھے۔ سچ تو یہ تھا اس کا انگ انگ مسکرارہا تھا۔ ماہ رو نے کرسٹل ٹیبل پہ رکھا اپنا سیل اٹھایا اور چپکے سے کئی ایس ایم ایس ایک ساتھ سینڈ کردیے۔ اب وہ اپنے عالی شان بنگلے کے لاؤنج میں ننگے پاؤں گول گول گھومتی رقص کررہی تھی۔ اس کے بچکانہ سے دیوانے پن کو دیکھتی' کچن میں اس کا پسندیدہ کیک کریم سے سجاتی ماہم نے مسکرا کر ماہ رو کو دیکھا اور پھر بے ساختہ ہنس پڑی۔

معاً" شازمہ سیڑھیوں سے اترتی دکھائی دی تھی۔ وہ شاید کہیں باہر جارہی تھی۔ جانے سے پہلے وہ ماہ رو کے قریب لحہ بھر کے لیے رک گئی تھی۔ پھر اس نے مسکرا کر ماہ رو سے کہا۔

"تمہارا پرنس ابھی تک پروپوزل لے کر نہیں آیا۔ بہت لیزی ہے یار! اتنی دیر کرے گا تو تمہارے ڈیڈی کسی اور کو فائنل کردیں گے۔" شازمہ نے نزاکت سے تھرکتی ماہ رو کو بریک لگانے پہ مجبور کردیا تھا۔ شازمہ نے پھر سے انتہائی ملائمت سے کہا۔

"سم ٹائم اپنے پرنس کو یاد کرواتی رہا کرو... بہت جلد تمہارے ڈیڈی سیٹھ ہاشم کو اوکے کردیں گے۔" شازمہ نے عادتاً" بے پر کی اڑائی تھی۔ ماہ رو اپنے حسین چہرے پہ ہاتھ پھیر کر دلکشی سے مسکرادی۔

"ڈیڈی مجھ سے پوچھے بغیر کچھ نہیں کریں گے۔" اس کا انداز بھی خاصا مہذب تھا۔ تاہم ان کی تکرار کو انجوائے کررہی تھی۔ کیونکہ وہ دونوں ہی مہذب انداز میں ایک دوسرے کے بخیے ادھیڑ لیتی تھیں۔ میٹھے طنز انجوائے کرتی تھیں۔

"بائی دا وے' تمہارا مشن امپاسبل کہاں تک پہنچا؟" شازمہ شاید کسی پیش رفت کا پوچھنا چاہ رہی

تھی۔

"ڈونٹ وری ڈیر ممی! بہت جلد گڈ نیوز سننے کو ملے گی۔" شازمہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ پھر اس کے جلوے بکھیرتے حسن کو دیکھ کر کچھ طنزیہ انداز میں بولی تھی۔

"آف کورس... گڈ نیوز کا ہی انتظار ہے، کون کافر ہو گا جو تمہیں انکار کرے۔

گڈ لک ہے اس عام سے شاپ کیپر کی۔ ہائی فائی جنیٹری کا حصہ بن جائے گا۔ لائف اسٹائل چینج ہو گا۔ ایک ہی جمپ میں اپر کلاس کا نمائندہ بن جائے گا۔ اسے ویل اینڈ ہی تو ہونا ہی ہے۔" شازمہ نے ماہ رو کے کھلے کھلے حسین روپ سے جیلسی فیل کرتے ہوئے پھر سے مٹھاس بھرا طنز کیا۔

"پلیز ڈونٹ مائنڈ... یو نو، میں تو بہت ٹرتھ فل ہوں۔ دل میں رکھتی نہیں۔ جو کہنا ہوتا ہے کہہ دیتی ہوں۔ چاہے برا لگے یا اچھا۔ تم کمفرٹنگ (راحت جاں) ہو، اپنے کنگ ڈم (راج پاٹ) کو انجوائے کرو۔ میں تمہارے پرسنل افیئرز میں انٹرفیئر نہیں کر سکتی۔ بٹ تمہارے ڈیڈی کے پرسنل ریلیشن کی وجہ سے بھی — ہیلپ فل رہوں گی۔ اوکے پریٹی، بائے بائے۔" شازمہ نے دو انگلیوں سے ماہ رو کے چکنے گال کی ملائمت کو محسوس کیا اور ٹک ٹک چلی گئی تھی، جبکہ ماہم کچن میں کھڑی ہنس ہنس کر بے حال ہو رہی تھی۔ اس نے کریم بھرا ہاتھ منہ پہ رکھ لیا تھا۔ گویا ہنسی روکنے کی کوشش میں بے حال تھی۔

"مائی گاڈ... اس کو کیا ہوا تھا؟ ویری اسٹرینج! ایسی ایلو کیونسی (خوش بیانی) ایسی ویل فار میڈر ایسی پولائٹ، ماہ رو! میرے بازو میں چٹکی کاٹنا، کیسی ایکسٹرلیس عورت ہے یار! منٹوں میں پٹا گئی۔" ماہم کی ہنسی نہیں رک رہی تھی۔

"ماہ رو! تمہاری ساس بھی ایسی قیامت ہوئی تو ہو چکا تمہارا گزارا۔" ماہم نے لمبے لمبے سانس لے کر بمشکل کہا تھا۔

"نہیں... ہرگز نہیں... ان میں تو بہت ایلی گینسی ہے۔ وہ بہت ویل مینرڈ ہیں۔ ویری گریس فل لیڈی۔" وہ عون کی امی کو تصور میں رکھ کر بڑے دل سے تعریف کر رہی تھی۔

"آہم... ابھی سے ساسو ماں کو پٹانے والے اسٹائل..." ماہم نے اسے — چھیڑا تھا۔ پھر کچن سے نکل کر ماہ رو کے کہنے پہ میوزک چینج کر دیا۔ اب کوئی گائیکہ بڑی مدھر آواز میں غزل گا رہی تھی۔ یوں کہ ماہ رو کو لگا۔ جیسے اس کے جذبات کی عکاسی کر رہی ہو۔ اس کے دل کی دھڑکنوں میں ارتعاش آ گیا تھا۔

وہ جو دعوے دار تھا شہر میں کہ سبھی کا نبض شناس ہوں
کبھی آ کر مجھ سے پوچھتا کہ میں کس کے غم میں اداس ہوں

مصنفہ کی آواز کا جادو تھا۔ جس نے پورے ماحول پر سحر طاری کر دیا تھا۔ ایک مسحور کن ماحول میں گائیکہ کی آواز کا جادو سر چڑھ کے بولنے لگا۔ ماہ رو تو کسی اور ہی جہان میں نکل گئی۔ مغنیہ نے جیسے اس کے دل کا ہر درد بڑے پیار سے سروں کے نام پہ چھیڑ دیا تھا۔

یہ میری کتاب حیات ہے، اسے دل کی آنکھ سے پڑھ ذرا
میں ورق ورق تیرے سامنے، تیرے روبرو تیرے پاس ہوں

ماہ رو کے دل میں کہیں بیٹھا بیٹھا سا درد اٹھ گیا تھا۔ کہیں مٹھاس بھری ٹیسوں نے نغمہ چھیڑ دیا تھا۔ اس کے ہونٹ گائیکہ کی آواز کے ساتھ ہی ہل رہے تھے۔

یہ تیری امید کو کیا ہوا، کبھی تو نے غور نہیں کیا
کسی شام تو نے کہا تو تھا، تیری سانس ہوں تیری آس ہوں

ماہ رو کی سانس جیسے سینے میں رکنے لگی تھی۔ گھٹ گھٹ کر چلنے لگی تھی۔ چل چل کر تھمنے لگی تھی۔ یہ ویربار دل میں کون آ رہا تھا؟ یہ کس کے قدموں کی چاپ تھی۔

اس نے ریشمی گیلی پلکوں کو اٹھایا اور دنگ رہ گئی تھی۔ ماہ رو کے سامنے اس کا مجسم خواب کھڑا تھا۔ وہ الوژن نہیں حقیقت تھا۔ وہ حقیقت بن کے ماہ رو کے مقابل کھڑا تھا۔ اتنا قریب کے وہ ہاتھ بڑھا کر اس کی پیشانی چھو سکتی تھی۔ اتنا قریب کہ وہ اس کے گرم سانسوں کی مہک سن سکتی تھی۔ کیا وہ خواب تھا جو اتنا قریب تھا؟ اس انداز میں کہ ماہ رو اسے پہچان بھی نہ

پاتی۔ کوئی اور وقت ہوتا' کوئی اور صورت حال ہوتی تو عون عباس کو اپنے اس بنگلے کے لاؤنج میں کھڑا پاکر وہ اپنی پوری زندگی خیرات کر آتی۔ کیا وہ ماہ رو کا یقین بن کر آیا تھا؟ کیا وہ ماہ رو کا عشق بن کر آیا تھا۔ اس نے دل کے مقام پہ ہاتھ رکھ لیا۔۔۔ اور دھڑکنوں کی تسبیح سننے لگی۔ اگر اس کے سارے گمان سچ ثابت ہوجاتے تو ماہ رو سرفراز اتنی بڑی شادمانی کا بار اٹھا سکتی تھی؟ ہرگز نہیں۔۔۔ تو پھر ایک بات اس کا وجدان کہہ رہا تھا۔ آج پہلی مرتبہ ماہ رو سرفراز کا مجسم خواب کسی الہامی کیفیت میں نہیں۔ ایک ایسے انداز میں جو کسی باشعور سمجھ دار انسان کا نہیں ہوسکتا تھا۔ وہ آتش فشاں کا کوئی لاوا لگ رہا تھا۔ جو پھٹ رہا تھا۔ وہ ماہ رو سرفراز کو اپنی نسبت سے سرفراز کرنے نہیں بلکہ راکھ کرنے آیا تھا۔ ماہ رو سرفراز پہ حالت نزع طاری تھی۔ اس کی آنکھوں نے لہو رنگ خون چھلکاتی ندی کو دیکھا تھا اور اس کے بھرے بھرے کشادہ دار ہونٹوں سے زہر نکل رہا تھا۔ وہ ایسا ہی زہردار لگ رہا تھا۔ وہ قہر بن کر ٹوٹ پڑا تھا اور اس کے سم قاتل میں لتھڑے الفاظ۔۔۔؟

''تمہیں دیکھ کر میں سمجھ گیا۔ تم ہر سمجھ سے بالاتر ہو۔ تم آسائشات میں گھری ہوئی آزادانہ ماحول کی پروردہ 'لبرل ازم کے نام پہ بے حیا' بے باک 'تمہاری لیے ہر اچھی صورت کی مرد کو محبت کے نام پہ پھانسا دینا مشکل نہیں ہوگا۔ تمہاری سوسائٹی میں آٹھ دس افیئرز 'چھوٹے موٹے عشق' ہلکی پھلکی محبتیں یقیناً" ایک ماڈرن رواج کے تحت پروان چڑھتی ہوں گی۔ لیکن ہمارے ہاں اس تمام عشق پیچاں کے کھیل کو بے حیائی اور بے غیرتی تصور کیا جاتا ہے۔ ہم لوگ خاندان 'روایات' اقدار اور حدود و قیود پہ جان دیتے ہیں۔ عزت ہمارا اثاثہ ہے۔ کردار ہمارا سرمایہ ہے اور حیا ہماری وراثت ہے اپنے نفس کو طشتری میں سجا کر لذت اور صرف لمحاتی لذت کے پیچھے خوار ہونے والی عورتوں سے مجھے گھن آتی ہے گھن۔۔۔'' اس نے ہنوز سابقہ دھیمے غراتے لہجے میں ماہ رو کے قریب آتے ہوئے ایک زوردار دھکا دیا تھا۔ وہ کٹے ہوئے شہتیر کی طرح لہرا کر زمین پر گری تھی۔۔۔ اور تب عون عباس نے اس کے قریب فرش پہ تھوک دیا تھا۔

''میں تمہارے منہ پر تھوک رہا ہوں۔۔۔ اس لیے کہ تمہیں ہمیشہ یاد رہے کسی مجھ جیسے مرد کو محبت کے نام پر اداؤں کے جال میں پھنسا لینا اتنا آسان بھی نہیں۔۔۔ اور میرے اختیار میں ہوتا تو تمہیں ویسا ہی طمانچہ رسید کرتا جو میرے باپ نے میرے منہ پہ مارا تھا۔ صرف تمہاری وجہ سے۔'' وہ جس طرح طوفانی انداز میں آیا تھا۔ اسی طرح گرم 'پرحدت جھونکے کی طرح پلٹ گیا۔ یوں کے فرش پر گری ماہ رو کے جسم میں جنبش تک نہیں ہوئی تھی۔ حرکت تک نہیں ہوئی تھی۔

کچن کے ڈور فریم میں کرسٹل کی ڈش میں تازہ بتازہ کیک رکھے کھڑی ماہم کو بھی جیسے جھٹکا لگا تھا۔ اس کے ہاتھ سے کرسٹل کی ڈش گری اور چکنا چور ہو کر فرش پہ بکھر گئی۔

وہ جیسے گہری نیند سے ہڑبڑا کر ماہ رو کی طرف دیوانہ وار لپک کر آئی تھی۔ پھر اس نے چیخ چیخ کر سارا گھر اکٹھا کر لیا تھا۔ کیونکہ ماہ رو خرد سے بیگانہ ہوچکی تھی۔

☼ ☼ ☼

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

امت العزیز

"دو دل مل رہے ہیں... مگر چپکے چپکے..." لاؤنج کے سفید اور کتھئی پرنٹڈ صوفے پر اطمینان سے براجمان 'ایک عالم جذب میں ڈوبا' بے ڈھنگے انداز سے گٹار پکڑے' وہ اپنی بے سری اور بھونڈی آواز کا سر بکھیرنے کی ناکام کوشش میں ہلکان تھا۔ ٹھیک اس کے سامنے والے سنگل صوفے پر بہ ظاہر دلچسپی مگر درحقیقت کوفت زدہ سے انداز میں ہاتھوں پر اپنا خوب صورت نقش و نگار والا چہرہ گرائے ایمن بڑے ضبط سے بیٹھی تھی۔

"سب کو ہو رہی ہے... ہاں سب کو ہو رہی ہے خبر۔" آنکھیں بند کیے وہ جھوم رہا تھا۔ تب ہی اپنے کمرے سے خونخوار تاثرات سمیت برآمد ہوتی اپنی دادی محترمہ سلطانہ بانو کو نہ دیکھ پایا۔ انہیں اپنی جانب آتا دیکھ کر ایمن ہڑبڑا کر الرٹ ہوئی اور اس نے جھومتے جھامتے ایان کو متوجہ کرنے کی اپنی سی کوشش بھی کی' مگر بے سود کہ وہ "اوریجنل فنکار" دکھائی دینے کی کوشش میں نہ جانے سنگیت کے کون سے بحر میں ڈوبا ہوا تھا۔ سلطانہ آئیں۔ ایک ناراضی آمیز نگاہ ایمن پر ڈالی اس سے قبل کہ آنکھوں کی ناراضی زبان تک پہنچ پاتی... آن واحد میں ایمن وہاں سے کھسک لی۔ اب ان کا روئے مبارک اس عظیم فنکار کی جانب ہوا۔

"دو دل... ہاں دو دل..."

"بھاڑ میں گئے دو دل۔" وہ دھاڑیں۔

"غضب خدا کا... میں پوچھتی ہوں آخر کب ختم ہو گا تمہارا یہ بچپنا..." وہ شدید طیش میں تھیں دوپہر کا وقت ان کے آرام کرنے کا ہوتا تھا اور اس وقت ایان کی بے سری تانیں...

"ارے دادی آپ..." جھٹ سے بڑی بڑی ساحر آنکھیں کھل گئیں' کچھ بوکھلایا بھی' مگر خود پر قابو پاکر' گٹار کو سینے سے لگا' بڑی متاثر کن جذباتیت سے گویا ہوا تو لہجے سے عزم جھلکتا تھا۔

"یہ بچپنا نہیں... میرا شوق... میرا جنون ہے اور میں اسی شوق کو مستقبل میں اپنا پروفیشن بنانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔"

"بہت خوب! تم کرو یہ حرام کام اور تمہارے باپ کا بزنس' اسے کون سنبھالے گا...؟" وہ بڑی طنزیہ نگاہوں سے اسے دیکھ کر پوچھنے لگیں۔

"اوفوہ دادی... مام ہیں نا۔" اس نے جیسے انہیں نا سمجھ جان کر مطلع کیا۔

"لیجیے دادی... یہ ٹھنڈا ٹھنڈا شربت صندل پیجیے... میں نے خاص آپ کے لیے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔" ایمن نے دادی کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی سعی کی۔

"ہاہاہا... شربت ہاتھوں ہی سے بنایا جاتا ہے۔ پیروں سے تو بننے سے رہا۔" ایان نے موقع کی نزاکت بھانپے بنا اپنی علمیت جھاڑنی ضروری سمجھی۔ جواباً" ایمن نے اسے سخت ملامتی گھوری سے نواز کر سر کے اشارے سے وہاں سے جانے کے لیے کہا تو جیسے وہ سب سمجھ کر وہاں سے فی الفور چپت ہو گیا۔ سلطانہ جو "جیتی رہ میری بچی" کہہ کر شربت کا گلاس لبوں سے لگا چکی تھیں شربت کا خالی گلاس ایمن کو تھما کر چونکیں۔

”چلا گیا؟“ پھر کسی قدر سنجیدگی سے بولیں۔
”آج آنے دو اس کی ماں کو۔۔۔ کرتی ہوں اس کا کچھ علاج۔“ اور ایمن نے معصومیت سے سر اثبات میں ہلا دینے پر اکتفا کیا۔ ایک مرتبہ پھر ایمن نے اسے بچا لیا تھا۔

☆ ☆ ☆

مگر رات ڈائننگ ٹیبل پر پھر وہی موضوع ”اتفاقا“ چھڑ گیا اور ایمن چاہنے کے باوجود بھی موضوع تبدیل نہ کروا سکی۔ بس یونہی ذرا سے چاول اپنے آگے رکھے انہیں چمچے سے آگے پیچھے کرتی رہی۔
”بھئی ایان کو تو بلاؤ۔۔۔ کیا وہ کھانا نہیں کھائے گا؟“
یہ سنجیدہ و بردباری شخصیت امجد علی تھے۔ ایمن کے والد۔۔۔ ایان کے تایا۔
”جو دن کے ایک بجے ناشتا کرتا ہو۔ اس کی تو ابھی دوپہر ہی سمجھو۔ وہ کیا خاک رات کے آٹھ بجے کھانا

کھائے گا۔ بس اٹھنے کے بعد سارا دن اول جلول حلیے میں وہ مواگٹار پکڑے ہماری سماعتوں کا امتحان لیتا رہتا ہے۔ تابندہ! میں تم سے پوچھتی ہوں آخر تم اپنے بیٹے کو اس کی ذمے داریوں کا احساس کب دلاؤ گی؟" سلطانہ تو صبح سے منتظر ہی تھیں۔ تابندہ شرمندگی سے وضاحت پیش کرنے لگیں۔

"اماں سب کچھ آپ کے سامنے ہی تو ہے۔ میں تو خود مسلسل پچھلے ڈیڑھ سال سے اسے سمجھانے کی کوشش کر رہی ہوں۔ میں تو خود اس کی لاابالی طبیعت سے عاجز آگئی ہوں۔ اب آپ ہی بتائیں کہ میں کیا کروں۔" وہ چمچہ چھوڑ کر سلطانہ کی شکل دیکھنے لگیں۔

"برا مت مانئے گا بھابھی.... (تابندہ تھیں تو رشتے میں ان سے چھوٹی مگر وہ بعد احترام بجائے نام لینے کے بھابھی ہی بلاتے تھے) مگر اب اسے مزید ڈھیل دینا کسی طور مناسب نہیں۔ وہ جوان ہے۔ اپنی تعلیم مکمل کیے بھی اسے دو سال گزر چکے ہیں۔ پھر یہی تو مناسب ترین وقت ہے اپنا کاروبار سنبھالنے کا۔ ابھی سے کام شروع کرے گا تب ہی تو دو تین سال میں اسٹیبلش ہو سکے گا وہ۔" امجد سلاد کا پیالہ اپنے قریب کھسکاتے ہوئے اپنے مخصوص سنجیدہ و متین لہجے میں بولے۔ ماحول پہ کچھ تناؤ ساطاری ہو گیا تھا تب ہی....

"سلام عبدل ہے میرا سب کی خبر رکھتا ہوں۔" ہاتھ میں گرم گرم چپاتیوں کی چھنگو اٹھائے لہک لہک کر گنگناتا ہوا عبدل المعروف "معصوم" کچن سے نمودار ہوا۔ جس نے ہمیشہ کی طرح اپنے اچھے خاصے سراپے کی "درگت" بنا رکھی تھی پرپل موری بند جینز، پیلی ٹی شرٹ کہ جس پہ بنے چمکدار چاقو کی نوک سے ٹپکتے لہو سے لکھا تھا Kill ME۔ کندھوں تک آتے تیل میں چپڑے بال (کہ جیل وہ افورڈ نہ کر سکتا تھا)۔ ہاتھوں کی کلائیوں میں سجے رنگ برنگے بینڈز۔ گلے میں موٹی سی کالی ڈوری سے لٹکتا نقلی نگینے جڑا دل کی شکل کا پینڈنٹ.... وہ ان کے پرانے نوکر شرف الدین کا بیٹا تھا۔ بچپن سے یہیں تھا اب شرف الدین تو ریٹائرڈ ہو چکا تھا اس کی جگہ معصوم نے چارج سنبھال لیا تھا۔

اس نے لا کر بڑے اسٹائل سے چنگیر میز پر امجد کے عین سامنے رکھی۔

"میاں عبدل" امجد نے ایک روٹی چنگیر سے اٹھا کر بغور دیکھی۔ "بہتر ہے کہ تم سب کی خبر رکھنے کی بجائے اپنے کاموں پر دھیان رکھا کرو۔" اور واپس اسے چنگیر۔ میں رکھ کر چاولوں کی جانب متوجہ ہو گئے۔

"سب کی خبر گیری بھی تو میرے فرائض منصبی میں داخل ہے حضور۔" وہ جھجک کر ادب سے بولا۔ اس کے لب و لہجے پر نا چاہتے ہوئے بھی سب کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

☼ ☼ ☼

"وہ تو میں نے بروقت انٹری مار کر سب کی توجہ آپ پر سے ہٹوا دی نہیں تو آپ کی پیشی ہو جانی تھی آج۔" اور اب وہ اپنی کارگزاری اپنے "پیرو مرشد" کے ساتھ ٹیرس پر پھسکڑا مار کر بیٹھا ان کے گوش گزار کر رہا تھا۔ ایان نے اپنا گٹار پاس ہی لٹا رکھا تھا۔ رات بھیگ رہی تھی۔ شفاف چاندنی چٹکی ہوئی تھی۔ فضا میں خنکی تھی اور سارے میں بھیگی گھاس کی باس رچی تھی۔

"کوئی بات نہیں۔" معصوم سے ساری روداد سن کر اس نے تمکنت سے سر اثبات میں ہلاتے ہوئے شاہانہ انداز میں کہنا شروع کیا۔

"پہلے پہل دنیا عظیم فنکاروں کے ساتھ ایسا ہی سلوک روا رکھتی ہے مگر تم دیکھنا وہ دن دور نہیں جب یہی لوگ فخریہ ہر جگہ میرا حوالہ دیا کریں گے۔"

"اور وہ دن کم از کم تمہاری زندگی میں تو ہرگز نہیں آئے گا۔" عقب سے ایمن کی غصیلی آواز سنائی دی تھی۔ وہ دونوں اچھل پڑے۔

"اور تم!" اس نے سامنے آکر کڑے تیوروں سے یہاں وہاں معصومیت سے دیکھتے معصوم کو دیکھ کر دانت کچکچائے۔

"ڈیڈ ٹھیک ہی کہتے ہیں تم صرف نام ہی کے معصوم ہو۔ شکل سے پورے خبیث اور حرکتوں میں کسی پہاپھا

کٹنی سے ہرگز بھی کم نہیں ہو۔"
"میری تو کسی کو قدر ہی نہیں ہے یہاں.... جارہا ہوں میں پچن کی صفائی کرنے۔" وہ منہ بسورتے ہوئے اٹھ کر چلا گیا۔
"اور تم...." اب وہ اس کی جانب متوجہ ہوئی جس کی خاطر یہاں چل کر آئی تھی۔
"ایان میں تم سے پوچھ رہی ہوں آخر تم چاہتے کیا ہو؟"
"مجھ سے پوچھتی ہو کہ کیا چاہتا ہوں؟" ایان نے بڑی گہری نظروں اور جان دار مسکراہٹ سے اسے دیکھا تھا۔ ایمن اس کے آن واحد میں بدلتے لب و لہجے پر کچھ گڑبڑا سی گئی اور سنجیدہ تاثرات کی جگہ کچھ گھبراہٹ' کچھ شرماہٹ نے لے لی۔
"تو سنو.... ہم تمہیں چاہتے ہیں ایسے...." وہ لپک جھپک اپنا گٹار سینے سے لگا کر شروع ہوچکا تھا۔ ایمن نے سخت بے بسی محسوس کی۔

☼ ☼ ☼

"اے موئے.... یہ یہاں پڑی مٹی تجھے دکھائی نہیں دے رہی کیا؟" سلطانہ نے بے دلی سے فرش پر جھاڑو پھیرتے معصوم کو گھر کا۔ دن کی مخصوص مصروفیات جاری تھیں۔ امجد اور تابندہ آفس جاچکے تھے۔ ایمن اپنا ماسٹرز مکمل کرچکی تھی۔ سو اس نے آج کل سلطانہ کے حکم کے تحت جب دوپہر کے کھانے کی ذمے داری بخوشی اٹھا رکھی تھی۔ ان کی جزوقتی ملازمہ زری نہیں آئی تھی سو آج معصوم کی ڈبل شامت آئی ہوئی تھی۔
"کہاں ہے مٹی؟ لگتا ہے آپ نے اپنی آنکھوں پر خوردبینی شیشے لگوا رکھے ہیں۔" وہ ازحد بے زاری سے بولا تو سلطانہ نے اسے جھاڑ کر رکھ دیا۔
"میری آنکھوں کو نظر مت لگا.... گھر کا بنا خالص سرمہ لگاتی ہوں اور تیری طرح آدھی آدھی رات تک جاگ کر فلمیں دیکھ کر اپنی آنکھیں نہیں پھوڑتی۔ چل جلدی جھاڑو لگا.... پھر میرے کمرے کی تفصیلی صفائی بھی کروانی ہے تجھے میرے ساتھ مل کر۔"
"دادی!" معصوم صدمے سے چور آواز میں احتجاجاً" چلایا۔ تب ہی اپنے مخصوص حلیے یعنی بدرنگی جینز جو بڑے اہتمام سے گھٹنوں سے پھاڑی گئی تھی ٹی شرٹ کی آستینیں تقریباً" ندارد تھیں جس سے اس کے کسرتی بازو جھلکتے تھے۔ گلے میں وائٹ گولڈ کی موٹی سی زنجیر کلائی میں اسٹیل کا کف جس پر اس کا نام کندہ تھا۔ کندھوں پر لہراتی زلفیں جنہیں ماتھے پر بینڈ لگا کر قابو کیا گیا تھا' سمیت ایان منظر کا حصہ بنا منہ بسورتے معصوم نے ازحد متاثر نگاہوں سے اسے بغور دیکھا (کہ خود اس کا حلیہ ایان ہی سے متاثر ہو کر مستعار لیا گیا تھا)۔
"خیر تو ہے یہ آج سورج کدھر سے نکل آیا؟" سلطانہ بھی چونک گئیں۔ پوچھنے کی دیر تھی وہ ایسے شروع ہوا جیسے اسے دعوت خطاب دے دیا گیا ہو۔
"آج کا دن میری زندگی کا یادگار دن بننے جارہا ہے۔ اس وقت آپ لوگوں کے سامنے کھڑا ایان علی ایک عام انسان ہے' مگر میرا دعوا ہے کہ جب آج شام میں لوٹوں گا تب دنیائے میوزک کے افق پر میرا نام کسی روشن ستارے کی مانند جگمگا رہا ہوگا اور میں ایک روک اسٹار بن چکا ہوں گا۔"
"ارے کیا واقعی؟" معصوم کی معصوم سی خوشی دیدنی تھی۔
"مگر ایان بھائی.... رات کو آپ مجھے پہچان تو لیں گے نا؟ ایسا نہ ہو کہ کہیں آپ اسٹار بنتے ہی مجھ جیسے کم حیثیت آدمی کو بھول جائیں۔" ہاتھ میں جھاڑو پکڑے وہ بہت تشویش زدہ سا پوچھ رہا تھا۔
"اوہ پیدائشی کام چور۔" سلطانہ نے ایان کی تقریر دل پذیر کا چنداں نوٹس نہ لیتے ہوئے معصوم کی جانب توجہ کی۔
"تیرے خدشے ختم ہوگئے ہوں تو میرے کمرے میں چلا چل.... یہاں کی جھاڑو تو لگ چکی۔" وہ کہہ کر ایان کو مکمل نظرانداز کیے آگے بڑھ گئیں۔ ایان نے بڑی بردباری سے سلطانہ کا انداز دیکھا اور متانت سے

سرہلا کر بولا۔

"فکر مت کرو معصوم۔ ایک تم ہی تو میرے فن کے قدردان میرے برے وقت کے ساتھی ہو۔ میں تمہیں کیسے فراموش کر سکتا ہوں... یہ تم ہی تو ہو...."

"ختم کرو اپنی تقریر ایان میاں... ایسا نہ ہو کہ تم یہاں کھڑے خالی خولی تقریریں ہی کرتے رہ جاؤ اور وہاں چڑیاں سارا کھیت چگ جائیں۔" سلطانہ جو اندر بڑھنے ہی لگی تھیں ناچار اسے ٹوک بیٹھیں۔ معصوم نے ہڑبڑا کر ان کی تقلید کی جبکہ وہ کندھے پر گٹار لٹکائے لاؤنج عبور کر گیا۔

پھر وہی ہوا جو آج تک ہوتا آیا تھا۔ جس وقت وہ منہ اور کندھے لٹکائے لاؤنج میں داخل ہوا جملہ اہل خانہ وہاں موجود چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ وہ سب کو نظر انداز کرتا ہوا تیر کی طرح اپنے کمرے کی جانب بڑھتا چلا گیا۔ اس کا بجھا انداز دیکھ کر سب ہی کو سمجھنے میں مشکل نہ ہوئی کہ آج بھی نتیجہ حسب سابق رہا ہے۔ جو بھی تھا اسے یوں ملول اور دل گرفتہ دیکھ کر سب ہی کو دکھ ہوا تھا۔ کیسے نہ ہوتا وہ ان سب ہی کا لاڈلا... ان کے دل کی دھڑکن تھا۔ سلطانہ کے لاڈلے چھوٹے سپوت ساجد علی کی اکلوتی نشانی... جو خود تو انہیں بھری جوانی میں داغ مفارقت دے گیا تھا' مگر ایان کی صورت ان کے سامنے موجود تھا۔

امجد علی بھی اس کی پیدائش پر اپنی سات سالہ بے اولادی کا دکھ بھول گئے تھے۔ چند سال بعد ایمن کی صورت اللہ کی رحمت ان کی گود میں آئی تب بھی ایان کی حیثیت مسلمہ رہی۔ امجد علی کی بیوی فرحانہ بھی اسے بے حد و بے حساب چاہتی تھیں۔ ساجد علی کے بعد تو امجد ایان کی سرپرستی کے معاملے میں مزید سنجیدہ اور حساس ہو گئے تھے۔ تابندہ کے لیے تو ظاہر ہے بیوگی کے بعد جینے کا وہی آسرا تھا۔ یہ ایان کی صورت ہی تھی جسے دیکھ کر تابندہ کی مدھم پڑتی دھڑکن نے دوبارہ رفتار پکڑی تھی۔ اور رہی ایمن... اسے خود ساجد نے ایان کے لیے مانگا تھا۔ شعور کی منازل طے کرتے ہوئے دونوں اپنے مابین رشتے سے آگاہ ہوتے گئے اور یہ رشتہ دل کے تاروں سے کب جڑا کچھ خبر نہ ہوئی۔

☼ ☼ ☼

"گویا تم پھر مسترد کر دیے گئے؟" ایمن اس کے پیچھے پیچھے کمرے میں چلی آئی تھی۔ ایان جو گٹار کو غصے سے بیڈ پر پھینک کر خود بھی بیڈ پر اپنے لمبے بالوں میں انگلیاں پھنسائے بیٹھا تھا اس کے دلسوزی سے استفسار کرنے پر بھڑک ہی اٹھا۔

"ہاں... انہوں نے میرا پورا گانا سنے بغیر ہی مجھے یہ کہہ کر ری جیکٹ کر دیا کہ مجھ میں **سنگنگ** کا **ٹیلنٹ** ہی نہیں اور ساتھ ہی مفت مشورے سے بھی نواز دیا کہ بہتر ہے میں کوئی اور کام کروں۔"

"کہتے تو وہ ٹھیک ہی ہیں۔" بے ساختہ ہی ایمن کے لبوں سے نکلا تھا' مگر دوسرے ہی پل اس کی خفگی سے گھورتی نگاہوں سے گھبرا کر وہ بات بدل کر بولی۔

"کہتے تو سب ٹھیک ہی ہیں کہ یہاں بنا سفارش کے کوئی کام نہیں بنتا۔ خیر دفع کرو ان قدر ناشناسوں کو... اور بتاؤ... تم نے اب آگے کا کیا سوچا ہے۔" وہ سامنے کرسی پر بیٹھ کر پوچھنے لگی۔ دل کو موہوم سی امید تھی کہ لوہا گرم ہے موقع بھی ہے اور محل بھی آج تو وہ اسے قائل کر کے ہی اٹھے گی کہ بس اب بہت ہو گیا آخر کب تک وہ یوں اپنا قیمتی وقت بے کار ضائع کرتا رہے گا مگر...

"سوچنا کیا ہے۔" اس نے ایک انداز بے نیازی سے ہیئر بینڈ بالوں سے نکال کر ان میں انگلیاں چلاتے ہوئے کہا۔

"اب میں ان سارے لوگوں کو اپنی **ریجیکشن** کا جواب مارکیٹ میں دوں گا۔"

"کیا مطلب؟" ایمن اچنبھے سے پوچھنے لگی۔

"مطلب یہ ڈیئر کزن کہ میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ میں اب خود اپنی میوزک البم لانچ کروں گا۔" وہ پراسراریت سے مسکرا کر بولا تھا۔

"کیا؟" اور ایمن نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھا تھا۔

٭ ٭ ٭

زندگی اپنی مخصوص ڈگر پر رواں دواں تھی۔ گھر کے مکینوں کی عام سی مصروفیات میں خلل انداز ہوا تھا۔ واشنگٹن سے آنے والا وہ فون۔۔۔ جو ظاہر ہے کہ وائٹ ہاؤس سے تو خیر نہیں آیا تھا' مگر سلطانہ نے گھر میں کچھ ایسی ہی ایمر جنسی نافذ کر وار کھی تھی گویا امریکی صدر ان کے ہاں قیام فرمانے کے ارادے سے وارد ہو رہا ہو۔

قصہ طویل کچھ یوں تھا کہ سلطانہ کی بھانجی عنبرین پروین جو امریکا بیاہی گئی تھیں ان کا اکلوتا بیٹا داؤد ابراہیم اپنے بچپن کے بعد اب جا کر پاکستان تشریف لا رہا تھا۔ خود اس کی اپنی سگی نانی تو کب کی دوسرے جہاں سدھار چکی تھیں ایسے میں وہ چھوٹی نانی کے یہاں نہ ٹھہرتا تو کہاں جاتا۔۔۔ پھر یہ بھی تھا کہ پروین نے سلطانہ سے ٹیلی فونک رابطہ برقرار رکھا تھا اسے اپنی خالہ سے انسیت تھی تو خالہ کو بھی بھانجی پیاری تھی بقیہ دو تو بس منہ دیکھے کی محبت جتاتی تھیں۔ تب ہی جب سلطانہ نے داؤد کی پاکستان آمد کے متعلق سنا تو جھٹ اپنے ہاں ٹھہرانے کی پیش کش بلکہ اصرار کر ڈالا تھا۔ اور اب داؤد کی متوقع آمد نے معصوم کی جان عذاب کی ہوئی تھی۔

"دیکھو معصوم۔۔۔ اگر تو نے مہمان خانے کی صفائی میں ذرا بھی ڈنڈی ماری نا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔" سلطانہ لاؤنج کے صوفے پر براجمان تسبیح پڑھتے ہوئے گھر کے کاموں پر نظر رکھے ہوئے تھیں۔ معصوم جو جھاڑن اٹھائے گیسٹ روم کی جانب بڑھ رہا تھا منہ بسور کر پیر پٹختے ہوئے بولا۔

"کیا ہے دادی! آپ۔۔۔ نے تو سب کو ایسے الرٹ کر رکھا ہے جیسے امریکا سے بش تشریف لا رہا ہو۔"

"اُفوہ۔۔۔" کچن سے نکلتی ایمن اس کی بات پر بے ساختہ ہنس کر بولی۔

"امریکا کا صدر اب بش نہیں اوباما ہے اور اس بات کو بھی زمانے گزر چکے ہیں۔"

"بش ہو یا اوباما ہمیں کیا دے رہا ہے۔۔۔ میں تو دادی کو سمجھانا چاہتا ہوں کہ ہتھ ذرا ہولا رکھیں کام کروا کروا کر جان ہی نکال دی ہے۔" وہ روہانسا ہو کر بولا۔

"ٹھہر جا کم بخت۔۔۔ تو تو ہے ہی سدا کا کام چور۔۔۔ ذرا سا کام کرتے تجھے موت آنے لگتی ہے۔" سلطانہ ناراض ہونے لگیں تو وہ بادل ناخواستہ اندر بڑھ گیا۔

"اور ایمن بیٹا۔" اب وہ ایمن سے مخاطب ہوئیں۔

"تم ذرا دہ کیا بناتی ہو چائے نیز وائی نیز۔۔۔ وہ بنا لینا کیا پتا وہ ہمارے جیسے مرغن کھانے نہ کھاتا ہو۔"

"ڈونٹ وری دادی جان۔۔۔ میں پہلے ہی دو تین کونٹی نینٹل ڈشز بنا چکی ہوں بعد میں جو انہیں پسند ہو گا اس حساب سے مینیو ترتیب دے لیا کریں گے۔" وہ انہیں مطمئن کرنے کو بولی۔

"جیتی رہ میری بچی۔" اس کی ذہانت نے انہیں مسرور کر دیا۔ "ماشاءاللہ تم نے بڑی سمجھ داری سے کام لیا۔۔۔ ایک تم ہو ایک وہ ایان ہے نہ جانے اس بے عقلے کو کب عقل آئے گی؟" آخر میں وہ افسردہ ہو گئیں اور اس سوال کا جواب تو خود ایمن کے پاس بھی موجود نہ تھا۔ سو وہ کندھے اچکا کر رہ گئی۔

٭ ٭ ٭

گورا چٹا۔۔۔ چہرے پر ہلکی ہلکی بھوری ڈاڑھی۔۔۔ آنکھوں پر لگی سلور فریم والی نفیس سی عینک۔۔۔ لمبا تڑنگا۔۔۔ چوڑے شانے۔۔۔ براؤن آرام دہ پینٹ اور نیلی شرٹ میں ملبوس وہ داؤد ابراہیم تھا۔ سب ہی سے بڑے تپاک' احترام اور وضع داری سے ملا۔ وہ جو ان سب ہی کے لاشعور میں ایک خدشہ سا تھا اسے دیکھ کر کہیں جا سویا۔ لمبے سفر کی تکان کے باوجود وہ ان کے درمیان بیٹھا رہا۔ کھانا لگایا گیا تو اس نے وہی کھانے کو ترجیح دی اور خوب خوب تعریفیں کر کر کے کھانا کھایا۔۔۔ جو بھی تھا وہ سادہ دل اور بے تکلف سا نوجوان سب ہی کو پسند آیا تھا۔ سوائے ایان کے۔۔۔ وہ نہ جانے کیوں اس کی آمد پر کچھ بے چینی سی محسوس کر رہا تھا اور اس نے پہلی ہی ملاقات میں اسے ناپسند کر کے مسترد کر دیا

تھا اور وقت نے ثابت کیا تھا کہ اس کی ناپسندیدگی و بے چینی کچھ ایسی غلط بھی نہ تھی۔

☼ ☼ ☼

دوسرے دن وہ تازہ دم سا سلطانہ کے کمرے میں بیٹھا سب کے لیے لائے گئے تحائف ان کے حوالے کر رہا تھا۔ سلطانہ کے لیے گرم سویٹر، مخمل کے بنے گرم جوتے، ڈی جیٹل قرآن وغیرہ۔ تابندہ کے لیے پرل کی جیولری، امجد کے لیے قیمتی رسٹ واچ، ایمن کے لیے میک اپ کٹ، پرفیوم، ہینڈ بیگ... سب ہی اس کے خلوص پر شرمندہ ہوئے جا رہے تھے، مگر ساتھ ہی ساتھ اس کی چوائس کو سراہ بھی رہے تھے۔ واقعی تحائف ان لوگوں کی عمر اور مزاج کو مد نظر رکھ کر خریدے گئے تھے اور تو اور اس نے معصوم کے حوالے سے بھی دو بڑے بڑے شاپر کیے تب معصوم کی شکل دیدنی تھی۔ وہ آبدیدہ سا ہو گیا... پھر بولا۔

"مجھے یقین نہیں آ رہا داؤد بھائی کہ آپ نے مجھ ناچیز کے لیے بھی امریکا سے شاپنگ کی ہے۔"

"یقین کر لو یار... جب میں یہاں کے سب ہی لوگوں کے لیے گفٹ لے کر آ رہا تھا تو تمہیں کیسے بھول سکتا تھا۔ امی نے خاص طور پر مجھے تاکید کی تھی کہ میں تمہارے لیے بھی گفٹ خریدوں۔" داؤد اس کے جذبات سمجھتے ہوئے اس کے کندھے پر دوستانہ انداز سے ہاتھ مار کر بولا۔

"مگر اتنا سب لانے کی کیا ضرورت تھی بیٹا... پروین نے خواہ مخواہ تکلف کیا۔ تم جو آ رہے تھے ہمارے لیے یہی تحفہ بہت تھا۔" سلطانہ نے وضع داری سے کہا تو وہ بولا۔

"تحفے دل کی خوشی اور محبت بڑھانے کی خاطر دیے جاتے ہیں نانی۔" اس کے مدلل جواب پر امجد نے بے ساختہ اسے پسندیدگی سے دیکھا۔ تابندہ بھی مسکرا رہی تھیں۔

"یہ بات ہے تب تو ہم بھی اپنی دل کی خوشی کی خاطر آپ کے لیے بہت کچھ کریں گے تب آپ انکار مت کیجیے گا۔" ایمن نے شرارت سے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ ہنس پڑا۔

"شیور... مگر فی الحال تو تم اچھی سی کافی پلا دو، وہی میرے لیے کسی تحفے سے کم نہیں ہوگی... اور ہاں یہ ایان کدھر ہے... پلیز معصوم ذرا اسے بلا لاؤ تو میں اس کا تحفہ بھی اسے دے دوں۔"

اور معصوم کی شامت اعمال کہ وہ ایان کو بلانے اس کے کمرے میں چلا آیا۔ نہ صرف چلا آیا بلکہ فرط مسرت سے اپنے تحائف بھی اسے دکھانے لگا۔

"نمک حرام۔" ایان نے سرعت سے اس کی گردن دبوچی۔ "دو تحفے کیا مل گئے تو نے اپنی وفاداری تبدیل کر لی۔"

"ارے... ارے چھوڑیں میری گردن ایان بھائی قسم لے لیں میں تو آپ ہی کے حکم کے مطابق دادی کے کمرے میں ٹوہ لینے گیا تھا۔ اب اگر انہوں نے مجھے تحفہ پکڑا دیا تو کیا میں تحفہ بھی نہ لیتا۔" وہ دہائی دینے لگا۔

"اچھا... تو کیا ہو رہا تھا وہاں؟" ایان نے اس کی گردن چھوڑ کر خشمگیں نگاہوں سے اسے گھورا۔ معصوم فر فر شروع ہو گیا اور آخر میں اپنا بے لاگ تجزیہ بھی پیش کرنا ضروری سمجھا۔

"میں کہہ رہا ہوں ایان بھائی۔ دال میں کچھ کالا ہے۔ ان کی اچانک سالوں بعد یوں آمد بے وجہ نہیں... میں نے خود دیکھا ہے اپنی گناہ گار آنکھوں سے کہ وہ ایمن باجی سے راہ و رسم بڑھانے کی کوششوں میں ہیں۔"

"کیا مطلب؟" ایان نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

"مطلب یہ کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ایمن باجی کو متاثر کر لیں اور آپ اپنا گٹار پکڑے..." مگر قبل اس کے اس کی بات مکمل ہو پاتی ایک مرتبہ پھر اس کی پتلی گردن ایان کی گرفت میں تھی۔

☼ ☼ ☼

پھر اس کے بعد تو داؤد نے ایسا رنگ جمایا کہ جیسے

دیکھو داؤد کی تعریف میں رطب اللسان نظر آیا۔

"ماشاء اللہ کیسا نیک اور سعادت مند بچہ ہے صوم و صلوۃ کا پابند' مشرقی روایات کی پاسداری کرنے والا۔" یہ سلطانہ تھیں۔

"پڑھا لکھا' مہذب' ذمے دار' دوسروں کا احساس کرنے والا مجھے کہنے لگا کہ آنٹی اگر میں آپ کا بیٹا ہوتا تو آپ کو بالکل کام نہ کرنے دیتا۔" تابندہ کی حسرت میں ڈوبی آواز۔

"ڈی سینٹ' سوبر' ویل مینرڈ داؤد کتنے اچھے ہیں نا۔ اس کی کمپنی میں بندہ بالکل بور نہیں ہوتا۔" ایمن کے خیالات۔ اور ان سب سے مختلف تھے امجد صاحب کے احساسات۔ وہ ان کے ساتھ جمعہ پڑھنے جاتا۔ رات میں واک کرتا' تو صبح جاگنگ ان کے مسائل ڈسکس کرتا۔ تجاویز دیتا۔ بزنس میں نئے رجحانات کا ذکر کرتا' کاروباری اسرار و رموز پر سیر حاصل بحث کرتا۔ وہ ان کی سوچ کو نئے زاویے عطا کر گیا تھا۔ اور وہ سوچنے لگے تھے وہ بات جو نہیں سوچنی چاہیے تھی۔

"نہ جانے کیوں آج مجھے شدت سے اس بات کا احساس ہو رہا ہے کہ میں نے ایمن کو منسوب کرنے میں بڑی جلد بازی سے کام لیا۔" امجد اس وقت سلطانہ کے کمرے میں ان کے ساتھ بیٹھے پر سوچ سے انداز میں بولنا شروع ہوئے سلطانہ نے بری طرح چونک کر ان کا تفکر میں ڈوبا اداس چہرہ بغور دیکھا۔

"یہ کیسی بات کی تم نے؟" انہوں نے تعجب سے پوچھا۔

"ہاں اماں اور یہ احساس مجھے داؤد کو دیکھ کر ہوا ہے۔ کیا میرا حق نہیں کہ میں اپنی اکلوتی لاڈلی بیٹی کے محفوظ مستقبل کے بارے میں سوچوں؟" وہ ان سے پوچھنے لگے۔ تو وہ کچھ سنجیدگی سے بولیں۔

"مگر بیٹا۔ وہ لاکھ گن والا ہی مگر کیا وہ ہمارے ایان کی جگہ لے سکتا ہے؟"

"بات کسی کی جگہ لینے کی نہیں... کوئی کسی کی جگہ نہیں لے سکتا' مگر ایک سوال میں آپ سے کرنا چاہتا ہوں۔ کیا آپ ایان کے ساتھ میری بیٹی کے محفوظ مستقبل کی ضمانت دے سکتی ہیں؟" سلطانہ خاموش رہ گئیں۔ تب وہ مسکرا کر زخمی سے انداز میں بولے۔

"نہیں نا؟"

"اور اب میں مزید اس کے سدھرنے کا انتظار کیے بنا ہی کوئی فیصلہ کر لینا چاہتا ہوں جبکہ آپ جانتی ہیں کہ وہ سدھرنا ہی نہیں چاہتا۔" وہ اپنی بات مکمل کرکے بنا سلطانہ کے پر تفکر چہرے کی جانب دیکھے کمرہ عبور کر گئے۔

☼ ☼ ☼

"یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟" ایان حسب معمول اپنے کمرے میں بیٹھا گٹار کے ساتھ مصروف عمل تھا تب ہی معصوم نے آکر اس کے سر پر یہ دھماکا کر دیا... اس نے اپنی عادت کے عین مطابق چھپ کر نہ صرف سلطانہ اور امجد کی باتیں سن تھیں بلکہ ایان کے سامنے یہ سب دہرانا بھی ہمیشہ کی طرح عین ثواب سمجھا تھا۔ ایان یہ سن کر شش شدر رہ گیا۔ کیا ایسا بھی ہو سکتا ہے؟ کیا یوں بھی ہو سکتا تھا؟

"جی ایان بھائی... اب کچھ کرنے کی سوچیں ایسا نہ ہو کہیں آپ یہ گٹار ہی بجاتے رہ جائیں اور..." معصوم سابقہ تجربے کی بنا پر احتیاطا" دو قدم پیچھے سرکا۔

"اور وہ داؤد ابراہیم اپنی ایمن باجی کو لے اڑیں۔ میں نے تو آپ کو پہلے ہی کہا تھا کہ ان کی یوں اچانک آمد بے وجہ نہیں۔" وہ دیدے گھما گھما کر اور ہاتھ نچا نچا کر اپنے درست تجزیے پر بے حد مسرور سا کہتا چلا گیا' مگر خلاف توقع ایان نے کوئی خاص رد عمل ظاہر نہ کیا۔ نہ ہی لب کشا ہوا۔ وہ تو بس ابھی تک اسی صدمے میں تھا کہ۔

"کیا ایسا بھی ہو سکتا ہے؟ کیا یوں بھی ہو سکتا تھا؟" مگر یہ دنیا ہے... ہاں سب کچھ ممکن ہے... ایسا بھی اور ویسا بھی...

☼ ☼ ☼

"میں نے تم سے کہا بھی تھا کہ تم اس فرنگی سے دور رہنا۔" دو دن اسی کیفیت کے زیر اثر رہنے کے بعد وہ

اپنی پرانی جون میں واپس لوٹا' کہیں جانے کے لیے تیار ہوتی ایمن کے سر پہ کھڑا چلا رہا تھا۔ ایمن جو بالوں میں برش کر رہی تھی چونک کر پلٹی اور اس کا لال بھبھوکا چہرہ دیکھ کر ازحد اطمینان سے بولی۔

"پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ فرنگی نہیں... امریکن ہے۔"

"تب تو اور بھی دور رہو۔" وہ نتھنے پھلا کر بولا۔

"دوسری بات وہ ہمارا مہمان ہے۔" ایمن نے اس کا نوٹس لیے بنا اپنا بیان جاری رکھا۔ "اور تیسری اور سب سے اہم بات کہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ہم عمر کزن ہونے کے ناتے تم اسے کمپنی دیتے' مگر تم نہ جانے کیوں اتنا ناپسند کرتے ہو۔ اب ایسے میں اگر میں بھی ان سے روڈ ہو جاؤں گی تب وہ کتنا محسوس کریں گے بے چارے۔ بات ختم کر کے وہ مڑی اور برش رکھ کر اپنے لمبے سلکی بالوں کو سفید پونی میں جکڑا۔ چمکدار گلابی لپ گلوز بھرے بھرے ہونٹوں پہ پھیرا اور شیشے میں دکھائی دیتے اپنے عکس کو تنقیدی نگاہوں سے دیکھ کر واپس مڑی ہی تھی کہ زری نے آکر مطلع کیا۔

"بی بی جی... داؤد صاحب لان میں آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

"تم جاؤ میں آتی ہوں۔" ایمن نے اپنا سفید اور ہلکا نیلا ہینڈ بیگ اٹھاتے ہوئے کہا تو زری سر ہلا کر پلٹ گئی۔ ایمن مستقل غصے میں کھڑے ایان کو نظر انداز کر رہی تھی' مگر وہ ہرگز بھی نظر انداز ہونے کے موڈ میں نہیں تھا۔

"تم جا کہاں رہی ہو؟" اس نے درشتی سے پوچھا۔

"داؤد کو شاپنگ کروانے۔"

"کیوں وہ کوئی ناداں بچہ ہے؟"

"بچے تو ظاہر ہے کہ نہیں ہیں' مگر یہاں کے راستوں اور شاپنگ مالز وغیرہ سے انجان ضرور ہے۔ پھر وہ ہمارے لیے اتنے تحائف لے کر آئے ہیں تو کیا ہمارا فرض نہیں بنتا کہ جواباً" انہیں بھی تحفہ دیں؟" وہ اب اپنے سفید سینڈلز پہن کر پوری طرح تیار تھی سوائے اطمینان سے جواب دے کر بنا اس کی اگلی بات سنے کمرے سے نکلتی چلی گئی۔ ایان اس کے اس اجنبی انداز پر ہکا بکا رہ گیا۔

"یعنی کہ حد ہو گئی... ایمن نے داؤد کی خاطر میری بات ماننے سے نہ صرف صاف انکار کر دیا بلکہ میری ناراضی کی پروا نہ کرتے ہوئے اس کے ساتھ چلی بھی گئی... یعنی کہ بس اب بہت ہو گئی... ایان میاں اس سے زیادہ توہین تمہاری ہو نہیں سکتی... جلد ہی کچھ کر کے اس داؤد نامی جادو کا توڑ کر لو نہیں تو واقعی بقول معصوم... نہیں نہیں..." وہ ہڑبڑا کر ہوش میں آکر دیوانوں کی طرح معصوم کی تلاش میں لپکا تھا۔

☼ ☼ ☼

"مجھے ایسا لگتا ہے جیسے ایان مجھے کچھ خاص پسند نہیں کرتا۔" ایمن نے داؤد کے لیے سب کی طرف سے' مگر داؤد کی پسند سے مختلف تحائف کی خریداری کی تھی۔ خود اس نے داؤد کو اپنی طرف سے ایک برانڈڈ کرتا خرید کر دیا تھا اور اب داؤد اسے آئس کریم کھلانے کے لیے پارلر میں لیے بیٹھا تھا۔ ایمن اپنی فیورٹ چاکلیٹ آئس کریم سے لطف اندوز ہو رہی تھی تب ہی اچانک داؤد نے یہ بات کہی۔

"ارے نہیں تو۔" ایمن نے جلدی سے آئس کریم نگل کر نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس کی "غلط فہمی" دور کرنے کی سعی کی۔

"دراصل وہ ہے ہی کم آمیز... آپ نے دیکھا نہیں وہ ہم گھر والوں کے درمیان بھی ذرا کم ہی بیٹھتا ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔" اس نے خالص امریکن انداز میں کندھے اچکا کر کہا۔

"مگر مجھے ایسا محسوس ہوا تب ہی کہہ دیا' مگر ریزرو ہونا الگ بات ہے اور کسی کو ناپسند کرنا دوسری' پھر جب میں نے اس کا تحفہ اسے دینا چاہا تب بھی اس نے بہت روڈلی کہا کہ وہ اجنبیوں سے گفٹ نہیں لیتا' مگر خیر لیو اٹ..." وہ ایمن کے شرمندہ تاثرات دیکھ کر بات ختم کر گیا۔ پھر بھی ایمن نے وضاحتی انداز میں اتنا ضرور

کہا کہ۔

"نہیں داؤد۔ وہ آج کل ذرا کچھ پریشان سا ہے بس اسی لیے۔"

"خیر۔ خیر ہو سکتا ہے تم درست کہتی ہو اور تحفے کا کیا ہے اگر وہ نہیں لینا چاہتا تو اس کی مرضی۔" وہ کچھ سنجیدگی سے بولا۔

"ارے نہیں نہیں۔" وہ پھر جلدی سے بولی۔ "وہ تحفہ ضرور لے گا بلکہ میں آپ کو بتاؤں اگلے مہینے اس کی سالگرہ آرہی ہے اور ہم سب گھر والے ہر سال بہت اہتمام سے اس کی برتھ ڈے سیلی بریٹ کرتے ہیں اس سال تو آپ بھی ہوں گے خوب مزہ آئے گا۔ آپ وہی تحفہ اسے تب دے دیجئے گا۔" ایمن نے اپنے تئیں اسے پر خلوص مشورہ دیا۔

"نیکسٹ منتھ تو میری بھی برتھ ڈے ہے۔" داؤد نے بے ساختہ بتایا۔

"یہ تو بہت مزے کا اتفاق ہے۔" ایمن چہکتے ہوئے بولی۔

"تو پھر یہ طے ہوا کہ اس سال ہم آپ کی سالگرہ بھی ایان کے ساتھ سیلی بریٹ کریں گے۔"

"ہاں۔ ہاں ٹھیک ہے۔" وہ اس کی بات مسکرا کر بولا۔ مگر یہ مسکراہٹ کچھ پھیکی سی تھی۔ کھوئی کھوئی سی۔ وہ جیسے کسی کشمکش و پیچ میں مبتلا تھا۔ ایک اضطرار سا اس کے وجود سے جھلکتا تھا۔

"کیا میں اس سے وہ سب کہہ دوں جو اتنے دن سے دل میں چھپائے بیٹھا ہوں۔" وہ ادھیڑبن میں تھا۔

"پتا ہے پچھلے سال۔" ایمن اس کی نظروں کی زبان سے بے خبر نہ جانے اسے کون سا قصہ کہے جارہی تھی۔

"اب نہیں تو کبھی نہیں۔" جیسے فیصلہ ہو گیا تھا۔

"کیا ہوا داؤد۔ آپ میری بات نہیں سن رہے۔" ایمن نے اس کی بے توجہی محسوس کرتے ہوئے اسے ٹوکا۔

"ایمن۔ مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔" داؤد نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔

"مگر وعدہ کرو۔ اگر تمہیں انکار بھی ہو گا تب بھی ہماری دوستی میں کوئی فرق نہیں آنے دو گی؟" وہ تمہید۔ باندھنے لگا۔

"ایسی بھی کیا بات ہے داؤد؟" ایمن نے آئس کریم کو یونہی چھوڑ کر ازحد پریشانی سے اس کا چہرہ دیکھا تھا۔

☼ ☼ ☼

اپنے حریف کا مقابلہ انسان دو طرح سے کرتا ہے۔ اول۔ خود کو مد مقابل سے برتر ثابت کر کے۔ دوئم۔ مقابل کو سب کی نظروں سے گرا کر۔ چونکہ موخر الذکر حربہ عموماً" آسان اور فوری کارگر ثابت ہوا کرتا ہے اسی لیے اکثر تن آسان اور سہل پسند (درحقیقت کمینے) انسان اسی کو اختیار کرنے کو ترجیح دیا کرتے ہیں۔ لہٰذا ایان علی صورت حال کے ہر "پہلو" پر جناب معصوم کے ساتھ مل کر اچھی طرح غور کرنے کے بعد اسی نتیجے پر پہنچ سکے تھے کہ اب وہ وقت آگیا ہے کہ داؤد کی اصلیت (جو ان کے خیال کے مطابق اس نے اپنی نیک چلنی کے لبادے میں چھپا رکھی تھی) سب کے سامنے ظاہر کر دی جائے۔

"آخر پتا تو چلے کہ ہم پچھلے آدھے گھنٹے سے یہاں ڈھونڈ کیا رہے ہیں۔" معصوم جو پچھلے آدھے گھنٹے سے ایان کے ساتھ مل کر رازداری سے داؤد کے کمرے میں گھسا کوئی نامعلوم شے تلاش کر رہا تھا اکتا کر بولا۔

"کوئی ایسی قابل گرفت چیز جو داؤد کے خلاف پکا ثبوت مہیا کر سکے۔" ایان نے سرگوشی کی۔

"مثلاً"؟" مارے جوش کے معصوم کی آنکھیں پھٹ سی گئیں اور ان میں بے زاری کی جگہ اشتیاق گھس آیا۔

"جیسے ہو سکتا ہے وہ ڈرگز لیتا ہو۔ شراب نوشی کرتا ہو یا پھر غیر اخلاقی لٹریچر۔" وہ ابھی یہیں تک کہہ پایا تھا کہ دروازے کی ناب گھمانے کی آواز پر ان دونوں ہی کے ہاتھوں کے توتے اڑ گئے۔

"تم لوگ یہاں اس وقت؟" تھکے تھکے سے داؤد نے اندر داخل ہوتے ہوئے ازحد تعجب سے انہیں

دیکھا۔
"وہ... وہ۔" چہرے پر اڑتی ہوائیوں اور زبان کی لڑکھڑاہٹ پر بدقت تمام قابو پاتے ہوئے تیزی سے سوچتے ہوئے ایان نے کچھ کہنا چاہا۔
"وہ... ہاں چوہا... ایک موٹے سے کالے چوہے کو تلاش کر رہے تھے ہم۔"
"میرے کمرے میں؟" داؤد نے مشکوک نظروں سے دونوں کو باری باری گھورتے ہوئے کہا۔
"ہاں وہ کچن سے نکل کر اسی طرف آیا تھا۔ لگتا ہے یہاں سے بھی بھاگ گیا۔ آؤ معصوم چلیں... داؤد کو آرام کرنا ہوگا۔" ایان نے جلدی سے کہا اور کمرے سے باہر جبکہ معصوم تو اس کی بات مکمل ہونے سے قبل ہی شاندار پھرتی کا مظاہرہ کرتا ہوا کمرہ عبور کر گیا تھا۔
"چوہا... اور میرے کمرے میں؟" بات داؤد کی سمجھ میں نہیں آسکی مگر اسے بری ضرور لگی تھی۔
"وہ تو شکر ہے خدا کا کہ بروقت آپ کے دماغ نے کام کر دکھایا ورنہ تو ہم دونوں ان کے ہاتھوں جام شہادت نوش کر چکے ہوتے۔" معصوم جان بچ جانے پر تاحال بے یقین تھا۔
"اور تم..." ایان نے غضب ناکی سے اسے گھورتے ہوئے کہا۔
"تم نے تو کہا تھا کہ وہ باہر گیا ہوا ہے۔"
"ہاں گئے تو ہوئے تھے امجد صاحب کے ساتھ... روز تو دیر سے لوٹتے ہیں۔ مجھے کیا الہام ہوا تھا کہ آج جلد ہی لوٹ آئیں گے۔" اس نے صفائی دی۔
"خیر جو ہوا سو ہوا۔ اب اپنے اگلے قدم کے متعلق سوچو۔" ایان نے کہا تو وہ دونوں پھر سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔

☼ ☼ ☼

سلطانہ کی زبانی امجد کے خیالات جان کر تابندہ چپ کی چپ رہ گئیں۔
"اب تم خود ہی بتاؤ... باپ ہونے کے ناتے اس کے خدشات کچھ ایسے بے جا بھی نہیں جو لڑکا خود اپنے ساتھ ہی سنجیدہ نہ ہو وہ کسی لڑکی کو کیا محفوظ مستقبل دے گا۔" وہ رنجیدگی آمیز سنجیدگی سے گویا تھیں۔
تابندہ سر جھکائے متفکر سی بیٹھی تھیں۔
"بات آپ کی ٹھیک ہی ہے... میں تو خود اسے ہر طرح سے سمجھا کر دیکھ چکی ہوں۔" انہوں نے عاجز لہجے میں کہا۔
"جانتی ہو پروین کا فون آیا تھا میرے پاس... داؤد نے ڈھیر ساری تعریفیں کی ہیں اپنی ماں سے ایمن کی..." انہوں نے تابندہ کو معاملے کی سنگینی سے آگاہ کرنا چاہا۔ وہ خود پریشان تھیں۔
"اچھا!" تابندہ نے اپنا جھکا سر اٹھا کر تحیر سے انہیں دیکھا۔ "تو بات یہاں تک پہنچ چکی ہے۔"
"ہاں..." سلطانہ اداس مگر سخت لہجے میں بولیں۔
"امجد لاکھ ایان پر جان چھڑکے مگر مت بھولو کہ وہ ایمن کا باپ ہے اور کسی بھی شخص کو اپنی اولاد سے پیارا کوئی رشتہ نہیں ہوتا۔" جو وہ سمجھانا چاہ رہی تھیں تابندہ تو اچھی طرح سمجھتی تھیں مگر ان کے سمجھنے سے کیا ہوتا ہے...؟

☼ ☼ ☼

ایان دیکھ رہا تھا کہ ایمن اور داؤد کی قربت روز افزوں ترقی کرتی جا رہی تھی۔ وہ دونوں آئے دن کہیں نہ کہیں یا تو ساتھ جا رہے ہوتے یا واپس آ رہے ہوتے۔ گھر میں بھی دونوں کا بہتر وقت اکٹھے گزرتا۔ معصوم نے تو خود اپنی "گناہ گار" آنکھوں سے ایمن کو داؤد سے سرخ گلاب وصول کرتے دیکھا تھا۔ ان کی آپس میں ہوئی کھسر پھسر پر حسب عادت اپنے "گناہ گار" کان لگا کر سن گن لینے کی کوشش بھی کی جس کے نتیجے میں ان کے پلے جو کچھ پڑا وہ انہوں نے ایان تک پہنچا کر دم لیا تھا۔ ان کے مطابق وہ دونوں کوئی محبت بھری بات کر رہے تھے۔ معاملہ سنگین تر صورت اختیار کر گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"یہ پھول اور کارڈ بھیجے ہیں کسی لڑکی نے داؤد بھائی

کے لیے۔" چھٹی کے روز تمام افراد خانہ ظہرانے کے بعد لاؤنج میں بیٹھے بات چیت میں مشغول تھے تب ہی معصوم سرخ گلابوں کا بکے اور کارڈ اٹھائے چلا آیا سب ہی نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

"میرے لیے بکے اور کارڈ... مگر کس نے بھیجے؟" داؤد حیرانی سے بولا۔

"کہہ تو رہا ہے کہ کسی لڑکی نے بھجوائے ہیں۔" ایان جو خلاف معمول آج ان کے درمیان موجود تھا بڑی جتاتی آواز میں لہک کر بولا۔

"مگر یہاں تو مجھے کوئی جانتا بھی نہیں۔" داؤد کندھے اچکا کر تعجب سے بولا۔

"جان پہچان بنانے میں کوئی دیر لگتی ہے' میرا خیال ہے کہ وہی لڑکی ہوگی۔" ایان نے سوچتے ہوئے ڈرامائی انداز اپنایا۔

"کون سی لڑکی؟" ایمن نے بے ساختگی سے پوچھا۔

"پرسوں دوپہر میں کسی لڑکی کی کال آئی تھی داؤد کے لیے۔ کہہ رہی تھی کہ تم نے اس سے ملنے کا وعدہ کیا تھا' مگر تم آئے نہیں۔" ایان نے پھر لقمہ دیا۔

"اسٹرینج... ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ جو بھی تھی میرے سیل پر کال کرتی' مگر اس نے ڈائریکٹ لینڈ لائن ڈائل کرلیا۔" داؤد کچھ تمسخرانہ بولا۔ اس سے پہلے کہ ایان اس کے بے پروا انداز پر تپ کر پھر کوئی الزام لگاتا سلطانہ بول اٹھیں۔

"اے ہے... دفع کرو ہوگی کوئی موئی۔"

"مگر پھر بھی پتا تو چلے کہ آخر وہ ہے کون؟" تابندہ پتا نہیں کیوں اتنی دلچسپی کا مظاہرہ کررہی تھیں۔

"آئی سویر آنٹی... میں نہیں جانتا۔" وہاں لاپروائی کا وہی عالم تھا جو ایان کو بری طرح کھل رہا تھا۔

"مگر یہ پھول اور کارڈ... انہیں بھجوانے کا کیا مطلب ہے؟" امجد نے ناپسندیدگی سے داؤد کو دیکھا۔

"جی نہیں تایا جان... وہ مارا۔" امجد کو داؤد سے باز پرس کرتا دیکھ کر ایان کو اپنی "محنت" وصول ہوتی محسوس ہوئی۔

"میں نہیں جانتا امجد انکل کہ یوں اچانک دیار غیر میں مجھے پھول اور کارڈ بھجوانے والا کون پیدا ہوگیا۔" وہ مسکرانے لگا۔

"والا نہیں والی۔" معصوم نے تصحیح ضروری سمجھی۔

"چلو رکھ دو اسے یہیں... اور جاکر سب کے لیے اچھی سی چائے لے کر آؤ۔" ایمن نے پیچ و تاب کھاتے ہوئے معصوم کو گھرکا۔ ایان نے خون آشام نگاہوں سے ایمن کو گھورا تھا۔

"اچھا... پہلے تو یہ محترمہ مجھے بچانے کی خاطر میدان میں کودا کرتی تھیں اور اب اس داؤد کی حمایتی بن بیٹھی ہیں۔" ایان کچھ بے مزا تو ہوا' مگر اس کی دانست میں اس کی محنت شاقہ رایگاں نہ گئی تھی سو وہ اپنا کام مکمل کرکے نظر سے غائب ہوگیا' مگر لاعلم تھا کہ کسی نے بغور اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ ملاحظہ کیے تھے۔

☼ ☼ ☼

"یہ سب تمہاری حرکت تھی نا؟" آج بہت دن بعد ایمن اس کے کمرے میں آئی تھی۔ وہ اس وقت اپنے بیڈ پر نیم دراز گٹار کو سینے سے لگائے اس کے تاروں سے چھیڑ چھاڑ میں مصروف تھا۔

"کون سی حرکت؟" ایان نے سر اٹھا کر اسے تحیر سے دیکھا۔

"داؤد کو پھول اور کارڈ کسی لڑکی کی طرف سے بھجوانے والی۔" وہ کمر پر ہاتھ ٹکائے کڑے تیوروں سے اسے گھورتے ہوئے بولی۔

"مجھے کیا ضرورت پڑی ہے۔" وہ صاف مکر گیا۔

"یہی تو مجھے سمجھ نہیں آرہا کہ تمہیں کیا ضرورت پڑی ہے یوں اوچھے ہتھکنڈے اپنا کر انہیں سب کی نظروں سے گرانے کی۔" وہ تاسف سے بولی۔

"تم واقعی اتنی ہی لاعلم ہو یا محض ظاہر کررہی ہو؟" اس نے براہ راست طنز کیا۔

"کیا مطلب؟" اس نے حیران ہوتے ہوئے

پوچھا۔
"مطلب یہ ڈیئر کزن کہ تمہارے والد اس کا اور تمہارا رشتہ کرنے کی سوچ رہے ہیں کیا تم یہ بات نہیں جانتیں؟" وہ گٹار پیچ کردانت کچکچاتے ہوئے بولا تو ایمن حق دق رہ گئی۔
"مگر یہ کیسے ممکن ہے؟" وہ حیرانی سے بولی۔ تو وہ تمسخرانہ ہنس کر بولا۔
"یہ جاکر اپنے ڈیڈ سے پوچھو جو اسے مجھ پر ترجیح دیتے ہوئے اسے تمہارا جیون ساتھی بنانے کی سوچ رہے ہیں۔"
"اب میں سمجھی۔" ایمن لمحے کے ہزارویں حصے میں بات کی تہ تک پہنچ گئی۔
"تو تم نے سوچا کہ بجائے خود کو اہل ثابت کرنے کے اسے سب کی نگاہوں میں مشکوک ٹھہرا دو۔۔۔ جانتے ہو بہتان تراشی کتنا بڑا گناہ ہے۔" وہ اس کی حرکت پر سخت مشتعل ہوگئی تھی۔
"میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔" اس نے مکرنے کی کوشش کی۔ "مگر تم اس کی اتنی طرف داری کیوں کررہی ہو۔ کہیں تم بھی تو اپنے ڈیڈ کی طرح راستہ بدلنے کے چکر میں تو نہیں۔" وہ چبھتے لہجے میں بولتا ہوا ایمن کا دل چھلنی کرگیا۔
"تم۔۔۔ تم ایان۔" وہ مارے غصے کے کانپنے لگی۔ پھر سنبھل کر دوٹوک انداز میں بولی۔
"ہاں ایان۔ تم نے ٹھیک سمجھا۔ میں نے ڈیڈ کی بات پر سر جھکانے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ میں اب مزید تم جیسے فضول اور نکمے انسان کے ساتھ اپنا وقت برباد نہیں کرسکتی۔ تم اسٹار اگر کبھی بن بھی گئے، تب بھی ناکام انسان ہی رہو گے کیوں کہ تم نے رشتوں کو نباہنا ان کی قدر کرنا سیکھا ہی نہیں۔" وہ نم آلود آنکھوں سمیت اپنی بات مکمل کرکے پلٹ گئی۔ ایان دم بخود بیٹھا تھا۔

☼ ☼ ☼

"ہائے ڈیئر فرینڈ۔۔۔" ایمن کافی دیر سے لان کی کرسی پر بیٹھی بہ ظاہر داؤد سے محو گفتگو تھی، مگر اس کے لہجے کا پھیکا پن اور کھویا کھویا انداز داؤد سے مخفی نہ رہ سکا۔
"یہ تم آج کل اتنی اداس کیوں رہنے لگی ہو؟"
"نہیں داؤد۔۔۔ ایسی تو کوئی بات نہیں۔" وہ سنبھل کر بولی۔
"یاد کرو کچھ دن پہلے میں نے تم سے ایک درخواست کی تھی، جس کا جواب "یس" میں دے کر تم نے ہمارے دوستی کے رشتے کو مزید مضبوط کیا تھا۔ اس وقت میں نے بھی تم سے ایک بات کہی تھی۔۔۔ کیا تمہیں یاد نہیں۔" داؤد مکمل سنجیدگی اور اپنائیت سے پوچھ رہا تھا۔
"کیا بتاؤں داؤد۔ اب بتانے کو کچھ نہیں بچا۔" وہ سر جھٹک کر آنسو پینے کی کوشش کرنے لگی۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ آج کل بری طرح اپ سیٹ تھی۔
"ارے لڑکی۔ اتنی مایوسی؟ مجھے حیرانی ہے، کچھ دن پہلے ہی تو تم نے کہا تھا کہ داؤد مایوسی کفر ہے۔ اور امید ایمان ہے۔ پھر کیوں نہ ہم امید کرتے ہوئے ایک آخری حربہ آزما کر دیکھیں۔" اس کی شفاف آنکھیں شرارت سے چمک رہی تھیں۔
"مگر آپ کیا جانیں میں کیوں پریشان ہوں۔" ایمن اس کے دوستانہ انداز پر کچھ ہلکی پھلکی سی ہو کر بولی۔
"ہوں۔ گو کہ تم نے مجھے کبھی اپنے پرسنل میٹرز کے بارے میں کچھ نہیں بتایا مگر یار۔ میں اتنا بھی احمق اور بے وقوف نہیں کہ اتنے دن سے تمہارے گھر میں رہتے ہوئے۔ تم سب کی۔ "مشترکہ پریشانی" سے لاعلم رہوں۔" وہ بھرپور انداز سے مسکرایا۔ ایمن نے اسے دیکھا۔ پھر سوچا۔
"کیا اب بھی مجھے کچھ نہیں بتاؤ گی؟" داؤد نے پوچھا تھا۔ فیصلہ ہوگیا تھا۔ ایمن دھیرے دھیرے سے کچھ بتانے لگی۔

☼ ☼ ☼

"میں تو کہتی ہوں داؤد اور ایمن کے نکاح کے ساتھ

ہی ساتھ دونوں کی رخصتی بھی کردو۔" سلطانہ خوشی سے معمور آواز میں بولیں۔

"مگر اتنے کم وقت میں تیاری کیسے ہوگی۔ آخر میری اکلوتی بیٹی ہے۔" امجد پر تفکر انداز میں بولے۔

"نہیں اماں۔ ابھی تو فی الحال نکاح ہی کی تقریب ہو سکے گی۔ رخصتی کے لیے تو ایک طویل پروسیس سے گزرنا پڑتا ہے باہر جانے والوں کو۔" تابندہ بہ ظاہری خوش تھیں مگر ان کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ سلطانہ کے بند کمرے میں خفیہ مذاکرات جاری تھے۔ اور جو ظاہر ہے کہ معصوم کے ٹوہ لینے کی وجہ سے ہرگز بھی خفیہ نہ رہے تھے۔ اس میٹنگ میں داؤد اور ایمن کے مستقبل کا فیصلہ کیا جا رہا تھا۔

"ہائے نی بے خبر رانجھے۔ تیرا شہر بھنبھور۔ نہیں۔ نہیں بلکہ شہر کراچی وہ امریکی لوٹ ہی گیا۔" معصوم از حد رنجیدگی سے یہ اندوہناک خبر اپنے مربی کو سنانے دوڑا تھا۔

"نہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔" اس دردناک اطلاع کو سن کر ایان نے معصوم کا گریبان کچھ ایسے جھنجوڑا جیسے کسی انڈین فلم میں کوئی جوان لڑکی اپنی بیوگی کی خبر سنانے والے کا گریبان پکڑ کر جھنجوڑتی ہے۔

"میں نے اپنے گناہ گار کانوں سے خود سنا ہے۔" معصوم دلیری سے بولا۔ ایان کے ہاتھ اس کے گریبان کو چھوڑ کر نیچے گر گئے۔ اور وہ خود دھپ سے بیڈ پر کٹے ہوئے شہتیر کی مانند گر گیا۔

"میں تو کہتا ہوں ابھی بھی وقت ہے ایان بھائی۔ کچھ کیجیے خدارا ورنہ تو آپ ایمن باجی کو ہمیشہ ہمیشہ کھو دیں گے۔" معصوم جتنا بھی کمینہ ہی مگر ایان اور دیگر گھر والوں کے لیے اس کے خلوص میں شک نہ تھا۔ ایان خالی خالی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

☆ ☆ ☆

اس نے زندگی میں ہمیشہ صرف پانے ہی کا ذائقہ چکھا تھا۔ زندگی اس کو پہلی بار آزمانے چلی تھی۔ اس کا پہلا خواب' دل کی اولین خواہش اور محبت۔ ہاں محبت چھیننے چلی تھی اور چھن جانے کا ذائقہ کتنا کڑوا اور احساس کتنا جاں گسل ہوتا ہے وہ پہلی بار اس سے روشناس ہو رہا تھا۔ دل پر ایسی کاری ضرب لگی تھی کہ یکایک ہی من میں ڈھیروں سنجیدگی اور اداسی در آئی تھی۔ پوری رات اس کا ذہن مختلف سوچوں کی آماجگاہ بنا رہا اور صبح صادق وہ ایک فیصلہ کر چکا تھا۔

"مام۔ آپ تایا جان سے ایک بار بات کر کے تو دیکھیں۔ وہ میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہیں۔" سب سے پہلے وہ اپنی ماں کے سامنے جا کر فریادی ہوا۔

"وہ ایمن کے باپ ہیں ایان۔ اس کی بہتری سوچنے کا پورا حق رکھتے ہیں۔" وہ اس کے بجھتے چہرے سے نظریں ہٹا کر ترتیب سے رکھی فائلز کو خواہ مخواہ دوبارہ ترتیب دینے لگیں۔

"میں جانتا ہوں وہ داؤد کے ساتھ خوش نہیں رہے گی۔" وہ غصے سے بولا۔

"اور تم جیسے غیر ذمہ دار اور لاابالی شخص کے ساتھ جیسے وہ بہت آرام وہ زندگی گزارے گی نا؟" انہوں نے مڑ کر طنزیہ انداز میں کہا۔

"کتنا سمجھایا تھا تمہیں کہ اس گانے بجانے کے کام کی نہ ہمارے مذہب میں کوئی گنجائش ہے نہ میراثیوں کا ہمارے معاشرے میں کوئی قابل عزت مقام۔ لہٰذا وقت ضائع نہ کرو مگر تم نے میری ایک نہ سنی۔" وہ پرملال لہجے میں کہہ کر رائٹنگ چیئر پر جا بیٹھیں اور کوئی فائل کھول لی۔

"تو آپ کچھ بھی نہیں کر سکتیں؟" اس نے موہوم سی امید کے تحت پوچھا۔

"نہیں!" بے لچک حتمی انداز۔ چشمہ آنکھوں پر فٹ کر کے فائل کا مطالعہ شروع۔

"تو پھر ٹھیک ہے۔ میں تایا جان سے خود بات کرتا ہوں۔" اس نے نڈر لہجے میں کہہ کر دو منٹ تک اپنی بات کا ردعمل دیکھنا چاہا۔ مگر تابندہ بے نیاز نہیں بغور فائل کے صفحات پلٹتی رہیں۔ تب وہ کسی قدر جارحانہ انداز سے کمرہ عبور کر گیا۔ تابندہ کے چہرے پر مکمل سنجیدگی تھی مگر نجانے کیوں لبوں کے گوشوں میں

مسکان رہی تھی!

☼ ☼ ☼

"وہ۔ وہ تایا جان مجھے آپ سے ایک اہم بات کرنی ہے۔" بہادر بن کر وہ ان کے کمرے تک آیا تو ضرور مگر انہیں بیڈ پر نیم دراز کسی کتاب کا سنجیدگی سے مطالعہ کرتے دیکھ کر اس کے حوصلے پست ہوگئے۔ وہ ان کا لاڈلا ضرور رہا تھا مگر ان کے مابین ایسی بے تکلفی ہرگز نہیں تھی کہ وہ ان سے اپنا مدعا دھڑلے سے بیان کر سکتا۔

"ہوں۔ کرو۔ میں متوجہ ہوں۔" کتاب سے نظریں ہٹائے بنا جواب آیا۔

"میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ میں نے گانا گانے کا ارادہ ترک کر دیا ہے اور میں کل ہی سے آفس جوائن کرنے والا ہوں۔ بالکل آپ کے من پسند حلیے میں۔" اس نے اپنے لمبے بالوں پر حسرت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے یوں جلدی جلدی کہا جیسے کوئی سبق سنا رہا ہو۔

"برخوردار" انہوں نے اس کی جانب نظریں کرتے ہوئے روکھے لہجے میں کہنا شروع کیا۔

"کچھ کہنے اور اس پر عمل کرنے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ انسانی زندگی میں وقت کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ وقت گزر جانے کے بعد کیے جانے والے کسی بھی کام کی کوئی اہمیت نہیں رہ جاتی۔ بہرحال جو تم کہہ رہے ہو بلکہ دعوا کر رہے ہو جب اس بات پر عمل کر کے دکھاؤ گے تب تمہاری بات کی صداقت کا معلوم ہو جائے گا۔ اب جاؤ۔ کل صبح ناشتے کی میز پر ملاقات ہوگی۔" وہ گویا بات ختم کر کے کتاب کی جانب متوجہ ہوگئے۔

"ٹھیک ہے تایا جان۔ اب صبح ہی ملاقات ہوگی۔" وہ پرعزم اور پختہ لہجے میں کہہ کر کمرہ عبور کر گیا۔ کتاب پر جمی امجد کی نظروں میں کسی قدر اطمینان جھلکا تھا۔

☼ ☼ ☼

اور پھر ہوا کچھ یوں کہ اگلے دن وہ صبح بے دار ہو ہی نہ سکا۔ رات گئے تک صبح کی تیاری میں مصروف رہا تھا۔ ہیئر سیلون جا کر بال سیٹ کروا کر فیشل بھی کروالیا تھا۔ (داؤد کا گورا رنگ بھی ذہن میں تھا ہی)۔ معصوم سے گرے پینٹ کوٹ استری کروایا، جوتے چمکوائے۔ الارم سیٹ کیا اور لمبی تان کے سو گیا۔ (صبح چار بجے!) سالہا سال سے بگڑی عادتیں بھلا ایک روز میں سدھر سکتی تھیں؟۔ الارم تھک ہار کے خاموش رہا۔ معصوم بھی اسے جگانے میں ناکام۔ جب وہ از خود بے دار ہوا تو گھڑی دن کے سوا بارہ بجا رہی تھی۔ خود کو لعنت ملامت کرتا کمرے سے باہر آیا۔ تابندہ اور امجد تو آفس جا چکے تھے۔ باقی سب پتا نہیں کہاں تھے۔ البتہ ایمن کچن میں مصروف عمل تھی۔

"مجھے ناشتا چاہیے۔" وہ کچن میں آکر بولا۔

"یہ لنچ کا وقت ہے۔" اس نے مڑے بنا بتایا اور سبزیاں فرائی کرتی رہی۔

"تم لنچ ہی دے دو۔ میں ناشتا سمجھ کر کرلوں گا۔" دانت نکال کر کہا گیا۔

"تم کبھی نہیں سدھرو گے ایان" ایمن چمچہ فرائی پین پر پٹختے ہوئے مڑی۔ "ڈیڈ صبح ٹھیک ہی کہہ کر گئے ہیں کہ تمہاری کوئی بات بھروسے کے قابل ہے ہی نہیں۔" وہ تاسف اور رنجیدگی سے کہہ کر رکی نہیں تھی۔ مگر ایان جو پہلے ہی دن اپنے "بیان" پر قائم نہ رہ پایا تھا۔ ازحد شرمندہ سا ایمن کے اجنبی و اکھڑے انداز پر تادیر وہیں رکا رہا۔

☼ ☼ ☼

"دادی۔!" اب جبکہ کسی کی نگاہ میں بھی وہ معتبر نہ رہا تھا تب وہ دادی کی مہربان آغوش میں آکر رونے لگا۔ بس آنسو بہانے کی کسر رہ گئی۔

"میں کیا کروں۔ کوئی میری بات کیوں نہیں سن رہا۔" بے بسی جھلاہٹ بھرا لہجہ۔

"صبر کرلے میرے بچے۔ اب کچھ نہیں ہوسکتا۔ داؤد کے ماں باپ دو چار روز میں بس پہنچنے ہی والے ہیں یہاں۔" وہ اس کے بالوں میں شفقت سے ہاتھ

پھیرتے ہوئے پکارنے لگیں۔
"دادی کیا میرا قصور اتنا بڑا ہے کہ... میری زندگی کی سب سے قیمتی چیز مجھ سے چھین لی جائے۔" وہ گلوگیر آواز میں بولا۔
"مگر میرے نادان بچے۔ قیمتی چیز اگر پاس ہو تو اس کی حفاظت کے لیے کوشش بھی کرنا ہوتی ہے۔ مگر ایسی کوئی کوشش تو نے کی بھی تو نہیں۔ اب کیوں پچھتا رہا ہے۔" وہ بھی اداسی سے بولیں۔
"دادی آپ سمجھائیں نا سب کو۔ آپ گھر کی سربراہ ہیں۔ وہ سب آپ کی بات ضرور مان لیں گے۔" وہ لاچاری سے گویا تھا۔
"نہ بچے۔ اب میں کچھ نہیں کر سکتی۔ میں بے بس ہوں۔" انہوں نے بھی صفاچٹ انکار کر دیا۔
"کیا کروں میرے اللہ!" تب اس نے مدد کے لیے اس سے رابطہ کیا' جسے سب سے پہلے پکار لینا چاہیے تھا۔

☼ ☼ ☼

"چلیے بھائی صاحب۔" دوسری صبح سب معمول کے مطابق تھا۔ تابندہ باوجود اپنی خرابی طبیعت کے آفس کے لیے نکلنے کو تیار تھیں تب امجد انہیں ٹوکتے ہوئے کہنے لگے۔
"آپ گھر پر رہیے آج بھابھی۔ آپ کی طبیعت یوں بھی ٹھیک نہیں۔"
"بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں تایا جان۔" کھمل کلر کے پینٹ کوٹ اور بلیو شرٹ میں ملبوس بال سلیقے سے جمائے ہاتھ میں بریف کیس تھام کر سیڑھیوں سے اترتا ہوا ایان۔ سب ہی کو عجیب طرح کی حیرانی سے دوچار کر گیا تھا۔
"آج سے آپ نہیں۔ میں آفس جایا کروں گا آپ نے بہت کر لیا کام اب ذرا مجھے بھی اپنی خدمت کا موقع دیں۔" وہ سب کے درمیان آکر تابندہ کے کندھے پر محبت سے ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ تابندہ کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

"جیتا رہ میرا لعل۔" سلطانہ نے بیٹھے بیٹھے ہی اس کے انداز پر اس کی بلائیں لیں۔ تابندہ نے اس کی پیشانی چمکتی آنکھوں سے چومی۔ امجد نے کندھا تھپتھپا کر حوصلہ بڑھایا۔ داؤد نے سرہلا کر خوشی کا اظہار کیا تو ایمن بھی مسکرائی تھی۔ جبکہ معصوم نے تو اسے گلے لگا کر ایسے رخصت کیا تھا گویا وہ کشمیر فتح کرنے جارہا ہو۔ اور سب کا ردعمل دیکھ کر ایان سوچ رہا تھا کہ لگتا ہے جیسے واقعی اس کے قدم اب کی بار صحیح راہ پر پڑ ہی گئے ہیں۔
بزنس میں اس نے ڈگری لے ہی رکھی تھی۔ ذہین بھی تھا اور رائلی ٹینٹ بھی۔ سو وہ تیزی سے کام سیکھنے لگا۔ امجد کی سرپرستی بھی حاصل تھی۔ وہ محنت سے کام کر رہا تھا اور سمجھتا تھا کہ شاید اب سب ٹھیک ہونے لگا ہے۔ وہ چائے کا کپ لیے مطمئن اور آسودہ سا اپنے ٹیرس پر کھڑا تھا۔ تب ہی اس کی نظر گھر میں داخل ہوتے داؤد اور ایمن پر پڑی۔ داؤد جھک کر ایمن سے کچھ کہہ رہا تھا۔ ایمن کے لبوں پر شرمیلی مسکان سجی تھی۔ اشتعال کی ایک تیز لہر ایان کے تن بدن میں دوڑ گئی۔
"آخر داؤد ایسا کہہ کیا رہا ہے۔ جو وہ یوں شرمارہی ہے۔ اب جبکہ میں اس کی خاطر سدھرنے لگا ہوں تب داؤد سے ایسی بے تکلفیوں کا کیا مقصد ہے۔" اس کے اندر کا رقیب بھی انگڑائی لے کر پوری طرح بے دار ہو کر نیک' شریف بنے ایان پر حاوی ہونے لگا۔ ایمن سے صاف صاف بات کرنے کا ارادہ لے کر وہ اس کے کمرے میں آیا تھا۔ مگر خوب صورت سے اورنج اور بلیک کرتے اور سیدھے پاجامے میں ملبوس نک سک سے درست ایمن کو دیکھ کر وہ مبہوت رہ گیا۔
"بہت پیاری لگ رہی ہو تم' کہیں جارہی ہو؟" وہ اپنی بات بھول کر پوچھنے لگا تو وہ...
"تمہیں کسی بات کی کچھ خبر بھی ہوتی ہے ایان۔ داؤد کا برتھ ڈے ہے آج ہم سب وہی سیلی بریٹ کرنے لگے ہیں۔"
"داؤد تمہارے لیے اتنا اہم ہو گیا ایمن کہ اس کی

برتھ ڈے تم اتنی سج سنور کے سیلی بریٹ کررہی ہو۔" وہ چنختے ہوئے بولا۔ ایمن اس کے انداز کا برا منائے بنا بولی۔

"ہاں۔ نہ صرف وہ میرے لیے اہم ہے بلکہ قابل احترام بھی تو پھر؟" اس نے ایان کو دیکھا۔ ایان اس کے انداز پر چڑ ہی تو گیا تھا۔

"پھر یہ ایمن بی بی کہ ایسے تو وہ تمہاری جان چھوڑنے والا ہے نہیں تو تم یوں کرو کہ اس کے سامنے ایسی اداکاری کرنا جیسے تم پر جن آگیا ہو۔ اگر وہ تب بھی باز نہ آیا۔ تب ہم اگلے ہی دن جاکر کورٹ میرج کرلیتے ہیں۔ تب کوئی ہمارا کیا کرلے گا۔ کیوں کیا آئیڈیا ہے؟"

"وہاٹ ربش ایان۔ کیا تم پاگل ہوگئے ہو۔ ایسا آئیڈیا اپنے پاس رکھو۔ میں ایسا کچھ نہیں کروں گی۔" ایمن بھنا کر بولی۔ ایان کچھ کہنے ہی لگا تھا کہ۔

"ایمن۔ ایمن بھئی کہاں ہو۔" بڑے ہی غلط وقت پر داؤد نے انٹری ماری تھی۔ ایان نے خونخوار نگاہوں سے اسے دیکھا۔ اس کا سدھرنا دھرنا اپنی جگہ مگر داؤد سے اس کا ازلی بیر مسلم تھا۔

"اوہ ایان۔ تم بھی یہاں ہو آؤ یار تم بھی وہیں لاؤنج میں آجاؤ۔ تمہاری گلوکاری کی تو میں نے بڑی تعریف سنی ہے تم ایسا کیوں نہیں کرتے کہ کوئی گانا ہی سنا کر میری برتھ ڈے پارٹی کو یادگار بنادو۔" وہ ایان کو دیکھ کر چہکا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔" ایان نے ضبط کرکے سر ہلایا۔ سناتا ہوں۔ اب تو میں سب کو گانا ہی سناؤں گا۔"

"میرے نیناں ساون بھادو۔ پھر بھی میرا من پیاسا۔"

کیک کاٹا جاچکا تھا' تحائف بھی داؤد نے وصول کرلیے تھے۔ اب لاؤنج میں گھر کے تمام افراد خانہ بیٹھے ایان کی گائیگی سے "محظوظ" ہورہے تھے۔ اور ایان نے گویا ایک سے بڑھ کر ایک مخصوص روتا گانا گاکر محفل کی "رونق" بڑھا رکھی تھی۔ گٹار کا تو پتا نہیں البتہ گا وہ کافی سر میں رہا تھا۔ (بلکہ "رو" کافی سر میں رہا تھا)۔ شاید یہ دل پہ لگی چوٹ کا اثر تھا۔ سو اس کی آواز جملہ حاضرین کی سماعتوں کو بھلی لگ رہی تھی۔ نجانے کیوں سب دبے دبے انداز میں مسکرارہے تھے۔ سوائے معصوم سے معصوم کے۔ جو اپنے مربی کے غم میں برابر کا شریک تھا۔

☼ ☼ ☼

"اب جبکہ میں سدھر چکا ہوں تب پھر کیوں نہیں میری بات سنی جارہی۔" گل پروین اور ان کے شوہر الیاس صاحب کی آمد متوقع تھی۔ وقت بے حد کم تھا۔ ایان کے ہاتھ پیر پھولے جارہے تھے وہ ہر طرف کوشش کررہا تھا کہ کسی طرح یہ رشتہ (آفت) ٹالا جاسکے۔

"میں تمہیں بتاچکی ہوں ایان اب ایسا ممکن نہیں۔" تابندہ زچ ہوگئیں۔ "ٹھیک ہے پھر میری جو سمجھ میں آئے گا کروں گا پھر آپ لوگ مجھ سے شکایت مت کیجئے گا۔" آخر میں وہ دھمکیوں پر اتر آیا۔

"جاؤ جو جی میں آئے کرو۔ مجھے اور بہت سے کام ہیں۔ ہاں بھئی فریدہ میں نے تم سے فلاور اریج منٹ کا کہا تھا وہ۔" تابندہ اسے مکمل نظرانداز کرکے فون پر مصروف ہوگئیں۔ وہ احتجاجاً پیر پٹختا ہوا باہر نکل گیا۔

☼ ☼ ☼

سو بری پروین اور ان کے گریس فل سے میاں صاحب الیاس کی آمد ہوچکی تھی۔ سارے گھر میں خوشگوار سی ہلچل مچی ہوئی تھی۔ تمام افراد خانہ اس وقت ڈرائنگ روم میں مہمانوں کے ساتھ بات چیت میں مصروف تھے۔ ذری کچن میں چائے تیار کررہی تھی تب ایان اس کے سر پر پہنچ کر بولا۔

"ذری۔ دھیان سے میری بات سنو۔"

"جی ایان صاحب بولیں۔" وہ مصروف سے انداز میں چائے کے کپ ٹرے میں سیٹ کرتے ہوئے بولی۔

"مگر یاد رہے۔ یہ بات بہت راز کی ہے اور تمہیں اس راز کی حفاظت مرتے دم تک کرنی ہے۔" اس کا انداز پراسرار تھا۔ ذری بری طرح چونک کر اسے تجسس سے دیکھنے لگی۔

"ایسی بھی کیا بات ہے ایان صاحب۔"
"یہ سب بے ہوشی کی دوا ہے" اس نے ایک چھوٹی سی سفید رنگ کی شیشی آگے کی۔ یہ تمہیں چائے میں ملا کر مہمانوں کو دینی ہے۔"
"خدا کا خوف کریں ایان صاحب۔" ذری بدک کر بولی۔
"زیادہ مولوی نہ بنو جیسا کہہ رہا ہوں خاموشی سے کردو۔"
"مگر اس سے ہو گا کیا؟" وہ پریشانی سے پوچھنے لگی۔
"کم از کم آج کی تاریخ میں تو وہ ایمن اور داؤد کے رشتے کی بات نہیں کرپائیں گے اسی اثنا میں، میں ایمن کو بہانے سے باہر سے جا کر اس سے نکاح کرلوں گا اور۔۔۔"
"بہت خوب ایان۔ یہ تم کیسی بہکی بہکی باتیں کررہے ہو۔" عقب سے تابندہ کی تاسف میں ڈوبی گھرکتی آواز پر وہ اچھل پڑا۔ پھر زبردستی مسکراتے ہوئے بولا۔
"مام آپ۔" وہ تو میں ذری کو چیک کررہا تھا کہ یہ کتنی مخلص ہے ہم لوگوں کے ساتھ۔" وہ آئیں بائیں شائیں کرنے لگا۔
"بہتر ہے کہ تم اپنی بونگیاں چھوڑ کر سیدھی طرح سے آکر ہمارے ساتھ بیٹھو اور ذری۔ تم فٹافٹ چائے سرو کرو۔" اس کا پہلا داؤ نہ چل سکا تو کیا ہوا۔ مگر اس نے پھر بھی ہار نہ مانی اور ایک نئے عزم سے ڈرائنگ روم میں داخل ہوا جہاں محفل جمی ہوئی تھی۔ "اتنی سی تھی جب دیکھا تھا۔ ماشاء اللہ اب تو ایمن بیٹی بہت خوب صورت ہوگئی ہے۔" پروین پیار سے پاس بیٹھی ایمن کی تھوڑی چھو کر گویا تھیں۔
"خوب صورتی تو اللہ کی دین ہے۔ اصل خوبی تو اخلاق کی ہوتی ہے صورت پریوں سی اور اخلاق چڑیلوں والا ہو تو کیا فائدہ ایسی خوب صورتی کا۔" جلے بھنے سے ایان نے صوفے پر براجمان ہوتے ہوئے لقمہ دیا۔
"ارے۔۔۔" پروین بے ساختہ ہنس پڑیں۔ "کہہ تو تم ٹھیک رہے ہو۔" اس کی بات پر ایمن نے اسے گھورا تھا۔ امجد کا چہرہ بھی ناپسندیدگی ظاہر کرنے لگا۔
"اور بھئی ایان میاں۔ آپ کیا کرتے ہیں۔" الیاس نے دلچسپی سے پوچھا۔
"پہلے اسٹرگلنگ سنگر تھے۔ اب اپنے ڈیڈ کا کاروبار سنبھال رہے ہیں۔" اس سے قبل کہ ایان کوئی جواب دیتا داؤد نے مسکراتے ہوئے شانت سے بتایا۔
"آپ لوگ یہ چکن چیز سموسے تو لیں نا۔ ایمن نے اپنے ہاتھوں سے بنائے ہیں۔" تابندہ نے ایان کا بنتا منہ، اور بگڑتا موڈ دیکھ کر سب کی توجہ اس پر سے ہٹانے کی خاطر کہا۔
"واہ بھئی ایمن تمہارے بھی جواب نہیں۔ ویسے تو ایک نمبر کی کام چور ہو مگر مہمانوں کے لیے اتنی محنت کرلی۔ آئم امپریسڈ۔" اس نے آنکھیں معصومیت سے پٹپٹاتے ہوئے کہا۔
"سو سویٹ بیٹا' ہمارے لیے اتنا تردد کرنے کی کیا ضرورت تھی۔" پروین مزید اس پر نثار ہو چلیں۔ ایان منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑانے لگا۔ ایمن خون آشام نگاہوں سے اسے گھور رہی تھی۔ جبکہ نجانے کیا بات تھی۔ کہ داؤد کے لب بار بار پھیلے چلے جاتے تھے۔ اور پھر اس نے جیسے ہر حربہ آزما کر دیکھ لیا۔ ہر طرح سے کوشش کرلی مگر کسی نے بھی اس کی ایک نہ سنی تو مانتے کیا خاک۔
"میں ہار گیا میرے یار۔ میں ہار گیا۔" کل ایمن کا نکاح تھا۔ اس رات ایان نے معصوم کے سامنے یہ اعتراف کرلیا تھا۔ وہ سر نہواڑے ٹیرس کی ٹھنڈی زمین پر بیٹھا آنسو بہانے کی تیاری کررہا تھا۔ اور معصوم کا دل اس کی اجڑی' بکھری حالت دیکھ کر کٹا جاتا تھا۔
"صبر کریں ایان بھائی۔ صابر لوگوں کا بڑا درجہ ہے۔" وہ اس کے نزدیک بیٹھ کر دلاسے دینے لگا۔
"قربانی اللہ کے محبوب بندے ہی دیا کرتے ہیں۔ حوصلہ رکھیں اور اپنی محبت کو خوش دلی سے کسی اور کے حوالے کر کے تاریخ رقم کردیں۔ پھر یہ بھی تو

دیکھیں کہ ایمن باجی کتنی خوش ہیں۔" وہ اپنے طور پر تو تسلیاں ہی دے رہا تھا مگر۔ "تم اپنی بکواس بند نہیں کرسکتے؟" ایان دہاڑا تو وہ روہانسا ہو کر بولا۔

"بس۔ مجھے کیوں ڈانٹ رہے ہیں میں تو صرف یہ بتانا چاہ رہا ہوں کہ داؤد بھائی نے خود انہیں ساتھ لے جاکر شاپنگ۔۔۔"

"تیری تو۔۔۔" ایان نے رونا دھونا بھول کر بے ساختہ ہی اس کی گردن دبوچی تھی۔

☆ ☆ ☆

تقریب نکاح کا انتظام لان میں کیا گیا تھا۔ سرخ و سفید تازہ گلابوں سے سجے اسٹیج کی خوب صورتی میں کلام نہ تھا۔ فینسی لائٹس نے ماحول کو جگمگاہٹ بخش رکھی تھی۔ سلطانہ بانو باداہی نفیس سی کڑھائی والے جوڑے میں ملبوس بڑی سرشاری سے لاؤنج کے صوفے پر براجمان بڑی دلچسپی اور شوق سے گھر میں جاری گہماگہمی کو دیکھ کر بار بار اپنی ضعیف آنکھوں میں در آئے خوشی کے آنسو پونچھتی تھیں۔ گہرے سبز اشانلش سے ٹراؤزر شرٹ میں تابندہ بھی بڑی مصروف مگر خوش دکھائی دے رہی تھیں۔ جبکہ فیروزی جوڑے میں ملبوس پروین بھی مستقل ان کا ساتھ دے رہی تھیں۔

اندر کمرے میں موجود ایمن کو بیوٹیشن تیار کر کے جاچکی تھی۔ فان اور گولڈن نفیس کام سے مزین ٹخنوں کو چھوتے فراک پاجامے میں ملبوس آج اس کے سراپے کی چھب ہی نرالی تھی۔ گہرا سرخ، سنہری پٹی لگا لمبا سا دوپٹا اس کے پر سر ٹھکا تھا۔ چھوٹا سا گولڈن یاقوت جڑا گول ٹیکا۔ گولڈن ہی بڑے بڑے بالے نما جھمکے۔ وہ بڑی سرشاری سے آئینے میں خود کو دیکھ رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

"حد کرتے ہو تم ایان۔ ابھی تک تیار نہیں ہوئے مہمان بس آنے ہی والے ہیں کیا تماشا بنوانا ہے خود کا۔" تابندہ کوئی پانچویں مرتبہ اس کے کمرے میں آئی تھیں۔ وہ جو بیڈ پر اوندھا پڑا ہوا تھا اٹھ کر شاکی نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگا۔ اور وہ اس کی شکوہ کرتی نگاہوں سے اپنی آنکھیں چرا کر کونے میں سفید کرتا شلوار میں سوگوار سے کھڑے معصوم کی جانب متوجہ ہو کر بولیں۔

"کچھ تم ہی اسے سمجھاؤ معصوم کہ حالات کو فیس کرنا ہی ہوگا ایسے منہ چھپا کر بیٹھنے سے تو بات نہیں بنے گی نا۔"

"اب بات بنے یا بگڑے۔ کیا فرق پڑتا ہے۔" ایان رنجیدگی سے بولا تو وہ جھلا گئیں۔

"اوفوہ۔ مجھے کام ہے بھئی تم ذرا جلدی تیار ہو کر باہر آجاؤ۔ دیکھو کہیں میری تربیت کا تماشا نہ بنوا دینا۔ اب میں جاتی ہوں دوبارہ کمرے میں نہیں آؤں گی تمہارے۔" اب پتا نہیں اس سب میں تربیت کی بات کہاں سے آگئی تھی۔ مگر شاید کہیں سے تو آتی ہوگی۔ تب ہی تو تابندہ نے کہا تھا۔ ایان غصے میں جھنجلا سا گیا۔

"اللہ کرے داؤد اغوا ہوجائے۔ اس کی کوئی بیوی کہیں سے اچانک ٹپک کر سیاپا ڈال دے یا پھر اس کی یادداشت کھو جائے اور وہ "میں کہاں ہوں" "میں کہاں ہوں" بولنے لگے۔ جب اسے یاد ہی نہیں آئے گا کہ وہ کہاں ہے تب وہ ایمن سے نکاح کیا خاک کرے گا؟" اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر باقاعدہ بددعائیں دینا شروع کردیں۔

"بس بھی کریں ایان بھائی۔ ابھی تو آپ خود سودائی لگ رہے ہیں۔ اب آپ سنبھالیں اپنے دل کو اگر آپ پہلے ہی اپنے بے کار شوق کی قربانی دے دیتے تو آج یوں ایمن باجی کو قربان ہوتے نہ دیکھ رہے ہوتے۔" معصوم نے دلسوزی سے کہا۔

"شاید تم ٹھیک ہی کررہے ہو۔" وہ یک دم خاموش ہوا تھا۔ پھر تھکے تھکے سے انداز میں اٹھ کر چینج کرنے چل دیا۔ معصوم نے اپنی آنکھ میں آتا اکلوتا آنسو بڑی بےدردی سے پوچھا تھا۔

☆ ☆ ☆

کالی شیروانی جس کے کالر پر نفیس سی سنہری کڑھائی کی گئی تھی اور میچنگ کھسّہ پہنے ایان بڑی بے دلی سے لاؤنج کی سیڑھیوں سے اتر رہا تھا۔ اترتے سے اس نے ایک طائرانہ نگاہ لاؤنج پہ ڈالی جہاں سب ہی موجود تھے۔ اور تو اس چمکتی لشکتی، جگر جگر کرتی دلہن بیگم بھی بڑے طمطراق سے وہیں براجمان تھیں۔ دل میں ایک ٹیس سی اٹھی تھی۔ بڑھتے قدم ٹھہر گئے۔ عقب سے معصوم نے کندھا تھپک کر گویا حوصلہ رکھنے کی تلقین کی۔

تب ہی یک دم کہیں سے نیلے کرتے شلوار میں ملبوس خوش باش سے داؤد نے نمودار ہو کر ایان کو یوں گلے سے لگایا تھا جیسے نجانے کب کا بچھڑا ملا ہو۔

"اب تو ناراضی دور کرلو دوست۔ آج تو بے حد خوشی کا موقع ہے۔" ایان اس کے والہانہ انداز پر دم بخود تھا۔ (اس کی یہ ہمت)

"ہاں برخوردار اب بھی شکل پہ بارہ کیوں بجار کھے ہیں۔ بھئی ہنسو مسکراؤ۔" گہرے سرمئی کرتے میں امجد بھی آگے بڑھے۔ (آہ۔ ظالم سماج!)

"میں ٹھیک ہوں' اس نے داؤد سے الگ ہو کر ناچار مسکراتے ہوئے کہا۔ جبکہ دل رونے کا چاہ رہا تھا۔

"ارے آپ لوگ ذرا جلدی کیجیے۔ قاضی صاحب آتے ہی ہوں گے۔" تابندہ نے معنی خیزی سے مسکراتے ہوئے کہا۔ مسکرا تو خیر سب رہے تھے۔ دلہن بیگم سمیت۔

"ہاں ایان۔ میرا امریکہ سے لایا گیا تحفہ تو تم نے قبول نہیں کیا تھا مگر آج میں تمہیں جو تحفہ دینے لگا ہوں وہ تو تمہیں قبول کرنا ہی پڑے گا۔" داؤد نے ذو معنی انداز اپنایا۔

"کیا مطلب کون سا تحفہ؟" ایان نے بے حد نا سمجھی سے الجھ کر سب کو دیکھا۔

"لو ایان اس سے ملو۔ یہ ثانیہ ہے۔ میری ہونے والی منکوحہ۔" ہال کے کونے پر کھڑی غیر معمولی سجی سنوری' خوب صورت سی لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر اسے ایان کے سامنے لاتے ہوئے اچانک ہی داؤد نے کہا تھا۔

"کک۔ کون۔ کیا؟" بے یقینی سے ایان کی آنکھیں پھٹ سی گئیں اسے اپنی سماعت پر شبہ گزرا تھا۔

"کیوں بھئی ایان کیا یقین نہیں آرہا۔" پروین مسکرائیں۔

"مگر ایسے کیسے۔ آج تو ایمن اور داؤد کا نکاح۔"

"ہاں ایمن اور داؤد کا نکاح ہے مگر ایمن کا تم سے اور داؤد کا ثانیہ سے۔" تابندہ نے ایان کے تاثرات سے حظ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"یہ کیا بات کر رہے ہیں آپ لوگ میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔" وہ سب کو دیکھ کر گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"میں شروع سے تمہیں سب بتاتا ہوں۔ ہاں معصوم کی یہ بات سچ ہے کہ میری پاکستان آمد بے وجہ نہیں تھی۔ میں یہاں ثانیہ کے لیے آیا تھا۔ اس کی اور میری دوستی فیس بک پر ہوئی تھی اور بعد ازاں یہ دوستی دل کے رشتے میں بدل گئی۔ مگر یہاں وہی روایتی صورت حال ہو گئی کہ "نامعتبر فارنر" لڑکے سے اسے بچانے کی خاطر اس کے گھر والوں نے اس کی شادی طے کردی۔ میں بہت فکر مند سا ہو کر پاکستان آیا مگر بات بنتی دکھائی نہ دی۔ تب میں نے کچھ سوچ کر ایمن سے یہ سب ڈسکس کیا اور اس پیاری سی لڑکی نے میرا مکمل ساتھ دیا نہ صرف ثانیہ کے گھر والوں کو میرے حق میں ہموار کیا بلکہ ہمارا نکاح تک طے کروا کر دم لیا۔ اب اتنی مخلص دوست کی مدد کرنا میرا اخلاقی فرض بنتا تھا نا۔ بس اس لیے اس کی بلکہ سارے گھر والوں کی مشترکہ پریشانی یعنی تمہاری غیر سنجیدگی کو سنجیدگی سے بدلنے کے لیے ہم سب نے مل کر ایک چھوٹا سا اسکرپٹ اسٹیج کیا اور دیکھ لو ہماری کوششیں رنگ لے ہی آئیں۔" داؤد بڑے مزے سے بتاتا چلا گیا جبکہ ایان ششدر کھڑا تھا یہ سب جان کر۔

"مگر میں نے تو خود اپنے گناہ گار کانوں سے۔"

معصوم نے کہنا چاہا۔
"وہی سنا جو ہم نے سنوانا چاہا جہاں!" امجد نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ہم تمہاری کن سوئیاں لینے والی عادتوں سے اچھی طرح واقف ہیں۔" معصوم کھسیا گیا مگر وہ خوش تھا بے حد خوش۔
"تم۔ تم داؤد۔ یکلخت ہی پتھر کی صورت بنے ایان میں جان پڑی تھی اور اس نے لپک کر داؤد کو گلے سے لگا کر کہا۔
"مجھے معاف کر دو میرے بھائی میں نے تمہیں کتنا غلط کہا تھا۔" شدت جذبات سے اس کی آواز کانپ رہی تھی اور اس پہ شادی مرگ طاری تھا۔ "میں تمہارا دیا گیا یہ تحفہ دل و جان سے قبول کرتا ہوں میرے دوست۔"
"ارے اب بس بھی کر دے لڑکے اس کے سامنے کیا قبول کر رہا ہے۔ باہر قاضی صاحب منتظر ہیں ان کے سامنے چل کر قبول کر۔" سلطانہ نے بڑے پیار سے اپنے لاڈلے کو دیکھا تھا۔
"ہاں۔ ہاں کیوں نہیں جلدی چلیں۔" وہ تیر کی سی تیزی سے باہر لپکا۔ سب کے مشترکہ بے ساختہ قہقہوں نے اسے کھسیانے پر مجبور کر دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

ہر سال ایمن، ایان کو رات بارہ بجے سال گرہ کی مبارکباد بمعہ اپنے ہاتھ سے بنائے گئے کیک سے دیا کرتی تھی۔ نکاح کی رات ڈھائی بجے دے سکی۔
"ہیپی برتھ ڈے ایان۔" وہ ٹیرس پہ رکھی ٹیبل پر کیک رکھتے ہوئے بولی۔
"جانتی ہو یہ میری زندگی کی سب سے یادگار سال گرہ ہے۔" ایان نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔
"اُفوہ ایان چھوڑو میرا ہاتھ۔" وہ اس کی وارفتہ نگاہوں سے بوکھلاتے ہوئے اپنی شرم کو جھلاہٹ کے پردے میں چھپانے لگی۔
"اتنی آسانی سے نہیں چھوڑوں گا جانم۔ آخر اپنا دیرینہ خواب قربان کر کے تمہیں اپنایا ہے۔"
"رہنے دو۔" وہ روٹھے پن سے بولی "تب ہی اتنے ہارے ہوئے انداز میں میرے اور داؤد کے نکاح میں شریک ہونے کے لیے تشریف لا رہے تھے۔"
"تو اور کیا کرتا۔ تم سب نے مل کر مجھے بے وقوف ہی اس طرح بنا دیا تھا۔ اور پھر کچھ معصوم کے اقوال زریں کا اثر بھی تھا۔ وہ مجھے مسلسل ایثار و قربانی کے فضائل پر اتنے لیکچر پلا رہا تھا کہ مجھے لگا اگر واقعی تمہاری بہتری داؤد کے ساتھ میں ہے تو مجھے رکاوٹ نہیں بننا چاہیے۔" وہ اتنے بے ریا لہجے میں بولا کہ ایمن کو بے ساختہ اس پر فخر محسوس ہوا۔
"تم بہت اچھے ہو ایان۔" اس نے شرمگیں مسکراہٹ سمیت کہا اور تمہیں خوامخواہ تمہارے اس شوق نے اسپائل کر رکھا تھا مگر شکر ہے کہ اب سب ٹھیک ہو گیا۔"
"ہاں تم بھی مل گئیں اور میں جانتا ہوں کہ تم میرے سنگنگ کے شوق پر معترض بھی نہیں۔" اس نے اٹھلاتے ہوئے کہا۔
"ایان۔۔۔ ایمن نے بے ساختہ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھڑاتے ہوئے چلائی۔"
"ابھی بھی چانس ہے میرے پاس۔ اگر تم نے دوبارہ یہ بات کی تو میں تمہارے ساتھ رخصت ہونے سے صاف انکار کر دوں گی۔"
"ارے ڈیئر میں تو مذاق کر رہا تھا یار۔" ایمن کو بگڑتا دیکھ کر اس نے بات بنائی تو ایمن ہنس پڑی تھی۔
اور اسے مسکراتے دیکھ کر ایان نے بھی مسکراتے ہوئے خدا کا شکر ادا کیا تھا کہ جس نے اس کی زندگی کی سب سے بڑی خوشی اسے دے کر اس کے دل کو برباد ہونے سے بچا لیا تھا۔

☼ ☼

ندا حسنین

تہہ دیارجہ

"میں تمہیں کسی کو منہ دکھانے کے قابل چھوڑوں گا، جس خاندانی وقار پہ تمہیں اتنا غرور ہے۔ تمہارا وہ غرور میں آج خاک میں ملادوں گا۔"

وہ سوٹڈ بوٹڈ' انتہائی مہذب انسان کے روپ میں درندے کا روپ دھارے اس نازک اندام لڑکی کو گردن سے دبوچے غرایا تھا۔ وہ لڑکی اس کی مضبوط گرفت کے آگے چاہ کر بھی مزاحمت نہیں کرپائی تھی۔

"صرف ایک شرط پہ تمہاری جان بچ سکتی ہے۔" وہ اس لڑکی کے کان میں سرگوشی کے سے انداز میں بولا۔ اس پل اس کے چہرے پہ شیطانیت محو رقصاں تھیں۔

"تم چوں چرا کیے بغیر میری ہربات مانتی جاؤ۔ کسی سے کچھ بھی کہے بغیر وہ سب کرتی جاؤ جس کا میں تمہیں حکم دوں۔" وہ بڑے عامیانہ انداز سے اس کے معصوم چہرے سے سیاہ زلفیں ہٹاتے ہوئے ذو معنی انداز میں بول رہا تھا۔

اس معصوم حسینہ نے انتہائی ناگواری سے ایک جھٹکے کے ساتھ اس کے ہاتھ کو جھٹکا۔ غالباً" اس شیطان کی گرفت اس پل اس پر سے کچھ ڈھیلی ہوئی تھی' تب ہی اس ڈھیلی گرفت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ لڑکی اس کے شیطانی شکنجے سے نکل کر وہاں سے بھاگ گئی۔ لڑکی کے یوں بھاگ جانے پر وہ زوردار انداز میں قہقہے لگانے لگا۔ اس کے قہقہوں میں فاتحانہ رنگ جھلکتا تھا۔ مقابل کو زیر کردینے کی ایک کمینی سی خوشی۔

"کٹ! بہت شاندار' بہت اعلا!" اچانک خاموشی کی فضا کو چیرتی ایک دھاڑ فضا میں بلند ہوئی اور اس کے ساتھ ہی داد و تحسین کی صدائیں بلند ہوگئیں۔ وہ شیطان صفت مرد "ارمغان نیازی" اور مظلوم لڑکی "شنزہ طارق" اپنے اپنے کرداروں کا چولا اتار کراب مسکراتے ہوئے ڈائریکٹر سے توصیفی کلمات سن رہے تھے۔

میں اس وقت ایک بے انتہا' مشہور ڈرامہ سیریل کی ہیروئن شنزہ طارق سے انٹرویو کے سلسلے میں اس کے سیٹ پر موجود تھی۔ مجھے یوں تو یہ انٹرویو اپنے اسٹوڈیو میں کرنا تھا پر اپنی بے انتہا مصروفیت کے باعث شنزہ نے مجھے انٹرویو کے لیے یہاں مدعو کرلیا تھا۔ شنزہ طارق اب اپنا حلیہ تبدیل کیے ارمغان نیازی سے رازو نیاز کی گفتگو میں مصروف تھی۔ میرے چہرے پہ ایک طنزیہ مسکراہٹ پھیل کر سمٹ گئی۔ پوری ڈرامہ انڈسٹری جانتی تھی کہ شنزہ اور ارمغان کے بیچ تعلقات کی نوعیت کچھ اور ہے یہاں تک کہ ان دونوں کی کچھ ایسی تصاویر بھی کچھ عرصہ قبل نیٹ پہ پھیل چکی تھیں جس میں وہ دونوں ایک دوسرے کے بے حد نزدیک تھے۔ اور ارمغان نیازی کس شہرت کا مالک تھا۔ یہ تو سارا زمانہ ہی جانتا تھا۔

وہ انڈسٹری کا سب سے خوبرو اور کامیاب اداکار تھا۔ اس کی شخصیت انتہائی سحرانگیز تھی۔ اس سے متاثر ہوئے بغیر رہنا ناممکن سی بات تھی۔ پر ان سب باتوں کے باوجود میں اسے سخت ناپسند کرتی تھی وجہ یہ تھی کہ وہ ایک فلرٹی' مغرور اور بددماغ انسان تھا۔ شنزہ سے پہلے بھی اس کے حسنہ یعقوب اور امیمہ خان سے دھواں دھار معاشقے چلے تھے۔ جو بمشکل چند ماہ برقرار رہ پائے تھے۔ اس کے بعد ان دونوں اداکاراؤں کو ارمغان نیازی کے خلاف خوب شعلہ بیانی کرتا پایا گیا تھا۔ مگر دلچسپ بات یہ تھی کہ مخالف سمت سے ہزار الزامات لگنے کے باوجود بھی ارمغان نیازی نے اپنے لب نہ کھولے۔ وہ اس طرح کے بیانات کے جواب دینے سے دریغ کرتا تھا۔ سننے میں آیا تھا کہ شنزہ سے تعلقات کے بیچ میں بھی ارمغان کسی اور جانب بہکا تھا۔ مگر ایسی کسی بات کے شواہد نہ ملے تو یہ افواہیں دم توڑ گئیں۔ اور پھر اس بات کے جھوٹ ہونے کا سب سے بڑا ثبوت بھی شنزہ اور ارمغان کا ہر موقع پہ ایک دوسرے کے ساتھ ہونا تھا۔

ارمغان کو الوداع کہہ کر اب وہ مسکراتی ہوئی میری ہی جانب بڑھ رہی تھی۔ میں بھی ان تمام سوچوں کو جھٹکتی ہوئی شنزہ کے استقبال کے لیے پروفیشنل مسکراہٹ چہرے پہ سجائے اپنی نشست سے اٹھ

کھڑی ہوئی۔ پیازی رنگ کی ٹاپ اور پرنٹڈ کیپری میں وہ کسی باربی ڈول کی مانند لگ رہی تھی۔

"شنزہ تم اتنی حسین ہو کہ تمہارے مدمقابل کسی بھی اداکارہ کا ٹھہرنا مشکل ہے۔" میں نے ستائشی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے سراہا۔ میری ستائش پہ وہ ایک نقرئی ہنسی ہنس پڑی۔ ایک غرور پنہاں تھا اس کی ہنسی میں۔ میں نے دلچسپی سے اسے دیکھتے ہوئے اپنے انٹرویو کا آغاز کیا۔ چند رسمی سوالوں کے بعد میں نے اس کی ذاتی زندگی کے حوالے سے کچھ سوال کرنے شروع کردیے۔ جن کے جواب وہ نہایت سمجھ داری سے دیتی رہی۔ میں نے کافی کوشش کی کہ اپنے سوالوں سے اس کے اور ارمغان نیازی کے تعلقات کے حوالے سے کچھ جان سکوں۔ مگر وہ بڑی مہارت سے میری تمام کوششوں پہ پانی پھیر گئی۔

☆ ☆ ☆

گھر میں قدم رکھتے ہی میرا استقبال کھانے کی اشتہا انگیز خوشبو نے کیا۔ یقیناً" ماما جان نے آج میرا پسندیدہ بیف یخنی پلاؤ بنایا تھا۔ وہ اس وقت سلاد بنانے میں مگن تھیں جب میں نے ان کے گرد اپنی بانہیں ڈال کر انہیں زور سے بھینچ لیا۔

"ارے میرا بچہ۔! جاؤ جاکر منہ ہاتھ دھو کر آؤ۔ میں کھانا بس میز پہ لگا رہی ہوں۔" وہ پیار سے میرا ماتھا چومتے ہوئے بولی تھیں۔ میں کچھ دیر ان سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرکے کچن سے اپنے روم میں آگئی۔ شہر کے پوش علاقے میں واقع یہ لگژری اپارٹمنٹ ہرگز میری کمائی کے باعث ہمارے زیر رہائش نہ تھا۔ بلکہ یہ میرے بابا جان کی زندگی بھر کی کمائی کا نچوڑ تھا۔ میرے بابا جان اعلا گریڈ کے ریٹائرڈ گورنمنٹ آفیسر تھے۔ جب تک وہ حیات رہے، زندگی بے حد خوب صورت رنگوں سے سجی رہی۔ انہوں نے ہمیں ہر وہ خوشی دی جس کی دل میں ہم نے تمنا کی۔ میرا بڑا بھائی عدیم انجینئرنگ کی مزید اعلا تعلیم کے سلسلے میں آسٹریلیا میں مقیم میرے چچا کے پاس جانا چاہتا تھا۔ اور میں

میڈیکل کی جگہ ماس کمیونیکیشن کی تعلیم کے حصول میں دلچسپی رکھتی تھی۔ پر ماما جان کو ہماری خواہشات سے سخت اختلافات تھے۔ تب بابا جان نے ماما جان کو کافی سمجھایا۔

"دیکھو زیب! ہمارے بچے اب بڑے ہوگئے ہیں۔ انہیں اپنی مرضی سے اپنی زندگی کا انتخاب کرنے دو۔ ہم انہیں صحیح اور غلط دونوں راستوں کی پہچان کراچکے ہیں۔ اپنی سوچوں کی انگلی تھام کر اس دنیا میں اپنا راستہ بنانا بڑی ہمت کا کام ہے۔ انہیں اپنا راستہ خود بنانے دو۔ انہیں اڑنے دو، صلاحیتوں کو آزمانے دو، اپنی راہیں کھوج لینے دو۔" بابا جان کے یہ الفاظ آج بھی مجھے حرف بحرف یاد تھے۔

آج بھی جب میں کسی موقع پر دنیا کی شاطر بازیوں اور دھوکا بازیوں سے گھبرا کر ہمت ہارنے لگتی تو یہی الفاظ میری طاقت بنتے۔

میں نے آئینے میں اپنا بھیگا بھیگا سا چہرہ دیکھا اور ایک اداس سی مسکان نے میرے لبوں کا احاطہ کرلیا۔ بابا جان پاس نہ ہوکر بھی میرے ساتھ تھے۔ ان کے الفاظ ان کانٹوں بھری رہگزر میں اب تک میری رہنمائی کرتے تھے۔ میں نے ڈریسنگ ٹیبل سے بابا جان کی تصویر اٹھا کر دیکھی۔ وہ میری جانب دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔ میری آنکھوں سے نکلتی ان کی یاد کی شبنم ٹپ ٹپ تصویر کے فریم میں گرنے لگی۔ جنہیں نرمی سے صاف کرتے ہوئے میں فریم واپس اس کی جگہ پہ رکھ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

وہ گرمیوں کی ایک سنہری شام تھی۔ جب اچانک بابا جان کو سینے میں سخت تکلیف اٹھی۔ ہم انہیں فوراً" اسپتال کے لیے لے کر دوڑے۔ اس دن میں نے بھی اپنی زندگی کی سب سے رش ڈرائیونگ کی تھی۔ کئی بار ہمارا ایکسیڈنٹ ہوتے ہوئے بچا تھا۔ مگر پھر بھی یہ سب کچھ بے سود رہا۔ بابا جان اس سے پہلے مگر جان لیوا ہارٹ اٹیک سے جانبر نہ ہوسکے۔ بابا جان کا یوں چلے جانا... بہت دن تک تو ہم اس صدمے سے باہر نہیں نکل پائے۔ ان کے جانے سے ہماری

زندگیوں میں پیدا ہونے والا خلا کبھی پر تو نہیں ہو سکتا تھا۔ مگر زندگی۔ بچھڑنے والوں کی یاد میں ماتم کرتے تو نہیں گزر سکتی۔ کچھ لوگ بچھڑ جاتے ہیں مگر یاد بن کر ہمیشہ دل میں زندہ رہتے ہیں' بابا جان بھی ہمارے دلوں میں زندہ تھے۔ عدیم اپنی پڑھائی چھوڑ کر فوری طور پر مستقل طور پر پاکستان شفٹ نہیں ہو سکتا تھا۔ اور ایسے میں گھر کی ذمہ داری میرے کاندھوں پر آپڑی تھی۔ میں نے ماس کمیونیکشن میں گریجویشن کیا تھا۔ یوں ایک عزیز دوست کی مہربانی کی بدولت میڈیا سے منسلک ہو کر کام کرنے کا بھی موقع مل گیا۔ کیرئیر کی شروعات میں بہت سی مشکلات دیکھیں۔ خوب صورت چہرے اور بد صورت رویے دیکھے۔ مگر وقت رفتہ رفتہ سب کچھ سکھا دیتا ہے۔ سو میں نے بھی گزرتے وقت کے ساتھ اس جادو نگری میں سازشوں سے مقابلہ کرتے ہوئے آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ اور اس وقت میں ایک جانے مانے مشہور چینل پہ "سیلبریٹی آن لائن" کے نام سے شو کر رہی تھی۔ جس میں شوبز کی شخصیات کے علاوہ کھیل کے میدان کے ہیروز بھی اکثر و بیشتر انٹرویو کے لیے مدعو کیے جاتے۔

ہر ماں کی طرح میری ماما جان بھی میرے حوالے سے متفکر رہتی تھیں۔ وہ اب چچا جان سے اکثر میری شادی کے حوالے سے ذکر کیا کرتیں۔ بابا جان نے اپنی زندگی میں ہی سب کی باہمی رضامندی سے چچا جان کے مجھلے بیٹے آذر سے مجھے منسوب کر دیا تھا۔ یہ عقدہ تو مجھ پر بعد میں کھلا کہ اس رشتے میں سب سے زیادہ آذر کی ہی مرضی شامل تھی۔ ماما جان کے اصرار پر چچا نے جلد ہی میری اور آذر کی شادی کا عندیہ دیا تھا۔

گرم بھاپ اڑاتی کافی کا گھونٹ بھرتے ہوئے میری نظریں تیزی سے لیپ ٹاپ کی اسکرین پہ دوڑ رہی تھیں۔ آج شنزہ طارق کے ساتھ میرا انٹرویو آن ایئر گیا تھا۔ اور شو کی ریٹنگ اس کی کامیابی کی نوید سنا رہی تھی۔ میں اس وقت بیٹھی وہی شو دیکھ رہی تھی کہ اچانک کسی خیال کے تحت میں موبائل اٹھا کر شنزہ کا نمبر ملانے لگی۔ کہ دفعتاً "لیپ ٹاپ پہ میل موصول ہوئی۔ کال ملاتے میرے ہاتھ تھم گئے۔ میں نے میل چیک کی۔ وہ عدیم کی میل تھی۔ اس نے کچھ تصاویر بھیجیں تھیں۔ جنہیں ڈاؤن لوڈ پہ لگا کر میں ایک بار پھر شنزہ کو کال کرنے لگی۔ شنزہ پہلی ملاقات میں ہی مجھے بہت اچھی لگی تھی۔ وہ ایک دوستانہ فطرت کی مالک اچھی لڑکی تھی۔

"شنزہ تمہارے اتنے کامیاب انٹرویو کے بعد اگر ایک اور دم دار انٹرویو میرے کریڈٹ میں آجائے تو کیا ہی بات ہے۔" سلام دعا اور رسمی گفتگو کے بعد یوں ہی باتوں باتوں میں' میں نے اس سے ہنستے ہوئے کہا۔

"یہ بھی بھلا کوئی مسئلہ ہے کیا۔ تم ارمغان نیازی کو انوائٹ کر لو اپنے شو میں۔" اپنے طور سے شنزہ نے چٹکی بجاتے ہوئے یہ مسئلہ حل کیا۔

"ارمغان نیازی۔!" میں نے استہزائیہ انداز میں اس کا نام لیا۔ اور پھر ناگواری سے کہنے لگی۔

"شنزہ میں مانتی ہوں تمہارا وہ بہترین دوست ہے مگر میں اسے ذرا بھی پسند نہیں کرتی۔ اس سے سلام دعا بھی نہیں کرنا چاہتی اور تم کہہ رہی ہو میں اس کا انٹرویو کروں۔"

"مگر تم اسے اتنا ناپسند کیوں کرتی ہو۔ آخر کیا' کیا ہے اس نے؟" وہ حیرانی سی استفسار کر رہی تھی۔ اور اس کے لہجے میں جھلکتی حیرت مجھے مزید کوفت میں مبتلا کر گئی۔

"کیوں ناپسند ہے۔؟ وہ پوری انڈسٹری کا سب سے بدنام اداکار ہے۔ اتنے تو افیئرز رہ چکے ہیں اس کے' اور اس کی حقیقت تو کتنی ہی اداکارائیں کھول کھول کر بیان کر چکی ہیں۔ اور خود مزاجا" وہ کس قدر مغرور اور بد دماغ انسان ہے۔ کیا تم نہیں جانتیں کہ اس نے لاسٹ ٹائم وردہ مقبول کے ساتھ کیا کیا تھا۔؟" میں تیز لہجے میں بول رہی تھی۔ مجھے پروا نہیں تھی کہ میری یہ حقیقت بیانی شنزہ کو بری لگی تو اس کا اثر ہماری نئی نئی دوستی پڑ سکتا ہے۔ میرے کچھ اصول تھے۔ جو بات مجھے ناپسند ہو میں اسے کسی صورت اچھا نہیں کہہ سکتی

تھی۔ مصلحتاً بھی نہیں۔
"یہ بڑا المیہ ہے ہماری سوسائٹی کا۔ شوبزانڈسٹری کو بری جگہ بھی سمجھا جاتا اور یہاں سے وابستہ لوگوں سے زمانے بھر کی اچھائی کی بھی' توقع کی جاتی۔" وہ میری تقریر کے جواب میں استہزائیہ ہنسی ہنستے ہوئے بولی تو میں کچھ پل کو شرمندہ سی ہو گئی۔
"کیا تم جانتی ہو وردہ مقبول نے ارمغان کے ساتھ کیا' کیا تھا۔" میری خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے اس نے پوچھا۔
"وہ اس سے اس کے افیئرز کے حوالے سے سوال کر رہی تھی اور بس۔ یہ سوال تو ہونے ہی تھے۔ وہ ایک سیلبریٹی ہے اور سیلبریٹی پبلک پراپرٹی ہوتا ہے۔ اس کے چاہنے والے اس کے حوالے سے اس کی زندگی کے حوالے سے بہت کچھ جاننا چاہتے ہیں۔ ورده مقبول نے جو کچھ بھی پوچھا وہ اس کا کام تھا۔ پر شاید ارمغان نیازی سے شہرت کی بلندیوں پہ پہنچ کر شہرت سنبھالی نہیں جا رہی۔ تب ہی اس نے وہاں اتنا ہنگامہ کھڑا کیا۔" یہ ایک سال پہلے کی بات ہے جب ورده کے پروگرام میں کچھ ذاتی سوالات کرنے پر ارمغان ہتھے سے اکھڑ گیا تھا۔ اس نے نہ صرف بدکلامی کی تھی بلکہ ورده مقبول کو نازیبا الفاظ میں لائیو دھمکی بھی دی تھی۔
"حقیقت وہ نہیں جو تم بیان کر رہی ہو۔ بعض اوقات جو ہمیں دکھائی دے رہا ہوتا وہ فقط ایک فریب ہوتا ہے جبکہ حقیقت اس فریب سے یکسر مختلف ہوتی ہے۔" شنزہ بہت ٹھہر ٹھہر کر سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔
مجھے اس لڑکی پہ اب غصہ آنے لگا۔ وہ خواہ مخواہ ایک فضول انسان کی حمایت کر رہی تھی۔
"شنزہ تم مان کیوں نہیں لیتیں کہ ارمغان نیازی ایک دلفریب دھوکا ہے۔ سنو میں تمہیں مخلصانہ مشورہ دے رہی ہوں اس شخص سے دور رہو۔ بہت سی لڑکیاں دیکھیں ہم نے جو اس کے نام کی مالا جپتی اس کے نزدیک ہوئیں اور پھر چند ہی دنوں میں اسے مختلف جگہوں پہ اسے گالیوں سے نوازتے ہوئے پائی گئیں۔
تم بہت اچھی لڑکی ہو شنزہ پلیز اس بہروپیے کی چکنی چپڑی باتوں میں نہ آؤ۔" میں پورے خلوص کے ساتھ اسے سمجھا رہی تھی۔ میں نے اب تک جتنا اس لڑکی کو جانا تھا۔ وہ مجھے دوسری تمام لڑکیوں سے بے حد مختلف اور اچھی لگی تھی۔
"تم بالکل غلط سمجھ رہی ہو الماس وہ ایسا بالکل بھی نہیں ہے۔ بے شک تم اس کے حوالے سے کافی کچھ جانتی ہو۔ مگر کسی کے بارے میں جاننا' اور کسی کو بذات خود جاننا دو مختلف باتیں ہیں۔ اور میں پورے یقین سے کہتی ہوں کہ وہ اتنا برا انسان نہیں جتنا لوگ سمجھتے ہیں۔" وہ قطعیت سے بولی تھی۔ اور اس کی یہ بات سن کر میں اس سے پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔
"تمہارے اور ارمغان کے بیچ تعلقات کس نوعیت کے ہیں شنزہ۔؟" یہ سوال میں نے اس سے ایک دوست کی حیثیت سے پوچھا تھا۔ میں جانتی تھی کہ مجھے اس وقت یہ سوال نہیں پوچھنا چاہیے مگر پھر بھی پوچھ بیٹھی۔ اس کا جواب حسب توقع خاموش تھا۔

☆ ☆ ☆

رات شنزہ سے بات کرتے ہوئے کافی دیر ہو گئی تھی۔ اور اس سے بات ختم ہوتے ہی سو گئی تھی۔ صبح میری آنکھ عدیم کی کال آنے پر کھلی۔
"ہاں بھائی کہو۔ اتنی صبح آج کیسے یاد آ گئی۔" میں جمائیں لیتے ہوئے ہلکے پھلکے انداز میں پوچھ رہی تھی۔
"الماس تم نے میل چیک کی۔ میں نے کل رات بھیجی تھی۔" میری بات کو گول کر کے وہ میل کے بابت دریافت کر رہا تھا۔
"ہاں دیکھی تھی۔ کچھ تصاویر تھیں وہ ڈاؤن لوڈ ہو رہی تھیں۔ تو پھر میں بزی ہو گئی۔ رکو میں دیکھتی ہوں ابھی۔" میں جلدی جلدی کہتے ہوئے لیپ ٹاپ آن کر کے میل چیک کرنے لگی۔ پہلی تصویر کھولتے ہی مجھے یوں لگا جیسے میرے دل کو کسی نے مٹھی میں بھینچ لیا ہو۔ اور پھر اگلی ہر تصویر میرے صبر کا امتحان بنتی جا رہی تھی۔

"بھائی.... آذر....!" میں بمشکل اتنا کہہ پائی تھی۔
آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر میری آنکھوں سے رخسار پر بہتے چلے جارہے تھے۔ عدیم نہ جانے مزید کیا کہہ رہا تھا مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔ میری آنکھوں کے سامنے یک دم اندھیرا سا چھانے لگا۔

میری آنکھیں بند تھیں۔ اور بند آنکھوں کے پیچھے ڈیلے بڑی تیزی سے حرکت کررہے تھے۔

"الماس بیٹا' تمہارا اور آذر کا رشتہ ہونا.... میری اور تمہارے چچا کی اولین خواہش ہے۔ تمہارا کیا فیصلہ ہے اس بارے میں۔" بابا جان میرے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔ اور میں دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ اثبات میں سرہلا گئی۔ منظر بدلا تھا۔

میں انتہائی نفیس و خوبصورت سنہری اور میرون رنگ کے امتزاج کی گھیردار فراک میں ملبوس آذر کے ہمراہ ایک انتہائی خوب صورت مسہری پر بیٹھی تھی۔ اور وہ میرا ہاتھ تھامے مسکراتے ہوئے انگوٹھی پہنا رہا تھا۔ اس نے سرگوشی میں بھی کچھ کہا تھا۔ مگر اردگرد سے آتی قہقہوں اور شورغل کی آوازوں کے باعث اس کی آواز دب گئی۔ اور میں سن نہیں پائی۔ منظر پھر بدلا تھا۔

ساحل سمندر پہ سورج غروب ہونے کا منظر تھا۔ اور میں حسین نظارے میں کھوئی ہوئی تھی۔ تب ہی آذر عقب سے نمودار ہوا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں دو بھٹے تھے۔ جس میں سے ایک اس نے مجھے پکڑایا اور ایک خود کھانے لگا۔ ہم دونوں اب قدم سے قدم ملاتے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ اس دوران اس نے مجھے کچھ کہا تھا۔ ہاں میں نے سن لیا تھا اس نے مجھے کیا کہا تھا۔ وہ مجھ سے اپنی محبت کا اظہار کررہا تھا۔ منظر پھر بدلا تھا۔

میں مسکراتے ہوئے تصاویر کھول رہی تھی۔ اور پھر اچانک میرے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ وہ تصویریں آذر کی کسی غیر عورت کے ساتھ تھیں۔ وہ ان کی شادی کی تصاویر تھیں اور وہ دونوں ایک دوسرے کے بے انتہا قریب تھے۔ مجھے کہیں دور سے عدیم کی آوازیں آرہی تھیں۔ وہ میرا نام پکار رہا تھا۔ اور پھر میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔

میری آنکھ ایک جھٹکے سے کھلی تھی۔ ماما جان میرے سامنے بیٹھیں تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ مجھے جاگتا دیکھ کر مسکراتے ہوئے آگے بڑھیں۔ اور ماتھا چوم کر دم کرنے لگیں۔ میں نے ان کی آنکھوں میں غور سے دیکھا تھا تو محسوس ہوا ان میں نمی تیر رہی تھی۔

"ہزار مشکلیں آئیں گی بیٹے مگر یوں ہار نہیں مان لیتے جو تمہارے اختیار میں نہیں وہ معاملہ اللہ پہ چھوڑ دو۔ جو تمہارے اختیار میں ہے اس کے لیے جدوجہد جاری رکھو۔" ان کی بات پہ میں دھیرے سے مسکرا دی۔ ماما جان میرے بال پیار سے سہلانے لگیں۔ میں گزشتہ ایک ہفتے سے بستر پہ تھی۔ یہ میری اب تک کی زندگی کا سب سے بڑا دھچکا تھا۔ آذر نے بنا بتائے آسٹریلیا میں خفیہ شادی کر رکھی تھی۔ اور جب چچا نے شادی کے لیے اس پر زور ڈالنا شروع کیا تو اس نے مجبوراً اس شادی سے پردہ اٹھایا۔ آذر نے ایسا کیوں کیا؟ مجھے اس حوالے سے اس سے کوئی جواب نہیں چاہیے تھا۔ اس کا کوئی بھی جواب مجھے اس اذیت سے نکال نہیں سکتا جس میں مبتلا تھی۔ عدیم بھائی میرے لیے کافی فکرمند تھے اور جلد واپس پاکستان آنے کا عندیہ بھی دے چکے تھے۔

میرے لیے یہ کٹھن وقت تھا۔ مگر اچھی بات یہ تھی کہ گزرتا چلا گیا۔ بھلے سست روی سے ہی سہی' یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ بڑے سے بڑا حادثہ بھی زندگی کو چلنے سے روک نہیں سکتا۔ زندگی چلتی رہتی ہے۔ سسکتی ہوئی' لرزتی ہوئی' تھکی تھکی سی' ہاری ہوئی۔ رکتی تب ہے جب سانسوں کی ڈور ٹوٹتی ہے۔ یہ حادثہ بھی دل تڑپا دینے کے باوجود بھی جاں گسل نہ ٹھہرا۔ سانسوں کی ڈور اب تک زندگی کے ساتھ جڑی تھی۔ سو مجھے بھی اب اس موڑ سے نکلنا تھا۔ آگے بڑھنا تھا۔ سو اب میں ایک نئے عزم و ہمت کے ساتھ زندگی کے میدان میں ایک بار پھر اتر آئی تھی۔

آفس جوائن کرتے ہی عیادت کے ساتھ میرا استقبال جس خبر نے کیا اس نے دو دن تک میرا موڈ

خراب رکھا۔
"مس الماس... ہم چاہتے ہیں کہ آنے والے دنوں میں ارمغان نیازی کا انٹرویو کیا جائے آپ تو اس کی پبلک ریپوٹیشن سے بخوبی واقف ہیں۔ وہ ایسا شخص ہے جسے ذرا سی تیلی لگاؤ اور وہ بوم کرکے ایک دھماکے سے پھٹ جائے۔ اور اس ایک ارمغان نیازی کے پھٹنے سے ہمیں کتنا فائدہ ہو سکتا ہے۔ مس الماس اس کا آپ سوچ بھی نہیں سکتیں۔" یاور منیر بڑے پرجوش انداز میں مجھے اپنے ارادوں سے آگاہ کر رہا تھا۔
"مگر سر کیا ضروری ہے کہ کسی کی ذاتی زندگی کا سر عام تماشا لگا کر ہم اپنی دکان چمکائیں۔" مجھے نہ تو ان کی بات پسند آئی تھی نہ ہی انداز بھایا تھا۔
"سیلیبریٹی کی ذاتی زندگی پر اس کے پرستاروں کا پورا پورا حق ہوتا ہے۔ اور ہم تو بس حق دار کو اس کے حق تک پہنچانے کا ذریعہ بن رہے ہیں۔" یاور منیر نے عیارانہ قہقہہ لگاتے ہوئے میری بات چٹکی میں اڑا دی۔
"سر، سیلیبریٹی پبلک پراپرٹی نہیں ہوتا بلکہ اس کا کام پبلک پراپرٹی ہوتا ہے۔" مجھے بروقت شنزہ کی بات یاد آئی تھی۔ میں کہے بغیر نہ رہ سکی۔
"اوہ کم آن مس الماس۔ ہم یہاں فلسفہ بگھارنے نہیں بیٹھے۔ ان فلسفوں سے ہمارا کاروبار زندگی نہیں چل سکتا۔ آپ پلیز ارمغان نیازی کا انٹرویو جلد از جلد ممکن بنائیں۔ اگر ایسا ہو جاتا ہے تو سیلیبریٹی آن لائن کا سیزن ٹو کا معاہدہ بھی آپ کے ساتھ ہی رکھا جائے گا۔ اس کی گارنٹی میں آپ کو دیتا ہوں۔" یاور منیر سگار سلگاتے ہوئے مجھے ایک پرکشش آفر پیش کر رہا تھا۔
میں اس حقیقت سے آگاہ تھی کہ ایک دو اقساط کے بعد اس شو کا یہ سیزن ختم ہو جائے گا اور اس کے ساتھ ہی میرا معاہدہ بھی۔ جبکہ اگلا سیزن تین ماہ کے بعد اسٹارٹ ہو گا اور اگر مجھے پیشگی سیزن ٹو کے معاہدے کی پیشکش کی جا رہی تھی۔ تو یہ بات میرے لیے کافی خوش آئند تھی۔ جبکہ بدلے میں مجھے فقط ارمغان نیازی کو انٹرویو کے لیے راضی کرنا تھا۔ مزید بحث کرنا عبث تھا۔ سو میں بھی بحث سمیٹتے ہوئے، ارمغان نیازی کے انٹرویو کے لیے حامی بھرتی ہوئی وہاں سے اٹھ کھڑی ہوئی۔
ارمغان نیازی کو شو میں لے کر آنا میرے لیے ہرگز مشکل نہ تھا۔ میں نے شنزہ سے اس سلسلے میں بات کی تھی اور اس نے میری مدد کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اگلے دو دن تک میں ارمغان نیازی کی پروفیشنل اور پرسنل لائف کا مطالعہ کرتی رہی۔
اسے اس انڈسٹری پہ راج کرتے ہوئے چھ سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ چھوٹے بڑے معاشقے تو ہر اداکار کے ہوتے ہیں۔ شروع کے دنوں میں ارمغان نیازی کے بھی تھے۔ پر تین سال قبل ارمغان نیازی کا حمنہ یعقوب کے ساتھ دھواں دھار معاشقہ چلا تھا۔ حمنہ یعقوب مصروف فلمی اداکارہ کی اکلوتی اور کافی حد تک بگڑی ہوئی اولاد تھی۔ اس کے بھی کئی آفیئرز رہ چکے تھے۔ مگر ارمغان نیازی کے ساتھ معاملہ کچھ یوں تھا کہ "وہ بات پہیلی جو چلی تجھ سے" ان کی عاشقی کا زمانہ کوئی سات، آٹھ ماہ پہ محیط رہا اور پھر بے تحاشا الزام تراشیوں اور شکوے شکایتوں کے بعد ان دونوں نے اپنی راہیں جدا کرلیں۔ حمنہ یعقوب نے تعلق ختم ہونے پر ارمغان نیازی پہ کافی الزام کی بارش کی مگر ارمغان نیازی نے ان الزام کے جواب میں بھی خاموشی ہی اختیار کر رکھی تھی۔ اور یہ بات مجھے اس شخص کے حوالے سے مزید متجسس کر رہی تھی۔
ارمغان خان کی زندگی میں امنہ خان کی آمد، حمنہ سے تعلق ختم ہونے کے چھ ماہ بعد ہوئی۔ امنہ خان نئی ابھرتی ہوئی فنکارہ تھی۔ اور دو ہٹ سیریل میں ارمغان اور امنہ کی جوڑی کافی پسند بھی کی گئی تھی اور یہیں سے ان دونوں کے بیچ نزدیکیاں بڑھیں۔ ہوتے ہوتے بات اس حد تک بڑھ چکی تھی کہ ان دونوں نے جلد شادی کرنے کا بھی اعلان کر ڈالا تھا۔ مگر پھر نہ جانے کیا بات ہوئی کہ ان دونوں کے درمیان ناراضیاں بڑھتی چلی گئیں۔ یہاں تک کہ ایک دن امنہ خان

نے پریس کانفرنس کر کے ارمغان نیازی اور حسنہ یعقوب کے آپس میں تعلقات کا بھی انکشاف کیا۔ اس پریس کانفرنس کے تقریباً" دو ماہ بعد ہی امینہ خان نے معروف فلم ڈائریکٹر مظہر حیات سے شادی بھی کر لی۔ اس معاملے میں بھی ارمغان نے خاموشی اختیار کر رکھی۔ اور اب شنزہ اور ارمغان کے حوالے سے طرح طرح کی افواہیں میڈیا پہ گردش کر رہی تھیں۔ بلکہ کچھ عرصے قبل ان کی کچھ ایسی تصاویر بھی نیٹ پہ اپ لوڈ ہوئی تھیں جنہوں نے سوشل ویب سائٹس پہ تہلکہ مچا دیا تھا۔ ان تصاویر کے حوالے سے ان دونوں نے موقف اختیار کیا تھا کہ یہ تصاویر فیک ہیں۔ حقیقت سے مطابقت نہیں رکھتیں۔ ان دونوں کے تعلقات کچھ پراسرار سے تھے۔ گویا صاف چھپتے بھی نہیں اور سامنے آتے بھی نہیں۔ میں خود اس حوالے سے شنزہ سے کافی بار پوچھ چکی تھی۔ مگر وہ ہمیشہ اس سوال کا جواب بڑی خوب صورتی سے گول کر جاتی تھی۔

میں ان دونوں کے تعلق کی نوعیت کے حوالے سے ہی سوچ رہی تھی کہ اچانک میرے موبائل پہ آنے والی کال نے چونکا دیا۔ شنزہ طارق کا نمبر اسکرین پر جگمگا رہا تھا۔ میں نے فوراً" سے پیشتر کال ریسیو کی۔ وہ مجھے ارمغان کے انٹرویو کے لیے راضی ہونے کا مژدہ سنا رہی تھی۔

"پر الماس ایک بات کا خیال رکھنا۔ وہ ایک شارٹ ٹمپرڈ انسان ہے۔ کسی بھی شر انگیز سوال پر وہ بری طرح بھڑک سکتا ہے۔ سو اس بات کا خیال رکھنا۔" وہ مجھے خوشخبری کے ساتھ ساتھ نصیحت بھی کر رہی تھی۔ میں اس کی بات پر خاموش سے ہو گئی۔ کیا کہتی کہ ارادے تو ہمارے کچھ ایسے ہی ہیں۔

"الماس جب کوئی شخص سختیوں، مصیبتوں، دکھوں اور غموں کا مقابلہ کرنے کا عہد کر کے اپنے جذبات و احساسات کو دبا کر طوفان و آندھیوں کا مقابلہ کرتا ہے تو وہ دنیا کو اچھا نہیں لگتا۔ وہ چھوٹی چھوٹی ضربیں لگا کر اسے توڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تاکہ جب وہ ٹوٹ کر بکھرے تو اسے تسلی اور ہمت بندھا کر نیکی کما سکیں۔" شنزہ مجھے خاموش دیکھ کر ایک بار پھر گویا ہوئی۔ اور اس بار اس کی بات سیدھی میرے دل پہ لگی۔

"تم ارمغان نیازی کو اتنی گہرائی سے کیسے جانتی ہو۔ تمہارے اس سے کیسے تعلقات ہیں۔" میں ایک بار پھر بے اختیار پوچھ بیٹھی۔ جواب میں کچھ دیر کی تاخیر اور پھر جب وہ بولی تو میں سناٹے میں آ گئی۔ اس دن اس نے اپنے اور ارمغان کے حوالے سے بہت سی گتھیاں سلجھا دیں تھیں۔

☼ ☼ ☼

"میں جانتی ہوں سب کی طرح تمہارے دل میں بھی میرے اور ارمغان کے تعلق کو لے کر بے تحاشا سوال ہوں گے۔ تم بھی سمجھتی ہو گی یا تو ارمغان نے مجھے بیوقوف لڑکی سمجھ کر اپنے جال میں پھنسا لیا ہو گا یا پھر میں اسے اپنے کیریئر کی بلندی تک پہنچنے کے لیے سیڑھی کے طور پر استعمال کر رہی ہوں۔" اتنا کہہ کر اس نے لمحے بھر کا توقف کیا۔ اس کی بات سن کر مجھ پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ وہ صحیح کہہ رہی تھی۔ میری رائے ان دونوں کے بارے میں کچھ ایسی تھی۔

"الماس یہ خوب صورت نگری ایک بھیانک جنگل ہے۔ جہاں کسی کو اپنی بقا کے لیے ہر حد سے گزرنا بھی پڑے تو دریغ نہیں کرتا۔ میں نے جب اس انڈسٹری میں قدم رکھا تو بہت سے بھوکے شیر میری جانب لپکے تھے۔ یہ جو حسن ہے ناں... ایک طرح کا عذاب بن گیا تھا میرے لیے اس حسن کی چمک کے آگے میری صلاحیتیں کسی کو نظر نہیں آتی تھیں۔ اور تم جاننا چاہتی ہو ناں کہ میرے اور ارمغان کے تعلق کی نوعیت کیا ہے۔ تو سنو الماس ارمغان نیازی میرا محسن ہے۔ تم اسے عزتوں کا لٹیرا سمجھتی آ رہی ہو جبکہ وہ میری عزت کا محافظ بنا تھا۔" اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گئی۔ ایک معنی خیز خاموشی ہم دونوں کے درمیان حائل تھی۔

"شروع کے دنوں میں چھوٹے موٹے کرداروں

سے تنگ آکر میں نے مضبوط کرداروں کے حصول کے لیے کوششیں تیز کردیں۔ تب میرا رابطہ مظہر حیات سے ہوا وہ ان دنوں ایک میگا ڈرامہ سیریل کے لیے کام کررہے تھے۔ مجھے اسی سلسلے میں اپنے گھر بلایا تھا۔ پر وہاں جاکر پتا چلا کہ وہ شخص کام کا جھانسا دے کر میری عزت سے کھیلنا چاہتا تھا۔ میں اس کے چنگل میں بری طرح پھنس چکی تھی اور تب ارمغان نیازی کسی فرشتے کی صورت وہاں آپہنچا تھا۔ جانتی ہو وہ وہاں کیوں آیا تھا۔" وہ آج سارے راز فاش کرنے کو تیار تھی۔

"امینہ خان سے تو تم بخوبی واقف ہوگی۔ ارمغان کی سابقہ محبوبہ اور مظہر حیات کی بیوی۔ مظہر سے شادی کے فقط دو ماہ بعد ہی اس پر مظہر کی حقیقت آشکار ہوگئی تھی اور یہ حقیقت اس قدر غلیظ تھی کہ وہ مظہر کو چھوڑنے کے لیے ذہنی طور پر تیار تھی۔ وہ یہ بھی جان چکی تھی کہ اس کو ارمغان سے متنفر کرنے کی سازش مظہر نے حسنہ یعقوب کے ساتھ مل کر رچی تھی۔ حسنہ کا مقصد ارمغان سے فقط انتقام لینا تھا۔ اس لیے اس نے مظہر کا بھرپور ساتھ دیا۔ اور مظہر امینہ کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنا چاہتا تھا۔ اس کے کیریئر کی ابتدا ہی بہت شاندار تھی۔ وہ مستقبل میں مظہر حیات کے لیے سونے کی چڑیا ثابت ہوسکتی تھی۔ ان دونوں کے الگ ہوتے ہی مظہر نے دلبرداشتہ امینہ کو اپنی باتوں کے جال میں پھنسا کر شادی کرلی۔ یہ سب کچھ ارمغان کے لیے بے حد تکلیف دہ تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے بے حد محبت کرتے تھے۔ مظہر کی حقیقت جاننے کے بعد امینہ نے پھر سے ارمغان سے رابطہ کیا اور ساری بات بتادی۔ امینہ طلاق لے کر ارمغان سے شادی کی خواہشمند تھی اور ارمغان بھی اتنا سب کچھ ہونے کے باوجود بھی اسے اپنانا چاہتا تھا۔ مگر یہ سب کچھ مظہر کے علم میں آگیا اور اس شاطر دماغ انسان نے خوب چال چلی۔" اس نے توقف کیا اور میں مزید آگے جاننے کے لیے بے چین ہوگئی۔

"کیا چال چلی مظہر عباس نے۔۔۔؟"

"میڈیا پہ یہ خبر اور تصاویر لیک (ظاہر) کردیں کہ شادی کے بعد بھی امینہ خان کے ارمغان نیازی سے ناجائز تعلقات ہیں۔ اور وہ دونوں آج بھی ایک دوسرے سے چھپ کر ملتے ہیں۔ یہ خبر ہر جگہ پھیلتے ہی ہر کسی نے ان دونوں کو لعن طعن کرنا شروع کردیا۔ امینہ چاہ کر بھی اس وقت مظہر سے علیحدگی کا مطالبہ نہ کرسکی۔ کیوں کہ دنیا کے سامنے وہ امینہ کو اچھے شوہر کی طرح سپورٹ کررہا تھا۔ اور اس صورت حال سے امینہ سخت ڈپریشن کا شکار ہوگئی اور خودکشی کی کوشش کرڈالی۔" مجھے یکایک سب کچھ یاد آنے لگا۔ امینہ کی خودکشی کی ناکام کوشش اور پھر کینیڈا اپنے پیرنٹس کے پاس چلے جانا اور تب سے اب تک اس کے حوالے سے کوئی خبر منظر عام پر نہ آئی۔

"خودکشی کی کوشش تو ناکام ہوگئی۔ پر امینہ ذہنی طور پر تمام حالات سے بری طرح متاثر ہوئی تھی۔ اس کے پیرنٹس نے اس کی حالت دیکھ کر اسے کینیڈا بلوا لیا۔ وہاں جانے کے کچھ دن بعد امینہ نے مظہر سے طلاق کا مطالبہ کرڈالا۔ مظہر کے لیے امینہ سے تعلق فقط ایک بوجھ کی حیثیت اختیار کرچکا تھا۔ جسے اتارنے میں اسے زیادہ وقت نہیں لگا۔"

"واقعی ان دونوں کے درمیان طلاق ہوچکی ہے۔ یہ خبر تو کوئی بھی نہیں جانتا۔" آج کا دن میرے لیے بڑے بڑے انکشافات لے کر آیا تھا۔

"دونوں طرف کے قریبی حلقے اس بات سے واقف ہیں۔ ہاں البتہ اس خبر کا چرچا کسی نے نہیں کیا۔" شزہ نے پرسکون انداز میں میری بات کا جواب دیا۔

"مگر چرچا کیوں نہیں کیا۔" میں نے پھر سوال اٹھایا۔

"شاید اس چرچے سے اس وقت انہیں کوئی فائدہ نہ ہو الٹا نقصان اٹھانے کا اندیشہ ہو۔" شزہ نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

"ہونہہ! پھر امینہ نے ارمغان سے دوبارہ رابطہ نہیں کیا؟" میں نے اگلا سوال داغا۔

"طلاق لینے کے بعد اس نے ارمغان سے کال پر رابطہ کیا تھا۔ وہ یہاں کے لوگوں سے اس قدر دلبرداشتہ

ہو چکی تھی کہ واپس اس انڈسٹری میں نہیں آنا چاہتی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ ارمغان بھی سب کچھ چھوڑ کر کینیڈا شفٹ ہو جائے۔ اور وہاں وہ شادی کر لیں۔ ظاہر ہے ارمغان کے لیے یہ ممکن نہ تھا۔ ان دونوں نے اپنی راہیں جدا کرنا ہی مناسب جانا۔" شزہ' ارمغان اور امیمہ کے حوالے سے مخفی حقیقت تو واضح کر چکی تھی۔ مگر ابھی بھی چند سوال باقی تھے جو میرے ذہن میں کلبلا رہے تھے۔

"ہونہہ یہ بات تھی۔ مگر تم نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ تمہارے معاملے میں ارمغان فرشتہ بن کر کیسے وہاں آ پہنچا۔" میں پھر اس نکتے پہ آ کھڑی ہوئی جہاں سے یہ سارا قصہ شروع ہوا تھا۔

"جس دن مجھے مظہر نے اپنے گھر بلایا تھا۔ یہ وہی دن تھا جب امیمہ نے خودکشی کی کوشش کی تھی۔ بیوی اپنے شوہر کے کرتوت دیکھ کر بستر مرگ پہ پڑی تھی اور وہ خبیث اپنے عیاشیوں کے لیے کسی اور چڑیا کے پر کاٹنے کا انتظار کر رہا تھا۔ جس وقت سارا میڈیا اسپتال کے سامنے رپورٹنگ کرنے میں شدومد سے مصروف تھا۔ اس وقت شدید طیش کے عالم میں ارمغان' مظہر حیات سے لڑنے آیا تھا۔ یوں وہ میرا نجات دہندہ بنا اور میں اس کا یہ احسان مرتے دم تک نہیں بھول سکتی۔ اس نے مجھے اس مقام تک پہنچانے میں بڑی مدد کی۔ اور اس کی کوئی غرض مجھ سے نہیں نکلتی۔ یہ صرف اور صرف اس کی نیکی ہے۔ اب تم جان چکی ہو گی کہ میں کیوں اس بدنام زمانہ انسان کی حمایت کرتی ہوں۔" شزہ نے اپنی بات مکمل کر کے ایک گہری سانس لی۔

"پر شزہ تم دونوں کے حوالے سے انتہائی غلط قسم کی خبریں میڈیا پہ گردش کرتی ہیں جبکہ تم دونوں کے تعلقات ایسے ہیں بھی نہیں۔ پھر بھی تم لوگوں نے کبھی تردید نہ کی؟" سنہرا موقع تھا میں آج ہر الجھی ڈور سلجھا لینا چاہتی تھی۔

"تردید..... تردید کرنے سے کیا حاصل ہوتا۔ ہماری تردید کو سچائی کا سرٹیفکیٹ دیتا کون مزید ہمارے خلاف محاذ کھڑے ہو جاتے۔ سچائی کی پوجا یہاں کرتا ہی کون ہے۔" شزہ نے استہزائیہ ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔ میں اس کی بات سے صد فیصد متفق تھی۔ یہاں سچائی کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ پر ابھی بھی کچھ پردے سرکنے باقی تھے۔

"حمنہ یعقوب کس بات کا بدلہ لینا چاہتی تھی۔ اور وردہ مقبول کس کے اشارے پہ ارمغان کو مشتعل کر رہی تھی؟"

"حمنہ یعقوب اپنے رد کیے جانے پر مشتعل تھی۔ ارمغان' حمنہ کو پسند کرنے لگا تھا مگر حمنہ کی ماں ارمغان کو پسند نہیں کرتی تھی۔ وہ آئے دن کچھ ایسے حالات پیدا کرتی جوان دونوں کے بیچ جھگڑے کا باعث بنتے اس کے علاوہ خود حمنہ نے ایسے دوست پال رکھے تھے جو ارمغان کو ہرگز پسند نہ تھے۔ ان تمام وجوہات کی بنا پر ارمضان نے حمنہ سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ اور یہ بات حمنہ سے برداشت نہ ہو سکی۔

خیر بہت طویل کہانی ہے۔ کہاں تک سنو گی' کہاں تک سناؤں۔ اور ہاں وردہ مقبول حمنہ یعقوب کی دیرینہ سہیلی ہے۔ اب تو سمجھ گئی ہو گی ناں کہ اس نے ایسا کیوں کیا۔" ہماری گفتگو کافی طویل ہو چکی تھی۔ اور اب یقیناً" وہ اس گفتگو سے بےزار ہو رہی تھی۔ میں نے اس کی بےزاری بھانپتے ہوئے شکریہ کے ساتھ الوداعی کلمات ادا کیے اور کال ڈسکنیکٹ کر دی۔ کل تک جو میری نظروں میں ولن تھا آج ہیرو کا روپ دھارے کھڑا تھا۔ ارمغان نیازی کے لیے میرے دل میں بےانتہا عزت و احترام کا جذبہ بڑھ چکا تھا۔ اس نے کبھی اپنی نیکیوں کا پرچار نہ کیا۔ وہ سب کی نظروں میں برا بنا رہا مگر کبھی کسی کے ساتھ برا نہ کیا۔ وہ پس پردہ سب کی مدد کرتا رہا مگر توقعات کسی سے نہ رکھیں۔ میں آج ارمغان نیازی کو ایک نئے سرے سے سوچ رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

کشادہ پیشانی' ستواں مغرور ناک' شیشے جیسی

شفاف چمکتی ہوئی آنکھیں۔ وائیں کان کی لو سے بائیں کان کی لو تک ہلکی ہلکی تراشی ہوئی شیو۔ اونچی اٹھان اور مضبوط کسرتی جسامت کا مالک ارمغان نیازی کسی راجہ کی طرح میرے سامنے براجمان تھا۔ اور یہ پہلی بار تھا کہ مجھے برا نہیں لگ رہا تھا۔ یاور منیر بہت پرجوش تھا اس انٹرویو کے لیے۔ میرے ہاتھوں میں سوالات کا پلندہ تھماتے ہوئے وہ سرگوشی میں بولا تھا۔

"آج ہمارے ہاتھ جیک پاٹ لگا ہے۔ اب یہ تم پر منحصر ہے کہ اس جیک پاٹ سے کتنا فائدہ اٹھا سکتی ہو۔ آج کا شو ایسا ہونا چاہیے کہ اگلے کئی دنوں تک اسی کا چرچا ہو۔" اور میں ان سوالوں پہ فقط ایک نظر ڈال کر سرہلا کر رہ گئی۔

شو شروع ہو چکا تھا میں پورے اعتماد کے ساتھ سوالات کر رہی تھی۔ اور وہ بہت خوش اخلاقی سے میرے ہر سوال کا جواب دے رہا تھا۔ پر نہ جانے کیوں یاور منیر کے چہرے کے زاویے بگڑتے چلے جا رہے تھے۔ اوہ ہاں! میں اس کے دیے گئے سوالوں کو ایک جانب رکھ کر اپنے ذہن میں مرتب کیے گئے سوال جو پوچھ رہی تھی۔ وہ شو بہت خوش اسلوبی کے ساتھ اختتام پذیر ہوا اور ارمغان نیازی کا ایک منفرد اور سلجھا ہوا باوقار روپ منظر عام پر آیا تھا۔

☆ ☆ ☆

نرم شال، گرم کافی، ٹیرس کی کھلی فضا اور دسمبر کی خنک شام۔ یہ کامبینیشن ایک الگ ہی سحر رکھتا تھا میرے لیے۔ دسمبر کی شامیں اکثر و بیشتر میں یہیں گزارتی تھی۔ کبھی کوئی کتاب پڑھتے، تو کبھی کچھ کام کرتے۔ ماما جان میرے ساتھ بیٹھیں اخبار کا مطالعہ کر رہی تھیں کہ اچانک ٹیلی فون کی بیل بجنے پہ وہ اٹھ کر گھر کے اندر چلی گئیں۔ میری نظر اخبار پہ پڑی تو شوبز کی خبروں سے متعلق ملنے کا مطالعہ کرنے لگی۔ تبھی اچانک میری نظر ایک چھوٹی سی خبر پر جم کر رہ گئی۔

"سیلیبریٹی آن لائن" سیزن ٹو کی میزبانی کا فریضہ اب مشہور و معروف اینکر ورہ مقبول سرانجام دیں گی تفصیلات کے مطابق...." لائن پہ مشتمل یہ خبر مجھے شاکڈ کر گئی۔ میں اچھی طرح سمجھ گئی کہ ارمغان نیازی کی بدنامی کو کیش نہ کرنے کی صورت میں مجھے یہ سزا دی گئی تھی۔ پھر بھی میں نے ہمت کر کے یاور منیر کا نمبر ملایا۔

"آپ سے کوئی وعدہ خلافی نہیں کی گئی۔ ہم نے تو آپ سے یہی کہا تھا کہ ارمغان نیازی کا شو ہمباسٹک سا بنا دیں۔ تو سیزن ٹو کا کانٹریکٹ بھی آپ کے ساتھ ہو گا۔ مگر جناب آپ نے تو ایسا ٹھنڈا شو کیا کہ کیا کہنے.... ظاہر سی بات ہے ہم ایسے ٹھنڈے شو کرانے کے لیے تو میزبان ہائر نہیں کرتے۔ لہٰذا ہم نے وہی انتخاب کیا جو ہمیں فائدہ پہنچا سکتا ہو۔" یاور منیر نے دوٹوک اور واضح جواب دے کر فون پٹخ دیا اور میں تلملا کر رہ گئی۔

اب لازماً مجھے اپنی روزی روٹی کے لیے ہاتھ پیر مارنا تھا۔ اس سلسلے میں میں نے شنزہ سے بھی بات کی تھی۔ اور وہ ہمیشہ کی طرح میری مدد کو تیاری تھی۔ مجھے تقریباً روز ہی کام کے حصول کے سلسلے میں ادھر ادھر جانا پڑ رہا تھا۔ پر اب تک کہیں سے بھی کوئی اچھی خبر یا حوصلہ افزا جواب نہ ملا تھا۔ آج ایک ہفتے بعد شنزہ کی کال آئی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ اس کے پاس میرے لیے اچھی خبر ہے۔ کل رات آٹھ بجے اس نے مجھے ایک مشہور کافی ہاؤس پہ بلایا تھا۔

☆ ☆ ☆

دسمبر کی آخری شب تھی۔ روشنیوں کے شہر کی رونقیں اپنے عروج پر تھیں۔ میں آف وائٹ لانگ شرٹ اور سیاہ پاجامے وشیفون کے دوپٹے میں ملبوس مقررہ وقت سے کچھ لمحے قبل انتظار کی کوفت کا مزہ چکھ رہی تھی۔ گزرتے سال کے تمام واقعات میرے ذہن کے پردے پر کسی فلم کی مانند چل رہے تھے۔ یہ سال میری زندگی کے انمول رشتوں کو مجھ سے چھین کر اپنے سنگ لے جا چکا تھا۔ یہ دردناک سوچیں اس سے پہلے میری آنکھوں میں نمی گھولتیں، میری نظر دور سے آتی شنزہ طارق پر جا ٹھہریں جو سرخ اسٹائلش لباس میں

ملبوس بے حد پیاری لگ رہی تھی۔ پر اگلے ہی لمحے میں چونک گئی۔ شنزہ اکیلی نہیں تھی بلکہ اس کے ساتھ ارمغان نیازی بھی اس کے قدم سے قدم ملاتا میری میز کی جانب بڑھ رہا تھا۔ میں بے خود سی ان دونوں کو دیکھنے لگی۔ بلاشبہ وہ دونوں ساتھ یوں لگ رہے تھے گویا ایک دوسرے کے لیے ہی بنے ہوں۔

"السلام علیکم مس الماس بخاری۔" میں شنزہ سے گلے مل رہی تھی تبھی اس نے شائستگی سے اپنی گمبھیر آواز میں مجھے مخاطب کیا۔

میں اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ اس کے سلام کا جواب دے کر اپنی نشست پہ بیٹھ گئی۔ اس کی گہری سیاہ نگاہیں مسلسل میرے چہرے پر مرکوز تھیں اور میں بلاوجہ ان نگاہوں سے پریشان ہونے لگی۔

"سنا ہے آپ کو مجھے کافی مہذب اور شریفانہ قسم کا انٹرویو کرنے کی پاداش میں سلیبریٹی آن لائن سے دربدر کر دیا گیا ہے۔ اور اب اس شو کی میزبانی وردہ مقبول کو سونپی گئی ہے۔" وہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے، اپنے سینے پہ دونوں ہاتھ باندھے میرے چہرے پہ نظریں جمائے پوچھ رہا تھا اور اس کی آنکھوں میں شرارت ناچتی مجھے صاف دکھائی دے رہی تھی۔

"جی بالکل صحیح سنا ہے آپ نے۔۔۔" میں نے ایک ایک لفظ چباتے ہوئے کہا تھا۔ اس پل میرا دل چاہ رہا تھا کہ اس نواب کی اولاد کا سر سامنے پڑے گلدان سے پھاڑ ڈالوں۔ اس شخص کی ہمدردی میں اپنا مستقبل داؤ پہ لگا بیٹھی اور یہی آ کر بڑے مزے سے میرے زخموں پہ نمک پاشی کر رہا تھا۔

"کیا میں جان سکتا ہوں کہ اس انٹرویو میں آپ نے مجھے اتنا فیور کیوں دیا۔ باقی تمام لوگوں کی طرح میرا وہی مشہور زمانہ، روپ کا اشتہار لگا کر اپنے پروگرام کی ریٹنگ کیوں نہیں بڑھائی۔" وہ اب آگے کی جانب جھکا اپنی دونوں کہنیاں میز کی سطح پہ ٹکائے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کر رہا تھا اور اس کے اس سوال اور انداز دونوں سے گھبرا کر میں نے خاموش تماشائی بنی شنزہ کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا تھا

اور میرے یوں گھورتے ہی شنزہ کو ایک ضروری کال یاد آ گئی اور وہ وہاں سے منظر سے غائب ہو گئی۔

"مس الماس بخاری آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا ابھی تک۔" وہ میری گھبراہٹ سے محظوظ ہوتا کہہ رہا تھا۔

"مسٹر ارمغان نیازی! بات دراصل یہ ہے کہ میرے والد نے میری تربیت یوں نہ کی کہ میں کسی کی ذات سے وابستہ پوشیدہ باتوں کو بیچ کر اپنا پیٹ بھروں۔ پر غالباً" آج کل نیکی کا زمانہ نہیں کبھی جس کے ساتھ بھلائی کی جائے وہ بھی آ کر جواب طلب کرتا ہے۔"

میرے الفاظ میرے لہجے میں چھائی تلخی کی غمازی کر رہے تھے اور اس تلخی کو چھپانے کی میں نے رتی بھر بھی کوشش نہ کی تھی۔

"زمانہ کوئی سا بھی ہو مس الماس نیکی کو کبھی زوال نہیں۔" وہ سادہ سے لہجے میں بولا تھا۔

"ہونہہ! نیکی کو زوال نہیں اس زمانے میں لوگ جینے نہیں دیتے بھلائی کرنے والے کو۔" میں نے غصے سے ہنکارا بھرتے ہوئے کافی کا گھونٹ بھرتے ہوئے گلاس ونڈو کے اس پار دیکھا۔ گرم سوئیٹر اور جیکٹ زیب تن کیے لوگ سردی کا مزہ لیتے خوشگوار موڈ میں اپنی فیملی کے ساتھ گھوم رہے تھے۔

"جی! کیوں آپ نہیں رکھتے لوگوں سے توقعات؟" میں نے جھجکتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"نہیں! میں لوگوں سے نہیں۔ امید اللہ سے رکھتا ہوں۔" وہ واپس کرسی سے پشت سے ٹیک لگائے اطمینان سے بولا تھا اور میں اس کی بات سے لاجواب ہو کر اسے خاموش نظروں سے دیکھتی چلی گئی۔

"میرے پاس آپ کے لیے ایک خبر ہے۔" اس نے میری جانب مسکراتے ہوئے دیکھا اور موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

"کیسی خبر۔۔۔" میں نے اس کے چہرے سے نظر ہٹاتے ہوئے پوچھا اور ٹھنڈی ہوتی کافی کا گھونٹ بھرنے لگی۔

"مجھے وردہ مقبول کی جانب سے پیغام موصول ہوا

ہے۔ انہوں نے اپنے سابقہ رویے پہ معذرت کرتے ہوئے مجھے سیزن ٹو کے پہلے شو میں مدعو کیا ہے۔ محترمہ چاہتی ہیں کہ ان کے پہلے شو کا آغاز میری میزبانی سے ہو۔" کافی اچھی تھی مگر یہ خبر سن کر میرا حلق کڑوا ہو گیا۔

"پھر کیا جواب دیا آپ نے؟" میں نے طنزیہ مسکراہٹ لبوں پہ سجائے پوچھا۔

"آفر قبول کرلی میں نے۔ مگر ایک شرط پر..." وہ بے نیازی سے انداز میں بولا اور میرا خون کھول گیا۔

"کیسی شرط..." ارمغان نیازی مجھے اچانک زہر لگنے لگا تھا۔ منافق انسان۔

"یہی کہ میں اکیلا نہیں اپنی مسز کے ساتھ آؤں گا اس شو میں۔" اس نے میری سماعتوں میں بم ہی پھوڑ ڈالا۔

"واٹ؟ کیا خفیہ شادی کر رکھی ہے۔ پر شنزہ نے مجھے کچھ نہیں بتایا۔ اوہ کہیں شنزہ کے ساتھ تو نہیں۔" میں بے اختیار ہی بے ربط سوال کرنے لگی۔

اور وہ ہنستا چلا گیا۔

"ہولڈ آن... ہولڈ آن۔ مس الماس۔ ایسا کچھ بھی نہیں۔" وہ اپنی ہنسی روک کر مسکراتے ہوئے دونوں ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہہ رہا تھا اور میں حیرانگی سے اسے دیکھتی ہوئی سوچ رہی تھی کہ کیا ہے یہ شخص...

"میں شادی کرنا چاہتا ہوں آپ سے مس الماس بخاری۔ اور اس شو میں آپ کو بحیثیت مسز ارمغان نیازی کے طور پر اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔" اس کے الفاظ میری سماعتوں پہ گر رہے تھے اور میں انہیں سمجھنے سے قاصر بیوقوفوں کی طرح اسے دیکھی جا رہی تھی "میں جلد متاثر نہیں ہوتا۔ مگر میرے بارے میں جاننے کے بعد آپ نے جس طرح میری بھلائی میں اپنا برا بھلا سوچے سمجھے بغیر جو مخلصانہ کوشش کی اس نے میرے دل میں ایک خاص جگہ بنا ڈالی ہے۔ اور اس انڈسٹری میں اتنے دھوکے، فریب اور جھوٹ کا سامنا کرنے کے بعد میں آپ جیسی پیارے دل کی مالک لڑکی کو کھونے کی غلطی نہیں کر سکتا..." وہ کہہ رہا تھا اور میں سن رہی تھی۔ یکدم ہی مجھے اپنا آپ بے حد انمول لگنے لگا۔

"وروہ مقبول کی آفر میں نے اس فیصلے کے کرنے کے بعد قبول کی۔ آپ سے شادی کے اعلان کے لیے میں نے خاص اس جگہ کا انتخاب کیا جہاں آپ کی بے قدری کی گئی۔ کیا آپ میری زندگی کی شریک سفر بننے کے لیے راضی ہیں؟" وہ اپنی بات مکمل کر کے اب مجھے استفسار کر رہا تھا۔ میری نظریں خود بخود جھک گئیں۔

پہلے آور میری زندگی میں آنے والا پہلا شخص۔ جسے میں ہیرا سمجھتی تھی اور وہ کوئلے سے بھی بدتر نکلا اور سامنے بڑے کروفر سے بیٹھا یہ شخص جسے ایک زمانہ پلے بوائے کے نام سے پکارتا تھا حقیقتاً" کتنی خوب صورت سوچ و دل کا مالک تھا۔ واقعی کسی کو فقط جاننے اور سمجھنے میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ اس ڈرامہ و فلم نگری کا بے تاج راجہ در حقیقت اس نگری کا بہروپیا راجہ تھا۔ جو اپنا ہر روپ بے مثال رکھتا تھا۔ میں فیصلہ کر چکی تھی۔ یہ سال جاتے جاتے میرے صبر و انتظار پر ایک خوب صورت انعام دیتا جا رہا تھا۔ میں نے مسکراتے ہوئے پلکیں اٹھائیں اور اس کی گہری سیاہ آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"میں نے ایک بار شنزہ سے کہا تھا کہ ارمغان نیازی ایک دلفریب دھوکا ہے۔ پر آج میں اپنا یہ بیان بدلتی ہوں۔" میں لمحہ بھر کو چپ ہوئی۔ وہ دلچسپی سے مجھے ہی دیکھ رہا تھا۔

"ارمغان نیازی ایک دلفریب حقیقت ہے۔ اور اس حقیقت کو میں پورے خلوص سے اپنانا چاہتی ہوں۔" میرے لب خوب صورت انداز میں مسکرائے تھے اور اس کی آنکھیں جگمگا اٹھی تھیں۔

آنے والا نیا سال میرے لیے خوب صورت پیغام لے کر آ رہا تھا۔ دسمبر کی یہ آخری رات قطرہ قطرہ پگھلتی تمام ہو رہی تھی۔ مگر میں دعوے سے کہہ سکتی ہوں کہ کافی شاپ پہ بتائے یہ لمحات میری زندگی کے خوب صورت ترین لمحات تھے۔

صدف آصف

اس نے جیسے ہی سلک کے پردے ہٹا کر کھڑکیاں کھولیں' کمرے کی فضا ایک دم بدل گئی' تاریکی نے روشنی کا سفر بڑی سرعت سے طے کیا' اپنائیت بھرا مانوس سا اجالا کمرے پھیلتے ہوئے اس کے وجود میں سرائیت کرتا چلا گیا' ٹھنڈی ہوا نے ماحول میں تازگی بکھیر دی۔

فہام مرزا نے ایک طویل سانس لی۔ وہ پورے دو مہینے بعد اپنے شہر لوٹا تو اس کا انگ انگ تکان زدہ ہو رہا تھا' سنگاپور میں کام کا اتنا پریشر تھا کہ صبح گھر سے نکلتا تو رات گئے تک لوٹتا۔ ایسے میں ایک چائے کا کپ بناتے ہوئے بھی آلکسی ہوتی... بھلا پردیس میں گھر جیسا آرام کہاں اور وہ ٹھہرا اپنے مما' پاپا کی بگڑی اولاد' جو گھر میں پانی بھی نہ پیے۔

آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر گھنے بالوں کو سنوارتے ہوئے اس کی نگاہ اچانک کارنر پر رکھے بلیک باکس پر پڑی' اٹھا کر کھولا تو پلاٹینم کے قیمتی کف لنکس نگاہوں کے سامنے آ گئے' لیزا نے اس کی پچھلی برتھ ڈے پر بڑے پیار سے یہ اوول شیپ والے کف لنکس خرید کر گفٹ کیے تھے۔ اس نے انگلی سے اس پر جڑے ڈائمنڈ کو چھوا اور مسرور ہو گیا۔

فہام لیزا کی یادوں کی طرح اس کی دی ہوئی ہر چھوٹی چیز کو بھی بہت سنبھال کر رکھتا۔ آنکھیں بند کر کے تصور جاناں کیا تو وہ حسین چہرہ خیالوں پر چھاتا چلا گیا۔

وہ جب بھی اسے سوچتا' محسوس کرتا' پیاسے ریگستان پر چاہت کی برکھائیں کھل کر برسیں کہ روح تک سیراب ہو جاتی۔ فہام کا دل لیزا سے ملنے کو بے تاب ہو گیا۔ اس نے نگاہ اٹھا کر گھڑی کی جانب دیکھا تو منہ لٹک گیا۔

"اس وقت تو وہ آفس میں ہو گی۔ اب تو رات کو ہی ملاقات ہو سکتی ہے۔" فہام نے جیل لگے بالوں کو انگلیوں سے مخصوص انداز میں سیٹ کرتے ہوئے خود کو دلاسا دیا اور ٹی وی لاؤنج کی جانب چل دیا۔

☆ ☆ ☆

"اف ویدا کی بچی... ہی آجاتی' کچھ بوریت تو کم ہوتی۔" اس نے ٹی وی چینلز کی سرچنگ کرتے ہوئے بہن کو یاد کیا' جو سسرالی جھمیلوں سے فراغت پا کر ہی میکے کا رخ کر پاتی۔

"دنیا... کہاں سے کہاں نکل گئی۔ مگر یہ لوگ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے پر ہی تلے رہتے ہیں۔" اس نے بے زار سا منہ بنا کر ریموٹ پر لگے آف کے بٹن کو دبا دیا۔ ایک جیسے سیاسی ٹاک شوز میں بے تکے بحث و مباحثہ اور الزام تراشیوں کی بھرمار۔

"صاحب چائے۔" آپا زلیخا نے چھوٹی سی ٹرے اس کے پاس رکھ دی۔ وہ چسکیاں بھرتا رہا پھر اخبار پر نگاہ دوڑائی۔ کچھ دیر بعد اٹھا ایک طویل انگڑائی لی اور دوبارہ کمرے کی طرف چل دیا۔ اتنے دنوں کی مسلسل مصروفیت کے بعد یہ فراغت اسے بوجھل کیے دے رہی تھی۔

کمرے کی فضا میں خوشگوار سی ٹھنڈک نے اس پر خمار طاری کر دیا' کچھ اور نہ سوجھا تو سفری بیگ کھول کر بیٹھ گیا' مما کا فرمائشی کرسٹل کا فلاور واز نکال کر انہیں

تھمایا' پاپا کے لیے شاندار بھورے رنگ کا مفلر بھی مما کے حوالے کر دیا' وہ وید ااور بہنوئی ریاض احمد کے لیے سنگاپور سے پرفیومز لایا تھا۔ انہیں سائڈ میں رکھا۔

''مما... یہ ٹام اور جیری کب تک پہنچیں گے؟'' وہ بھانجوں کی فرمائش پر ڈھیروں چاکلیٹس لایا تھا' سارے ڈبے ایک شاپر میں رکھ کر فریج میں احتیاط سے رکھتے ہوئے پوچھا۔

''بیٹا... وید انے شام تک پہنچنے کا کہا ہے۔'' اسریٰ بانو نے بتایا تو وہ مسکرا دیا' اُسے اپنی بہن سے بہت زیادہ انسیت تھی اور بھانجوں میں تو جیسے جان اٹکی رہتی۔

☼ ☼ ☼

''یہ لوگ... کام کم اور غلطیاں زیادہ کرتے ہیں'' لیزا آفس میں بیٹھی ایک بڑی اہم جائزہ رپورٹ کے نکات کو ری چیک کرتے ہوئے بڑبڑائی۔

''اتنے بزی ٹائم میں کس کو... یاد آ گئی'' اس کا سیل فون جو سامنے میز پر رکھا ہوا تھا ایک دم بج اٹھا۔ فون

اٹھا کر نمبر چیک کیا۔ اسکرین پر "فیم" کا نام چمکتا دیکھ کر سرپرائز ہو گئی۔
"اچھا تو مسٹر کی واپسی ہو گئی۔" وہ خوشگوار انداز میں زیر لب بولی اور پیپرز کو احتیاط سے پن کرنے لگی۔
"می... آئی... نو... ہو... از... کالنگ (میں جان سکتی ہوں کون فون کر رہا ہے۔" لیزا کال پک کر کے فون کان سے لگاتے ہوئے بن کر پوچھتی ہے۔
"لیس... دس... از... یور... ڈارلنگ۔" وہ بھی پیارے انداز میں جواب دیتا ہے۔
"آپ کو چین نہیں؟... یہاں پہنچتے ہی کال کر دی۔" اس کی کھنکتی ہنسی فہام کے کانوں میں رس گھولنے لگی۔
"کیا کریں۔ لڑکے پاس چین و قرار گروی جو رکھ چھوڑا ہے۔" وہ جب بھی اس انداز میں بولتا' لیزا کا دل دھڑک اٹھتا۔
"اوہو... تو... آپ کو واقعی مجھ سے بہت محبت ہے...؟" وہ کچھ سوچ کر اترائی۔
"جی میم یہ دیسی لڑکا سچ میں اک بدیسی لڑکی کی محبت کا اسیر ہو چکا ہے۔" فہام جوش اور روانی میں بلا جھجک اعتراف کرتا ہے۔
"اوہ... ہیلو مسٹر میں بھی آدھی دیسی ہوں۔" اس نے مسکرا کر فخر سے جواب دیا اور پین اٹھا کر ایک کاغذ پر سائن کرنے لگی جو ارجنٹ کوریئر کرنا تھا۔
"ایک بات بتاؤ تم یہ بات بار بار کیوں پوچھتی ہو؟" وہ مسکرا کر سیل فون دوسرے کان سے لگا کر مزہ لیتا ہے۔
"نہیں میں نے تو بس یوں ہی کہا اور آپ بیلون کی طرح پھول گئے۔" اس کے چہرے پر گلاب سے کھل اٹھے۔ فہام کا یوں اظہار کرنا' اس کے وجود کو آسودگی بخشتا تھا۔ دونوں طرف لمحہ بھر کی خاموشی چھائی۔
اچانک شفاف شیشے کے دروازے سے کچھ لوگ اس کے کیبن کی طرف آتے دکھائی دیے۔ وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔
"اچھا رکھتی ہوں بعد میں ملتے ہیں۔" لیزا نے جلدی سے لائن کاٹ دی۔ فہام جانتا تھا کام کے معاملے میں وہ کتنی نظم و ضبط کی پابند ہے۔ اسی لیے برا مانے بنا فون بند کر دیا۔

☆ ☆ ☆

"میں پوچھتی ہوں بہو کہاں کی تیاریاں ہو رہی ہیں؟" بلو خالہ نے دیدے گھماتے ہوئے دور سے دیدا کو نوٹس کیا اور قریب آکر پوچھا' وہ گنگناتے ہوئے بچوں کو ننھیال جانے کے لیے تیار کر رہی تھی' ان کے چھاپے پر ایک دم چونک اٹھی۔
"جی... وہ مما کی طرف جاؤں گی" دیدا نے دھیرے سے جواب دیا۔ اس وقت وہ ان سے بالکل الجھنے کے موڈ میں نہیں تھی۔
"ہاں... بھئی مصیبت تو اس گھر پر ٹوٹی ہے مگر تمہیں کیا' لگی رہو اپنی موج مستی میں" وہ چبا چبا کر بولتی چلی گئیں۔
بلقیس کی شروع سے ہی "عقل چھوٹی اور زبان لمبی" تھی یہ ہی وجہ شادی نہ ہونے کا سبب بنی' اور والدین کے گزر جانے کے بعد روح پر محرومی کی ایسی چھاپ لگی کہ تاعمر دوسروں کی خوشیوں سے جلتے بھنتے گزاری' جب بھائیوں کا صبر کا پیمانہ چھلک اٹھا تو بہن کے در پر آکر پڑ گئیں۔ اب یہاں کا چین سکون انہیں کاٹے ڈالتا۔
"نہیں... خالہ... وہ بھائی سنگاپور سے لوٹا ہے۔ اس لیے مما نے ڈنر پر انوائیٹ کیا ہے" دیدا نے چھوٹے فہد کے بالوں کو سنوارتے ہوئے۔ ان کی تشفی کرانا چاہی۔
"یہ لو میں پوچھتی ہوں کیا تمہارا بھائی کہیں کا لارڈ گورنر ہے' جو اس کے میکے میں قدم رکھتے ہی تمہیں اکیس توپوں کی سلامی دینے کے لیے پہنچنا ضروری ہے' ایک دو دن بعد چلی جاتیں۔" بہو بیگم کی بے نیازی انہیں تپا گئی تاک تاک کر طنز کے تیر چلائے۔
"جی... آج جانا ضروری ہے۔" دیدا ان کی جرح پر چڑنے لگی پھر بھی منہ موڑ کر نرمی سے جواب دیا'

عزت انہیں کہاں راس آئی۔ وہ مزید سر پر چڑھ گئیں۔
"تمہارے لیے بھنو کی طبیعت سے بھی زیادہ کچھ ضروری ہے؟ دیکھا نہیں' طائلہ کی وجہ سے وہ کتنی لاغر ہو رہی ہے۔ مگر تمہیں سیر سپاٹوں کی پڑی ہے' بلو خالہ نے اس کے مقابل کھڑے ہو کر کٹیلے لہجے میں جتایا۔
"بلو خالہ ... پلیز آپ ہر وقت میرا پیچھا نہ لیا کریں۔" وہ بھی انسان تھی زچ ہو کر چیخ پڑی انہیں تو جیسے موقع دے دیا گیا ہو' اپنے ڈیلے گھمائے اور بہن کے کمرے کی طرف منہ پھیر کر شروع ہو گئیں۔
"ارے بھنو سنتی ہو۔ بس اب تمہارے گھر میں میری یہ ہی اوقات رہ گئی' ہر ایک منہ کو آنے لگا ہے۔" بلو خالہ نے بڑے دردناک انداز میں چھوٹی بہن کو پکارا۔ ویدا ایک دم زرد پڑ گئی' شادی کے پانچ سال گزرنے کے باوجود اسے اپنی ان ساس در ساس سے بہت خوف آتا تھا' جو اسے کسی بھی معاملے میں رعایت دینے کو تیار نہ ہوتیں۔
"کیا ہوا ... باجی کیوں چلا رہی ہیں۔ پتا بھی ہے کہ میری صبح سے کتنی طبیعت خراب ہے" ثروت دیوار پکڑ پکڑ کر کمرے سے باہر نکلیں ... اتنا چلنے میں ہی ہانپ اٹھیں۔ ویدا نے آگے بڑھ کر ساس کو سہارا دیا۔
"بھنو ... ذرا اپنی بہو کے لچھن دیکھو۔ شادی سے پندرہ دن پہلے نند کی بات ختم ہو گئی ہے اور یہ خوشی کے نغمے گنگنا تیں' میکے جانے کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔"
بلو خالہ نے دانت کچکچا کر ویدا کو گھورا جو پریشان نظروں سے کبھی ساس اور کبھی خالہ ساس کے مکالمے سن رہی تھی۔
"کسی کو کیا بولیں ... جب طائلہ کی قسمت میں ہی گہن لگ چکا ہے۔ مجھے تو فکر ہے کہ اب کون میری بچی کو پوچھے گا" ثروت بمشکل کرسی پر دراز ہوئیں اور ہاتھ ملتے ہوئے' وہ ہی باتیں دہرانے لگیں' جو پچھلے کئی دنوں سے سن سن کر اس گھر کے در و دیوار تک عادی ہو چکے تھے۔
"ہائے ... ہائے ... بندہ گڑ نہ دے' گڑ جیسی بات ہی کر لے۔ اب اگر تمہاری بہو اسی برادری کی ہوتی تو اسے ہمارا دکھ درد محسوس ہوتا' طائلہ سے ہمدردی ہوتی ... کچھ اور نہ سہی ... ہم سے تسلی کے دو لفظ ہی بول لیتی' مگر انہیں تو بس اپنے میکے کی ہی پڑی رہتی ہے"
بلو خالہ نے گھما پھرا کر بات وہیں پہنچا دی' جہاں سے شروع ہوئی تھی۔
"نہیں باجی ... ویدا ایسی نہیں ... بے چاری۔ دو دن سے تو میرا اتنا خیال رکھ رہی ہے۔ آج میں نے خود ہی اسے زبردستی بھیج رہی ہوں۔ کتنے دنوں بعد۔ بھائی وطن لوٹا ہے اچھا ہے مل لے گی" ثروت کی ذہنی حالت بہت ابتر ہو رہی تھی' باتیں بھول جاتیں۔ تھوڑی دیر بعد خیال آیا تو بہو کی صفائی پیش کی۔
"خالہ ... مجھے بھی طائی سے بہت محبت ہے۔ اس واقعے پر بہت افسوس ہے۔ مگر بھلا قسمت کے آگے کسی کا بس چلا ہے کیا؟" ویدا کو ساس کی بات سے سہارا ملا۔ تو اپنی پوزیشن کلیئر کرنے لگی ساتھ ہی ثروت کو گلوکوز ملا پانی پلایا۔
"اری بہو ... یہ ساری زبانی کلامی باتیں ... چھوڑ دو۔" کچھ سوچ کر بلقیس کی آنکھیں چمکیں تو ویدا سے کہا۔
"یہ صرف باتیں نہیں ... مجھے اس گھر اور یہاں رہنے والے ایک ایک فرد سے بہت محبت ہے۔" وہ چڑ کر بولی۔
"اچھا ... اگر تمہیں واقعی سب سے محبت ہے ... تو کوئی عملی اقدام اٹھاؤ" بلقیس کے دماغ میں اس وقت شیطان گھس آیا' ہونٹوں پر مسکراہٹ چپکا کر' انہوں نے ویدا کو گھیرا۔ ثروت نے حیران ہو کر بہن کو دیکھا۔
"کیا مطلب میں سمجھی نہیں؟" اس نے پریشانی سے الجھ کر پوچھا۔
"لو ... سنو میں کیا فارسی بول رہی ہوں بھئی اچھا سا لڑکا دیکھ کر نند کی شادی کروا دو" بلو خالہ نے ہاتھ جھاڑ کر حل پیش کیا۔
"اچھا سا لڑکا؟" وہ ابھی تک نہیں سمجھی' باری باری سوالیہ نگاہوں سے ان دونوں کی جانب دیکھا۔
"کیوں کیا تمہارا بھائی اچھا لڑکا نہیں؟" بلقیس بانو

چہک کر بولتے ہوئے ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنسیں۔ بہن کی تجویز پر ثروت کی بجھتی آنکھوں میں جیسے... روشنی سی بھر گئی۔

"فہام بھائی مگر وہ..." ویدا کے ہاتھ پیر اس نئی افتاد پر سن ہونے لگے... اس کے سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ بلو خالہ کے پھیلائے گئے اس جال کو کیسے کاٹے۔

"ہاں تمہارا بھائی اتنا قابل ہے۔ اس کی شادی طائلہ سے کروا دو۔" بلقیس نے قابل پر زور دیتے ہوئے دوبارہ پھلجھڑی چھوڑی۔

"میں سوچتی ہوں۔" اس نے ساس کی امید بھری نگاہ خود پر محسوس کی اور وہاں سے اٹھ گئی۔

"اب آئی اونٹنی پہاڑی کے نیچے" بلقیس کے ہونٹوں پر مکارانہ مسکراہٹ چھا گئی۔ ثروت جا کر صوفے پر لیٹ گئیں۔ وہ اس معاملے میں بہو پر کوئی دباؤ نہیں ڈالنا چاہتی تھیں۔ مگر بہن کی تجویز پر ایک امید کا دیا جل اٹھا۔

"سارے فرائز ختم کرنے ہیں اور کیچپ کپڑوں پر بالکل نہیں گرانا اوکے۔" ویدا بچوں کو فرنچ فرائز کے ساتھ ہدایت دینے کے بعد کمرے میں لوٹی تو بے دم ہو کر بستر پر لیٹ گئی۔ بلقیس خالہ نے ہمیشہ اس کی شادی شدہ زندگی میں زہر گھولا' ساس دل کی اچھی ہونے کے باوجود بہن کی باتوں پر یقین کر کے اکثر بہو سے ناراض ہو جاتیں۔ اس وقت بھی کچھ ایسی ہی صورت حال پیدا ہو چکی تھی۔ اس نے کافی دیر اس مسئلے پر سوچا۔

"واہ... یوں تو ایک تیر سے دو شکار ہو جائیں گے۔" ویدا کے دماغ نے اچانک ایک نئی بات سجھائی' وہ جوش سے اٹھ بیٹھی۔

"بلو خالہ کے ساتھ رہتے رہتے... میں بھی ان ہی کے انداز میں سوچنے لگی ہوں۔" اس نے خود کو شاباشی دیتے ہوئے ممّا کا نمبر ملایا۔

☆ ☆ ☆

"وہ نکلس کہاں گیا' جو... لز کے لیے مصطفیٰ سینٹر سے خریدا تھا؟" فہام نے اطمینان سے کمرا بند کر کے سوٹ کیس کی عقبی جیب کی زپ کھولی' ہاتھ ڈال کر پوری پاکٹ چھان ماری' مگر کچھ نہیں ملا۔

"اوہ شاید وہیں ٹیبل پر رکھا رہ گیا" اس نے یاد آنے پر سر پر ہاتھ مارا... پل بھر کا اظہار افسوس کیا... اور پھر عادت کے مطابق دوسرے آپشن پر غور کرنے لگا۔ وہ ہر کام میں دوسرے آپشن کو پیش نگاہ رکھتا۔

"اس کے لیے کچھ نہ لا سکا تو کیا ہوا؟ ازالہ کے طور پر یہیں سے کچھ ضروری چیزوں کی شاپنگ کر لیتا ہوں۔" اس نے گھر سے باہر نکل کر ذہن دوڑایا۔

شہر کے سب سے بڑے مال سے اس نے زنانہ شاپنگ کے نام پر جانے کیا کیا الم غلم خرید ڈالا' پسندیدہ جیولر شاپ کے سامنے گزرتے ہوئے پل بھر کو ٹھٹکا۔ اس کی نگاہیں نازک سی سونے کی رنگ پر ٹھہر گئیں۔ جس پر جڑا ہوا جیم لشکارے مار رہا تھا۔

"یہ تو بنی ہی لز کے لیے ہے" اس نے رنگ کو ہاتھ میں لے کر پرکھا... اسے بھی خرید لیا' لیزا گولڈ کی نازک سی جیولری کی دیوانی تھی۔ اسی لیے فہام نے اسے ہمیشہ سونے کا زیور ہی گفٹ کیا' کافی دیر بعد واپسی کی راہ لی۔

"تھک گیا ہوں۔" کمرے میں داخل ہوتے ہی اس پر نیند غالب آنے لگی' شام کو لز سے ملاقات کا سوچ کر ہی ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی' تکیہ بغل میں دبا کر لمبی تان کر سونے کا ارادہ باندھا۔ اچانک دروازہ دھڑ سے کھلا اور راسری بیگم حیران و پریشان بیٹی کی انوکھی فرمائش لیے اس کے کمرے میں داخل ہوتیں' اتنے میں اطلاعی گھنٹی زور زور سے بجنے لگی۔ وہ دوسری طرف مڑ کر دیکھنے لگیں۔

☆ ☆ ☆

لیزا کو شروع سے ہی پاکستان سے ایک انسیت سی محسوس ہوتی' وہ پاکستانی مردوں سے بھی خاصی متاثر تھی' اس کا ایک سبب والد اختیار بیگ کا اسی ملک سے تعلق ہونا تھا۔ وہ بچپن سے باپ سے ان کے وطن کے حوالے سے اتنی باتیں سن چکی تھیں' اسے دیکھے بنا ہی

پاکستانی معاشرت اور ثقافت سے شناسائی حاصل ہو گئی۔

برسوں پہلے اختیار بیگ اپنے اسٹڈی ٹور پر برطانیہ گئے تو پھر وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ اس وقت عالمی سیاست پر نائن الیون کا کالا سایہ نہیں پڑا تھا' حالات آج کے مقابلے میں قدرے بہتر تھے۔ اس لیے انہیں نیشنلٹی کے لیے زیادہ مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

وہ ایک سیلف میڈ انسان تھے' والدین کا بچپن میں انتقال ہو چکا تھا۔ رشتے کے ایک چچا نے ترس کھا کر پرورش کا ذمہ اٹھالیا' اختیار نے دن رات محنت کی مگر تعلیم کا سلسلہ ٹوٹنے نہیں دیا۔ برطانیہ سے اعلاڈگری کا حصول ان کا جنون بن چکا تھا۔ آخر قسمت نے یاوری کی اور اسکالر شپ حاصل کر کے مزید پڑھنے کے لیے لندن پہنچ گئے۔ اور دل لگا کر پڑھائی شروع کر دی۔ اسی دوران چچا کے انتقال کی خبر آئی تو انہیں لگا وطن سے جڑا' کمزور سا رابطہ بھی ٹوٹ گیا۔ اب واپس جاتے بھی تو کس کے لیے یوں اعلاڈگری ہاتھ میں آنے کی دیر تھی کہ انہیں لندن کی ایک بہت اچھی فرم نے جاب آفر کر دی۔ اختیار نے بہت سوچ سمجھ کر مزید چند سال یہاں گزارنے کا فیصلہ کیا اور پھر یہیں سیٹل ہو گئے۔

ایلس بیری ان کی کلاس میٹ تھی' وہ اختیار بیگ کی خوب روئی' خاموش طبعی اور نرم مزاجی سے بری طرح سے گھائل ہو گئی' اسے لگا کہ ان کے بغیر جینا' بے معنی ہے۔ اس نے اختیار بیگ کے سامنے اپنا دل کھول کر رکھ دیا مگر وہ ہنس کر ٹال گئے۔ اختیار بیگ کی ادائے بے نیازی نے ایلس کو ان کا مزید دیوانہ بنا دیا۔ ایلس بالغ ہو چکی تھی۔ اپنے گھر والوں سے شادی کی اجازت طلب کی تو وہاں ایک ہنگامہ کھڑا ہو گیا' ان کے والدین قدامت پسند لوگ تھے' جو اپنے عقائد کے خلاف جانے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ یہاں ان کی بیٹی ایک مسلمان کو داماد بنانے کی خبر سنا رہی تھی۔ سب مل کر اسے سمجھانے میں لگ گئے مگر ایلس اپنی ضد پر اڑی رہی۔ وہ اختیار بیگ کی خاطر اپنی پوری فیملی سے ٹکر لینے کو تیار ہو گئی۔

وہ اس کی ثابت قدمی پر حیران رہ گئے' زندگی میں پہلی بار انہیں محبت کا ذائقہ محسوس ہوا' تو خوف زدہ ہو کر پس منظر میں چلے گئے۔ اس سے ملنا ترک کر دیا۔

ایلس والدین کی بے جا سختی سے تنگ آکر ایک دن اپنے بڑے سے گھر کو چھوڑ کر کالج فرینڈ جمیکا کے فلیٹ میں شفٹ ہو گئی اور اس کا ایک کمرا کرائے پر شیئر کر لیا۔

اس کے بعد اختیار بیگ کو فون کر کے اپنے اقدام کی خبر دی تو وہ ہکا بکا رہ گئے' ان کے لیے اب پیچھے ہٹنا مشکل ہو گیا۔ وضع داری نبھاتے ہوئے شادی کی حامی بھرلی۔ وہ خوشی سے ناچ اٹھی' مگر اختیار کے ذہن ابھی بھی ایک پھانس اٹکی رہ گئی۔ وہ چاہتے تھے کہ ایلس بغیر کسی مجبوری یا جبر کے دائرہ اسلام میں داخل ہو جائے اور نکاح نامے میں اس کا نام ایلس کے بجائے فاطمہ لکھا جائے۔

انہوں نے ایلس سے بس ایک استدعا میں اسے اسلام کا مطالعہ کرنے کی دعوت دی۔ اس کی قسمت میں شاید یوں ہی چمکنا لکھا تھا' اسلام کا گہرائی سے جاکر مطالعہ کرنے کے بعد ایلس نے پورے ایک ہفتے سوچ بچار میں گزارے اور آخر اسلامک سینٹر میں جاکر بخوشی اسلام قبول کر لیا' اختیار بیگ کے دل سے پھانس نکل گئی وہ مسرور ہو گئے۔

دوسرے دن ہی دوست احباب نے مل کر ایک چھوٹی سی تقریب کا اہتمام کیا' جہاں سادگی سے ان دونوں کا نکاح ہو گیا۔ شادی کے بعد اختیار بیگ کو احساس ہوا کہ قدرت نے ساری عمر کی محرومی کا ازالہ فاطمہ کی شکل میں کر دیا' جلد ہی عائشہ جسے وہ لوگ پیار سے لیزا پکارنے لگے زندگی میں بہار بکھیرنے آگئی تو گویا ان کی جنت مکمل ہو گئی۔

تین سال ایک دوسرے کی سنگت میں کیسے گزرے پتا ہی نہیں چلا۔ دونوں خوشیوں کے ہنڈولوں میں بے فکری سے جھولے جا رہے تھے کہ ایک دن جیسے رسی ٹوٹ گئی اور سب کچھ ختم ہو گیا۔ فاطمہ کی زندگی نے وفا نہ کی دوسرے بچے کی پیدائش پر کچھ ایسی پیچیدگی ہوئی کہ ماں اور بچہ دونوں جانبر نہ ہو سکے۔

اختیار بیگ کے لیے یہ صدمہ ناقابل تلافی تھا' وہ بہت دنوں تک اپنے کمرے سے باہر نہ نکلے' لیزا کو بھی نینی نے سنبھالا' تاہم وہاں کی تیز رفتار زندگی میں دنیا سے کٹ کر رہنا خاصا مشکل تھا' معاشی مسائل منہ پھاڑ کر کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں کو سمجھانے پر خود کو سنبھالا اور بیٹی کی خاطر زندگی کی جانب بے دلی سے لوٹ آئے۔ یاروں نے ان پر دوسری شادی کے لیے بہت زور ڈالا' ایک دو رشتے بھی بتائے گئے مگر سب لاحاصل۔

اختیار بیگ نے اپنی محبوب بیوی کے ساتھ گزارے گئے لمحوں کو یادوں میں محفوظ کر کے زندگی کے اس باب کو ہمیشہ کے لیے بند کر دیا۔ اب ان کے جینے کی وجہ صرف لیزا تھی' اسے اعلا تعلیم دلانے کے ساتھ ساتھ ذہنی تربیت میں بھی کوئی کمی نہیں چھوڑی۔ انہوں نے اسے وطن کی محبت اور اپنی زبان سے روشناس کرایا' باپ کے آئی فون سے نکلنے والی "دل دل پاکستان کی آواز" لیزا کو اپنی جانب کھینچتی۔

یہی وجہ تھی کہ جب اسے "انسداد پولیو مہم" کی ایک کانفرنس میں شرکت کے لیے پاکستان بھیجا جانے لگا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

گھر آ کر اختیار بیگ کے سامنے اپنا ارادہ ظاہر کیا تو وہ خوش ہو گئے اور اس کے کان کے نزدیک منہ لا کر کچھ سرگوشی بھی کی وہ باپ کی بات پر کھلکھلا اٹھی۔

☼ ☼ ☼

"ایسا نہ کریں پلیز یہ ظلم ہو گا۔" طائلہ نے ہراساں ہو کر ماں کی بات سنی اور پھر سب کے بیچ اپنا احتجاج ریکارڈ کروانے لگی۔ دوسرے کونے پر رکھے صوفے پر بیٹھی ویدا دعا کر رہی تھی کہ جس کام کا بیڑا اس کے نازک کاندھوں نے اٹھایا ہے۔ وہ خوش اسلوبی سے ادا ہو جائے۔

"میں پوچھتی ہوں..... کنواری لڑکیاں بھی کبھی ایسے منہ پھاڑ کر شادی کے معاملات پر بولتی ہیں..... ہم بڑے بیٹھے ہیں نا جو بہتر سمجھیں گے وہی کریں گے تم یہاں سے جاؤ۔" کارپٹ پر پھسکڑا مار کر بیٹھی ہوئی بلو خالہ نے ہاتھ نچا نچا کر اسے خاموش کرایا اور انگلی پر لگا کتھا چاٹا۔ ثروت ہراساں ہو کر بیٹی کے تیور دیکھ رہی تھیں۔

"باجی..... پلیز مجھے بات کرنے دیں" ثروت نے بہن کو التجائیہ انداز میں مزید کچھ کہنے سے روکا' انہیں سامنے بیٹھی بہو کا بھی لحاظ آ رہا تھا۔

"اری بھنو یہاں میرے منہ پر تالا چابی لگانے سے کیا ہو گا۔ دنیا والے جو دوسری بار منگنی ٹوٹنے پر تمہاری بیٹی کو معتوب ٹھہرا رہے ہیں..... اس کا بہترین حل یہ ہی ہے۔" بلو خالہ کی زبان فراٹے بھرنے لگی' روکنا مشکل ہو گیا۔

"چلیں دونوں منگنیاں ٹوٹنے پر ساری خطائیں میرے کھاتے میں لکھ دیں۔ مگر اس کی سزا بھابھی کو کیوں دی جا رہی ہے؟" طائلہ نے زچ ہو کر ماتھے تک ہاتھ لے جا کر جوڑے۔

"بیٹا ہم نے تو ویدا کو ایک بات کہی ہے..... اب کوئی زور زبردستی تھوڑی..... آگے یہ خود سمجھ دار ہے۔" ثروت نے متانت سے بیٹی کو ٹھنڈا کرنا چاہا۔

"اف..... میرے اللہ زور زبردستی اور کیسے کی جاتی ہے؟" طائلہ نے ماتھا پیٹ لیا۔

"تمہاری ماں صحیح بول رہی ہے" بلو خالہ نے بھانجی کو لتاڑا' انہیں اس کا ویدا کی حمایت میں لڑنا زہر لگ رہا تھا۔

"مجھے سمجھ میں نہیں آ رہا کہ یہ بات کس لیے اٹھائی گئی؟ ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا..... پلیز اسے یہیں دبا دیں..... بھابھی کے گھر والوں تک پہنچ گئی تو وہ جانے ہمارے خاندان کے بارے میں کیا سوچیں گے" طائلہ کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔ اس کی نسوانیت اور وقار پر ضرب پڑی تھی کیسے نہ بلبلاتی۔

"یہ تو ہے اسی لیے تو میں نے ریاض کی شادی کے وقت تمہیں کتنا سمجھایا' خاندان کی لڑکی لے آؤ..... اپنی ہو گی تو اپنوں کا درد سمجھے گی' مگر تم پر تو بیٹے کی پسند کا نشہ سوار تھا۔ باہر سے بہو بیاہ لائیں۔ اب ان کے خاندان

سے ڈرتے پھرو۔" بلو خالہ کے پرانے درد جاگ اٹھے' ان کے طنز بھرے جملوں پر ویدا نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"خالہ..... جانے کب میرا پیچھا چھوڑیں گی" ویدا نے دانت کچکچا کر سوچا۔ گھر کا ماحول خراب نہ ہو' اس لیے اکثر وہ خاموشی اختیار کیے رہتی' ورنہ دلائل تو اس کے پاس بھی ہزاروں تھے۔

"طائی..... تم پریشان نہ ہو۔ مجھ پر کوئی دباؤ نہیں میں سب کچھ اپنی خوشی سے کروں گی..... مما کو فون تو کر دیا ہے..... ان فیکٹ انہوں نے اب تک فہام سے بات کرلی ہو گی" ویدا نے دھیرے دھیرے وہ بات بتادی' جو ثروت اور بلقیس کافی دیر سے سننا چاہ رہی تھیں۔

"اوہ..... بھابی..... آپ نے اچھا نہیں کیا آنٹی کیا سوچ رہی ہوں گی..... کوئی اپنی بیٹی ایسے پلیٹ میں رکھ کر پیش کرتا ہے۔" طائلہ نے افسوس سے سر ہلایا پھر ماں اور خالہ کی جانب دیکھا۔

"بہو بہت شرمندگی ہوتی ہے۔ مگر کیا کریں۔ اس پر دو دفعہ بات ختم ہونے کا دھبا لگ چکا ہے۔ اب تو غیر لوگوں سے رشتہ جوڑتے بھی خوف آنے لگا ہے' تم تو اپنی ہو۔ ہمارا درد جانو گی۔" ثروت اپنی جگہ سے اٹھ کر ویدا کے سامنے جا کھڑی ہوئیں اور ہاتھ ملتے ہوئے پشیمانی کا اظہار کیا۔ طائلہ کی آنکھوں سے درد کی لہریں آنسو بن کر بہہ نکلیں۔

"امی..... آپ پریشان نہ ہوں۔ طائلہ ہم سب کو بہت عزیز ہے ان شاء اللہ اس کے ساتھ کچھ برا نہیں ہو گا۔" ویدا نے بڑھ کر انہیں دلاسا دیا اور اپنے برابر میں بٹھایا۔ وہ ایک دم ڈھے سی گئیں۔

"اونہہ....." بلو خالہ نے اس کی ہمدردی پر منہ بنا کر ناگواری کا اظہار کیا اور چھالیہ پھانکی۔

"بس دعا کرو۔ میں اپنی آنکھوں کے سامنے بچی کا گھر بستا دیکھ لوں۔ اس کے بعد ہی سکون سے مرسکوں گی۔" ثروت بے قراری سے بلک اٹھیں۔ ویدا کی آنکھیں بھی ساتھ ساتھ بھیگ گئیں۔

☆ ☆ ☆

لیزا' عالمی ادارہ صحت کے لیے دو سال سے کام کر رہی تھی' وہ پاکستان آئی تو اسے "بچوں کی صحت عامہ کے مسائل" کے حوالے سے ایک پراجیکٹ کی جائزہ ٹیم کا ہیڈ بنا دیا گیا کیوں کہ وہ پہلے ہی ہیلتھ انفارمیشن منیجر کے طور پر کام کر چکی تھی تو اسے یہاں ذرا بھی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ مغربی معاشرے کا' عکس اس کی شخصیت سے جھلکتا' وہ خود اعتمادی کی نعمت سے مالا مال' اپنی حدود و قیود کا پاس رکھتے ہوئے شخصی آزادی کی قائل' جلد ہی شہر کے خاص حلقوں میں ممتاز دکھائی دینے لگی' اختیار بیگ اسے فون پر چھیڑتے کہ اسے ایسی پذیرائی شاید لندن میں بھی نہیں ملتی جو اپنے وطن میں نصیب ہوئی تو وہ ہنس دیتی۔

اتنے سراہنے والوں کے بیچ میں ہونے کے باوجود بھی اس کی شخصیت کا توازن نہیں بگڑا۔ وہ بڑے نپے تلے قدم اٹھاتی' پہلی ترجیح نیک نیتی سے پاکستانی بچوں کی صحت کے مسائل کا حل ڈھونڈنا ٹھہرا اسی لیے اس شعبے میں کوتاہی برتنے والوں کو وہ کسی بھی طرح کی رعایت دینے کی روادار نہ ہوئی..... اس کے بے لچک اصولوں نے ہی میم لیزا کی شہرت کو دوام بخشا۔

فہام مرزا سے اس کی پہلی ملاقات ایک سیمینار میں ہوئی' میم کی سخت گیری کے بارے میں اس نے پہلے ہی بہت کچھ سن رکھا تھا۔ وہ لیزا کے بارے ذہن میں ایک سن رسیدہ کھڑوس بڑھیا کا تصور لیے اس سے ملا تو حیران رہ گیا۔ بلیک ٹراؤزر اور ٹی پنک جیکٹ میں خوشبوؤں میں بسی اپنے سے کئی سال چھوٹی شفاف چہرے والی لڑنے اسے لمحوں میں تسخیر کر لیا' سنہری بالوں کا اونچا بن' اس کی ہنس جیسی مرمریں گردن کے حسن کو اجاگر کر رہا تھا۔ وہ دیکھتا رہ گیا۔

منتظمین نے ان دونوں کا تعارف کرایا' تو چونک کر ہاتھ بڑھایا اور اس کی نرم انگلیوں کا لمس بہت دیر تک اپنے ہاتھ پر محسوس کرتا رہا۔ دونوں میں ہیلو ہائے ہوئی اور وہ کھٹ کھٹ کرتی اپنے لیے مختص سیٹ پر جا کر مقررین کو سننے میں گم ہو گئی اور فہام جیسے اس کی شخصیت کے سحر میں محو ہو گیا۔

ٹی بریک میں اتفاق سے دونوں نے ہی صرف بھاپ اڑاتی کافی کا کپ ہاتھ میں لیا اور ریلیکس ہونے کے لیے عقبی صوفے پر جا بیٹھے 'یہیں ہلکی پھلکی بات چیت ہوئی' برابر کا جوڑ تھا 'لیزا کا دل بھی فہام کی بے پناہ وجاہت پر کئی بار دھڑکا۔

وہ اس کی توجہ خود پر مبذول پا کر دل ہی دل میں مسکرائی مگر اپنے جذبات پر قابو پانے میں بھی مشکل درپیش نہ آئی۔ اس وقت بھی وہ لاپروا بنی 'فہام کی نگاہوں کو نظرانداز کرتی رہی۔

سیمینار کا اختتام ہوا 'مگر دوستی کی نئی بنیاد پڑ گئی' فاصلے کم ہوئے تو۔ کئی بار ملاقاتیں ہوئیں۔ لیزا بہت لیے دیئے سے رہنے کے باوجود 'اس سے بہت دنوں تک دور نہ جا سکی۔ فہام غیر محسوس انداز میں اس کے دل کو اپنی گرفت میں لیتا چلا گیا 'اس کی ذہانت بھری باتیں 'جادوئی شخصیت 'اور بادامی آنکھوں کی چمک نے لیزا کو اپنا اسیر بنا ہی ڈالا۔

فہام جیسے سرپھرے کو بھی لیزا کی حسن و ذہانت نے چاروں خانے چت کر دیا 'پراثر مغربی لب و لہجہ 'دل آویز چہرہ 'سرو قد 'پرکشش قامت اور سحر طراز سرمئی آنکھیں 'اس کے ذہن میں بس گئیں۔ لیزا جب بدیسی انداز میں کھڑی کھڑی اردو بولتے ہوئے اس کا نام بگاڑ کر "فیم" پکارتی تو وہ ان لمحات کو بہت انجوائے کرتا۔

فہام کے لاشعور میں کہیں یہ برتری بھی مسکاتی کہ لیزا کے اردگرد پروانوں کا ڈھیر لگا ہونے کے باوجود وہ اس کی توجہ حاصل کرنے میں ہمیشہ کامیاب رہتا۔ اس کی انا کو عجب سی لذت اور تسکین حاصل ہوتی۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے یہاں طویل قیام کے پیچھے کام کے علاوہ فہام کی ذات بھی جڑی ہوئی ہے۔

☆ ☆ ☆

"ویدا... ویدا... کیسی ہو؟" باتوں کی آواز پر فہام ڈرائنگ روم میں داخل ہوا۔ بہن کو سامنے بیٹھا دیکھ کر کھل اٹھا 'اسے خود سے لگا کر بال چوم لیے۔

"میں تو ٹھیک ہوں... مگر تم پہلے سے دبلے دکھائی دے رہے ہو 'کیا وہاں ٹھیک سے کھانا پینا نہیں ملتا تھا؟"

ویدا نے بغور دیکھتے ہوئے پریشانی سے پوچھا تو وہ بہن کی فکرمندی کو ٹالتا ہوا 'بھانجوں کو باری باری گود میں اٹھا کر ان کے بال بگاڑ کر پیار کرنے لگا۔

"ریاض بھائی آپ سنائیں کیا حال ہے؟" اس نے بہنوئی سے ہاتھ ملایا تو وہ مسکرا کر سر ہلانے لگے۔

"ارے... آج کل تو تم لوگ طائلہ کی شادی کی تیاریوں میں بہت بزی ہو گئے 'کون سی ڈیٹ فکس ہوئی ہے؟" ادھر ادھر کی باتوں کے دوران فہام نے بہن اور بہنوئی کو بیک وقت دیکھتے ہوئے مسکرا کر سوال کیا 'مگر ریاض سے اخلاقاً" بھی مسکرایا نہیں گیا۔ وہ معذرت کرتے ہوئے وہاں سے اٹھ کر باہر نکل گئے۔ ہنستے مسکراتے ماحول میں ایک دم جیسے دراڑ سی پڑ گئی۔

"کیا میں... نے کوئی غلط بات پوچھ لی؟" فہام بڑبڑایا 'اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ اچانک کیا ہو گیا۔ سب خاموش کیوں ہو گئے۔

"ویدا سب خیریت تو ہے۔" وہ بہن کے پاس بیٹھ کر فکرمندی سے پوچھنے لگا۔

"مما آپ نے بھائی سے ابھی تک بات نہیں کی؟" ویدا نے تھوڑی سی ناراضی سے ماں کو دیکھ کر الٹا سوال کیا۔

"نہیں بیٹا موقع ہی نہیں ملا میں اس سے بات کرنے کمرے میں گئی 'پیچھے سے پڑوسن ملنے آ گئیں۔ بات وہیں کی وہیں رہ گئی۔" اسری نے ہاتھ ملتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔ فہام نے پزل ہو کر کبھی ماں اور کبھی بہن کو دیکھا۔

"کون سی بات...؟" فہام ان بوجھ بجھارتوں پر ماتھا پیٹنے لگا۔

"ہونہہ... سنی فہد... اندر جاؤ اور آپا اماں سے چاکلیٹ ملک بنوا کر پی لو" ویدا نے بھائی کو صبر کرنے کا اشارہ کیا اور بچوں کو وہاں سے بھگایا۔

"طائلہ کا پھر سے کوئی مسئلہ تو نہیں ہو گیا؟" فہام کا ضبط جواب دے گیا تو اس نے خود ہی سوچ کے گھوڑے دوڑائے اور پوچھا۔

"ہاں۔۔۔ طائلہ کی انگیجمنٹ ایک بار پھر ٹوٹ گئی ہے۔" اسری بیگم نے ویدا کی اتری صورت دیکھ کر خود ہی بتادیا۔

"کیا۔۔۔ کہہ رہی ہو۔۔۔ نہیں۔۔۔ یہ سب کیسے ہوا؟ شادی میں کتنے کم دن رہ گئے تھے" فہام نے سر تھام لیا' وہ طائلہ سے کئی بار مل چکا تھا' وہ اچھی لڑکی تھی' اسی لیے افسوس ہونے لگا۔

"طائلہ تو بہت سلجھی ہوئی نرم طبیعت کی ہے' شکل وصورت بھی کسی سے کم نہیں تھی' ان فیکٹ اسے سو میں سے اسی نمبر تو دیے جاسکتے تھے' مگر اس کے ساتھ دوسری بار ہونے والا یہ واقعہ یقیناً" گھر والوں اور خود طائلہ کی ذات کے لیے ایک بڑا سانحہ ہوگا' تب ہی ریاض بھائی چپ چاپ اٹھ کر چلے گئے" فہام نے اظہار افسوس کیا۔

"میں ذرا۔۔۔ کچن دیکھ لوں۔" ماں بیٹی نے ایک دوسرے کو کچھ اشارے کیے۔ اسری رات کے کھانے کا بندوبست کرنے کچن کی طرف بڑھ گئیں تو ویدا بھائی کو گھیر کر بیٹھ گئی۔

"ک' کیا۔۔۔ ویدا تم ہوش میں تو ہو۔۔۔ سب کچھ جانتے ہوئے بھی؟" اس کی بات سن کر فہام کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں اور دل بند ہونے لگا۔

☼ ☼ ☼

"باپ رے' اب اس کو کیا کہوں؟" فہام نے اسکرین پر چمکتے نام کو دیکھ کر لائن کاٹ دی' ایک منٹ بعد ہی وہ سریلی رنگ ٹون دوبارہ بجی جو اس نے لز کے لیے مخصوص کر رکھی تھی۔ ٹھنڈی سانس بھر کر سیل فون آف کیا اور بے دلی سے سائڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔ لیزا چونک اٹھی۔ ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ فہام مرزا نے اس سے بات نہیں کی۔

"کہیں۔۔۔ مصروف ہوں گے" اس نے کافی پھینٹتے ہوئے خود کو دلاسا دیا' ورنہ دل گھبرانے لگا تھا۔

لیزا کو صرف اپنے کام سے عشق تھا' مگر اب وہ دو حصوں میں بٹ گئی' ایک کام دوسرا فہام' اکثر سب کچھ گڈمڈ ہونے لگتا تو وہ دل کھول کر اپنے پاگل پن کو انجوائے کرتی۔

"لز۔۔۔ اگر کوئی پاکستانی لڑکا اچھا لگے تو اپنے ڈیڈی کو بے دھڑک بتا دینا۔۔۔ میری خواہش ہے کہ تم شادی کے بعد اپنے وطن میں رہو۔" اس کے کان میں باپ کی سرگوشی گونجتی تو جوانہوں یہاں آنے سے قبل کی تھی۔ ایک پیاری سی مسکراہٹ لبوں کے گرد حصار باندھ لیتی۔

وہ بہت دنوں تک اپنا مزاحمتی خول برقرار نہ رکھ سکی' وہ چیخ گیا۔ اس نے ایک دن فہام کی محبت کا اقرار کر لیا۔ وہ دل کشی سے مسکرایا' اس کے جذبوں کو پہچاننے کے باوجود منوانے کا اپنا مزہ تھا۔

اسے خبر تھی کہ جب وہ لیزا کے ساتھ شہر کے معززین کی کسی تقریب میں شرکت کرنے جاتا ہے تو اس کے اپنے حلقہ احباب سے تعلق رکھنے والے بہت سارے خوبرو کنواروں کی لیزا کی جانب پیش قدمی پر منہ کی کھانے کی وجہ سے' فہام کے لیے دل ہی دل میں رشک وحسد کے جذبات۔ چھپائے۔ کتنی مشکلوں کے بعد مسکرا کر ملتے' ایسے موقعوں پر وہ لیزا کے شانہ بشانہ گردن اکڑائے اندر داخل ہوتا۔

لیزا نے اختیار بیگ سے بھی فہام کا ذکر کردیا۔ وہ پاکستان آنے کو بے چین ہوگئے' مگر اس نے ابھی انتظار کرنے کو کہا۔

دراصل فہام نے اس سے شادی کے بارے میں کچھ نہیں کہا تھا۔ مغرب سے تعلق ہونے کے باوجود۔۔۔ وہ خود سے پرپوز کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی مگر جب سنگاپور جانے سے قبل فہام نے اسے اپنی بہن سے ملوایا اور شادی کا ارادہ ظاہر کیا تو وہ خوشی سے پھولے نہیں سمائی۔ باپ کو فون کردیا۔ فہام کی فیملی سے ان کی ملاقات کا پلان بنانے لگی۔ اختیار بیگ نے لندن میں سمدھیانے والوں کے لیے تحائف کی خریداری شروع کردی۔ دونوں باپ بیٹی اس بات سے بے خبر تھے کہ فہام کے گھر میں ایک نئی کھچڑی پکنا شروع ہوگئی ہے۔

⁂ ⁂ ⁂

طائلہ کی دوسری بار شادی سے پندرہ دن قبل منگنی کا ختم ہونا‘ ریاض احمد کے گھر والوں پر قیامت ٹوٹنے کے مترادف ٹھہرا۔ وہ سب اس کے مستقبل کی وجہ سے ایک دم متوحش ہو گئے۔ گو کہ۔ طائلہ کا... اس معاملے میں ماشے بھر کا بھی قصور نہ تھا‘ پھر بھی اس کا وجود مشکوک نگاہوں کے گھیرے میں آ گیا۔

قصہ پہلی منگنی سے شروع ہوا اور دوسری تک جا پھیلا۔ سفیر عالم‘ ویدا کے پہلے منگیتر‘ کا تعلق اعلا خاندان سے تھا‘ دونوں کی جوڑی بہت سج رہی تھی۔ مگر سفیر عالم کی ”میں“ کی عادت اسے رشتے کے خاتمے کی وجہ بنی۔ وہ منگیتر ہوتے ہوئے بھی شوہر کا کردار ادا کرنے کے خواہشمند تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ طائلہ ان کی مرضی کے مطابق سانس لے۔ وہ اپنے دن رات کے معمول سفیر کی مرضی سے طے کرے... کہیں جائے تو اسے بتا کر جائے... جو رنگ اسے پسند ہوں وہ پہنے... جو چیز اسے ناپسند ہو... وہ طائلہ کو بھی پسند نہیں ہونی چاہیے۔ ویدا کو تو ہونے والے نندوئی پر بہت غصہ آتا... مگر طائلہ جیسی سمجھ دار لڑکی سب کچھ خاموشی سے برداشت کیے جا رہی تھی۔ ریاض احمد اور ثروت کو بھی طائلہ کے سسرال خاص طور پر ہونے والے داماد کا رویہ تشویش میں ڈالے رکھتا‘ مگر اتنی دھوم دھام سے منگنی کی تقریب ہو چکی تھی۔ اس کے بعد بات ختم کرنے کا سوچنے سے بھی... ان کی شرافت پر چوٹ پڑتی۔

بات چھوٹی سی تھی‘ مگر بہت بڑی بن گئی... طائلہ کی کالج فرینڈز نے مل کر اس کے گھر پر دھاوا بولا اور یونہی گاڑی میں بٹھالیا۔ وہ سب منگنی کی ٹریٹ لینے آئے تھے۔ ان سب نے پیزا کھانے کا مطالبہ کیا اور مشہور فاسٹ فوڈ جا پہنچیں۔

یہ‘ پروگرام اتنا اچانک بنا کہ وہ سفیر عالم کو بتا ہی نہیں سکی۔ اس نے سوچا‘ واپسی پر اطلاع کر دوں گی... وہ اپنی فرینڈز کی کمپنی میں بہت خوش ہو رہی تھی۔ سفیر عالم کے حکم پر ان کی جانب سے بھیجی گئی کالی شیشوں والی چادر اوڑھ کر باہر نکلنا اب اس کے لیے ضروری ہو گیا تھا۔ اس وقت بھی‘ وہ کالی چادر میں اپنے دراز قد کے ساتھ خاصی نمایاں ہو رہی تھی۔ ان لوگوں نے اس بات پر اس کا خوب ریکارڈ بھی لگایا۔ مگر وہ اطمینان سے پیزے کا بائٹ منہ میں رکھتی رہی۔

اتفاق سے سفیر عالم بھی اپنے آفس کولیگ کو ساتھ یہیں پر لنچ کرنے آئے ہوئے تھے۔ منگیتر کو یوں سہیلیوں کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف دیکھا تو جل بھن کر رہ گئے۔ غصہ یوں بھی بڑھا کہ پرمیشن کے بغیر کیسے پارٹی ارینج کرلی گئی۔

”مجھے کیوں نہیں بتایا۔“ رات کو کال کر کے طائلہ کی کلاس لگائی۔

”اچانک... پروگرام بن گیا تھا... میں نے سوچا... واپسی پر بتا دوں گی“ وہ کوفت بھرے انداز میں ہمیشہ کی طرح صفائی دینے لگی۔

”اچھا اس طرح تو خاموشی سے کسی لڑکے کے ساتھ ڈیٹ پر بھی جا سکتی ہو۔ مجھے کیا پتا چلے گا۔“ اس میں شک کے ناگ لہرائے۔ وہ چیخا اس بات پر طائلہ سے خوب جھگڑا ہوا وہ جو اس شخص کی بیمار ذہنیت سے تنگ آ چکی تھی۔ اپنے کردار پر اٹھائی جانے والی انگلی کو برداشت نہ کر سکی۔ جی جان سے اپنا دفاع کیا۔ طائلہ کے چیخنے پر اس نے منگنی توڑنے کی دھمکی دی۔ وہ بھی ایسا کچا بندھن نبھاتے نبھاتے تھک گئی تھی۔ جس کے ٹوٹنے کا خدشہ راتوں کی نیند اڑا دے۔ بلا جھجک اجازت دے دی... بس سفیر عالم کی انا کو ایک اور چوٹ پہنچی۔ دوسرے دن ہی سارا سامان واپس آ گیا۔ طائلہ کو تو یقین ہی نہیں آیا۔ کوئی اتنی سی بات پر بھی منگنی توڑ سکتا ہے۔ سب ایک دم سے دکھی ہو گئے۔ بات بنانے کی کوشش بھی کی مگر سفیر عالم کچھ سننے کو تیار ہی نہ تھے۔ مجبوراً ”یہ باب بند کر دیا گیا۔

چند مہینوں بعد دوبارہ کوشش کی گئی۔ ایک رشتہ لگانے والی کے توسط سے... ایک اور رشتہ آیا۔ لڑکا آذر علی... سفیر عالم کے مقابلے میں کمتر تھا۔ خاندان بھی

تھوڑا کم تعلیم یافتہ لگ رہا تھا۔ مگر ثروت پر تو بیٹی کو اپنے گھر کا کر دینے کا بھوت سوار تھا۔ اس پر خاندان والوں کی باتیں۔۔۔

ریاض احمد کو تو یہ لوگ اتنے سمجھ میں نہیں آئے' ویدا نے بھی ساس کو سمجھایا' مگر بلو خالہ نے آذر کی حمایت میں بہن کا دماغ خراب کر دیا ثروت نے سب کی مخالفت کے باوجود فوراً" حامی بھرلی اور جلد شادی پر زور دینے لگیں۔۔۔ ریاض احمد نے اس بار دھوم دھام سے منگنی کی تقریب کرنے سے منع کر دیا۔ سادگی سے رسم ادا ہوگئی۔ طائلہ نے بھی شادی سے قبل آذر سے کسی قسم کا رابطہ رکھنے سے احتراز برتا۔

ہونی کو کون ٹال سکتا ہے۔ شادی سے پندرہ دن قبل اچانک ایک دن آذر کی والدہ سلطانہ بیگم کا فون آ گیا' انہوں نے بڑے روکھے انداز میں وجہ بتائے بغیر شادی سے انکار کر دیا۔ ثروت نے رشتے والی کو بات سنبھالنے کے لیے ان کے گھر دوڑایا تو پتا چلا کہ آذر سفیر عالم کی ایک کزن صفیہ کے شوہر کا چچا زاد بھائی تھا۔ صفیہ ان کے گھر گئی تو آذر کی ہونے والی بیوی کی تصویر دیکھی۔ اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ کیوں کہ وہ خود سفیر کی منگنی میں شریک تھی' اس لیے طائلہ کو پہچان گئی۔۔۔ رشتے والی نے اپنا کمیشن کھرا کرنے کے لیے ثروت کے اصرار کے باوجود طائلہ کی پہلی منگنی والی بات آذر کی فیملی سے چھپالی تھی۔ اب یہ سب سن کر سلطانہ کے پیٹ میں درد اٹھا۔ وہ بیٹے کو ساتھ لیے سفیر عالم کے گھر پہنچ گئیں۔ منگنی ختم کرنے کی وجہ پوچھی۔

"اپنے دہی کو کون کھٹا کہتا ہے" ان لوگوں نے طائلہ پر ایسی انگلیاں اٹھائیں۔ کہ سلطانہ۔۔۔ کانوں پر ہاتھ رکھتیں۔۔۔ واپس لوٹیں اور آذر کے منع کرنے کے باوجود رشتے سے انکار کر دیا۔ یوں طائلہ بے قصور ہوتے ہوئے بھی گناہ گار بن گئی۔

✲ ✲ ✲

"مما۔۔۔ ویدا پاگل تو نہیں ہوگئی ہے۔۔۔ ایک ناممکن بات کو کیسے ممکن بنانے چلی ہے" فہام کو زندگی میں پہلی بار بہن پر شدید غصہ آیا تو ماں سے شکوہ کر بیٹھا۔

"بیٹا۔۔۔ تمہاری بہن بڑی امید لے کر آئی ہے' اسے مایوس نہ کرنا" اسریٰ بیگم نے بیٹے کا ہاتھ تھام کر بڑی عاجزی سے کہا' انہیں بیٹے کی اتری صورت سے زیادہ بیٹی کی نم آنکھوں نے بے قرار کیا ہوا تھا۔

"مگر۔۔۔ مما آپ سب کچھ جانتے ہوئے میرے ساتھ۔۔۔ ایسا کیسے کر سکتی ہیں؟" فہام نے سر اٹھا کر ماں سے شکوہ کیا۔

"صرف ایک بار سب کچھ بھول جاؤ۔۔۔ صرف ویدا کے بھائی بن کر سوچو۔" اسریٰ بیگم نے بیٹے سے درخواست کی تو وہ جھرجھری لیتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

"اوہ آپ بھی میرے ساتھ نہیں۔" وہ ماں کی جذباتی بلیک میلنگ پر بھنا اٹھا' پر مزید خود کو کچھ کہنے سے روکا۔

"فہام تم کیوں نہیں سمجھ رہے۔۔۔ وہ بہت الجھن میں ہے" ماں کی آنکھوں سے بہتے درد اور مجبوریوں نے بیٹے کو دباؤ میں لیا۔

"وہ تو ٹھیک ہے۔۔۔ مگر یہ بات تو پہلے ہی کلیئر ہو چکی تھی کہ۔۔۔ میں لیزا سے ہی شادی کروں گا" وہ بلبلا کر کچھ یاد دلانے لگا۔

"بیٹا۔۔۔ عام حالات ہوتے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔۔۔ مگر آج کافی کچھ بدل گیا ہے۔۔۔ تم۔۔۔ اچھی طرح سے سوچ لو' کیوں کہ تمہارا جواب ویدا اور بچوں کی خوشگوار زندگی سے جڑا ہوا ہے" اسریٰ بیگم نے جاتے جاتے اس پر ایک بھاری بوجھ سا ڈال دیا' وہ دیتا چلا گیا۔

✲ ✲ ✲

فہام مرزا' شیو بڑھائے' ملجگے حلیے میں حیران و پریشان پھرتا۔ اسریٰ کا دل بیٹے کی صورت دیکھ کر گھٹتا۔۔۔ مگر انہوں نے خود پر جبر کر لیا۔ حسام مرزا نے شروع میں اس کے لیے خوب فائٹ بھی کی تھی مگر بیوی اور بیٹی کے آگے ہار گئے۔ وہ جیسے تنہا رہ گیا۔

"کیسی کالی گھٹا چھائی ہے کہ شفاف آسمان دیکھنے کو

ترس گیا ہوں۔" اس کا دم گھٹنے لگا، گھنے چمکدار بالوں کو بے دردی سے ہاتھوں میں جکڑا اور ٹیرس پر نکل گیا۔

لزکی محبت اس پر نور کی طرح برس رہی تھی، زندگی میں سکون ہی سکون تھا کہ اچانک یہ کیسا گرہن چھا گیا۔ وہ جو ہمیشہ سے خوشیوں کو اپنے دامن میں سمیٹنے کا عادی تھا، سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اس سچویشن میں کرے تو کیا کرے۔

فضا میں خنکی اپنا اثر دکھا رہی تھی، مگر فہام ہاف آستین کی ٹی شرٹ میں سب سے بے نیاز کونے میں پڑی کرسی کی پشت سے سر ٹکائے گہری سوچ میں گم سردی گرمی سے بے نیاز بیٹھا رہا۔ اسریٰ اور حسام نے بیٹے کو ایسے تنہا ٹیرس پر بیٹھے دیکھا تو اس کی جانب بڑھ گئے۔

وہ اپنی سوچوں میں گم صم بیٹھا رہا۔ اس نے گھر والوں کو چند مہینوں پہلے ہی لیزا کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا اور جلد شادی کا ارادہ بھی ظاہر کیا تھا، زندگی میں نئی روانی آگئی تھی۔ اس وقت تو کسی جانب سے کوئی اعتراض نہیں اٹھایا گیا۔ جوش میں آکر ویدا اور لیزا کی ایک ملاقات بھی کروا دی دونوں بہت اچھے طریقے سے ملیں۔ اچانک طائلہ نے آکر سب کچھ چوپٹ کر دیا۔ اسے ویدا کی نند سے نفرت سی محسوس ہوئی۔

"بیٹا بیمار پڑ جاؤ گے چلو اندر۔"

"اگر مجھے لیزا سے محبت نہ ہوتی تو طائلہ سے شادی کرنے میں کوئی عار نہیں تھا۔ مگر اب یہ بات ناممکن سی لگتی، مجھے اپنی زبان کا بھی پاس ہے۔" اس نے ماں کا ہاتھ تھام کر اپنا موقف سامنے رکھا۔ وہ ہاتھ چھڑا کر اٹھ گئیں۔

"پاپا کوئی تو میرا ساتھ دے۔" اس نے باپ کی جانب بے چارگی سے دیکھ کر دہائی دی۔ وہ بھی نظریں چرا گئے۔ یہاں بیٹی اور داماد کا معاملہ تھا ساتھ دینے کی پوزیشن میں ہی نہیں تھے۔ اس نے ٹھنڈی سانس بھر کر آنکھیں موند لیں۔

کل تک وہ لیزا کی سنگت میں وقت گزارنے کے خیال سے کتنا آسودہ تھا، مگر اب اس کا سامنا کرتے ہوئے بھی شرم محسوس ہوئی، زندگی میں وہ کبھی بھی اتنا مجبور نہیں ہوا، مگر اس وقت ایک ایسے جالے میں پھنستا چلا جا رہا تھا، جس کے تانے بانے اس کے اپنوں کی محبت سے بنے گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

"نہیں ... بھابھی مزید کچھ قابل قبول نہیں ہو گا۔" طائلہ نے ویدا کی بات سنتے ہی انکار کر دیا اور آنسو بہانے بیٹھ گئی۔

"طائی ... چندا کیا ہو گیا ہے؟ یہ رونے کی نہیں ہنسنے کی گھڑی ہے۔" ویدا نے ہتھیلی سے آنسو پونچھتے ہوئے بہلایا۔

"کوئی ... کیوں نہیں سمجھ رہا ... میں نے دو بار ایسی خوشیوں بھری گھڑی کو جھیلا ہے، جس کا انجام بڑا بھیانک نکلا ... آپ سب سے اب ایک ہی التجا ہے۔ میری زندگی کو مزید کھلونا نہیں بنائیں، میں شادی کیے بغیر بھی خوش رہ سکتی ہوں" طائلہ کے ماضی کا آسیب اس پر حاوی ہونے لگا، اس نے روتے ہوئے سب کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔

"طائلہ بچی تم اتنی ضدی تو کبھی نہیں تھیں آج حقیقت کا سامنا کیوں نہیں کر پا رہیں؟" ثروت نے بیٹی کو سمجھانا چاہا۔

"امی ... ایک زبردستی کا رشتہ ... یہ ہے وہ حقیقت؟" طائلہ نے رنج سے پوچھا۔

"کون سی زبردستی ... بھو اپنی مرضی سے یہ سب کر رہی ہیں۔ ایک بات جان لو۔ تمہارے سر سے باپ کا سایہ برسوں قبل اٹھ چکا ہے، میری زندگی کا بھی کچھ بھروسا نہیں، اتنی بیمار رہنے لگی ہوں، دل کو یہ ہی ہول اٹھتے ہیں کہ کل کو میں نہ رہی تو تمہارا کیا بنے گا۔" ثروت کا لہجہ غموں سے چور چور ہوا۔

"یہ تو کوئی فلسفہ نہ ہوا، کچھ پتا نہیں کہ آپ سے پہلے میں مرجاؤں" طائلہ نے ماں کو دیکھ کر کہا تو وہ اس بات پر تڑپ اٹھیں۔

"بھنو.... اس لڑکی کے دماغ کا کوئی پرزہ ڈھیلا ہو گیا ہے' جب ہی عجیب و غریب باتیں کر رہی ہے" بلو سے زیادہ دیر بھابی کے نخرے برداشت نہیں ہوئے تو ہاتھ نچا کر اسے لتاڑا اور گلوری بنا کر گلے میں دبائی' انہیں ہر تھوڑی دیر بعد پان چھالیہ منہ میں دابنے کا ایسا چسکا تھا۔

"طائی کچھ تو سوچو.... تمہاری بھابی کتنی اچھی اور مخلص ہے۔ جوان حالات میں بھی۔ اپنے بھائی کا رشتہ لے آئی.... آج کل کے دور میں کون اس طرح سے سوچتا ہے۔ کم از کم اس کا ہی مان رکھ لو۔ بس تمہاری ہاں کی دیر ہے' وہ لوگ منگنی کرنے کو تیار بیٹھے ہیں۔" ثروت نے بیٹی کا ہاتھ تھام کر التجا کی' طائلہ کو ماں کی پریشانیوں کا اندازہ تھا مگر وہ اپنے خوف کا کیا کرتی' جو اس کے اندر پنجے گاڑے بیٹھا تھا۔

"اف.... تیسری منگنی کوئی میرے جذبات بھی تو سمجھے" طائلہ سر سے پیر تک تھرا اٹھی۔

"اچھا ٹھیک ہے اس بار منگنی جیسا کچا بندھن نہیں۔ ڈائریکٹ نکاح کی ڈیٹ طے کر لیتے ہیں' رخصتی سال بھر بعد ہو جائے گی۔ جب تک اوپر والا فلور بھی تیار ہو جائے گا۔ جہاں فہام کی دلہن رہے گی.... بولو اب تو خوش ہو" ویدا جو خاموشی سے ماں بیٹی کے مکالمے سن رہی تھی۔ ایک دم فیصلہ کن انداز میں بولی تو ثروت کے چہرے پر خوشیوں کا عکس جگمگا اٹھا۔

"بھابی.... مجھے شادی کرنی ہی نہیں ہے۔" طائلہ نے چڑ کر جواب دیا۔

"بیٹا فہام بہت اچھا لڑکا ہے' مجھے پوری امید ہے کہ اس بار قسمت تمہیں مایوس نہیں کرے گی' اپنے بھائی بھابی کا مان رکھ لو' بس ہاں کر دو۔" ریاض احمد جو تھوڑی دیر قبل کمرے میں آئے تھے' ساری بات سننے کے بعد بہن کے سر پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے التجا کی۔

"اچھا.... ٹھیک ہے جیسی آپ سب کی مرضی" باپ جیسے بھائی کا گڑگڑانا' مار گیا' طائلہ نے نہ چاہتے ہوئے بھی سر جھکا دیا۔ یوں لگا کہ اس فیصلے کے بعد وجود کئی ٹکڑوں میں بٹنے لگا ہو۔

"واہ بھنو' مبارک ہو۔" بلو خالہ نے سرد تا پاندان پر پٹخا اور دوڑ کر بہن کو گلے لگایا۔ ویدا نے آگے بڑھ کر سسکیاں بھرتی ہوئی طائلہ کو سنبھالا اسے پانی پلاتے ہوئے فاتحانہ نگاہوں سے بلو خالہ کو دیکھنے لگی' جو آج کل اس سے دبنے لگی تھیں۔ ریاض نے بھی اتنا بڑا معرکہ سر ہونے پر سکون کی سانس بھری اور بیوی کو پیار سے دیکھا۔

☼ ☼ ☼

لیزا اور فہام' ریسٹورنٹ میں ایک ہی میز پر بیٹھے ہونے کے باوجود الگ الگ محسوس کر رہے تھے۔ فہام نے زبردستی ہونٹوں پر مسکراہٹ سجا کر بغور اس کے حسین چہرے کو دیکھا جہاں دکھ کے کالے بادل چھائے ہوئے تھے۔

"لز تم تو یہ بات سن کر خاموش ہو گئی ہو.... کچھ تو کہو۔" اس نے خود سے خاموشی توڑی۔

"نہیں وہ ایکچویلی...." لیزا نے اتنا کہہ کر بات ادھوری چھوڑی اور دوسری طرف دیکھنے لگی۔

"چلو کہنے کو کچھ اور نہیں.... تو مجھے برا بھلا ہی کہہ دو۔" وہ اذیت بھرے انداز میں بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بولا۔

"مجھے سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اس سچویشن میں کیا کہوں" لیزا نے دھیرے سے جواب دیا اور شوز کی نو فرش پر ماری۔

"ساری بات.... یہ ہی ہے.... میری بہن کی خاطر یہ منگنی کرنا ضروری ہو گئی ہے" وہ مجبوریاں سناتا اسے ایک نہیں بھایا' لیزا نے اسے ناراضی سے گھورا۔

"تو کیا جدائی کا وقت قریب آ گیا؟ اس نے سوالیہ نظروں سے فہام کی طرف دیکھتے ہوئے سوچا' وہ نگاہوں کی زبان سمجھ گیا۔

"نہیں.... میں نے کچھ اور سوچا ہے۔" اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے جھک کر کہا۔

"ایسا لگتا تھا کہ تمہاری رفاقت میں زندگی آرام سے گزر جائے گی مگر...." وہ نگاہ پھیرتے ہوئے' کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"ڈیئر ایسا ہی ہو گا۔" وہ اپنے آپ میں شرمندہ ہونے لگا' محبت کے سارے دعوے جو دھرے رہ گئے۔

"او کے۔ تم نے کیا کچھ اور سوچا ہے..." اس نے شانے اچکا کر بے نیازی ظاہر کی۔

"اچھا... ایک بات غور سے سنو... اس معاملے میں مجھے تمہارے تعاون کی ضرورت ہو گی۔ بس میرا اعتبار کرنا... یہ مشکل گھڑی بھی گزر جائے گی" وہ ماتھے پر انگلی پھیرتے ہوئے بولا۔

"کون سا ٹرسٹ؟ اگر آپ کی نیت صاف ہوتی تو آج یہ نوبت ہی نہ آتی۔" وہ ہونٹ چبا کر بولی پھر ناراض ناراض سی جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

فہام نے اس کا ہاتھ پکڑ کر دوبارہ بٹھایا۔

"لز... میری نیت پر شک نہ کرو سوچو اگر میں تم سے جدا ہونا چاہتا تو کیا مشکل تھا؟ ایک فون پر سب بتا کر جان چھڑا لیتا... ایک گھنٹے سے بیٹھا تمہاری منتیں نہیں کر رہا ہوتا۔" وہ بھی جھنجلا کر بولا۔ لیزا تھوڑی ٹھنڈی پڑی۔

"او کے... بولیں کیا کہنا چاہتے ہیں" وہ کھوئے کھوئے انداز میں پوچھنے لگی۔ فہام کسی اور کا ہونے چلا تھا۔ یہ بات دل دکھائے جا رہی تھی۔

"دیکھو فی الحال میں انگیج منٹ کر لیتا ہوں مگر اس کے بعد..." وہ دھیرے دھیرے بولنے لگا اور لیزا بغور اس کے چہرے کے تاثرات دیکھتی رہی۔

☆ ☆ ☆

گلابی دوپٹے کے ہالے میں' دلکش نقوش سے مرصع صندلی چہرہ' حیا کی دھیمی سرخی کی لو سے دمک اٹھا' حنائی انگلیوں کی مہک' کالی بھنورا سی خوب صورت آنکھیں' جن پر گھنی پلکوں نے سایہ کیا ہوا تھا' مہارت سے بنایا گیا' گھنے سیاہ بالوں کا سوئس رول اور اس پر لگائے گئے پھولوں کی مہک گویا فہام مرزا کو بس میں کرنے کی ساری تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔ مگر وہ تو پہلے ہی کسی اور کے بس میں تھا۔

"چلو تم دونوں تھوڑی سی بات چیت کر لو میں جب تک باہر کھڑی ہوں۔" فہام کی نہ نہ کو خاطر میں لائے بغیر ویدا' ہنستی مسکراتی بھائی کو گھسیٹتی اس کمرے کی طرف لے آئی' جہاں نکاح کی تقریب ختم ہونے کے بعد دلہن بنی طائلہ کو بٹھا دیا گیا۔

"آج میری زندگی کا خوشگوار ترین دن ہے۔" ویدا نے دونوں کو ساتھ کھڑا کر کے نوٹ وارے' مسرت اس کے انگ انگ سے پھوٹی پڑ رہی تھی۔

"میری نند کو زیادہ تنگ نہیں کرنا۔" وہ دروازے کی جانب بڑھتے ہوئے شرارت سے بولی۔

"اف..." بہن کے بے محل مذاق پر فہام نے غصے میں گھورا تو وہ فوراً باہر نکل گئی۔

کیسی دل جکڑ لینے والی رات تھی' لگتا تھا' سب کچھ تھم سا گیا ہے' طائلہ اس کی منکوحہ کے روپ میں بیٹھی' اسے متوجہ کرنے میں ناکام رہی' فہام کے دل کی دھڑکن تو لیزا کے نام کی مالا جپنے میں مگن تھی' اسے اپنی بہن ویدا پر بھی بہت غصہ آ رہا تھا' جس نے منگنی کا جھانسہ دے کر اپنی نند سے شرعی رشتہ جوڑنے پر مجبور کر دیا' تقریب والے دن شیروانی پیش کرتے ہوئے نکاح کی خبر دی۔ وہ تو اکڑ گیا' مگر ماں بہن کے آنسوؤں نے مجبور کر دیا۔ کچھ گھنٹوں قبل سادگی سے نکاح کی تقریب انجام پائی اور اس کے لیزا سے محبت کے دعوے... ریت کے محل کی طرح بھر بھرا کر زمین بوس ہو گئے۔

فہام کی غائب دماغی نے طائلہ کو پریشانی میں مبتلا کر دیا۔

"میں... ہی ساری فساد کی جڑ ہوں" طائلہ کو اس کی خاموشی سے وحشت محسوس ہوئی خود پر غصہ آیا۔

"یہ کیا ہوا؟" فہام نے چونک کر پوچھا۔ ایک دم اندھیرا چھا گیا' لائٹ جو چلی گئی" اس نے فوراً" جیب سے اپنا لائٹر نکال کر جلایا۔ دھیمی لو دیتی روشنی کا عکس طائلہ کے دوپٹے پر لگے گھنگھرو سے منعکس ہو کر جھلملا اٹھا' فہام نے نگاہ بھر کر دیکھا' اچانک لیزا دلہن بنی بیٹھی دکھائی دی۔ وہ ایک لمحہ کو مبہوت سا اسے تکتا رہ گیا'

سرشاری سے قدم بڑھائے تو طائلہ شرما گئی۔ اچانک لائٹ آجانے سے کمرے میں روشنی پھیل گئی اور وہ رومانوی ماحول کے فسوں سے آزاد ہوا۔ لیزا کا عکس غائب ہو چکا تھا۔ وہ تیزی سے مڑا اور دروازہ دھکیلتا ہوا باہر نکل گیا۔

ایسی بے اعتنائی پر طائلہ منہ پر ہاتھ رکھے فق سی رہ گئی' ویدا بھائی کے بگٹٹ بھاگنے پر اندر داخل ہوئی' نند کے چہرے پر پھیلے تاثرات نے اُسے ایک نئی فکر میں مبتلا کر دیا۔

☼ ☼ ☼

فہام نے گلاب کا موٹا سا ہار توڑ مروڑ کر ڈسٹ بن میں پھینکا۔ شیروانی کے بٹن کھولے' اسے بے دردی سے اتار کر ہینگر کیا' آرام دہ کرتا پاجامہ پہنا' سلیم شاہی جوتے کو پاؤں سے نکال کر دور پھینکا۔ آرام دہ سلیپر پہنے اور خود پر قابو پاتے ہوئے ماں کے کمرے کی جانب بڑھا۔ اسریٰ نے اپنے پیچھے آہٹ محسوس کی تو مڑ کر دیکھا' بیٹے کی سنجیدہ صورت دیکھ کر اندر سے گھبرائیں' وہ اس لمحے سے بچنے کی کتنی دعائیں مانگ رہی تھیں' مگر سب رائگاں گئیں۔

''مما۔۔۔ آپ اچھی طرح سے جانتی تھیں کہ میری زندگی میں لیزا کے سوا کسی دوسری لڑکی کی کوئی گنجائش نہیں ۔۔۔ پھر بھی آپ نے اور ویدا نے مل کر میرے ساتھ ایسا کھیل کھیلا؟'' فہام آنکھوں میں دنیا بھر کے شکوے بھرے مقابل کھڑا سوال جواب کر رہا تھا۔

''مجھے جواب دیں۔'' اس کا ضدی پن عروج پر تھا اسریٰ اندر سے بے چین ہوتے ہوئے بھی بظاہر پرسکون بیٹھی رہیں۔

''بیٹا۔۔۔ میں بہت مجبور ہو گئی تھی۔ طائلہ کی زندگی خراب ہونے جا رہی تھی'' انہوں نے سر اٹھا کر اپنے لمبے چوڑے خوبرو بیٹے کو دیکھا اور ٹھنڈی سانس بھر کر صفائی پیش کی۔

''طائلہ سے اتنی انسیت کہ آپ نے اپنے بیٹے کی زندگی کی ہر خوشی چھین لی'' وہ اپنے لہجے کی تلخی کو چھپا نہیں سکا۔

''بیٹا مجھے تم سے بہت محبت ہے اور جانتی ہوں کہ میرا بیٹا کتنا مضبوط ہے۔ مگر تمہاری بہن ویدا بہت چھوٹے اور کمزور دل کی مالک ہے۔ وہ اپنے سسرال میں جاری چپقلش زیادہ دنوں تک سہار نہیں پاتی۔ ہم نے بہت سوچنے کے بعد یہ قدم اٹھایا۔'' اسریٰ بانو نے اپنا موقف بیان کیا' مگر وہ اس بات پر قائل نہ ہو سکا۔

''میں اس بات کو نہیں مانتا یہ کوئی جہالت کا دور نہیں کہ بہو کو سسرال میں مجبوریوں کا سامنا ہو۔ ویدا ایک پڑھی لکھی لڑکی ہے۔ اپنے حقوق کے لیے لڑ سکتی تھی۔ میں جانتا ہوں کہ ۔۔۔ ریاض بھائی بہت اچھے آدمی ہیں۔ وہ اس معاملے میں بیوی کا ساتھ دیتے۔۔۔ کم از کم مجھے تو یوں قربانی کا بکرا نہیں بنایا جاتا'' وہ درشتی سے بولتا چلا گیا۔

''زمانہ بدل گیا ہے۔ مگر بعض معاملات میں انسان کی سوچ ایک ہی جگہ پر ٹھہری ہوئی ہے' خاص طور پر جہاں خونی رشتوں کے مفاد کا معاملہ ہو'' اسریٰ نے بیٹے کو دبے لفظوں میں سمجھانا چاہا' کھل کر کیسے بتاتیں۔

''شاید آپ لوگوں کو مجھ سے محبت ہی نہیں۔'' وہ بچوں کی طرح مچلا۔

''نہیں جان مگر میں کیا کرتی۔ بیوی پر جاں نثار کرنے والے ریاض احمد نے شادی کے اتنے سالوں بعد بھی بیوی کو دبے لفظوں میں گھر بھجوانے کی دھمکی دی تھی۔'' اسریٰ نے راز پر سے پردہ اٹھایا اور پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔

''کیا۔۔۔ میں ریاض بھائی سے اس سلسلے میں بات کروں گا۔۔۔ یہ تو میری بہن کے ساتھ زیادتی ہے۔'' وہ ایک دم بھڑ اٹھا۔

''فہام اس بات کو یہیں دبا رہنے دو۔۔۔ کبھی بھولے سے بھی منہ سے نہیں نکالنا۔۔۔ ویدا نے تو مجھے سختی سے تمہیں بتانے کو منع کیا تھا اس طوفان پر بڑی مشکل سے بند بندھا ہے۔ تمہارا جذباتی پن پورے خاندان کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔'' اسریٰ نے بیٹے کا ہاتھ تھام کر

التجا کی۔

"ٹھیک ہے میں اس بارے میں کسی سے بات نہیں کروں گا مگر ایک بات بتادوں۔ اب وہ لڑکی میری زندگی میں آتو گئی ہے۔ مگر اس کی کوئی حیثیت نہیں' یاد رکھیے گا مجھے لیزا سے شادی کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا" فہام کی انا کو چوٹ پہنچی۔۔۔ وہ ہاتھ پر مکا مارتا ہوا بولا۔

"طائلہ کا ذکر اس طرح سے نہ کرو۔ ان سب باتوں میں اس کا کیا قصور۔ وہ بہت پیاری بچی ہے اور اب نہ صرف اس گھر کی بہو بلکہ تمہاری بیوی بھی ہے۔"

اسریٰ بانو کے ماتھے کی سلوٹ ابھری' یہ یاد دہانی ضروری ہو گئی۔

"وہ اس گھر کی بہو تو اس وقت بنے گی۔ جب میں رخصتی کراؤں گا ایک مرضی ریاض بھائی نے کرلی۔ ایک مجھے کرنے دیں۔" فہام نے ماں کی طرف دیکھے بنا بات مکمل کی اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ اسریٰ بیگم کو یوں لگا جیسے پورے بدن کا خون نچڑ گیا ہو۔

☼ ☼ ☼

سبزے کی باس ماحول میں بسی ہوئی تھی' پورے ایک ہفتے بعد وہ اپنے پسندیدہ اسپورٹس کلب کے سبزہ زار میں کافی پینے آئے تھے۔ زیتونی رنگ کا اونچا کرتا' بلیک جینز' سانچے میں ڈھلے جسم پر بہت جچ رہی تھی' سنہری بالوں کی اونچی پونی ٹیل میں سے نکلتی ہوئی لٹیں' دودھیا وجود اور اس سے چھلکتی نزاکت' مومی نازک سی ایک دوسرے میں پیوستہ انگلیاں' کپکپاتے گلابی لب' جنہیں اس نے کبھی بھی لپ اسٹک سے رنگ کر بے رنگ نہ کیا۔ اس کا رواں رواں' بے چین ہوا تھا' گھنی پلکیں اٹھا کر اپنے محبوب کو دیکھا' جس کا سر پہلی بار جھکا ہوا محسوس ہوا۔

"فیم آپ۔۔۔ نے تو کہا تھا کہ اس لڑکی کو جسٹ انگیج کریں گے اور سال دو سال بعد کوئی اچھا لڑکا ڈھونڈ کر اس کی شادی کروادیں گے" لیزا نے بڑے سکون سے اس کا منصوبہ یاد دلایا' وہ جس سیٹ پر تھی'

اکثر ناموافق حالات میں اپنے غصے پر قابو پانا پڑ جاتا' وہ ہی ٹریننگ اس وقت کام آئی' ورنہ دل چاہ رہا تھا کہ جاہل عورتوں کی طرح بین کرتے ہوئے اس کی اور اپنی جان ایک کردے۔

"ہاں کہا تو تھا۔۔۔ مگر۔۔۔" وہ صفائی دیتے ہوئے ایک دم خاموش ہو گیا' گہری آنکھوں سے نکلتا اور دھواں بن کر آس پاس پھیلنے لگا۔

"سو۔۔۔ فیم آپ کے پاس کوئی سولڈ ریزن نہیں؟" لیزا نے اپنے مخصوص انداز میں بھنویں اچکا کر دیکھا' ان دونوں نے ایک ساتھ کپ اٹھایا اور جھاگ دار کافی کا سپ لیا۔

"سب کچھ اتنا اچانک ہوا کہ میں مجبور ہو گیا۔۔۔" فہام اپنے تاثرات چھپا سکتا تھا' پر لیزا کی عدالت میں کوئی بہانہ بنائے بغیر سچائی سے پورا واقعہ سنا دیا۔ پھر اس کی جانب دیکھا' کپ سے اٹھتی بھاپ' ماحول کی سحر انگیزی میں اضافہ کررہی تھی۔

"مرد۔۔۔ کبھی مجبور نہیں ہوتا۔۔۔ خیر میری کل پاپا سے بات ہوئی تھی۔۔۔ انہیں یہ سب سننے کے بعد مجھے فوراً" واپس آنے کا کہا ہے۔۔۔ ان کے پاس میرے لیے وہاں دو تین اچھے پرپوزل ہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ میں بھی اپنی شادی کو لے کر سنجیدہ ہو جاؤں" لیزا نے بڑے اطمینان وہ ہی چوٹ پہنچائی' جو پچھلے کئی دنوں سے وہ اپنے دل میں چھپائے نارمل بی ہیو کررہی تھی' اس کی توقع کے مطابق وہ ایک دم بھڑ اٹھا۔

"لز۔۔۔ اگر تم نے کسی اور کا ہونے کے بارے میں سوچا بھی تو میں تمہیں جان سے ماردوں گا۔" فہام اٹھ کر اس کے بہت نزدیک آگیا اور بالوں کی سنہری لٹ کھینچ کر غصہ میں بولا۔

"ویری نائس۔۔۔ آپ خود کسی اور کے ہو گئے۔۔۔ اور مجھے پابند بنا رہے ہیں' سوچا ہے کہ میرے دل پر کیا گزرتی ہو گی" وہ دھیرے سے شکوہ کر بیٹھی' فوراً" ہی اپنے ہاتھ اس کے چوڑے سینے پر رکھ کر پیچھے دھکیلا اور منہ موڑ کر اپنی لرزش پر قابو پانے لگی۔

"وہ لڑکی میری زندگی میں داخل ضرور ہوئی ہے' مگر

تمہارے مقام تک پہنچنا' اس کے بس کی بات نہیں ... تھوڑا سا وقت اور دے دو تو میں اس مسئلے کا کوئی ایسا حل ڈھونڈ نکالوں جو سب کے لیے قابل قبول ہو۔"

فہام نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر تسلی دی۔

"میں ... صرف تمہارا ہوں ..." وہ آنکھوں میں چاہت کے دیے جلا کر اسے اپنے ہونے کا یقین دلانے لگا۔

"اب کچھ نہیں ہو سکتا ہے۔ ایسا کرو کہ۔ تم مجھے چھوڑ دو" لیزا نے اسے آزمایا۔ وہ دو دن سے سوئی نہیں تھی' فہام کے نکاح کی خبر نے اس کی نیندیں اڑا دیں' اس کے باوجود نیند کی دوا لینے کے بجائے' ایسی یقین دہانیاں چاہتی تھی۔

"سنو... مجھے تم سے بہت محبت ہے... میں تمہیں چھوڑ کر زندہ نہیں رہ سکتا... ایک کام کرتے ہیں۔ نکاح ہی ہوا ہے ... رخصتی تو نہیں ... اب بھی کوئی اچھا لڑکا مل جائے تو ..." فہام نے اسے تسلی دیتے ہوئے بے سوچے سمجھے ایک بات کہی ... لیزا کے چہرے کا رنگ کم ہونے لگا۔

"تم سچ کہہ رہے ہو نا۔" وہ پرسکون ہو کر اس کے چہرے پر اپنی چاہت تلاش کرنے لگی۔

"بالکل سچ ... میں تمہیں خود سے الگ ہونے نہیں دوں گا" فہام نے اس کا ہاتھ تھام کر زور سے دبایا' لیزا کے وجود پر افشاں بکھرنے لگی۔

☆ ☆ ☆

"اچھا ... مما آپ پریشان نہ ہوں میں کل چکر لگاتی ہوں" ویدا نے ماں کی ساری بات سننے کے بعد گھبرا کر لائن کاٹ دی اور کچھ سوچ کر ساس کے کمرے کی جانب بڑھی۔

"امی ... اگر آپ اجازت دیں تو میں طائلہ کو ایک دو دن کے لیے مما کے پاس چھوڑ آؤں۔" وہ بیڈ پر ان کے برابر میں بیٹھ کر بولی۔

"بہو یہ کیسی باتیں کر رہی ہو؟" ثروت اس کی انوکھی بات پر چونک اٹھیں۔

جب سے بیٹی کا نکاح ہوا تھا' ان کی بیماری اڑن چھو ہو گئی' ابھی بھی وہ چنے کا حلوا بنانے کی تیاری میں لگی تھیں۔

"دراصل کچھ دیر پہلے مما کا فون آیا تھا' پاپا کی طبیعت کچھ خراب ہے' بچوں کے پیپرز ہو رہے ہیں ورنہ میں جا کر رک جاتی۔ اب وہاں کسی ذمہ دار کی ضرورت ہے۔" ویدا نے تفصیل بتائی۔

"نہیں ... بیٹا' رخصتی سے پہلے یہ بات کچھ مناسب نہیں لگتی۔ دنیا کیا کہے گی" ثروت نے چنے کی دال کا تھال ایک طرف رکھا اور بہو کو **جھجکتے** ہوئے انکار کر دیا۔

"میں بھی ان نزاکتوں کو سمجھتی ہوں' مگر مسئلہ یہ ہے کہ' آپا اماں ایک ہفتے کی چھٹی لے کر اپنے گاؤں چلی گئی ہیں' مما... پاپا کی تیمارداری کریں' ان کے لیے پرہیزی کھانے بنائیں یا گھر کے دوسرے کام دیکھیں۔ ایسے وقت میں طائلہ کا وہاں ہونا' اس کی اہمیت کو گھر والوں خاص کر بھائی کی نگاہ میں اجاگر کرے گی۔ باقی دنیا کی تو رہنے دیں... وہ تو کسی حال میں خوش نہیں رہتی' ہمیں تو بس اپنوں کی خوشیوں کی فکر ہونی چاہیے" ویدا کا معنی خیز انداز انہیں بہت کچھ سمجھا گیا۔ پھر بھی ثروت سوچ میں پڑ گئیں۔

"اگر تم لوگ اتنے ہی پریشان ہو تو' طائی کی رخصتی کے لیے اتنا وقت کیوں مانگا' ہماری تو پوری تیاری ہے' ہفتے بھر میں رخصت کرا کر لے جاؤ۔ تمہارے سارے مسئلے یوں حل ہو جائیں گے" بلو خالہ جو دروازے کے باہر سے کن سوئیاں لے رہی تھیں' ایک دم کمرے میں داخل ہوئیں اور چٹکی بجا کر بولیں۔

"باجی ... جو بات طے ہو چکی ہے' اسے نہ چھیڑیں ... ویسے بھی بہو کے گھر والوں نے کچھ سوچ کر ہی ایک سال کا وقت مانگا ہو گا" ثروت اب اکثر ویدا کی طرف داری میں بہن کو ٹوک دیتیں' اس وقت بھی ایسا ہی ہوا ... بلقیس منہ بگاڑ کر کونے میں جا کر بیٹھ گئیں۔

"طائلہ کو پتا چلا تو ایک ہنگامہ مچا دے گی" ثروت نے نیم رضامندی ظاہر کرتے ہوئے خدشہ ظاہر کیا۔

"اس کی فکر نہ کریں... میں معاملہ سنبھال لوں گی... اب تو رات ہو چکی ہے۔ ہم لوگ کل وہاں جائیں گے" ویدا نے اجازت ملتے ہی جوش سے کہا۔ اب اسے شوہر کی اس بات کے لیے منانا تھا۔

"میں طائلہ کو ایک دو دن کے لیے مما کے گھر رہنے کے لیے بھیج رہی ہوں" ساس راضی ہو گئیں تو رات کو سونے سے قبل میاں جی کی عدالت میں مقدمہ پیش کیا اور۔ وہ اکڑ گئے۔

"کیا طائلہ ابھی سے جا کر سسرال میں رہے گی... بالکل نہیں" ریاض نے صاف انکار کر دیا۔

ویدا بھی کمر کس کے میدان میں کود پڑی۔ باپ کی بیماری، ماں کی تنہائی، بھائی کی مصروفیت اور اپنی مجبوریوں کو ایسا دردناک نقشہ کھینچا کہ ریاض کو مانتے ہی بنی۔

☼ ☼ ☼

"چلو، جلدی سے یہ سوٹ پہن کر تیار ہو جاؤ۔" ویدا نے طائلہ کی وارڈ روب میں سے ایک اسٹائلش سوٹ نکال کر اسے واش روم کی طرف دھکیلا۔ وہ بچوں کے اسکول سے واپس آتے ہی میکے جانے کی تیاریوں میں مصروف ہو گئی تھی۔

"خیریت تو ہے... کہاں جانا ہے؟" طائلہ ان سب باتوں سے بے خبر... حیران ہو کر پوچھنے لگی۔

"پاپا کی طبیعت ٹھیک نہیں... ہم انہیں دیکھنے جا رہے ہیں" ویدا نے اس کے کپڑوں میں سر گھسا کر جواب دیا۔

"وہ... بھابھی... کیا میرا وہاں جانا مناسب ہو گا۔" سسرال جانے کے نام پر اس کا دل دھڑکا، جھجک آڑے آئی تو نگاہیں جھکا کر پوچھا۔

"لڑکی تم پر بھی سسر کی مزاج پرسی فرض ہے کہ نہیں؟" ویدا نے شوخی سے کہا تو وہ شرما کر واش روم میں گھس گئی۔

"اچھا... ہم جا رہے ہیں۔" وہ سب دس منٹ میں باہر نکل گئے، ویدا نے ساس کے کمرے میں جھانک کر اطلاع دی۔

"بلو... میں تو کہتی ہوں اللہ سب کو ایسی اچھی بہو سے نوازے" ثروت کی تعریف ویدا کے کانوں تک بھی جا پہنچی، وہ خوش ہو گئی مگر بلقیس نے جھنجلا کر پاندان کا ڈھکن زور سے بند کیا اور پھر پھر پان چبانے لگیں، انہیں اپنی باجی کے بدلتے لچھن ایک آنکھ نہیں بھا رہے تھے۔

"شکر ہے اس حکمت عملی نے سسرال میں میرے پاؤں مضبوط کر دیے۔" گاڑی میں بیٹھتے ہوئے، ویدا کے اندر تک سکون اترتا چلا گیا، جب سے یہ رشتہ جڑا تھا، ساس اس کا پہلے سے کہیں زیادہ خیال رکھنے لگی تھیں، بات وٹہ سٹہ کی جو ہو گئی، دونوں طرف کا پلڑا برابر ہو چکا تھا، وہ اب طائلہ کی بھابھی ہی نہیں نند بھی تھی۔

"زندگی پہلے کے مقابلے میں کتنی خوشگوار ہو گئی ہے۔ بس بھائی کی ناراضی دور ہو جائے تو میرا مقصد پورا ہو جائے گا۔" ویدا مسکرا کر بچوں کو دیکھنے لگی جو اپنی پھوپھو کم ممانی سے باتوں میں مگن تھے۔

☼ ☼ ☼

"لز... مجھے یہ بتاؤ کہ آج کل... تم اتنی عجیب، اتنی نہ سمجھ میں آنے والی باتیں کیوں کر رہی ہو؟" فہام نے سیل فون کو کان کے نزدیک کر کے پوچھا۔

"پتا نہیں... مجھے کیا ہوتا جا رہا ہے تمہاری محبت میرا جنون بنتی جا رہی ہے اور تمہاری بیوی کے لیے میرے دل میں رشک و حسد کے جذبات پروان چڑھ رہے ہیں" اس نے شرمندگی سے اعتراف کیا۔

"تم... بالکل یہاں جیسی لڑکیوں کی طرح ری ایکٹ کر رہی ہو... جو تم سوچ رہی ہو وہ غلط ہے۔" وہ ایک دم سر تھام کر رہ گیا۔

"میں جانتی ہوں... اٹس ناٹ فیئر... بٹ میں خود کو نہیں سمجھ پا رہی ہوں" لیزا کی بے چارگی اس پر واضح ہونے لگی۔

"میری... ایک بات کانوں سے نہیں دل سے سنو" اس نے نرم لہجہ اپنایا۔

"اوکے... بولو۔" لیزا نے اپنی مخروطی انگلیوں میں سیل فون بھینچ لیا۔

"میرے دل میں تمہاری جو جگہ ہے وہاں تک کوئی دوسرا نہیں پہنچ سکتا' تم میرے دل کے تخت سے کس طرح اتر سکتی ہو' محسوس کرو تو آج بھی اسی شان' رعب' اور دبدبے کے ساتھ ایک ملکہ کی طرح خود کو براجمان پاؤ گی" وہ اس کی کیفیت سمجھ چکا تھا... اس لیے بڑے انداز سے دل جوئی کرنے لگا۔

"فیم میں تو اب خود کو ایک معزول ملکہ کی طرح محسوس کرتی ہوں' جو اپنے مقام سے نیچے آگئی ہو" وہ منتشر ذہن سے حال دل کھولتی چلی گئی۔ اس کے لہجہ کی ٹوٹ پھوٹ محسوس کی جانے والی تھی۔

"ڈیئر... میں ساری پریشانیوں کو سمجھتا ہوں۔ مگر تمہیں یوں بے حوصلہ دیکھنا میری برداشت سے باہر ہو رہا ہے۔" اس کا اپنا لہجہ بھی دکھ کی تفسیر بن گیا۔

"میں... بہت باحوصلہ تھی۔ ذہن کے کسی گوشے میں بھی یہ خیال میں آیا تھا کہ کبھی اس قدر مجبور ہو جاؤں گی۔" وہ رو دینے کو ہوئی۔

"پلیز ایسے تو نہ کرو۔" فہام احساس جرم میں مبتلا ہو کر بے چینی محسوس کرنے لگا۔

"تو... پھر کیا کروں آج کل بری طرح ڈسٹرب ہوں" لیزا نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔

"میری جان' یہ احساس ہی میری روح کو کاٹتا ہے کہ نہ چاہتے ہوئے بھی تمہاری دکھ کی وجہ بن گیا ہوں۔ بس مجھے تھوڑا سا وقت اور دے دو پھر' جو مناسب سمجھو گی' وہ ہی ہو گا۔ میں اپنے لیے بھی انہی باتوں کو ضروری سمجھوں گا... جو تمہیں پسند ہوں گی" فہام نے جذبات سے معمور لہجے میں اسے اپنی وفاؤں کا یقین دلانا چاہا۔

"تم سچ کہہ رہے ہو؟" لیزا کے لہجے کی بے یقینی' اس کے دل پر بھاری پڑی۔

"پلیز اب تم صرف ان لمحوں کو سوچو' ان کا ہی تصور کرو جو ہماری زندگیوں کو ایک دوسرے سے جوڑے ہوئے ہیں... بچھڑنے کی باتوں کو بھول جاؤ" وہ زبردستی مسکرا کر بولا' لیزا نے کوئی جواب دیے بنا لائن کاٹ دی۔ فہام بہت دیر تک بستر پر چت لیٹ کر زندگی کے اس موڑ کے بارے میں سوچنے لگا۔ جس میں دو راستے اس کے سامنے تھے۔ ایک راہ کا تعین وہ کر چکا تھا پھر بھی دوسرے راستے سے ہٹتے ہوئے الجھ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

فہام... آفس کے تکان زدہ امور نمٹا کر گھر لوٹا' تو خلاف معمول کچھ چہل پہل سی محسوس ہوئی۔ فریش ہو کر بڑے ہال میں داخل ہوا تو ٹام اور جیری کا ماسک پہنے اس کے بھانجے دوڑے چلے آئے۔

"ماما... آ گئے۔" دونوں نے نعرہ لگایا اور آکر لپٹ گئے۔ اس نے دونوں کو ایک ساتھ بانہوں میں بھر لیا۔

"بھائی... شاباش ہے تم پر۔" ویدا نے کمرے میں گھستے ہی اس سے لڑنا شروع کر دیا۔

"کیوں مجھ سے کیا خطا ہو گئی۔" اس نے اکھڑ لہجے میں جلتی نگاہ بہن پر ڈالی تو وہ لمحہ بھر کو گڑبڑائی۔

"پاپا کی طبیعت کل سے خراب ہے اور تم نے ایک فون کر کے خبر بھی نہ دی۔" ویدا نے غصے میں کہا۔

"پاپا کی طبیعت خراب... کیا ہوا؟" وہ گھبرا اٹھا' بھانجوں کو نیچے اتارا اور تیزی سے باپ کے کمرے کی جانب بڑھا۔

"آپ کل سے بیمار ہیں۔ مجھے کسی نے بتایا بھی نہیں۔" فہام نے باپ کے برابر میں بیٹھ کر الٹا شکوہ کیا۔

"بیٹا ایسی کوئی خاص بات نہیں ہے۔ بس موسم کا اثر ہے' فلو ہو گیا ہے۔ مگر اپنی مما کو جانتے ہو نا ہر بات پر ہول اٹھنا' ان کی پرانی عادت ہے... بس فوراً" فون کر کے ویدا کو بلوا لیا۔" بستر پر دراز حسام مرزا نے مسکرا کر اپنے خوبرو بیٹے کو دیکھا۔ جس کے ساتھ نا چاہتے ہوئے بھی وہ لوگ زیادتی کر بیٹھے تھے۔

"مجھے کال کرنا ضروری نہیں سمجھا گیا" فہام نے بڑبڑاتے ہوئے شکایتی نگاہوں سے ماں کو دیکھا' جو چہرے سے ہی ناراض دکھائی دیں۔

"تمہارے پاس گھر والوں کے لیے وقت ہی کہاں ہوتا ہے؟" ماں نے بھی شوہر کی طرف دیکھتے ہوئے بیٹے کو جواب دیا۔

"اف یہاں کے حالات تو بہت خراب چل رہے ہیں" ویدا نے ماں بیٹے کے بیچ جاری سرد جنگ محسوس کی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

فہام آج کل بہت چڑچڑا ہو رہا تھا۔ صبح بھی وہ گھر سے ناشتا کیے بغیر نکل گیا' کئی دنوں سے لیزا اتنی مصروف رہنے لگی کہ دونوں کا رابطہ صرف فون تک ہی محدود ہو گیا' پھر وہ اچانک لندن جانے کی ضد لگا بیٹھی۔ فہام کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیسے روکے' اس پر مما کی ہر وقت کی طائلہ کی تعریفیں اور نصیحتیں۔ دل جل جل کر کباب بن گیا۔ اس نے گھر میں ٹکنا کم کر دیا۔

☼ ☼ ☼

"مما میں اب جا رہی ہوں۔ اگر ان دونوں کے ایگزامز نہیں چل رہے ہوتے تو دو چار دن رک جاتی۔" ویدا نے کھانے کے بعد جانے کی اجازت طلب کی۔

"کوئی بات نہیں بیٹا... جیسے تیسے سنبھال ہی لوں گی" اسری نے بیٹی کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر اداسی سے کہا۔

"مائی ڈیئر مما فی الحال آپ کے مسئلے کا کوئیک حل یہ ہی ہے کہ طائلہ ایک ہفتے یہاں رک کر پاپا کی دیکھ بھال کرے۔ کچن کے کاموں میں تو یہ ویسے ہی ایکسپرٹ ہے زلیخا آیا کا بے وقت جانے کا دکھ کچھ تو کم ہو جائے گا" ویدا نے شوخی سے ماں کو گلے لگایا اور نند کے رکنے کی توجیہہ پیش کی ساتھ ہی بچوں کو جوتے پہننے کا اشارہ کیا۔ طائلہ ہکا بکا رہ گئی۔

"اوہ... تو" فہام نے چونک کر ویدا کے کہنے پر گھوم کر دیکھا۔ طائلہ کمرے کے کونے میں کھڑی دکھائی دی' ماتھے پر لاتعداد بل پڑ گئے۔ وہ باپ کو لے کر ڈاکٹر کے پاس چلا گیا تھا' لوٹا تو بہن جانے کے لیے تیار کھڑی تھی۔ اسے طائلہ کی آمد کی خبر ہی نہیں ہو سکی۔

"بھابھی... پلیز ایک منٹ۔" اس سے پہلے کہ کوئی اور بات ہوتی وہ ویدا کو بازو سے گھسیٹتی کمرے سے باہر نکل گئی۔

"بس... اسی بات کی کمی تھی..." فہام ماں پر غصہ دکھاتا... وہاں سے اٹھ کر دھڑ دھڑ کرتا اپنے کمرے میں چلا گیا۔

"آپ ابھی کیا کہہ رہی تھیں؟ میں یہاں نہیں رکوں گی... بالکل بھی نہیں" طائلہ نے پیر پٹخ کر احتجاج کیا۔

"یہ... بیگ میں گھر سے لائی تھی' اس میں تین چار سوٹ اور تمہاری ضرورت کا کچھ سامان ہے۔ ہفتے بھر کے لیے کافی ہو گا کچھ اور منگوانا ہو تو فون کر دینا" ویدا نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے بڑے آرام سے کالا بیگ تھما کر ہدایت دی۔

"بھابھی... آپ تو مجھے گھر سے یہ کہہ کر لائی تھیں کہ انکل کی طبیعت ٹھیک نہیں' ہم انہیں دیکھنے جا رہے ہیں' پھر اچانک یہاں رکنے کی بات؟" وہ پریشانی میں تیز تیز بولتی چلی گئی' اس کے وہم و گمان میں بھی یہ سب نہیں تھا۔

"بے وقوف... کوئی اور عقلمند لڑکی ہوتی تو ایسے موقع پر خوشی سے جھوم اٹھتی۔ مگر مجھے تم سے ایسی ہی امید تھی کہ منہ پھلاؤ گی۔" ویدا نے افسوس سے نفی میں سر ہلایا۔

"مجھے ایسی عقل نہیں چاہیے میں نے کہہ دیا ہے۔ بس آپ کے ساتھ چلوں گی" طائلہ ضدی لہجے میں منہ بنا کر پاؤں پٹخا۔

"دیکھو جان میں تمہاری دشمن نہیں ہوں۔ سچی خیر خواہ ہوں۔ اپنے بھائی کے ضدی مزاج کو پہچانتی ہوں اور جس سچویشن میں یہ نکاح ہوا ہے۔ فہام کے دل میں جگہ بنانے کے لیے کچھ کوشش تو تمہیں خود سے بھی کرنی پڑے گی۔ تم پر کوئی زور زبردستی نہیں مگر یہ جان لو کہ تمہاری خوشیوں بھری زندگی کی راہ اسی طرح ہموار ہو سکے گی۔ جب تم فہام کے دل اور اس گھر میں اپنی

جگہ بنالو۔" ویدا کے سمجھانے پر وہ سوچ میں پڑ گئی۔
"مگر..." طائلہ الجھ سی گئی۔
"کوئی اگر مگر نہیں یہ ہی موقع ہے' ساس' سسر اور پیا جی کے من میں جگہ بنانے کا سمجھی۔" ویدا نے اس کا نرم ہاتھ دبا کر دھیرے دھیرے کنونس کیا' کافی مغز ماری کے بعد وہ یہاں ٹھہرنے پر تیار ہوئی۔
"امی اور بھائی کے کیا سوچیں گے؟" طائلہ کے ذہن میں آخری بات چمکی۔
"اف تمہارا کیا خیال ہے میں ان لوگوں کی مرضی کی بنا کوئی ایسا قدم اٹھا سکتی ہوں... ویسے بھی تم میرے بھائی کی بیوی بن چکی ہو' اس لیے بے خوف و خطر ہو کر یہاں رہو" ویدا نے اس کی کمر ٹھونکتے ہوئے باہر کی جانب قدم بڑھا دیے۔ وہ تھوڑی دیر لان میں اکیلی کھڑی رہی۔
"اک نیا امتحان..." طائلہ نے ٹھنڈی سانس بھر کر لرزتے وجود کے ساتھ مین ہال میں داخل ہوئی' جہاں اسریٰ بانو پیار سے ہاتھ پھیلائے اس کے استقبال کو کھڑی تھیں۔

☆ ☆ ☆

وہاں جانے کے دو دن بعد ہی اتفاق سے طائلہ کی بائیسویں سالگرہ آگئی۔ ریاض احمد اپنے گھر پر یہ دن منانا چاہتے تھے مگر اسریٰ نے بیٹی کی ہدایت پر شام کو چھوٹی سی پارٹی ارینج کرنے کے بعد ان سب کو اپنے یہاں ہی مدعو کرلیا۔ فہام سب کچھ جانتے ہوئے بھی انجان بنا رہا۔
"ہیپی برتھ ڈے... ڈیئر طائلہ۔" صبح سے سب نے فون کرکے اسے خوب وش کیا۔
"طائی... بات کچھ آگے بڑھی بھائی تمہارے ساتھ ٹھیک ہے نا۔" ویدا نے وش کرنے کے فوراً بعد کریدا۔ مگر اس کے پاس جواب دینے کے لیے کچھ نہیں تھا۔
"چھوڑیں نا... بھابھی... کوئی اور بات کریں۔" وہ ٹال گئی۔ اس کی فہام سے ملاقات ہی کہاں ہوتی تھی۔

وہ گھر میں ہوتا بھی تو اپنے کمرے تک ہی محدود رہتا۔ ویدا سمجھ گئی۔
"اچھا ذرا مما کو فون دینا۔" ویدا نے نند سے کہا تو وہ اسریٰ کو فون پکڑا کر باہر نکل گئی۔
"ہاں ویدا کیا ہوگیا ہے؟" اسریٰ نے مصروف انداز میں پوچھا۔
"مما... ایسا کب تک چلے گا بھائی تو اس لیزا کے خیال سے باہر ہی نہیں نکلتے۔" ویدا نے آواز دبا کر ماں سے شکوہ کیا۔
"یہ سب تمہارا کیا دھرا ہے بلاوجہ کے رشتے جوڑ دیے۔ جب فہام کو دیکھتی ہوں تو دل دکھتا ہے۔ دوسری طرف ڈرتی ہوں۔ طائی اتنی اچھی لڑکی ہے کہیں اس کے ساتھ مزید کچھ برا نہ ہو جائے۔" وہ بیٹی پر بھڑک اٹھیں۔
"اچھا... ایک تو اتنی اچھی گھریلو سی لڑکی سے آپ کے بیٹے کی شادی کروادی اس پر بھی میں ہی بری ہوں۔ ہو جاتی نا بھائی کی شادی اس انگریز سے تو ٹھیک ہوتا سر پر ہاتھ رکھ کر روتیں۔" ویدا نے بھی غصہ دکھایا تو اسریٰ بیگم گھبرا گئیں۔
"اچھا چھوڑو یہ بتاؤ شام کو آرہی ہو نا" انہوں نے بیٹی کی ناراضی دور کرنے کے لیے میٹھا لہجہ اختیار کیا۔
"وہ تو ہم سب ہی آئیں گے۔ فی الحال آپ ایسا کریں..." وہ ماں کو فون پر ہدایت دیتی چلی گئی۔

☆ ☆ ☆

اسریٰ نے دھڑ سے جا کر فہام کے کمرے کا دروازہ کھولا۔ وہ لیپ ٹاپ کھولے اپنے آفس کے کسی کام میں منہمک تھا۔ چونک اٹھا۔
"بیٹا... آپ جا کر طائلہ کو کوئی اچھا سا گفٹ دلا دو۔ آج اس کی برتھ ڈے ہے" انہوں نے بیٹے کی جانب دیکھا جس کی نگاہیں اسکرین پر جمی ہوئی تھیں۔
"مما میں تو بہت بزی ہوں آپ ڈرائیور کے ساتھ چلی جائیں۔" اس نے نگاہ اٹھائے بنا جواب دیا۔
"نہیں آپ جاؤ میں ذرا شام کے انتظامات دیکھنے جا

رہی ہوں۔ یہ تیار ہو چکی ہے۔" اسری پلٹ کر گئیں اور اسے زبردستی فہام کے کمرے میں لے کر آئیں۔" ماں کے اقدام پر ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گیا۔

"آنٹی گفٹ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" طائلہ کی آواز میں لرزش تھی۔ فہام نے ٹھنڈی سانس بھر کر نگاہ اٹھائی۔ اس کی نروس شکل دیکھ کر ترس بھی آیا۔ چپ چاپ اسے لے کر اپنے من پسند جیولر کے پاس چلا گیا۔ وہ کھلے بالوں کے ساتھ ہلکے میک اپ میں کافی پیاری لگ رہی تھی۔

اس کو روبی کے ٹاپس دلاتے ہوئے دلکشی سے مسکرایا۔ طائلہ نے بھی نکاح کے بعد پہلی بار اپنے اندر اطمینان محسوس کیا۔ سیاہ مخملی ڈبا تھام کر فخر سے فہام کے برابر میں چلتی ہوئی شاپ سے باہر نکل رہی تھی کہ سیلز مین نے پیچھے سے پکارا۔

"صاحب... یہ لیزا میم کی گولڈ کی چین... آپ نے پچھلی بار ان کی پسند پر آرڈر کی تھی۔ تیار ہو گئی ہے۔ پیک کر دوں؟" فہام لمحہ بھر سٹ پٹا گیا پھر نارمل انداز میں اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ لیزا کے ساتھ یہاں اتنا زیادہ آتا تھا کہ شاپ والے ان دونوں کو میاں بیوی سمجھنے لگے تھے۔

"یہ لیزا کون ہے؟" گاڑی میں بیٹھنے کے بعد طائلہ نے دل کی خلش دور کرنا چاہی۔ اس نے بہت نرمی اور بظاہر لاپروائی سے سوال پوچھا، مگر فہام اس کے دل میں اٹھنے والے وسوسوں کو جان گیا۔ اسے یہ ہی وقت مناسب لگا۔ مختصر الفاظ میں لیزا اور اپنی محبت کے بارے میں بتا دیا۔

"تو... پھر یہ نکاح کیوں کیا؟" وہ رونے جیسی ہو گئی۔

"تمہارے بھائی کی مہربانی سے" فہام نے اسے کٹیلی نظروں سے دیکھتے ہوئے چبا کر جواب دیا۔

"ریاض بھائی کا کیا ذکر یہ سب تو بھابھی کی رضامندی سے ہوا ہے" طائلہ کو ریاض بھائی کا اس انداز میں ذکر اچھا نہیں لگا فوراً بولی۔

"ہمارے خاندانوں میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو اپنے لہجوں میں مٹھاس رکھتے ہیں۔" فہام نے طنز کیا۔

"آپ کو اس بارے میں کوئی بڑی غلط فہمی ہوئی ہے... بھائی کے تو فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی سویرا بھابھی کے زور دینے پر ہی یہ رشتہ ہوا ہے۔ ان پر ریاض بھائی نے اس معاملے میں کوئی دباؤ نہیں ڈالا تھا۔" طائلہ صفائی دیتے دیتے ہلکان ہو گئی۔

"تم تو اپنے بھائی کی سائڈ ہی لو گی۔ بہرحال یہ بات ہمارے بیچ سے باہر نہیں نکلے ورنہ..." فہام کو یقین نہیں آیا۔ منہ موڑ کر گاڑی چلاتے ہوئے دھمکایا۔ وہ گھبرا گئی۔

"مجھے اگنور کرنے کی یہ وجہ ہے" طائلہ نے اپنے برابر میں بیٹھے ہینڈسم سے شوہر کو دل ہی دل میں مخاطب کیا۔ آج اسے اچھی طرح سے اندازہ ہو گیا کہ وہ اس شخص کے دل میں ذرا سی جگہ بھی نہیں پا سکتی، جس کے گھر میں اسے ساری عمر قیام کرنے کا پابند کر دیا گیا ہے۔ بس میں ہوتا تو پلٹ جاتی۔ مگر ساری کشتیاں جل چکی تھیں۔

اس نے سسکی کی آواز پر برابر میں بیٹھی طائلہ کو دیکھا اس کی آنکھیں متورم اور چہرہ اترا ہوا تھا۔ فہام کو اس کی برتھ ڈے خراب کرنے پر بہت افسوس ہوا۔ وہ مجبور ہو گیا تھا۔ چکی کے دو پاٹوں میں پس رہا تھا گھر والوں کے دباؤ میں آ کر اس نے نکاح نامے پر دستخط تو کر دیے اور طائلہ کے ساتھ ایک بندھن میں بھی بندھ گیا، مگر لیزا کے محبت نامے پر جو دستخط کیے تھے وہ دل پر ثبت تھے، اس کا کیا کرتا۔

"افسوس اپنی جگہ مگر لیزا کی حقیقت کا کھل جانا ہی اس کے مفاد میں ہے۔ اب وہ کم از کم ذہنی طور پر علیحدگی کے لیے تیار تو ہو جائے گی۔" فہام نے گاڑی دروازے کے سامنے پارک کرتے ہوئے خود کو دلاسا دیا۔

✡ ✡ ✡

لیزا کے بارے میں جاننے کے بعد طائلہ نے فہام

سے کوئی شکوہ نہیں کیا۔ اسے تو اپنی قسمت پر رونا آیا۔ وہ خود کو اس کا مجرم گردانتی۔ اپنے اخلاقی جرم کا ازالہ کرنے کے لیے خاموشی سے اس کے کئی کام اپنے ہاتھوں سے انجام دینے کی کوشش کرتی۔ وہ فہام کے کمرے کی سیٹنگ چینج کرنے آئی تھی۔ کافی ردوبدل کے بعد کمرہ بہت کھلا کھلا ہو گیا۔ طائلہ نے ایک بار گھوم کر بڑی اداس نگاہوں سے پورے کمرے کا جائزہ لیا۔ جہاں بسنے کے خواب نگاہوں میں سمائے ہوئے تھے۔

"نہیں اس پر میرا کوئی حق نہیں۔" اس نے اپنی کنپٹیاں دونوں ہاتھوں سے تھام کر سر کو دبایا۔

"مجھ سے ایک بار پھر مسترد کیے جانے کا دکھ ہرگز برداشت نہیں ہو گا۔ میں اپنے صبر سے آپ کو جیت لوں گی۔ مگر دنیا کو اپنا تماشا بنانے نہیں دوں گی۔" طائلہ نے فہام کی ٹی شرٹ تھام کر سوچا اس کی نیندیں اڑ گئیں۔

"میں آپ کی بیوی ہوں.... اپنا حق لے کر رہوں گی۔" اس کے ستے ہوئے بے رونق چہرے پر فیصلے کا عزم جاگا وہ فہام کے بستر پر دراز ہو کر ایک نئے انداز میں سوچنے لگی۔

"ہمارے رشتے کی رو تار تار ہو رہی ہے' میں اب اس کی رفوگری آپ کروں گی۔" وہ بے خیالی میں تکیہ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔ من میں اطمینان چھا گیا۔ نیند نے اس کی آنکھوں پر اپنا نرم ہاتھ رکھا۔ اور وہ سو گئی۔ فہام شام کو آفس سے لوٹا تو اپنے بستر پر سوئی ہوئی طائلہ کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔

"کل سے کتنی اداس ہو گئی ہے۔" اسے جگانے کے لیے جھکا تو آنکھوں کی سوجن رونے کا پتا دے گئی

...

"میں اپنی محبت کے ہاتھوں مجبور نہ ہوتا تو تمہاری دکھ کی وجہ کبھی نہ بنتا۔" فہام نے آہستہ سے اس کے ماتھے پر سے بالوں کی لٹ ہٹا کر سوچا۔

بڑی بے دلی سے کپڑے اٹھا کر باہر نکل گیا۔

☆ ☆ ☆

"لز تم میرے پاس واپس آجاؤ۔" اختیار بیگ نے بڑی محبت سے بیٹی کو حکم دیا۔

"پاپا آپ سب کچھ جانتے ہوئے بھی ایسا مشورہ دے رہے ہیں" لیزا نے باپ سے فون پر بات کرتے حیرت کا اظہار کیا۔

"ہاں پاپا کی جان میں وہاں کے کلچر اور پاکستانی مرد کی سوچ کو تم سے بہتر جانتا ہوں اسی لیے تمہاری بھلائی کے لیے یہ مشورہ دے رہا ہوں۔" وہ اپنی بالکنی میں کھڑے سردی سے کپکپاتے لہجے میں بولے۔

"بٹ پاپا' فیم سب سے جدا ہے وہ اس لڑکی کے لیے ایک اور رشتہ ڈھونڈ رہا ہے۔" لیزا کے لہجے میں اعتماد لوٹ آیا۔

"وہ جتنا بھی جدا ہو لیکن اپنی بیوی کے لیے دوسرا شوہر ڈھونڈنے کی زحمت کبھی نہیں کرے گا" اختیار بیگ کا تجربہ اس کی سوچ سے سوا تھا۔

"پاپا.... میں سمجھی نہیں؟" لیزا الجھ گئی۔

"ڈارلنگ وہ جس فیملی کو بی لونگ کرتا ہے وہاں اس طرح کے فیصلے نہیں ہو سکتے۔ اس پر بہت دباؤ ہے ایک بات سوچو۔ جب وہ نکاح کے وقت مزاحمت نہ کر سکا تو اب کیا کرے گا؟" باپ کی بات پر وہ قائل ہونے لگی۔

"پاپا وہ مجھ سے سچی محبت کرتا ہے۔" اس نے کمزور سا دفاع کیا۔

"ہاں اس کا خراج ادا کرنے کے لیے وہ تمہیں دوسری بیوی بنا لے گا۔ لیکن جو مقام اس کی پہلی بیوی کو سوسائٹی اور اس کی فیملی میں حاصل ہو گی۔ وہ تمہیں کبھی نہیں مل پائے گا۔" وہ سنجیدگی سے بولے۔

"اوہ.... یو مین سیکنڈ پوزیشن۔" لیزا نے ہونٹ سکوڑے۔

"یس اور میری بیٹی جو ساری عمر فرسٹ پوزیشن پر کھڑی رہی اس کے لیے یوں سروائیو کرنا مشکل ہو گا۔ میرا پھول کملا جائے گا یہ بات آپ کے پاپا سے برداشت نہیں ہو گی.... سو پلیز واپس آجاؤ زندگی کسی

ایک پر ختم نہیں ہوتی۔" افتخار بیگ نے دوٹوک انداز اپنایا۔

"اوکے پاپا تھوڑا سا ٹائم مزید دے دیں۔" اس نے کچھ سوچتے ہوئے باپ سے اجازت طلب کی اور فون بند کر دیا۔

☼ ☼ ☼

"یہ کتنے حق سے میرے گھر اور مما پاپا پر قبضہ جما بیٹھی ہے" وہ ٹی وی لاؤنج کے صوفے پر پاؤں پسارے، اسے مصروف انداز میں اندر باہر آتے جاتے دیکھتے ہوئے دانت کچکچانے لگا۔ طائلہ چند دنوں میں ہی یہاں کے روٹین کو سمجھ گئی' گھر میں اتنے کم افراد ہونے کی وجہ سے کوئی خاص کام نہیں ہوتا' پھر وہ بڑی مستعدی سے حسام مرزا کے پرہیزی کھانے اپنے ہاتھوں سے بناتی۔ گھر کو سمیٹ دیتی' فہام کی ایک ایک چیز اب اپنی جگہ پر ملتی۔ وہ اسریٰ کا بہت خیال رکھتی۔

فہام کو یہ باتیں پسند نہ تھی۔ وہ اسے روکتا' منع کرتا رہتا' مگر وہ آفس جانے سے پہلے اس کی پسند کا ناشتہ بنا کر ٹیبل پر لگا دیتی' اس کا کمرہ صاف کرواتی' میلے کپڑے دھلواتی' یہاں تک کہ شرٹ کے ٹوٹے ہوئے بٹن تک وہ ٹانکنے بیٹھ جاتی۔ فہام 'طائلہ کے ہاتھ سے سوئی دھاگا اور کپڑے چھین کر لے جاتا۔

"تم میری نوکر نہیں ہو پلیز' مجھے یہ سب پسند نہیں۔" فہام اسے جتاتا۔

"گھر کے کام کاج کرنے سے انسان نوکر نہیں بن جاتا۔" وہ نرمی سے جواب دے کر کسی اور کام میں لگ جاتی وہ اسریٰ کے اصرار پر اس کی پسند کی کوئی چیز بنانے کچن میں گھس جاتی اور فہام کو یہ بات پتا چل جاتی تو وہ ناراض ہونے لگتا۔

"تم کک نہیں ہو.... یہاں مہمان ہو.... وہ ہی بن کر رہو!" اس کے جتانے پر وہ اذیت بھرے انداز میں مسکراتی' جانتی تھی کہ کیا مقصد ہے مگر اسے اب ان باتوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا.... اس کی فضول باتیں سنی ان سنی کر کے اپنا کام کیے جاتی۔ اسریٰ اور حسام مرزا اس کی تعریفیں کرتے تو جبراً" مسکراتی۔ ریاض احمد ایک دن بہن کو لینے بھی آئے مگر اسریٰ نے اصرار کر کے مزید دو تین دنوں کے لیے روک لیا۔ وہ چپ ہو گئے۔

"السلام علیکم...." فہام نے بہنوئی کو دیکھ کر سنجیدگی سے سلام کیا اور خاموشی سے ڈرائنگ روم سے باہر نکل گیا۔ بنا کوئی بات چیت کیے ریاض ششدر رہ گئے۔ ان کو پہلی بار یہاں آکر عجیب سا احساس ہوا۔

☼ ☼ ☼

"فہام مجھے تم سے ایسی امید نہیں تھی۔ میرے میاں تمہارے رویے سے بہت ہرٹ ہوئے" ویدا نے بھائی کے برابر میں بیٹھ کر شکوہ کیا' آج وہ خاص طور پر اسی مسئلے کو حل کرنے آئی تھی۔

"میں ایک ایسے شخص کو عزت نہیں دے سکتا۔ جس نے شادی کے اتنے سالوں بعد بھی صرف اپنی بہن کا گھر بسانے کے لیے میری بہن کو علیحدگی کی دھمکیاں دی ہوں" وہ بے باک انداز میں اپنا موقف بیان کرتا چلا گیا۔

"تم سے یہ سب کس نے کہا؟" ویدا کا چہرہ ایک دم زرد پڑ گیا۔ وہ کپکپا اٹھی۔

"مجھے نکاح کی رات ہی مما نے تمہارے شوہر کے ارادے بتا دیے تھے۔ صرف تمہاری وجہ سے اتنا کچھ برداشت کر رہا ہوں" وہ افسردگی سے بولا۔ ویدا کی تو جان ہی نکل گئی۔ اگر یہ بات ریاض یا طائلہ کو پتا چل جاتی تو وہ.... سب کی نگاہوں میں گر جاتی۔ اس نے کچھ سوچ کر اپنے جرم کا اعتراف کرنے کی ٹھانی۔

"بھائی یہ سچ نہیں ہے۔" وہ منمنا اٹھی۔

"اچھا تو سچ کیا ہے وہ بتا دو؟" وہ پھاڑ کھانے والے انداز میں بولا۔

"جب آپ نے لیزا سے میری پہلی ملاقات کرائی تو میں اسی وقت سمجھ گئی کہ اس نے جس طرح کے ماحول میں پرورش پائی ہے۔ وہ ہمارے گھر میں ایڈجسٹ نہیں ہو سکے گی۔ ہماری فیملی اس کی آزاد خیالی کو کبھی

قبول نہیں کر سکتی تھی۔ وہ شادی کے بعد تمہارے شانہ بشانہ سر اٹھا کر چل سکتی تھی۔ مگر لوگوں کی باتیں ہمارا سر جھکا دیتیں ... میں نہیں چاہتی تھی کہ کوئی میرے باپ کے نام پر انگلی اٹھائے۔" دیدا نے کپکپاتے لبوں سے کہا۔

"تمہاری سوچ قدامت پرستی کی نشانی ہے۔" وہ اس پر چڑھ دوڑا۔

"نہیں آپ نہیں سمجھ سکتے مما اس دن سے پریشان تھیں جس دن سے آپ نے گھر میں لیزا کا نام لیا۔ اکلوتی بہو کے حوالے سے ان کے بھی کچھ خواب تھے آپ نے سب ملیامیٹ کر دیے۔" اس کی آنچ دیتی نگاہ فہام پر تھی وہ سٹ پٹا گیا۔ اس انداز میں تو اس نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔

"آپ کو خبر ہے مما کو سب سے زیادہ فکر یہ تھی کہ لیزا سے شادی ... آپ کی آنے والی نسل پر کیسے اثر انداز ... وہ کن ہاتھوں میں پروان چڑھے گی وہ اکثر مجھ سے اپنے دل کی باتیں کرتے ہوئے ہاتھ ملتیں تو میں بھی لرز اٹھتی۔" دیدا نے بھائی کو حقیقت کے نزدیک کر دیا۔

"یہ سب فضول کے مفروضے ہیں۔" فہام نے جھٹلانا چاہا۔ اور بغور دیدا کی اتری صورت دیکھی۔

"ایک دن مما نے جب ٹھنڈی سانس بھر کر بتایا کہ وہ اپنی ہونے والی بہو میں کیسی خوبیاں دیکھنا چاہتی ہیں تو میرے سامنے خود بخود طائلہ کی صورت آ گئی میں اپنے سسرال کے ماحول سے ویسے ہی گھبرا چکی تھی۔ اس پر طائلہ کی دو دفعہ منگنیاں ٹوٹنے کی ٹریجڈی ... مجھے یہ ہی حل بہتر دکھائی دیا۔ مما سے بات کی تو انہوں نے آپ کی وجہ سے انکار کر دیا۔ بس سب کی بھلائی کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے یہ چھوٹا سا جھوٹ بولنے میں کوئی عار محسوس نہ کیا اور ریاض کا نام استعمال کیا۔ جب کہ سچ یہ ہے کہ انہوں نے ایسی کوئی بات مجھ سے نہیں کی اور نہ ہی کسی قسم کا دباؤ ڈالا" وہ سر جھکا کر تھوڑا شرمندگی سے بولی۔ فہام نے لب بھینچ کر بہن کو دیکھا اور ایک دم منہ پھیر کر وہاں سے اٹھ گیا۔ دیدا سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

یہ ساری باتیں سن کر دماغ پھٹنے لگا۔ یقین نہیں آرہا تھا کہ اس کی اپنی سگی بہن سسرال اور شوہر کی نگاہوں میں جگہ بنانے اور لیزا سے بلاوجہ کا عناد دل میں پال کر ایسا کر سکتی ہے۔ ماں کی سوچ نے بھی اسے گڑبڑا دیا۔

☼ ☼ ☼

"لز جانے کیوں اتنا مصروف رہنے لگی ہے۔" اس نے غصے میں لائن کاٹی۔ وہ ان دونوں زیادہ سے زیادہ وقت اس کے ساتھ گزارنا چاہتا تھا۔ مگر اس کے پاس ٹائم ہی نہیں تھا۔ ابھی بھی اس کے ملنے کی خواہش مصروفیت کے آڑے آ گئی۔

"طائلہ کے ہاتھوں کا ذائقہ اس کی سلیقہ مندی پیاری صورت سب کچھ مانوس سے لگنا لگا ہے۔ وہ چند دنوں میں ہی گھر کا حصہ بن گئی ہے۔" اسریٰ کے پاس بس یہ ہی قصے ہوتے۔ وہ سن سن کر تھکنے لگا۔ حتیٰ کہ عاجز ہو کر باہر نکل جاتا۔ اسے کبھی کبھی خود پر غصہ آتا' وہ بیک وقت دو لڑکیوں کو دکھ دینے کی وجہ بنا ہوا تھا۔ اس کے مزاج کا چڑچڑا پن آج کل عروج پر تھا.... جس کا نشانہ طائلہ بھی بن جاتی۔ بعد میں حسام مرزا اور اسریٰ بیٹے کی کلاس لگاتے ان کے سونے گھر میں طائلہ کی وجہ سے رونق لگی تھی۔ طائلہ بھی خود پر بدنصیبی کا دھبا دوبارہ لگانے کو تیار نہ تھی۔ وہ اس بندھن کو اپنی برداشت کی آخری حدوں تک جا کر نبھانے کی خواہش رکھتی تھی۔

وہ ایک لمبی واک کر کے گھر لوٹا تو ٹی وی لاؤنج میں حسام مرزا اور طائلہ کیرم کھیلنے میں مصروف تھے' خوب شور ہنگامہ مچا ہوا تھا۔ اسریٰ قریب بیٹھیں ان دونوں کو دیکھ رہی تھیں۔ وہ بھی ماں کے اصرار پر بیٹھ گیا۔ طائلہ حسام مرزا کی چیٹنگ کر کے کوئن لینے پر کھلکھلائی تو اس کے گال پر بھنور پڑنے لگے۔

"کوئی ہنستے ہوئے اتنا پیارا بھی لگ سکتا ہے" وہ اس کی ہنسی کی دل کشی میں کھو گیا۔

"جانے کیوں اب اس کی سوچ صرف لیزا تک

محدود نہیں رہی' اس میں طائلہ کو بھی شراکت حاصل ہو گئی تھی۔ شاید ڈیڈا کے بیچ نے طائلہ اور ریاض احمد کو بے قصور ٹھہرا دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"کیا ہوا سب خیریت تو ہے؟" لیزا نے اسے سر پکڑا دیکھا تو حیرت سے سوال کیا۔ آج بہت دنوں بعد وہ فری ہوئی تو فہام کو ڈنر پر انوائٹ کر لیا۔

"بس سر درد سے پھٹا جا رہا ہے... گلا بھی خراب ہے۔" کافی دقت سے اپنا حال بیان کیا' اس کی طبیعت صبح سے خراب تھی' مگر وہ صرف لیزا کا دل رکھنے کو وہاں چلا آیا۔

"یہ دیکھیں میں نے آپ کے مسئلے کا حل ڈھونڈ نکالا" وہ اندر گئی اور ایک براؤن کلر کا لفافہ تھامے لوٹی۔

"یہ کیا ہے؟" وہ چونک کر سیدھا ہوا۔

"یہ فراز انور بہت اچھے اور قابل شخصیت ہیں میرے کولیگ ہیں کئی سالوں سے جانتی ہوں والدین کا انتقال ہو چکا ہے بہنیں شادی کے بعد اپنے گھر کی ہو چکی ہیں... یہ کسی اچھی فیملی کی لڑکی سے شادی کرنا چاہتے ہیں... میں نے سوچا آپ بھی تو اپنی مسز کے لیے ایک شریف لڑکا تلاش کر رہے ہیں سو۔" لیزا نے اس کے تاثرات بھانپنے کے لیے تصویر اسے تھمائی۔

"ہونہہ..." فہام کے چہرے کا رنگ ایک دم بدل گیا اس نے تصویر پر ایک بدمزا سی نگاہ ڈالی اور سائڈ میں رکھ دی۔

"کیوں کیا ہوا پسند نہیں آئے؟" لیزا نے گہرے انداز میں پوچھا۔ اس کا دل لمحہ بھر کو سکڑا۔

"ٹھیک ہیں مگر اتنی جلدی کیسے فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔" وہ ناگواری سے بولا سچ تو یہ تھا کہ طائلہ کے ساتھ ایک غیر مرد کو جوڑنا اسے بہت برا لگا۔ شاید اس کی بیوی تھی یا... اندر سے وہ خود تبدیل ہو گیا تھا۔

"بابا آپ جو سمجھانا چاہ رہے تھے اس آزمائش سے وہ بات سچ ثابت ہوئی۔" لیزا نے پہلو بدل کر اپنے دکھ پر کنٹرول قائم رکھا۔ کمزوری ظاہر کر کے خود کو اپنی نگاہوں میں مزید گرانے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ ایک دم موڈ خوشگوار کر لیا۔ درحقیقت فراز انور نے اسے پرپوز کیا تھا وہ کافی عرصے سے لیزا کو پسند کرتا تھا۔ مگر اب ہمت کر کے شادی کی پیش کش کی۔

"اوہ اچھا چلیں کھانا کھاتے ہیں۔ میرا کک آج چھٹی پر ہے۔ اس لیے میں نے آپ کی پسندیدہ چٹخارے دار بریانی اور چپلی کباب آرڈر کیے ہیں۔" وہ خوش دلی سے بولی' فہام کی سنگت میں رہ کر وہ خود بھی اسپائسی کھانوں کی عادی ہو چکی تھی۔

"اچھا مگر مجھے تو گلا خراب ہونے کی وجہ سے ڈاکٹر نے چٹ پٹی اور آئلی چیزوں سے پرہیز بتایا ہے۔" وہ پریشانی سے بولا۔

"اوہ... اب کیا کریں؟ میں نے تو کھانا آرڈر کر دیا تھا۔" وہ سوچ میں پڑ گئی۔

"ایک کام کرو میں تھوڑی دیر یہاں لیٹ جاتا ہوں تم جب تک کھچڑی اور دیسی انداز کا سوپ بنالو صبح وہ پیا تھا تو گلے کو کافی آرام ملا۔" فہام نے ٹشو سے ناک پونچھی اور صوفے پر آرام دہ حالت میں لیٹ کر بے خیالی میں ہدایات جاری کر دیں۔ اس کے ذہن سے یہ بات نکل گئی کہ سامنے طائلہ نہیں لیزا ہے۔

"فہم... مجھے تو کھچڑی... بنانی نہیں آتی ان فیکٹ سوپ بھی انسٹنٹ بنا لیتی ہوں لیزا اسے حیرانی سے تکنے لگی۔

"اوہ کوئی بات نہیں رہنے دو۔" وہ مسکرا کر بولا' مگر دل میں عجیب سا احساس جاگا۔

"آپ کہیں تو کوئی اور چیز آرڈر کر دوں۔" وہ تھوڑی دیر تک اس کے چہرے کی بدلتی کیفیت جانچتی رہی' اس کے بعد پوچھا۔

"نہیں ڈیئر آج کچھ کھانے کو دل نہیں چاہ رہا۔" اس نے بہانہ بنایا چہرے پر بےزاری چھا گئی۔

"اوکے... چائے کے ساتھ سلائس لاتی ہوں..." لیزا کے اصرار پر اس نے مجبوراً" سر ہلا دیا۔ وہ نزاکت سے کچن کی جانب بڑھ گئی۔

"مجھے ان کے نکاح کے بعد ہی پیچھے ہٹ جانا

چاہیے تھا۔ کم از کم یہ سب تو برداشت نہیں کرنا پڑتا۔" اس نے سنک کا نل کھول دیا' اپنے آنسو پانی کے ساتھ بہا دیے۔

"فہام میاں آپ جتنے بھی الٹرا ماڈ ہو جائیں۔ اندر سے مشرقی ہی رہیں گے۔ جسے اپنی عورت کے ساتھ کسی غیر مرد کا نام بھی گوارا نہیں۔ بیوی خدمت گزار چاہیے۔ جس کے ہاتھوں کے بنے ہوئے کھانے تسکین دیتے ہیں' ناز نخرے اٹھوانے کا شوقین بے چارہ مرد۔" اس نے حقیقت سے نظریں ملائیں۔ ایک دم طائلہ کی خدمت گزاریاں یاد آگئیں۔ اب کی بار وہ دو حصوں میں بٹ چکا تھا۔ فہام ایک نئی سوچ میں مبتلا ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

لیزا جانے کیوں لندن جا کر پس منظر میں چلی گئی۔ وہ اسے بہت مس کر رہا تھا۔ فون کرتا مگر اکثر اس کا فون (صوتی) وائس میل پر لگا ہوتا۔ وہ کئی پیغامات ریکارڈ کرا چکا تھا' پر کوئی جواب نہیں ایسا لگ رہا تھا۔ جیسے لیزا اس سے بھاگ رہی ہو یا بہت دور چلی گئی ہو۔

"کیا پتا دروازہ کھلے نہ کھلے آگے بڑھنے کا راستہ ملے نہ ملے ؟" فہام ایسے بند دروازے کے سامنے آکھڑا ہوا۔ جس کی چابی کھو گئی ہو۔ دل پر ناامیدی طاری ہونے لگی' وہ نڈھال ہو گیا' وسوسے جاگ اٹھے۔

"ہاں میں نے یہاں لندن میں شادی کر لی ہے۔" ایک دن اس نے فون کر کے دھماکا کر دیا۔ اپنی اور فراز انور کی شادی اور ٹرانسفر کی خبر بڑے نارمل انداز میں سنائی۔ اس کا پاکستان لوٹ کر آنے کا اب کوئی ارادہ نہ تھا۔

وہ اس انکشاف پر گم صم سا رہ گیا' مبارک باد دینا تک بھول گیا۔ ہوش ٹھکانے آئے تو شکوہ ہونٹوں سے پھسل گیا۔

"لز۔۔۔ تم نے ایسا کیوں کیا؟" اس نے پسینے سے تر بتر ہوتے ہوئے دھیرے سے پوچھا۔ اور دونوں ہاتھوں سے اپنی کنپٹیاں دبائیں۔

"کیا کرتی یہ دیکھ دیکھ کر جیلس ہوتی رہتی کہ۔۔۔ آپ اپنی بیوی کے معاملے میں کتنے غیرت مند بن گئے ہیں۔ یا اس بات پر رشک کرتی کہ طائلہ کے ہاتھوں میں کتنی لذت ہے۔ وہ گھرداری میں کتنی پرفیکٹ ہے۔" وہ اس کا ذہن پڑھ چکی تھی۔

"تم غلط سوچ رہی ہو۔" فہام نے بہانہ بنایا۔

"فیم میں اچھی طرح سے سمجھتی ہوں' جس دن سے آپ نے میرا اپنی بیوی سے موازنہ شروع کیا' میری چھٹی حس نے مجھے خبردار کیا جان گئی کہ اب محبت بٹ گئی ہے" لیزا دکھی ہو کر بولی۔

"مجھے ایک موقع تو دیتیں۔" وہ صفائی پیش کرنے لگا۔

"مان جائیں یہ ہی وقت کا صحیح فیصلہ ہے۔" اس نے اصرار کیا۔

"جب سارے فیصلے تم نے اپنے ہاتھوں میں لے لیے پھر میرے پاس کہنے کو کیا بچا ہے؟" وہ شکست خوردہ سا بولا۔

"فیم ایک بات کہوں آپ نا چاہتے ہوئے بھی اپنی بیوی کے سحر میں مبتلا ہو گئے ہیں۔۔۔ اپنے دل میں جھانک کر دیکھیں ابھی بھی کچھ بگڑا نہیں اس کو اپنے مکمل ساتھ کا احساس دلا دیں۔" لیزا نے ایک اور حقیقت سے پردہ چاک کیا۔ وہ سن سا رہ گیا۔

☼ ☼ ☼ ☼

فہام لیزا کی جدائی کے بعد سے سنبھل نہیں پا رہا تھا۔ اب طائلہ کی جانب لوٹنا ایک بددیانتی لگ رہی تھی جیسے کوئی اور چارہ نہ رہے۔ ذہن میں ہمیشہ دوسرا آپشن رکھنے والا طائلہ کو آپشن نہیں سمجھ رہا تھا۔ وہ ایک جیتی جاگتی حساس لڑکی تھی۔

اسی لیے زیادہ تر گھر سے غائب رہنے لگا۔ فرصت کے لمحے بھی نہ جانے کہاں گزارتا؟ ایک دن خود سے لڑتے لڑتے تھک گیا۔ سخت سردی میں پوری رات لان میں ٹہلتے ہوئے گزاری صبح بیمار پڑ گیا۔ ایسے وقت میں ماں اور طائلہ کی توجہ اور ہمدردی کے پھائے کبھی بھلے اور کبھی برے لگتے۔

اس وقت بھی طائلہ اندر داخل ہوئی تو فہام نے ہانپتے ہوئے اسے دیکھا' ہاتھ میں گرم سوپ کا پیالہ تھا۔ اس نے جلدی سے آنکھیں موند کر سونے کی ایکٹنگ کی۔

طائلہ نے دھیرے سے اس کے ماتھے پر انگلیاں پھیریں' تاکہ ٹمپریچر کا اندازہ کر سکے۔ ایک ملائمت' ایک ٹھنڈک سی فہام کے سارے وجود میں پھیل گئی۔ اس نے پٹ سے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ وہ اپنے کام میں جتی رہی۔ پہلے تکیہ لگا کر سر اونچا کیا' نیپکن ہاتھ میں دیا اور پھر چمچے سے سوپ پلانے لگی۔

"کیسی لڑکی ہو۔ میں تمہیں اتنا نظر انداز کرتا ہوں۔۔۔ برا بھلا کہتا ہوں تمہارے ہر کام میں سو سو کیڑے نکالتا ہوں پھر بھی تم پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔۔۔ خاموشی سے میرے دیے ہوئے دکھوں کو سہتی چلی جا رہی ہو" تھوڑی دیر تک ٹکٹکی لگا کر اسے دیکھتا رہا۔ برداشت جواب دے گئی تو پھٹ پڑا۔

اسریٰ نے صبح ہی اطلاع دی تھی۔ آج طائلہ کی اپنے گھر واپسی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کے لیے دل میں نفرت لے کر یہاں سے لوٹے' تاکہ جدائی کے راستے آسان ہو جائیں۔

"تمہارا خاموش رہنا۔۔۔ صبر و تحمل خدمت گزاریاں میرے ارادوں کی راہ میں رکاوٹ بن کر کھڑی ہیں پلیز' مجھے برا بھلا کہو میں تمہاری نظروں میں اپنے لیے بے رخی' نفرت اور بیزاری دیکھنا چاہتا ہوں تاکہ اپنا راستہ آسان کر سکوں۔۔۔ سن رہی ہو میں تم سے دور بھاگنا چاہتا ہوں' میں تم سے نفرت کرنا چاہتا ہوں تمہیں چھوڑنا چاہتا ہوں۔" وہ چلایا لیکن طائلہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ خاموشی سے چمچے میں سوپ بھر کر اس کے ہونٹوں کے نزدیک لے گئی۔

"میں تمہاری بے غرض محبت اور خلوص سے اکتا گیا ہوں۔ اس سے فرار چاہتا ہوں۔" فہام نے غصے میں چمچہ دور پھینکا اور طائلہ کو جھنجھوڑ ڈالا۔

"آپ میرے منہ سے یہ ہی سننا چاہ رہے ہیں تاکہ

میں آپ کو چھوڑ رہی ہوں... آپ کی زندگی سے ہمیشہ کے لیے جا رہی ہوں۔" اس نے فہام کو بغور دیکھتے ہوئے سوال کیا تو اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی اثبات میں سرہلا دیا۔

"پہلے آپ وعدہ کریں؟" وہ بچوں کی طرح مچلی۔

"وعدہ...؟" وہ حیران ہوا۔

"ہاں وعدہ جو کبھی کسی حال میں نہیں توڑیں گے؟" طائلہ نے اپنے آنسو پونچھ لیے۔

"ٹھیک ہے۔" اس کے چہرے پر پھیلی ویرانی نے فہام کو مجبور کر دیا' اس سے اقرار کرتے ہی بنی۔

"تاعمر میرا نام اپنے نام کے ساتھ جڑا رہنے دیں گے۔" وہ ایک دم اس کے بھاری مردانہ ہاتھوں پر اپنا نازک ہاتھ رکھ کر التجا کرنے لگی۔ فہام چپ سا رہ گیا کیسے کہتا وہ خود طائلہ کو دل سے قبول کر چکا ہے۔

"مجھے صرف ایک بار رخصت کرا کر اس گھر میں لے آئیں اس کے بعد میں زندگی بھر کچھ نہیں مانگوں گی آپ چاہیں تو لیزا سے شادی کر لیں۔ بس مجھے خود سے علیحدہ نہ کریں آپ کے بنا میرا وجود ادھورا ہو جائے گا وہ فہام کی خاموشی سے گھبرا اٹھی۔ روتے ہوئے بولی تو فہام اندر سے دہل گیا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ یہ محبت کی کون سی قسم ہے۔ قربانی کا کیسا جذبہ ہے جس کے آگے وہ ہارنے لگا تھا... کیسے جیت رہی تھی اس کا ذہن سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ وہ اسیر وفا اسے فکروں اور غموں سے آزاد کر گئی۔

"میری زندگی... میں بس تم ہو۔ کوئی دوسرا نہیں اور تاعمر تم ہی رہو گی۔" اس نے بے قرار ہو کر طائلہ کے ماتھے پر اپنے پیار کی پہلی مہر ثبت کر دی۔ وہ حیران رہ گئی پھر جیسے خوشیاں پھول بن کر ان دونوں کے اوپر برسنے لگیں۔

☆ ☆ ☆

"یہ سرخ رنگ تم پر کتنا جچ رہا ہے۔ آنکھوں کا کاجل ہاتھوں کی چوڑیاں کانوں کے آویزے" دنیا کی ساری خوب صورتی جیسے آج تمہارے اندر آکر ضم ہو گئی ہیں!" وہ طائلہ کے سراپے کو سراہتی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے سرگوشی میں بولا۔ اسے شرم آگئی۔ اپنے آپ میں سمٹ کر اور خوب صورت دکھائی دی۔

آج ان دونوں کی رخصتی کی تقریب تھی۔ بیک گراؤنڈ میں ہلکا سا میوزک بج رہا تھا۔ دونوں طرف کے لوگ خوشی سے دلہن دلہا کے ساتھ فیملی فوٹو سیشن کرانے کے لیے اسٹیج پر جمع ہو گئے۔

"بھائی... اب تو مان جاؤ میرا فیصلہ تمہاری خوشیوں کی ضمانت بن گیا" ویدا نے اس کے مقابل کھڑے ہو کر پیار سے بکے پیش کرتے ہوئے کہا۔

"میری بہن شاید میری قسمت میں سب کچھ یوں ہی ہونا لکھا تھا" فہام نے کھڑے ہو کر بہن کو پیار سے گلے لگاتے ہوئے کہا تو وہ ایک دم رو پڑی۔ ویٹرز نے ویلکم ڈرنک سرو کیے۔ مہمان خوش گپیوں میں مصروف اس پر وقار تقریب کو انجوائے کر رہے تھے۔ فہام نے اتنی جلدی مچائی کہ قریبی رشتے داروں کی موجودگی میں ہی سادگی سے فنکشن ارینج کرنا پڑا۔

"شکر ہے۔ مالک میری زندگی میں بھی یہ وقت آیا کہ فہام کی آنکھوں میں میرے لیے چاہت کی شمعیں روشن ہو گئیں" شوہر کی سراہتی نگاہیں' اسے انوکھی تسکین بخش رہی تھیں' اس نے آسمان کی جانب دیکھا اور شکر ادا کیا۔

خود میں فہام کا انہماک دیکھ کر اسے چین مل گیا جیسے' دریا پر سے سیلاب گزر جانے کے بعد اس کی سطح آب پرسکون ہو جاتی ہے۔ نکاح کے بعد سے طائلہ کے نزدیک اپنا وجود غیر اہم ہو گیا۔ مگر آج رخصتی کی تقریب میں فہام کے برابر والی نشست پر بیٹھ کر اس کا اعتماد کئی گنا زیادہ بڑھ گیا' اس نے خود کو ایک قیمتی موتی تصور کیا' جو فہام کی پگڑی میں سجنے جا رہا تھا۔

فرحین اظفر

سوہا اور ماہا دونوں بہنیں اپنی ماں کے ساتھ گھر کی اوپری منزل میں رہائش پذیر ہیں۔ ان کے والد کی وفات ان کے بچپن میں ہی ہو گئی تھی۔

گھر کی نچلی منزل میں ان کے تایا اور تائی اپنی دو بیٹیوں عفت اور نائلہ کے ساتھ رہتے ہیں۔ تایا اکثر بیمار رہتے ہیں۔

حدید ' انس ' عفت اور نائلہ کے خالہ زاد ہیں۔ نائلہ ' انس میں دلچسپی رکھتی ہے۔ مگر انس ' سوہا سے شادی کرنا چاہتا ہے اور اپنی پسندیدگی کا اظہار اپنی خالہ اور سوہا کی تائی کے سامنے کر دیتا ہے۔ خالہ کو بے پناہ دکھ کا احساس ہوتا ہے 'مگر اظاہر راضی خوشی اس کا رشتہ لے کر اپنی دیورانی کے پاس جاتی ہیں۔ سوہا کی والدہ یہ رشتہ خوشی خوشی قبول کر لیتی ہیں۔

نائلہ باقاعدگی سے اپنے والد کو اسپتال لے کر جاتی ہے۔ وہاں اسپتال کے کلرک شبیر حسین عرف شبو سے روابط بڑھ جاتے ہیں کہ اچھے برے کی تمیز کو بھول جاتی ہے۔

سوہا اور انس کی شادی کی تقریبات بہت اچھے طریقے سے انجام پاتی ہیں اور سوہا رخصت ہو کر انس کے گھر آ جاتی ہے۔

حدید کسی کو ڈراپ کرنے جاتا ہے اور اس کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے۔

سوہا کے اکیلے پن کی وجہ سے عفت اس کے پاس رک جاتی ہے۔ گھر کے کاموں کے علاوہ حدید کا بھی خیال رکھتی ہے۔

حدید ' عفت کے دل میں اپنے لیے پسندیدگی کو جان لیتا ہے اور سوچ لیتا ہے کہ اس بار خالہ کو مایوس نہیں کرے گا۔

نائلہ ' شبیر حسین سے ملنا نہیں چھوڑتی اور آخر کار اپنی عزت گنوا بیٹھتی ہے 'جس کا اندازہ اس کی ماں کو بھی ہو جاتا ہے اور وہ اپنی عزت بچانے کے لیے حدید کے ساتھ نائلہ کی شادی کا فیصلہ کر لیتی ہیں اور اس بات کا اظہار انس اور ماہا سے بھی کر دیتی ہیں۔

حدید ' انس کی خاطر نائلہ سے شادی کرنے کے لیے رضامند ہو جاتا ہے اور شادی کے بعد پوری سچائی سے نائلہ کو بیوی کا درجہ دینا چاہتا ہے 'مگر نائلہ نے حدید کو مجبوری کے تحت اپنی زندگی میں قبول کیا اور اس کو وہ مقام نہ دیا جو اس کا حق تھا حدید

خاموش ہو گیا کہ وقت کے ساتھ ساتھ نائلہ اس کو قبول کرلے گی 'مگر حدید کی شرافت اور خاموشی کو دیکھتے ہوئے نائلہ کے دماغ میں کچھ اور ہی منصوبے بالا ہی بالا تشکیل پانے لگے 'جس پر نائلہ وقت کے ساتھ ساتھ بڑی کامیابی سے عمل پیرا تھی کہ وہ انس کی نہ ہو سکی تو سوہا اور انس کو بھی جدا کردے گی۔

ماہا کی شادی حبیب سے بخیر و خوبی ہو جاتی ہے۔ ماہا حبیب کے ساتھ دبئی چلی جاتی ہے' ماہا حبیب سے شادی کے بعد اپنے آپ کو دنیا کی خوش قسمت لڑکی سمجھنے لگتی ہے 'مگر اس کو پتا چلتا ہے کہ حبیب ایک بیٹے کا باپ ہے اور وہ فوراً" پاکستان جانے کا فیصلہ کرلیتی ہے۔

سوہا امید سے ہوتی ہے 'مگر نائلہ بڑی عمدگی اور کامیابی سے سوہا کو اس خوشی سے محروم کردیتی ہے اور اس حادثے کے بعد انس کو اپنی زیادتی کا احساس ہوتا ہے اور وہ سوچ لیتا ہے کہ اب سوہا کو کوئی غم نہیں دے گا۔ نائلہ اسپتال میں شبیر حسین کو دیکھ کر چکرا جاتی ہے وہ سمجھتی ہے کہ شبیر حسین نے اس کو نہیں دیکھا 'مگر شبیر حسین نائلہ کا پیچھا کرتے کرتے اس کے گھر پہنچ جاتا ہے اور نائلہ نہ چاہتے ہوئے بھی شبیر حسین کے جال میں گھر جاتی ہے۔

حبیب ماہا کو منالیتا ہے اور پاکستان آجاتا ہے 'مگر ماہا پھر غلط فہمی کا شکار ہو جاتی ہے اور حبیب کے ساتھ جانے سے منع کردیتی ہے۔ حبیب اکیلا ہی دبئی جانے کے لیے روانہ ہو جاتا ہے کہ اس کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے۔

عفت کا نکاح معراج کے ساتھ ہو جاتا ہے۔ جس کا حدید کو پتا چلتا ہے تو وہ حیران ہو جاتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

چودھویں قسط

رات کے کھانے سے کچھ ہی دیر بعد کا وقت تھا جب وہ لوگ حبیب کے گھر پہنچے۔

مزنہ بے حد نارمل انداز میں ملیں۔ خوشگوار لب و لہجے میں سلام دعا اور خیر خیریت کا مرحلہ نمٹا تو 'سوہا کو ذرا تقویت ملی۔ ورنہ اس کا دل ان کے سابقہ رویے کو دیکھتے ہوئے ذرا گھبرا سا رہا تھا۔ اس نے بھی جلدی سے ہاتھ میں پکڑے پھل اور مٹھائی کا ڈبا ان ہی کے ہاتھ میں تھما دیا کہ کہیں ایسا نہ ہو اسے یہ سب چیزیں کچن کے کمرے میں لے جاتے دیکھ کر ہی ان کا موڈ آف ہو جائے۔ حبیب کھانے کے بعد بستر پر نیم دراز تھا۔ وہ اور انس اس کے نزدیک ہی صوفے پر بیٹھ گئے۔

تھوڑی دیر بعد بات کرنے کے بعد 'انس اور حبیب کے درمیان جانے کون سے پرانے قصے کہانیاں اور ڈاکٹری پیچیدگیوں سے متعلق گفتگو چھڑی کہ وہ دونوں اس میں بالکل گم ہو کر رہ گئے۔

ماہا ان کے لیے چائے لینے گئی تھی تو 'اب تک واپس نہیں پلٹی تھی اور سوہا اس کمرے کے پردوں اور کارپٹ کا ڈیزائن نوٹ کرکر کے بور ہو چلی تھی۔ جب کمرے میں ایک اونچے لمبے وجود نے قدم رکھا۔

''السلام علیکم انکل!'' لڑکپن اور گمبھیرتا کے بین بین کھڑی آواز نے لمحے بھر میں سارا ماحول بدل ڈالا۔

سوہا جہاں بے طرح چونک گئی وہیں انس بھی اس کی طرف پلٹا تو چند لمحوں کے لیے فریز ہو گیا۔

چوڑے شانے صحت مند جسامت گوری رنگت اور جاذب نظر ناک نقشہ 'وہ جو کوئی بھی تھا جس کا اندازہ کچھ کچھ ان دونوں کو بھی ہو چلا تھا۔ مقابل کی نہ صرف توجہ بلکہ ستائش بھی ایک نظر میں جیت لینے والا تھا۔ بہت عزت اور ادب کے ساتھ انس سے ہاتھ ملا کر اس نے گلے ملنے کی رسم ادا کی۔ سوہا بس اتنی سی دیر میں اس سے متاثر ہو چکی تھی۔

''میٹ مائی سن انس! ولید درانی اور ولید یہ تمہارے انکل انس۔۔۔'' وہ آگے بھی یقیناً" کچھ کہنا چاہتا تھا۔ شاید ماہا کا حوالہ دینا چاہتا ہو۔ اس کا بات ادھوری چھوڑ کر خاموش ہو جانا سب ہی نے محسوس کیا۔ وہ خالصتاً" مغربی لب

ولہجے میں خوشی کا اظہار کرتے ہوئے دوسری طرف بیٹھ گیا۔ انس اب اس سے اس کی اسٹڈیز' مشاغل اور دوستوں کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ سوہا اس دوران صرف خاموش نظروں سے اس کا جائزہ لیتی رہی۔ یہ الگ بات کہ ان خاموش نظروں میں بھی اس کے لیے پسندیدگی کے رنگ اتنے واضح تھے کہ انہیں کوئی بھی پڑھ سکتا تھا۔ ماہا کچھ ہی دیر میں ان کے لیے چائے کے ساتھ اسنیکس لے آئی تو سوہا اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔ مگر اس نے پھر بھی نوٹ کر لیا کہ ماہا کے اندر داخل ہوتے ہی ولید اٹھ کر باہر چلا گیا۔
وہ خود بھی گھر' سسرال اور عفت کی شادی جیسے گھریلو موضوعات میں الجھ گئی۔ جبکہ دوسری طرف حسیب دبی آواز میں انس سے کہہ رہا تھا۔
"مجھے تمہاری ہیلپ کی ضرورت ہے۔"

☆ ☆ ☆

دنیا میں اگر ڈر اور خوف کی کوئی مجسم صورت تھی تو وہ اس وقت سامنے کھڑی تھی۔
"شب.... بیر.... "اتنا مختصر نام بھی اس کے لبوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر نکلا اور اس قدر غیر یقینی صورت حال میں بھی حدید کی نگاہوں میں امڈتی حیرت سے نائلہ کا مر جانے کو دل چاہا۔
"ہاں میں شبیر حسین! ادھر آ۔ باہر نکل حرامزادی.... "اس نے آگے سے دو چار اور بڑی اور موٹی گالیاں دیں۔
کوئی اور وقت ہوتا تو شاید حدید اس کے دانت جبڑوں سے الگ کر چکا ہوتا۔ مگر اس وقت صرف پتھریلی نائلہ اور شبیر حسین کے ہاتھ میں چمکتے چاقو کے پھل دیکھ کر پھڑپھڑا کر رہ گیا۔
"کیا سمجھی تھی تو.... میں جیل چلا گیا زندگی بھر کے لیے؟ اب تو آزاد ہے.... جو جی کرے کرتی پھرے گی۔ شبو کبھی واپس نہیں پلٹے گا۔ "حدید کا کالر دبوچے اس کی زبان تڑتڑ گولے برسا رہی تھی۔ اور پھٹی ہوئی آنکھوں سے دیکھتی نائلہ کے آس پاس دھماکے سے پھٹ رہے تھے۔
"چل سیدھی طرح جا اور جا کے وہ زیور لا۔"
حرف آخر کی طرح اس نے فیصلہ سنایا اور حدید کی گردن کی پشت پر سے کالر کو اور زور سے بھینچا۔ نائلہ کے مردہ تن میں جان پڑی اور پھر نکل بھی گئی۔
"زیور.... کون سا زیور...."
"کون سا زیور بھول گئی الو کی پٹھی.... تیری یادداشت واپس لاؤں کیا ابھی۔ "اس کے انداز میں اس قدر مانوسیت تھی اور اس قدر بیگانگی تھی کہ اپنی گردن پر چاقو کی نوک کی چبھن محسوس کرتا حدید' اس نازک وقت میں بھی خاموش نہیں رہ سکا۔
"یہ کیا بکواس کر رہا ہے نائلہ! یہ کس زیور کی بات ہو رہی ہے۔ اور تم.... تم جانتی ہو اس آدمی کو۔"
"ہہ.... پتا نہیں حدید قسم سے مجھے نہیں پتا میں تو.... اسے جانتی تک نہیں۔"
"بکواس کرتی ہے حرامزادی.... "شبیر حسین اس زور سے دھاڑا کہ باتوں باتوں میں دھیرے دھیرے قدم اس کی طرف بڑھاتی نائلہ دہل کر لڑکھڑا سی گئی۔
"جلدی زیور لا کر میرے ہاتھ پر رکھ دے نہیں تو کاٹ دوں گا تیرے خصم کو۔ نہ اس کو سلامت چھوڑوں گا نہ تیری عزت...."
اس کی بات ابھی لبوں میں ہی تھی کہ حدید کی غیرت نے زوردار جوش دکھایا۔ اس نے خود کو چھڑانے کے لیے

ایک زور کا جھٹکا دیا۔ لیکن شبیر حسین ایک عادی مجرم تھا۔ اور حدید کا پالا پہلی بار اس قسم کی صورت حال سے پڑا تھا۔ بس چند لمحوں کی بات تھی۔ اپنے قابو سے باہر ہوتے دیکھ کر شبیر حسین نے حدید کے بازو میں تیز دھار پھل اتار دیا۔

شدید اذیت کے احساس سے جہاں حدید بری طرح کراہ کر رہ گیا وہیں 'نائلہ کے لبوں سے بھی چیخ نکل گئی۔

کٹے ہوئے بازو میں سے خون کا سرخ سرخ فوارہ ابل پڑا۔ حدید نے زخم کو دبانے کے لیے دوسرا ہاتھ بازو پر رکھا۔ 'درنا چاہتے ہوئے بھی تکلیف سے لڑکھڑا کر رہ گیا۔

شبیر حسین نے اس کی غیر ہوتی حالت کا اندازہ کرتے ہوئے اسے زمین پر دھکا دیا۔ حدید اپنا بازو تھام کر زمین پر گر سا گیا۔

"اسے چھوڑ دو شبیرا سے چھوڑ دو تمہیں خدا کا واسطہ اسے کچھ مت کہنا۔ تم میرا سب کچھ لے لو۔۔۔ مگر۔۔۔"

اس کی بات مکمل ہوتے ہوتے شبیر حسین نے حدید کے سیدھے پیر کے تلوے میں پوری قوت سے چاقو گھسیڑا۔ اب کی بار حدید اور نائلہ دونوں کے حلق سے نکلنے والی چیخیں بلند تھیں۔

اگلے ہی لمحے وہ اڑتی ہوئی جا کر حدید کے سرہانے گر چکی تھی۔

"تمہیں اللہ کا واسطہ ہے ایسا مت کرو۔ میرے پاس کوئی زیور نہیں۔ بخش دو مجھے خدا کے لیے۔"

اس کے لبوں سے واسطے کو سنے 'منت ترلے سب ہی نکل رہے تھے۔ وہ بری طرح پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے حدید کا سر اٹھا کر اپنی گود میں رکھنے کی کوشش کرنے لگی تھی۔ جب شبیر حسین نے پنجوں کے بل اس کے قریب بیٹھ کر اس کے بال مٹھی میں جکڑ لیے۔

"اف!۔۔۔" بے بس کر دینے والی شدید اذیت ناک درد کی لہر اس کے پورے جسم میں سرائیت کر گئی۔ یہ دوسری بار تھا جب شبیر نے اس کے سر کے بالوں کو یوں بے دردی سے نوچا تھا۔

کوئی مردانی وحشت اور درندگی میں کس حد تک جا سکتا تھا۔ اس سے پہلے صرف اندازہ ہی تھا۔ آج اسے تجربہ بھی ہونے جا رہا تھا۔

حدید کا وجود دھیرے دھیرے خون میں لت پت ہو رہا تھا۔ "نہیں ہے میرے پاس کچھ بھی۔۔۔ ہو گا بھی تو تجھے نہیں دوں گی کمینے۔۔۔ کتے۔۔۔ تو نے میری زندگی عذاب کر دی۔ کھا گیا تو میری جان۔۔۔ کمینے۔۔۔ کچھ نہیں ملے گا تجھے میرے پاس سے۔"

اشتعال اور بے بسی کے انتہائی احساس نے مل کر اسے بے قابو سا کر ڈالا۔ اپنی اور حدید کی کمزور پوزیشن بھول کر وہ زبانی کلامی ہی اس سے بدلہ لینے چڑھ دوڑی۔

شبیر نے نائلہ کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی اسے الٹے ہاتھ کا زوردار تھپڑ رسید کیا۔ وہ الٹ کر زمین پر گری۔ شبیر اسے اٹھانے کے لیے جھکا تو اس کے لبوں پر گندی گالیوں اور مغلظات کا ایک گٹر ابل رہا تھا۔

حدید نے اپنے بے جان ہوتے جسم کو حرکت دے کر شبیر حسین کو پشت پر سے پکڑنا چاہا۔ مگر وہ ہٹا کٹا تھا اور حدید تقریباً" بے ہوش ہونے کے قریب۔۔۔ شبیر نے نائلہ کو چھوڑ کر اسی کو پکڑا۔

"لاتی ہے یا کر دوں کام ختم۔۔۔ بول جلدی۔"

نائلہ چیختی بلبلاتی اس پر چل پڑی۔ اس کی پھٹی ہوئی خوف زدہ بے ہنگم آواز میں ہوتی چیخ و پکار یقیناً" چار دیواری پار کر کے پاس پڑوس تک جا پہنچی تھی۔

جس وقت وہ سارا خوف اور ڈر بھلا کر شبیر حسین کا چاقو والا ہاتھ اور اس کا تنومند وجود حدید سے دور کھینچ رہی

تھی۔ اسی وقت بیرونی دروازہ پوری قوت سے بج اٹھا۔
لاؤنج میں مچی ہڑبونگ اور ہنگامہ لمحے بھر میں یوں ساکت ہوا گویا کسی نے اسٹل کا بٹن دبایا ہو۔
"نائلہ... نائلہ بٹی کیا ہوا۔" آنے والی وہی پڑوسن خالہ تھیں۔ جن کا دروازہ اس نے چند روز قبل آدھی رات کو پیٹا تھا۔ اس وقت بھی اس کی اونچی آواز اور چیخیں سن کر وہ لشتم پشتم چلی آئی تھیں۔
بس چند لمحوں کی بات تھی۔ شبیر حسین نے دروازے کی طرف دیکھا اور لمحے بھر میں ہاتھ میں پکڑا دہری دھار والا لمبا چاقو نائلہ کے پیٹ میں اتار دیا۔
"اوغ..." کی آواز کے ساتھ نائلہ کی آنکھیں باہر آگئیں۔ وہ دونوں ہاتھ پیٹ پر رکھے۔ کھلے لبوں سے اس کو تکتی گئی۔ ایک... دو... تین۔
یکے بعد دیگرے... پے درپے تین وار اور اس نے تین لمحوں میں کسی کی زندگی کو موت کے منہ میں دھکیل دیا اور وہ پورے قد سے سیدھی زمین پر جا گری۔ شبیر گلے میں پڑا رومال منہ پر لپیٹے ہوئے 'قدموں میں گری نائلہ کو کسی گندی آلائش کی طرح پھلانگتے ہوئے سیڑھیاں چڑھ کر اپنی پرانے رستے سے نکل گیا۔

☼ ☼ ☼

"یہ اپنے گھر کے سامنے رش کیوں لگا ہوا ہے۔" گلی کا موڑ مڑتے ہی بائیک چلاتے انس اور اس کے پیچھے بیٹھی خوش باش سوہا کو آن کی آن میں تشویش نے آگھیرا لیکن اس تشویش کو زبان صرف سوہا نے ہی دی۔
"پتا نہیں اللہ خیر کرے۔" انس بھی حد درجہ سنجیدہ اور کسی حد تک پریشان ہو چلا تھا۔ لیکن ان دونوں کو ہی اندازہ نہیں تھا کہ اصل میں کیا مصیبت اس وقت گھر پران کی منتظر ہے۔
گھر کے اندر اور باہر محلے کے جانے اور انجانے مردوں کا ہجوم تھا۔ انس کی بائیک کو اس کے اترنے سے پہلے ہی گھیرے میں لے لیا۔ سوہا نے دوپٹا چہرے پر رکھ کر بے حد پریشانی میں ان کے چہرے دیکھے۔
انس بائیک روک کر اتر رہا تھا۔
"کیا ہو گیا بھائی۔ سب خیریت ہے۔"
اس نے کسی سے سوال کیا تھا اور جواب کی منتظر سوہا نے دہلیز پر رک کر جواب سننا چاہا۔ مگر جواب نہیں ملا۔
صحن میں بھی عورتیں جمع تھیں۔ اس نے دہلیز پر رک کر پلٹ کر انس کو دیکھا۔ اتنے لوگوں میں بھی کوئی شور نہیں تھا۔ بلکہ ایک مدھم بھنبھناہٹ تھی۔ جو اس کے وجود کا احاطہ کرتی اسے خوامخواہ میں الجھا رہی تھی۔
اس نے نہ چاہتے بھی بے دلی سے صحن عبور کیا۔ دل کرتا تھا یہیں سے پلٹ جائے۔ انس نے جو کسی سے خیریت کا سوال کیا تھا۔ اس سے خیریت کا جواب لے کر ہی پلٹے۔
چند قدموں کا صحن اس نے یوں پار کیا گویا صد ہزار سالوں کا فاصلہ طے کیا۔ پھر دھڑ دھڑاتا ہوا دل برآمدے کی دہلیز پر ٹھہرا۔ عورتوں کے مجمع کے درمیان بچھے گھسے ہوئے غالیچے پر نائلہ لیٹی تھی۔ آنکھیں بند' دل ساکت اور سانس ساکن۔
آن کی آن میں رکتا ہوا دل یوں بھاگا گویا پھٹ کر ابھی دھجیوں میں اڑ جائے گا۔ اس کے لبوں سے اول اول سرگوشی نکلی۔
"نائلہ...!!!... خون..."
"نائلہ!... نائلہ... نائلہ..." آخر اس کی دلخراش چیخیں آسمان سے باتیں کر رہی تھیں۔

☆ ☆ ☆

گھر کے اوپری حصے کا چھوٹا سا صحن جو ہمیشہ ایک چھوٹی میز اور چار کرسیوں سے سجا رہتا تھا۔ اس وقت اضافی فرنیچر کی اٹھا پٹخ کی وجہ سے افراتفری کا شکار لگ رہا تھا۔

نچلے حصے کے کمرے اور لاؤنج بالکل خالی تھا۔ صرف ایک دیوار سے دوسری دیوار تک بچھی چاندنیاں لوبان اور کافور کی خوشبو اور اگربتیوں کی خوشبوؤں کے حصار میں بدروحیں سی معلوم ہوتی تھیں۔ خاموش مغموم چہروں اور سرگوشیوں میں مصروف ہونٹوں کے پس منظر میں کبھی کبھی کوئی سسکی یا کوئی بین ابھرتا۔

"ہائے... ئے... ئے یا اللہ۔"

اور پھر یہ بین زور پکڑ جاتے۔ سسکیاں، آہوں کراہوں میں بکھر جاتیں اور کسی کونے سے پھوٹ پھوٹ کر رونے کی آواز بہت سی آنکھوں کو نم کر دیتی۔

"نائلہ... نائلہ...!"

تائی اماں کو کسی صورت چین و قرار نہ تھا۔ عفت انہیں سمیٹتے سمیٹتے خود بھی بکھرنے لگتی تھی۔ ماہا، سوہا اور رضوانہ نے جس طرح انہیں سنبھال رکھا تھا۔ وہ خود ہی جانتی تھیں۔

سوہا تو جیسے ایک عجیب بے یقینی سی کیفیت میں تھی۔ وہ سارا وقت وقفے وقفے سے گزرے مناظر کو کسی فلم کی طرح ذہن میں دہرانے لگتی۔

"جب ہم گھر سے نکل رہے تھے۔ وہ وہاں تھی..." اس کی بھرائی ہوئی دھیمی آواز پر سسکتی ہوئی ماہا نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

"وہ ہنس رہی تھی۔ پھر وہ کچن میں چلی گئی وہ بول رہی تھی۔ جلدی آنے کی تاکید کر رہی تھی..."

"سوہا... سوہا۔" ماہا نے گھبرا کر اس کا شانہ جھنجوڑا۔

"وہ مٹھائی کھا رہی تھی۔ وہ ہنس رہی تھی ماہا... وہ زندہ تھی... جیتی جاگتی... پھر... پھر وہ وہاں..." اس کی سوجن زدہ سرخ آنکھیں لاؤنج کے فرش پر ایک جگہ گڑ گئیں۔

"وہ وہاں لیٹی تھی... وہ خاموش ہو گئی... اس کا خون نکلا۔ اتنا زیادہ اتنا زیادہ... اتنا زیادہ۔" اس کی نم آنکھوں میں آنسو امڈے... لب کپکپائے... اس کے نقوش بگڑے۔ اور اگلے ہی پل وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔

"اس کا بہت خون نکل گیا امی!... امی... امی اس کا بہت خون نکلا... کوئی نہیں تھا اسے بچا لیتا... امی... وہ چلی گئی... وہ مر گئی امی۔"

سوہا کی چیخیں سماعتیں چیرنے لگیں۔ اس کی آہ و بکا عرش سے باتیں کرنے لگی۔ رضوانہ... ماہا عفت اور تائی امی سب ہی اس سے لپٹ کر سسکنے لگیں۔

تب محلے سے آئی ایک دو خواتین غمگین چہرے لیے نزدیک آ گئیں۔

"صبر کریں بہن... اب صبر کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں... اور بچی کو سنبھالیں۔ یوں بلند آواز سے رونا بین کرنا ٹھیک نہیں۔ اس سے جانے والے کو تکلیف ہوتی ہے۔"

"بس کر میری بچی... میری بہادر بیٹی..." پڑوسن خالہ حال سے بے حال ہوتی سوہا کو خود سے لپٹا کر روہانسی آواز میں پچکارنے لگیں۔

"بے شک غم بہت بڑا ہے مگر بیٹی۔ تم کو صرف خود کو نہیں۔ اس گھر کو بھی سنبھالنا ہے۔ جانے والی تو چلی گئی پر اس کے پیچھے جو اکیلا رہ گیا۔ اسے کون سنبھالا دے گا... سوچو تو سہی خدا نے ایک کو بلایا تو دوسرے کو تمہارے

پاس چھوڑ دیا۔ یہ کیا کم ہے۔ ورنہ جس نے ایک کی جان لی۔ وہ دوسرے کی بھی تو لے سکتا تھا۔"
بھرائی آواز سے اسے دلاسے دیتی وہ دھیرے دھیرے بولتی گئیں۔
"حدید کا غم بھی کم نہیں۔ تم حوصلہ کرو گی۔ تبھی تو اسے حوصلہ دے پاؤ گی بیٹی۔"
اور حدید۔۔۔ اسے واقعی کسی حوصلے کی ضرورت تھی۔

☼ ☼ ☼

جنازے کے شرکا بے حد آہستگی سے شہر خموشاں کی جانب بڑھ رہے تھے۔ اور اس کی وجہ تھی ایک بے حد اہم شخص کی سست رفتاری۔
اس کے پیر میں لگا چیرا ہر قدم کے بعد کچھ اور زیادہ درد کرنے لگتا تھا اور اب اس تازہ بہ تازہ گھاؤ سے معمولی سا خون کا رساؤ شروع بھی ہو چکا تھا۔ ایک بازو میں زخم کی وجہ سے وہ دوسرے کاندھے پر اپنے شریک حیات کا بوجھ بانٹے ہوئے تھا۔
بے انتہا ضبط سے سرخ ہوتی آنکھوں میں عجیب ہی کیفیت تھی۔ کرب و اذیت تو پورے وجود پر رقم تھی ہی۔ مگر ایک انجانا 'ان دیکھا' غیر معمولی اشتعال کا احساس سا اس کی آنکھوں سے جھلکتا تھا۔
پورا راستہ اس کی اور انس کی آنکھوں میں کسی کی یاد ایک فلم کی طرح چلتی رہی۔ دونوں دل غمگین تھے۔ دونوں وجود شکستہ۔ دونوں کے اعصاب تڈھال تھے۔ اور دونوں کی سوچیں ایک نکتے پر آکر ٹھہری سی گئی تھیں۔
ایک ہنستا بستا وجود 'لمحہ بھر میں بے جان ہو گیا۔ مٹی کا پتلا۔ مٹی میں مل گیا۔ جسے پھولوں کی طرح مہکتا تھا۔ وہ تہہ خاک جا سویا۔ کچھ اچھی بری ملی جلی یادیں اور اپنے ہمسفر کی آنکھوں میں ایک سوال زندہ چھوڑ کر۔۔۔
"کون تھا وہ شخص۔۔۔ کیا نائلہ اسے پہلے سے جانتی تھی۔۔۔"

☼ ☼ ☼

کمرے میں نیم تاریکی تھی اور نیم خاموشی۔ اس کی دبی دبی سسکیاں اچانک سے تیز ہو تیں۔ آنسوؤں میں روانی آجاتی اور حسیب ایک بار پھر اس کا سر سہلانے لگتا۔
"بس کرو ماہا!۔۔۔ بس کرو۔ ہلکان ہو رہی ہو۔ بس کرو اب۔" وہ پچھلے آدھے گھنٹے سے اس کے سینے میں سر چھپائے سسک رہی تھی۔ اور پچھلے آدھے گھنٹے سے حسیب کا دلاسا 'تسلی' پیار پچکار کچھ بھی اس کا دل ہلکا نہ کر پایا تھا۔
"مجھے یقین نہیں آتا حسیب! کوئی اتنی آسانی سے ہنستے بولتے۔ اس قدر بے رحمی سے۔۔۔"
اس سے بات مکمل نہیں کی گئی۔ وہ ایک بار پھر پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔
"اسی لیے کہتے ہیں کہ گلے شکووں کو اپنے دل میں اتنی جگہ مت دو کہ تلافی کا موقع رہے نہ وقت۔" اس نے بے حد آہستگی سے اس کا سر سہلاتے ہوئے کہا تھا۔ ماہا نے سسکتے ہوئے سر اٹھا کر اس کا چہرہ دیکھا۔ اس کے ہونٹ پپڑی زدہ اور سوکھے ہوئے تھے۔
"آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں۔" اس کا سوال اس کی ظاہری کیفیت اور حسیب سے دل جوئی کے لیے ادا کیے گئے الفاظ سے قطعی مختلف تھا۔
"تمہیں کیا لگتا ہے۔" اس نے جواب نہیں دیا اور اٹھ کر بستر سے ٹانگیں لٹکا کر بیٹھ گئی۔
"ٹھیک کہتے ہیں آپ۔" چند لمحوں بعد اس کی بھاری آواز کمرے کی خاموش فضا میں گونجی تو بے انتہا ٹوٹی ہوئی

تھی۔

"مجھے اور سوہا کو نائلہ بالکل اچھی نہیں لگتی تھی۔ وہ بہت دل جلانے والی باتیں کرتی تھی۔ کچھ بھی بول دیتی تھی۔ ہم دونوں بہنیں اکثر اس کے نشانے پر رہتی تھیں۔ لیکن.... جب اس کی شادی ہوئی اور حدید بھائی نے اسے واقعی میں پیار دیا۔ محبت دی اور اپنے ساتھ کا مان دیا۔ تو وہ دھیرے دھیرے بدلنے لگی۔ اس نے سوہا کو تنگ کرنا بھی چھوڑ دیا۔ باتیں سننا۔ طنزیہ فقرے اس نے.... اس نے سب چھوڑ دیا سب کچھ.... اور جب.... جب وہ سب سے گھل مل کر رہنے کے قابل ہوئی تو زندگی نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا.... اوہ میرے خدا۔" وہ ایک بار پھر سر ہاتھوں میں گرا چکی تھی۔ حسیب لیٹے ہوئے سے ذرا سا اٹھ کر اس کے نزدیک آیا اور پیچھے سے اس کے بازوؤں کو تھام کر ہولے سے بولا۔

"یہ زندگی کا ساتھ ہے ہی چھوٹنے کے لیے تو کیا یہ بہتر نہیں کہ جب تک یہ ساتھ چھوٹے۔ ہم اپنے رویے اور عمل کی کچھ اچھی یادیں دوسروں کو دان کر چکے ہوں...." ماہا نے سسکتے ہوئے مڑ کر اسے دیکھا۔ خشک لبوں پر زبان پھیری۔

"ہمارے جانے کے بعد کسی کے پاس کچھ اچھے الفاظ تو ہوں ہمیں یاد کرنے کے لیے۔" ماہا نے گہری سانس لے کر خود کو سنبھالا سا دیا۔ اور تھک کر اپنا سر حسیب کے سر سے ملا کر زور سے آنکھیں بند کر لیں۔

بند پلکوں سے دو موتی ٹوٹ کر کہیں گم ہو گئے۔

☼ ☼ ☼

لوگ وقت کے بارے میں بڑی بڑی باتیں کرتے ہیں۔ مداوا، مرہم.... دھول.... دھندلاہٹ.... وقت کی پروا کرتے ہیں۔ اسے تھام کر رکھنے کے چکروں میں سب کچھ بھلا کر اس کے ساتھ ریس لگاتے ہیں.... لیکن وقت.... وقت کسی کی پروا نہیں کرتا۔ نہ کسی سے کچھ کہتا نہ کسی کی سنتا.... وقت وہ منہ زور گھوڑا ہے۔ جو سرپٹ بھاگنے پر آئے تو اپنے پیچھے صرف اڑتی ہوئی دھول کا غبار چھوڑ جاتا ہے۔ جس میں گم ہو کر ہر منظر اپنی حقیقت کھو دیتا ہے۔

کیونکہ یہ دھول کبھی چھٹتی نہیں کبھی مٹتی نہیں۔ یہ غبار اگر کم ہوتا بھی ہے۔ تو ان ہی مناظر پر بیٹھ کر.... جو زندگی کا سب سے بڑا دکھ اور سب سے بڑی خوشی لگتے ہیں۔ وقت کا بے لگام گھوڑا ان ہی واقعات کو اپنے بے رحم کھروں سے روندتا چلا جاتا ہے۔

"کیا ہوا۔" ڈریسنگ کے آئینے میں سوہا کو خالی ہاتھ واپس پلٹتے دیکھ کر وہ بے اختیار پوچھ بیٹھا۔ وہ انس کے لیے ناشتا لینے نیچے اتری تھی۔

"وہ...." وہ تذبذب کا شکار تھی۔ یوں جیسے بتائے یا نہیں۔

"حدید بھائی آفس جانے کے لیے تیار ہو رہے ہیں۔" انس چند لمحے تفکر سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر کچھ کہے بنا باہر نکل گیا۔ سوہا بھی پیچھے جانے کے بجائے وہیں بیڈ پر بیٹھ کر اپنی خالی گلابی ہتھیلیاں بے تاثر نگاہوں سے تکنے لگی۔

نائلہ کے قاتل کا کچھ پتا نہیں چلا۔ کون تھا۔ کس مقصد کے لیے آیا تھا۔ اور اگر اسے صرف ڈکیتی کرنی تھی تو نائلہ کو کیوں.... حدید اس سلسلے میں کوئی بات نہ تو کرتا تھا۔ نہ کرنے کے قابل تھا۔ پولیس، تھانہ، رپورٹ پوچھ کچھ اور تفتیش کے بعد تمام رسمی کارروائی پوری ہو چکی تھی۔ ان لوگوں کو کسی پر شک کیا ہونا تھا بھلا۔ یہ تو ان سب کی زندگیوں کا سب سے اندوہناک واقعہ تھا۔ جس نے ہر شخص پر اپنے الگ ڈھب سے اثرات چھوڑے تھے۔

سوہا کو بھی انس کے جانے کے بعد عجیب سی تنہائی کا احساس شام ڈھلے تک ستاتا رہتا۔ کیونکہ حدید اس دن کے

بعد سے یا تو صرف ایک زخمی مریض تھا یا صرف زندہ لاش۔ اسے اس واقعے کے بعد سے ایسی گہری چپ نے گھیرا تھا۔ جیسے انس اور سوہا۔ اپنی پوری کوشش کے باوجود توڑنا تو دور کی بات معمولی سا کم بھی نہیں کر پائے تھے۔
"ٹھیک ہے اس کا ناشتا بنا دو۔" انس کمرے میں واپس آچکا تھا۔
"لیکن یہ بہت جلدی ہے انس! ابھی ان کے زخم ٹھیک نہیں ہیں۔"
"اس کا مستقل گھر میں رہنا بھی ٹھیک نہیں ہے۔ ماحول بدلے گا مصروفیت ملے گی تو آہستہ آہستہ....."
اس سے بات مکمل نہیں کی گئی۔ پتا نہیں کیوں... نارمل کا لفظ ادا کرتے سمے اس کا دل بھاری ہو گیا۔
سوہا بھی اپنے بھرتے ہوئے دل کو قابو کر کے تیزی سے باہر نکل گئی۔ اور گو کہ انس اور حدید کی بات ہو چکی تھی۔ پھر بھی جب ناشتے کی ٹرے لے کر گئی۔ تو اس سے کہے بغیر نہیں رہ سکی۔
"آپ کو اتنی جلدی آفس نہیں جانا چاہیے۔ دس پندرہ دن میں اتنے گہرے زخم نہیں بھرتے حدید بھائی۔" وہ جو خاموشی سے جھک کر جوتوں کے بجائے پٹی بندھے پاؤں کو سینڈل میں قید کر رہا تھا۔ سیدھا ہو کر بے تاثر انداز میں بولا۔
"کچھ زخم بھرنے میں دن مہینے نہیں... زندگیاں لگ جاتی ہیں۔" سوہا سے جواب میں مسکرایا بھی نہیں گیا۔
"بائیک چلانے میں دقت ہو گی میں تو اس لیے کہہ رہی تھی۔"
"مجھے نائلہ کا موبائل نہیں مل رہا۔ پلیز اگر تمہارے پاس ہے تو دے دو۔" اس کی بات بالکل الگ تھی۔
سوہا نے سیدھے ہو کر تعجب سے اسے دیکھا۔
"مجھے پتا تو نہیں لیکن... میں دیکھوں گی۔ گھر میں سب لوگ تھے تو کسی نے حفاظت کے خیال سے کہیں رکھ دیا ہو گا۔"

☼ ☼ ☼

"ابا بالکل ٹوٹ سے گئے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا میں کیسے ان کی دل جوئی کروں کیسے ان کو دلاسا دوں میں۔ اس دن سے بستر سے جو لگے ہیں تو اپنے پیروں پر چل تک نہیں پاتے۔" عفت بہت دھیمے اور پژمردہ لہجے میں انس کو تایا ابو کی حالت سے آگاہ کر رہی تھی۔
"بلڈ پریشر بھی کبھی تو حد سے زیادہ ہائی اور کبھی اتنا لو ہو جائے گا کہ....." وہ سوہا کے پورشن میں باہر رکھی میز اور کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ تایا ابو اور تائی اماں ڈاکٹر کی دی گئی مسکن دواؤں کے زیر اثر نیند میں جا چکے تھے۔ جبکہ رضوانہ عشاء کی نماز کی ادائیگی میں مصروف تھیں۔ اس نے بات ادھوری چھوڑ کر سر جھکا لیا۔ انس نے بے اختیار ایک گہری سانس لے کر سر جھکا لیا۔ پھر دھیرے سے بولا۔
"خالو جان جس ہمت سے یہ حادثہ سہار گئے وہ ہی بہت ہے۔ اب ان کی طبیعت نہ بگڑے تو اور کیا ہو۔" عفت بھی سر جھکائے دونوں ہاتھ گود میں رکھے بیٹھی تھی۔ انس نے کافی دیر اس کے بولنے کا انتظار کیا۔ لیکن اس کی طرف سے کوئی بات نہ ہوئی تو چونک کر دیکھا۔ اس کی جھکی پلکوں سے قطرہ قطرہ ٹپک کر ہاتھوں کو گیلا کر رہا تھا۔ انس کے سامنے رو پڑنے کی شرمندگی سے بچنے کے لیے اس نے اپنی سسکیاں تو چھپا لی تھیں۔ مگر خود کو روک نہیں سکی تھی۔
انس بنا کچھ کہے اٹھ کر اس کے پاس آیا۔ اور جھک کر اسے خود سے لگا لیا۔ عفت کے لیے خود پر بند باندھنا اب ناممکن تھا۔ وہ بے حد دھیرے دھیرے سسکنے لگی۔
"تم ایک بہت بہادر لڑکی ہو عفت۔ میں نے کبھی کسی بھی طرح کے حالات میں تمہیں ہار مانتے نہیں دیکھا۔

تم نے ہمیشہ اپنے ساتھ ساتھ خالہ اور خالو جان کو بھی بہت سہارا دیا ہے۔ مجھے تم سے بہت امیدیں ہیں۔ صرف مجھے نہیں بلکہ سوہا اور ماہا کو بھی۔ تمہاری ایک بہن دنیا سے گئی ہے۔ شکر ادا کرو کہ اللہ نے تمہیں دو بہنیں اور دی ہیں۔ ان کی خاطر خود کو سنبھالو۔ خالہ اور خالو جان کے پاس تمہارے سوا اب کون بچا ہے۔ تم ہی ان کا سہارا ہو۔ ان کی خوشی اور امید ہو۔ کیا تم ان کے چہروں پر چھائے غم کو دور کرنے کی کوشش کرو گی یا اس کو اور بڑھاؤ گی۔"

عفت سے جواب نہیں دیا گیا۔ لیکن اپنی پوزیشن کا احساس ہوتے ہی دور ہٹ کر جلدی سے چہرہ صاف کرنے لگی۔

"وہ... وہ مجھے بہت یاد آتی ہے۔ انس بھائی۔" بولتے ہوئے ایک بار پھر بکھرنے سی لگی۔ انس نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر تھپتھپایا۔

"جانے والے یاد تو آتے ہی ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ جب بھی یاد آئیں۔ ان کے حق میں دعا کریں۔" تبھی نیچے سے کوئی ہلکی سی آواز آئی۔ عفت ایک دم کھڑی ہو گئی۔

"ابا بلا رہے ہیں۔ چلیں آپ بھی مل لیں۔" انس نے بغور اسے دیکھا۔ وہ بڑی حد تک خود کو سنبھال چکی تھی۔

"چلو تم میں ذرا آنٹی کو بتا کر آتا ہوں۔" تایا ابو کی آنکھ پیاس لگنے سے کھلی تھی۔ دوسرے کمرے میں اندھیرا تھا۔ یعنی تائی امی گہری نیند میں تھیں۔

انس نے اندر داخل ہو کر سلام کیا۔ تو وہ چونکے پھر فقط سر ہلا کر پانی کے گھونٹ بھرنے لگے۔ انس خیر خیریت پوچھ کر کتنی ہی دیر سر جھکائے ان کے پاس بیٹھا رہا مگر سمجھ ہی نہیں آتی تھی کہ کیا بات کرے۔ یوں لگتا تھا جیسے ایک نابلہ کے چلے جانے سے ہر کام ہر بات ختم ہو گئی۔ ہر معاملہ نمٹ گیا اور سارے مسئلے سلجھ گئے۔

"حدید آفس جانے لگا ہے۔ حالانکہ ابھی اس کا پیر ٹھیک نہیں ہوا۔" انہوں نے جواب میں کچھ کہنے کے بجائے بے بسی سے ہاتھوں کو کھول کر اشارہ کیا۔ گویا "کیا کر سکتے ہیں۔"

"کب تک بیٹھے گا گھر پہ... ظاہر ہے۔ زندوں کے لیے سو جھنجٹ ہیں۔ مرنے والے تو گئے۔" ان کی آواز بھیگ گئی۔

بوڑھی آنکھوں سے جھریوں بھرے چہرے پر نمی بہنے لگی۔ انس سے ترحم آمیز نگاہ سے ایک لمحہ بھی انہیں دیکھا نہیں گیا۔

"میں تو یہاں بیٹھا اپنے دن گنتا رہا اور وہاں میری بچی... " انس کو لگا اسے ایک بار پھر کسی کو ہمت اور حوصلے کا سبق دینا ہے۔

"کس دل سے کہوں کہ اللہ میری بچی کی قبر کو..." ان سے بات مکمل نہیں کی گئی۔ وہ اب دبے دبے انداز میں باقاعدہ رونے لگے تھے۔ انس جلدی سے اٹھ کر بستر پر ان کے سامنے بیٹھا اور تسلی آمیز انداز میں ان کے ہاتھ تھام لیے۔

بیٹی اللہ کی لاکھ رحمت سہی۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ زندگی میں کسی نہ کسی مقام پر اولاد نرینہ کی کمی والدین کو ضرور محسوس ہوتی ہے اور یہ کمی جب بھی محسوس ہوتی ہے۔ ہمیشہ شدت کی ہوتی ہے۔

☼ ☼ ☼

"ہک ہاہ... جوان جہان بچی... کس بے رحمی سے جان سے گئی۔" پان کی گلوری کلے میں دبائے وہ بڑے بجھے دل سے بات کر رہی تھیں۔ جب تبسم نے فارغ سے انداز میں پاندان ایک طرف ہٹا کر ان کے برابر میں اپنی

نشست اس انداز میں سیٹ کی کہ وہ جو بھی بات کرتی سیدھی بتول کے کان کے پردے تک جائے۔ نہ یہاں سنائی دے نہ وہاں۔

"اب کیا سوچا ہے اماں۔" اس قدر نزدیک سے بھی اس کا انداز خاصا رازداری لیے ہوئے تھا۔

"سوچنا کیا ہے۔ اب تو میرا پیر بھی ٹھیک ہو چلا ہے۔ تھوڑا اور انتظار کرلیں گے اور کیا۔ جانے کہاں سے بے چاروں پر مصیبت ٹوٹ پڑی۔"

"جانے کہاں سے...." تبسم نے ان کی شکل دیکھی۔ جیسے اماں کی عقل پر شبہ ہو۔

"جانے کہاں سے کیا۔ مصیبت کی جڑ تو ان کے اپنے گھر میں موجود ہے۔" بتول کا منہ کھل گیا۔ آنکھیں پھٹ گئیں۔

"میں نہ کہتی تھی۔ یہ لڑکی بھاری پڑ رہی ہے۔ اب آپ دیکھ لو اماں۔ اب میں کچھ نہیں بولوں گی۔ مگر.... جان چلی گئی بہن کی۔"

تبسم ماں کے کان میں صور پھونک رہی تھی۔ بتول کا رنگ زرد پڑتا جا رہا تھا۔ اور آنکھیں پھٹ گئی تھیں۔ کچھ لمحوں کے بعد جب وہ بولیں' تو ان کا انداز یوں تھا گویا کوئی بھوت دیکھ لیا ہو۔

"ائے ہاں تبسم یہ تو میں نے دھیان ہی نہیں دیا۔"

"حالانکہ یہی تو دھیان دینے والی بات ہے اماں!" تبسم اب بے نیاز سا بن کر ہتھیلی پر رکھے چھالیہ کے دانے ٹونگنے لگی تھی۔

"ٹھیک کہتی ہے تو' اب اس سے بڑی بات اور کیا ہو گی۔" وہ آگے بھی کچھ کہنا چاہتی تھیں۔ مگر اسی وقت ان کا پوتا بھاگتا ہوا آیا۔ اور تیزی سے ان کے بستر پر چڑھنے کی کوشش میں ذرا سا زمین پر لڑھک گیا۔

"ہائے میرا بچہ!" بتول نے بجلی کی سی پھرتی سے یوں لپک کر اس کو کلیجے سے لگایا۔ گویا عفت پلنگ کے نیچے سے اسے گھسیٹنے ہی والی ہو۔ بچے کو چوٹ تو لگی نہیں تھی۔ مگر دادی کی طرف سے اس محبت کے مظاہرے پر حیران پریشان رہ گیا۔

☆ ☆ ☆

موسم بدل رہا تھا۔

گرمیاں پت جھڑ سے رخصت لیتے سے بھی اس کی ہتھیلی پر اپنی تپش کی چھاپ چھوڑ گئی تھیں۔ حبس والے موسم میں دل اکتایا رہتا۔ اور جو ذرا سی ہوا چل جاتی تو جانے کہاں کہاں سے سوکھے پتے آکر چھوٹے سے گلیارے میں جمع ہوتے رہتے۔ کبھی تو وہ الجھ کر جھاڑو اٹھاتی اور پورا احاطہ صاف کر ڈالتی اور کبھی ان ہی زرد پتوں پر ایک دیوار سے دوسری دیوار کی جانب چلتی رہتی۔ اور کبھی تھک کر ایک جانب بڑی پلاسٹک کی چیئرز کو درمیان میں گھسیٹ کر اپنے کمرے کی جانب پشت کر کے بیٹھ جاتی۔ جہاں باہر کی طرف کھلنے والی بڑی سی کھڑکی میں سے باپ اور بیٹا دنیا' جہان کی باتیں کرتے ایک دوسرے میں گم دکھائی دیتے۔

نائلہ کی موت ایک ایسا غمناک حادثہ تھی۔ جس نے سب کے دلوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

وہی ماہا تھی جو' ولید کو دیکھ کر اس جگہ ٹھہرنا نہیں چاہتی تھی جہاں وہ موجود ہوتا اور اب وہی ماہا تھی۔ جو بے حد صبر' خاموشی اور کسی حد تک بنا کسی ناگواریت کو ظاہر کیے۔ اس کی واپسی کے دن گن رہی تھی۔

"ماما!.... ماما!" کسی نے بے حد جھجک کر اور بے حد آہستگی سے اسے آواز دی تھی۔

"یہ تم مجھے ماما کس کی اجازت سے کہہ رہے ہو۔"

"سوری مجھے آپ کا نام لینا اچھا نہیں لگتا اور' آپ پاپا کی وائف ہیں تو.... اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو میں' تھوڑی دیر یہاں بیٹھ کر آپ سے بات کر سکتا ہوں۔" وہ دوستانہ انداز میں بولتا ہوا آگے آیا۔ ماہا نے گہری سانس لی۔ جیسے بڑی عاجز آگئی ہو۔ لیکن کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خود ہی برابر میں چیئر رکھ کر قدرے فاصلے سے آبیٹھا۔

"میں اسی ہفتے واپس چلا جاؤں گا۔ آپ کو پتا ہے۔ میری اسٹڈیز کا بہت حرج ہو رہا ہے۔" ماہا نے کوئی رسپانس نہیں دیا۔

"میں چاہتا ہوں۔ میری وجہ سے آپ دونوں کے درمیان جو بھی مس انڈر اسٹینڈنگ ہے۔ وہ آپ ختم کرلیں۔" وہ چند لمحے رک کر اس کے بولنے کا منتظر رہا۔ لیکن ماہا چہرے پر نو لفٹ کا سائن بورڈ لگائے بیٹھی رہی۔

"مجھے آپ کی سسٹر کی ڈیتھ کا بہت افسوس ہے۔" اس بار اس نے بات بدل دی۔

"دیکھیں آپ نے یہ حقیقت جان ہی لی ہوگی کہ زندگی کتنی چھوٹی اور کتنی بے اعتبار سی چیز ہے۔ پھر دلوں میں یہ شکایتیں رکھنے سے کیا حاصل۔ آپ مجھ سے بڑی ہیں۔ میں آپ کی بہت عزت کرتا ہوں۔ آپ یقیناً" بہت سمجھ دار ہیں۔ پھر بھی میں آپ سے کہوں گا کہ اب آپ کبھی بھی لائف کے کسی بھی اسٹیج پر پاپا کو تنہا مت چھوڑیے گا انہیں کبلا مت چھوڑیے گا۔ میں نے انہیں بہت لمبا عرصہ تنہائی سے لڑتے دیکھا ہے۔ اور یہ لڑائی ان کی سوشل اور فنانشل فائٹس سے الگ' ان کے علاوہ تھی۔ آپ کا ساتھ ان کی اتنے سالوں کی تنہائی کا خاتمہ کردے گا۔ اس لیے اب کبھی بھی کوئی بھی ایشو' اپنے اور ان کے درمیان..." ماہا کے ضبط کی انتہا بس یہیں تک تھی۔

"کس ایشو کی بات کر رہے ہو تم۔ تم جانتے ہی کیا ہو ہمارے بارے میں ہمارے ریلیشن کے بارے میں اور میں تمہیں بتاؤں ہمارے درمیان کبھی کوئی اور ایشو تھا ہی نہیں اور جو واحد مسئلہ ہم دونوں کے درمیان اب بھی جوں کا توں کھڑا ہے۔ وہ تم ہو۔"

"تو میں.... تو جا رہا ہوں نا!" ماہا اس کی بات سن کر اس کی اعصابی پختگی اور معاملہ فہمی کی قائل ہو گئی۔ وہ انہی باتوں سے کہیں سے بھی ایک ٹین ایجر نہیں لگتا تھا۔ زندگی نے صرف حسیب کو ہی نہیں اسے بھی یقیناً" بھٹی میں جلے لوہے کی طرح برتا تھا۔

"کیا ہمیشہ کے لیے۔" لمحے بھر کو اپنے دل میں ابھرتے خیال پر لعنت بھیج کر اس نے ایک بار پھر اسے گنگ کر دیا۔

"ویل.... اگر تم نے ہمیشہ کے لیے جانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ تو.... مجھے سن کر خوشی ہوئی۔ تمہیں بھی ہوگی یہ جان کر کہ اب شاید میرے اور حسیب کے درمیان کوئی مسئلہ باقی نہ بچے۔"

اپنی بات مکمل کرکے اس نے ولید کے چہرے کے بدلتے رنگوں پر غور کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی اور وہاں سے اٹھ گئی۔

☼ ☼ ☼

"تمہاری ساس کا فون آیا تھا۔ کل شام میں آنے کو کہہ رہی تھیں۔"

"ہر بار وہی آنے کو کہتی ہیں اماں۔ اس بار آپ کہہ دیتیں کہ ہم آئیں گے۔" عفت نے اکتا کر سوئی میں دھاگا ڈالتے ہوئے انہیں دیکھا۔

"کہاں جانے کی باتیں ہو رہی ہیں۔ السلام علیکم بھابھی۔" رضوانہ نے بولتے ہوئے کمرے میں قدم رکھا۔ تائی اماں نے بیڈ پر جگہ بناتے ہوئے ان کے سلام کا جواب دیا۔ رضوانہ نے بیٹھتے ساتھ ہی ہاتھ پکڑا ڈبا ان کی گود میں

رکھ دیا۔

"یہ کیا ہے رضوانہ!" وہ تعجب سے دیکھنے لگیں۔ مخملیں ڈبے کی بناوٹ سے کچھ کچھ اندازہ تو ہو چلا تھا۔

"یہ سمجھ لو یہ شگن ہے میری بیٹی کی رخصتی کے لیے۔" عفت بھی چند لمحوں کے لیے سب بھول بھال اٹھ کر بیڈ کے بائیں جانب جہاں رضوانہ بیٹھی تھیں۔ اٹھ کر چلی آئی۔

تائی اماں نے ڈبا کھولا۔ اندر جگر جگر کرتا سونے کا سیٹ رکھا تھا۔

عفت کا منہ کھل گیا۔ اماں کچھ دیر تو دیکھتی رہیں۔ پھر دوپٹا منہ پر ڈال کر رو پڑیں۔

"میں نے یہ تحفہ آپ کو دکھی کرنے کے لیے تو نہیں دیا۔" رضوانہ بھی گہری سانس بھر کر کہا۔

"کیا کروں رضوانہ!" انہوں نے دوپٹے سے چہرہ صاف کر کے سر اٹھایا۔ "جس خوشی کا انتظار تھا۔ وہ ملی بھی اتنے کڑے دکھ کے بعد کہ..... اب تو کچھ کرنے کہنے کو دل ہی نہیں چاہتا۔"

"بہت سے کام دل نہ چاہتے ہوئے بھی کرنے پڑتے ہیں بھابھی۔ ابھی آپ دکھ کی کیفیت میں ہیں۔ مگر اس کیفیت سے خود کو نکالیں گی بھی آپ خود ہی۔ عفت کی طرف دیکھیں اس بے چاری کا کیا قصور۔ اگر یہ حادثہ نہ ہوا ہوتا۔ تو اس کی شادی کی تیاریاں اور ہنگامہ یوں ٹھنڈا پڑا ہوتا گیا۔"

"میرے بس میں نہیں ہے رضوانہ! میں نے اپنے ہاتھوں سے اسے پالا پوسا۔ میں نے جنم دیا۔ میں اس کی ماں ہوں۔ میں کیسے بھولوں اسے۔ کیسے خود کو اور اپنے دل کو سنبھالا دوں۔ مجھے تو ہر جگہ وہی نظر آتی ہے۔ چلتی پھرتی باتیں کرتی۔"

رضوانہ نے عفت کو اشارہ کیا کہ پانی لے کر آؤ۔ وہ کمرے سے نکل کر گئی تو آواز دبا کر کہنے لگیں۔

"سب کا غم اپنی جگہ مقدم اور شدید ہے بھابھی۔ لیکن اللہ کی مرضی کے آگے کسی کی چلتی ہے۔ لیکن اب آپ ہر وقت یوں دل برداشتہ رہیں گی۔ تو عفت کیسے خود کو آنے والے وقت کے لیے تیار کر پائے گی۔ عفت کی خاطر اپنی دوسری اولاد کی خاطر آپ کو خود کو سہارا دینا ہوگا۔ سنبھالنا ہوگا۔ یہی بہتر ہے ہمارے اور اس کے حق میں....."

ابھی ان کی بات مکمل نہیں ہوئی تھی۔ جب عفت اندر داخل ہوئی۔

"اماں آپ کے لیے فون ہے۔" اس نے سنجیدگی سے فون ماں کی طرف بڑھایا۔ اس کے انداز پر سمجھتے ہوئے رضوانہ نے پوچھا۔

"کس کا ہے۔ معراج کی امی کا۔" عفت سر ہلا کر باہر کی طرف بڑھ گئی۔ تائی اماں نے فون لے کر کان سے لگا لیا۔

"جی..... یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔" دوسری طرف سے بات ہی ایسی کی گئی تھی۔ دیورانی کی موجودگی میں لاکھ سنبھلنے کے باوجود ان کے ہاتھ پیر پھولنے لگے۔

"ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہوں میں۔ دیکھیں بہن سب آپ کے سامنے ہی ہے جب سے یہ رشتہ لگا۔ ایک کے بعد ایک مسئلہ نکاح والے دن عفت کی چچی کو ہارٹ اٹیک پھر بہنوئی کی گمشدگی۔ اس کے بعد اس کی خراب حالت' میرے پیر کی چوٹ اور اب..... اب یہ اتنا بڑا حادثہ..... اف اللہ خدانا خواستہ اگر ہم نے نکاح کے ساتھ رخصتی لے لی ہوتی تو ہمارے ساتھ میں کچھ بھی ہو سکتا تھا۔"

وہ کسی تیز رفتار ٹرین کی مانند ان کے سر پر سے چھکا چھک دوڑتی چلی گئیں۔ وہ اور جانے کیا کیا کچھ بول رہی تھیں۔ لیکن دوسری طرف فون کان سے لگائے اماں یہ سوچ رہی تھیں کہ اگر ابھی نائلہ ان کی جگہ پہ فون ریسیو کرتی تو یقیناً "منحوس" کا یہ لیبل ان کے بجائے خود معراج اور اس کے گھر والوں پر لگ چکا ہوتا۔

تائی اماں کے بت بنے بے جان وجود کو تکتے تکتے رضوانہ نے زبردستی فون ان سے لے کر کان سے لگایا تو بتول کی بات اختتام پذیر تھی اور وہ فون بند کرنے سے پہلے آخری بات کہہ رہی تھیں۔
"ہماری طرف سے آپ یہ رشتہ ختم ہی سمجھیں۔"

☆ ☆ ☆

چار سو تنہائی اور خاموشی کی محفل بانہیں کھولے اس کے استقبال کی منتظر تھی۔ اس نے دو گھنٹے اوور ٹائم کے بعد گھر میں قدم رکھا تھا۔ لیکن بھلا دو گھنٹے میں کیا بدل سکتا تھا۔ حالانکہ چند دن پہلے فقط کچھ منٹوں میں اس کی دنیا تہہ و بالا ہو کر رہ گئی تھی۔ لیکن تب میں اور اب میں کتنا فرق آچکا تھا۔ تب یہ کمرہ آباد تھا۔ کسی کی چہکار سے ہنسی سے آنسوؤں سے کروٹوں سے سوالوں سے آواز سے وجود... اور آج یہ کمرہ ان سب چیزوں سے خالی تھا۔ بھائیں بھائیں کرتے در و دیوار سے وحشت سی ٹپکتی تھی۔ اس نے سینڈلیں اتاریں اور پٹی کے اوپر سے ہی پیر کے زخم کا جائزہ لینے لگا۔ پیر کا زخم بازو کے مقابلے میں قدرے زیادہ گہرا تھا۔ اوپر سے اس نے اسے وہ آرام بھی نہیں دیا جو بازو کے گھاؤ کو ملا۔ اسی وجہ سے اسے بھرنے میں تاخیر ہو رہی تھی۔
اس نے احتیاط سے پیر اوپر کیے اور بستر پر چت لیٹ گیا۔
ایک کے بعد ایک کتنے ہی واقعات اس کی نگاہوں کے سامنے کسی فلم کی طرح آتے چلے گئے۔ وہ آخری دن جو اس کے اور نائلہ کے ساتھ کا آخری دن تھا...
"حرامزادی..." کوئی اس کے کان کے پاس حلق پھاڑ کر چلایا۔ وہ یوں ہڑبڑا کر اٹھا جیسے گہری نیند سے جاگا ہو۔
"حدید بھائی..." سامنے ہی گلابی آنچل میں کوئی نسوانی وجود تھا۔ اس نے سرخ آنکھیں اٹھا کر دیکھا۔ اسے بغور تکتی سوہا گڑبڑا کر پیچھے ہٹی۔ "کیا ہوا حدید بھائی۔ کیا آنکھ لگ گئی تھی۔" اس نے جواب نہیں دیا۔ خشک لبوں پر زبان پھیری۔ پیاس سے تڑختے حلق کو تر کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے سر جھکا لیا اور دھیرے سے بڑبڑایا۔
"شاید... شاید آنکھ ہی لگ گئی تھی۔"
"پانی لاؤں۔" اس نے بنا جواب دیے سر ہلا دیا۔ سوہا جلدی سے باہر نکل گئی۔
اب کمرہ خالی تھا۔ اور چند آوازیں۔ بدروحوں کی طرح اس کا پیچھا کر رہی تھیں۔
"یادداشت واپس لاؤں کیا تیری۔"
"زیور لا جلدی سے..." منظر بدلا۔ کوئی سر جھکائے سامنے بیٹھا تھا۔
"میں اپنی ایک انگوٹھی لینے گئی تھی۔ میں نے سوہا کو دی... مجھے لگا اس نے... کیونکہ اس نے پہنی نہیں۔" آواز، انداز اور لہجہ بدلنے لگا۔
"بتاؤں ابھی کون سا زیور۔" کوئی قریب کھڑا تھا بے انتہا قریب... بوکھلایا ہوا سا۔
"میرے کمرے کا دروازہ اور الماری سب کھلی پڑی ہے۔"
"بکواس کرتی ہے الو کی پٹھی۔" وہی چنگھاڑتی ہوئی شیطانی آواز اچانک سے پھر گونجی۔ اور اس کے دیکھتے ہی دیکھتے اس کے اور انس کے درمیان کھڑی نائلہ جھول کر انس کی بازوؤں میں آرہی۔
"میں اپنی انگوٹھی..."
شور بڑھنے لگا۔ آوازیں... آوازیں... گڈمڈ بے ترتیب جانی اور انجانی آوازوں میں کہیں سے بھی کوئی اس کی گردن دبوچتا اور کبھی کوئی اس کے پیروں میں گر جاتا...
"پانی۔" شور مچاتا منظر ساکت ہو گیا۔ ایک پرسکون اور قدرے الگ تھلگ سی آواز نے اسے پکارا تھا۔ اس

نے کسی روبوٹ کی طرح ہاتھ بڑھا کر گلاس پکڑا اور غٹاغٹ چڑھا گیا۔
"ارے... آپ کو تو بہت تیز بخار ہو رہا ہے۔" گلاس واپس پکڑتے سے سوہا بری طرح چونک گئی۔
"چائے کے ساتھ کچھ کھانے کو لاتی ہوں۔ پھر ٹیبلیٹ لے لیجیے گا۔" اس نے فرش کو گھورتے ہوئے سر ہلایا۔
سوہا اس کا چہرہ تشویش سے دیکھتی ہوئی واپس پلٹی تو اس نے پکارا۔
"سنو۔" سوہا دروازے تک پہنچ کر رکی۔
"نائلہ کا موبائل ملا۔" وہ سرخ سوالیہ نظریں گاڑے اسے دیکھ رہا تھا۔ سوہا کی نظریں بلاوجہ جھک گئیں۔

☼ ☼ ☼

زرد شام رات کے سرمگیں دھندلکے میں گم ہو رہی تھی۔ اس نے سائڈ ٹیبل سے چائے کا خالی مگ اٹھاتے ہوئے گلاس ونڈو سے باہر نظر ڈالی۔
وہ اب بھی وہیں بیٹھا تھا۔ اسی طرح خاموش، سنجیدہ اور شاید رنجیدہ بھی... ماہا کے دل کو لمحے بھر کے لیے اداسی نے گھیر لیا۔
"شاید میں نے اسے زیادہ ہی سنا دیں۔" خالی کپ کی تہ میں جمی رنگ بدلتی سیاہی مائل چائے کو دیکھتے ہوئے وہ سوچ گئی۔
تب ہی فون کی بیل نے اس کا دھیان بٹا لیا۔ حسیب کا فون بج رہا تھا۔ اس نے واش روم سے نکلتے حسیب کو دیکھا۔ پھر اس کی آسانی کے لیے فون اٹھا کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ خود مگ رکھنے کے لیے باہر نکل گئی۔
اس کا دل ابھی تک اپنی کہی گئی باتوں پر اسے ملامت کر رہا تھا۔ جو کہ وہ قطعی نہیں چاہتی تھی۔
"کیا ہوا۔ کس کا فون تھا۔"
"کسی کا نہیں۔" اس نے بات ختم کر دی۔ اس کا انداز اس قدر غیر معمولی تھا کہ وہ کھٹک سی گئی۔
"پھر بھی... آپ اتنے..." اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ اب کی بار اس کا اپنا فون بجا تھا۔
"ماہا کہاں ہو تم۔ کب سے فون کر رہی ہوں۔"
"کیوں کیا ہوا۔ مجھے تو نہیں پتا۔"
"پتا نہیں کتنی بار فون کیا۔ کبھی اٹھایا نہیں کبھی کال کاٹ دی۔ ابھی حسیب بھائی سے بات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ تمہارے فون پر کر لوں۔ وہ کہیں دور ہیں۔"
"دور ہیں۔" اس نے سامنے آنکھیں موند کر لیٹے حسیب کو دیکھا اور پھر فون کو۔
"اچھا سنو۔ تم گھر آ سکتی ہو آج رات۔"
"کیوں۔" وہ پھر سے چونک گئی۔ سوہا کا لہجہ غیر معمولی تھا۔
"بس ایک مسئلہ ہو گیا ہے۔"
"الٰہی خیر اب کیا ہو گیا۔" اس نے بے اختیار دل تھام لیا۔
"بس وہ... تم آ سکتی ہو تو آ جاؤ۔ پھر بتاتی ہوں۔"
"اوکے اوکے۔" اس نے جلدی سے فون رکھا۔ پھر حسیب کو دیکھا تو جیسے اسے کچھ یاد آیا۔
"سوہا کا فون تھا اور آپ نے کہہ دیا کسی کا نہیں۔"
"ہوں۔" اس نے بے انتہا تعجب سے حسیب کی آواز سنی۔
"کیوں۔"

"میری مرضی۔" اس کا لہجہ بے حد پر سکون تھا۔ ماہا اتنی ہی بے سکون ہوئی۔ لیکن سوہا پتا نہیں کس مسئلے کی بات کر رہی تھی۔ اس وقت گھر جانا زیادہ ضروری تھا۔
"اچھا مجھے گھر جانا ہے۔ صادق بھائی سے کہیں مجھے ڈراپ کر دیں۔"
"کوئی ضرورت نہیں ہے جانے کی۔" حسیب نے بے حد اطمینان سے کروٹ لیتے ہوئے۔ اس کا اطمینان غارت کر دیا۔
"لیکن کیوں آخر۔۔۔" اسے سمجھ نہیں آئی تھی کہ حسیب کی بات پر زیادہ حیرت کرے یا اس کے بیگانے انداز پر۔

"میں جو منع کر رہا ہوں۔ میری بات کی کوئی اہمیت نہیں تمہارے نزدیک۔"
"ایسی بات نہیں ہے۔" وہ دھیمی سی پڑ گئی۔ "لیکن ابھی جو سوہا کا فون آیا تو وہ پریشان لگ رہی تھی۔ اس نے بس اتنا کہا ہے کہ تائی کی طبیعت خراب ہے۔ حسیب پلیز! صادق بھائی سے کہیں نا! کہیں زیادہ نہ خراب ہو طبیعت۔"
"زیادہ خراب ہو یا کم۔ تم نہیں جاؤ گی۔" اس کا لہجہ جس قدر قطعیت لیے ہوئے تھا۔ ماہا کو اسی قدر بے یقینی میں دھکیل رہا تھا۔
"حسیب کیا بات ہے۔ کیا ہو گیا ہے آپ کو۔ پلیز جلدی کریں نا! مجھے تو ڈر ہے کہ نائلہ کے صدمے سے کہیں ۔۔۔" اس کا دل بے اختیار بھر آیا۔ وہ بات ادھوری چھوڑ کر پلکیں جھپکانے لگی۔
"سنا نہیں تم نے کیا کہا ہے میں نے۔ سمجھ میں نہیں آتی میری بات۔" اس نے بوکھلا کر کمرے کا کھلا دروازہ بند کیا اور گلاس ونڈو کے پردے کھینچ دیے۔ جس کے دوسری طرف بیٹھا وجود جانے کس وقت اٹھ کر وہاں سے جا چکا تھا۔
"اچھا میں نہیں جا رہی۔ پلیز آپ غصہ مت کریں۔ آپ کے لیے بھی ہائپر ہونا ٹھیک نہیں۔ اور مزنہ آپی بھی سنیں گی تو اچھا نہیں لگے گا۔"
"اگر تمہیں دوسروں کی اتنی ہی پروا ہے تو پھر کیوں اس قدر ضد کیے جا رہی ہو۔۔۔ لیکن۔۔۔ اوہ۔"
ایکا ایکی غصے میں بولتے بولتے اس کا لب و لہجہ دھیما پڑ گیا۔
"میں تو بھول ہی گیا۔ تم کب دوسروں کی پروا کرتی ہو۔ ابھی بھی تمہیں اپنی عزت کی پروا ہے۔ دوسروں کی نہیں۔" اور ماہا جہاں کی تہاں کھڑی رہ گئی۔ کس قدر غلط تجزیہ اور کتنا اجنبی اندازہ۔۔۔ کیا اس نے اتنا ہی جانا تھا اسے

"حسیب۔" اس کے نیم وا لبوں سے من پسند نام سرگوشی کی صورت ٹوٹا اور سپرد فضا ہو گیا۔
وہ ضبط کرتی ہوئی پلٹی اور واش روم میں بند ہو گئی۔

☼ ☼ ☼

"یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی۔ ایسے کیسے اتنی آسانی سے وہ لوگ یہ بات کر سکتے ہیں۔" سب سے پہلے سوہا نے ہی باقی افراد پر تائی اماں کی بات سن کر چھایا ہوا سکتہ توڑا تھا۔
"کوئی گڑیا گڈے کا کھیل سمجھ رکھا ہے کیا۔"
"ارے لو مجھے کیا خبر۔ میں تو سن کر ہی حواس کھو بیٹھی۔ تب سے دل بیٹھا جا رہا ہے۔ کچھ کرو بیٹا۔" تائی اماں فون سن کر جو بے قابو ہوئی تھیں تو اب تک نارمل نہیں ہو سکی تھیں۔ حالانکہ اس بات کو چوبیس گھنٹے گزر چکے تھے۔

''آپ خود کو سنبھالیں خالہ جان۔ کیوں اتنی پریشان ہیں ہم ہیں نا! یہاں۔''
انس نے جانے کون سی ویں بار انہیں وہی تسلی دی تھی۔ جو کم و بیش سبھی دہرا چکے تھے۔
''کیا کروں بیٹا۔ ماں ہوں نا! ایک بیٹی کو کھو چکی ہوں۔ دوسری کو برباد کرنے کی ہمت کہاں سے لاؤں۔'' ان کی ہمت واقعی جواب دے چکی تھی۔
''یہ کوئی معمولی بات تو نہیں۔ اور اگر نہیں مانے وہ لوگ بات چیت کے بعد بھی۔ تو کیا رہ جائے گا باقی۔'' انہوں نے دوپٹا منہ پر رکھ لیا۔ ان کی آواز میں چھپے درد اور کرب سے سوہا کو اپنا دل چرتا ہوا سا محسوس ہونے لگا۔ رضوانہ نے جلدی سے انہیں خود سے لگا لیا۔ عفت سب کے لیے چائے دم دے رہی تھی۔
''ابھی تو اس کے باپ کو علم نہیں سوچو ذرا۔ انہیں پتا چلے گا تو کیا قیامت گزرے گی ان پر۔ ایک صدمہ سہار گئے وہی بڑا تھا۔ اب ان ضدی اور ہٹ دھرم لوگوں کو کیسے سہاریں گے۔ اگر وہ ضد پر اڑ گئے تو.....''
''تو اڑ گئے ضد پر تو اڑ جائیں۔ ہم بھی کوئی یہاں بھیک منگے نہیں بیٹھے۔ طلاق دینا چاہتے ہیں تو دے دیں طلاق ۔ جو عفت کی قسمت میں ہو گا۔ اسے مل جائے گا اور اس سے اچھا ہی ملے گا۔''
گفتگو سوہا کے پورشن میں باہر والے حصے میں ہو رہی تھی۔ انس کے بھڑکنے کی دیر تھی۔ پورے منظر پر ایک سکتہ طاری ہو گیا۔ ہر شخص یہاں تک کہ چائے لے کر سیڑھیاں چڑتی عفت بھی۔
ایک پیر اس کا نچلے اور دوسرا اوپری قدمچے پر تھا۔ اور اس ایک قدمچے کی چڑھائی پر انس کے لبوں سے ادا ہونے والے جملے نے اسے پے در پے کئی زمانوں سے گزار دیا۔
اس کے ہاتھ ذرا کی ذرا لرزے اور پھر اس نے مضبوطی سے ٹرے تھام لی۔ وہ جانتی تھی کہ اسے اس مرحلے پر اپنی فطرت سے زیادہ مضبوطی دکھانی ہے۔ اوپر پورا منظر جامد تھا اور اس جامد منظر کے ساکت نفوس میں حدید بھی شامل تھا۔ اس منظر کی سب سے خاص بات یہی تھی۔
''یہ کیا کہہ رہے ہو۔'' رضوانہ کے منہ سے سب کے لبوں کی بات نکلی۔
''کیوں۔ کیا غلط کہہ رہا ہوں۔ ٹھیک ہے ہم جاتے ہیں بات کرتے ہیں اور اگر وہ نہ مانے تب بھی تو اپنی ہی کریں گے نا وہ لوگ اور اگر ہماری بات مان کر رخصتی کرا لی اور بعد میں عفت کو مسلط ہونے کے طعنے دیے۔ تو کیا زندگی رہ جائے گی عفت کی۔''
قائل نہ ہونے کے باوجود کسی کے پاس اس کی بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔
''بہتر یہی ہے کہ اپنی بات گنوانے اور عفت کو ان کی نظروں میں ہلکا کرنے کے بجائے ان سے دوٹوک بات فون پر ہی کر لی جائے۔ اگر ہم وہاں گئے تو اس بات پر وہ اور چوڑے ہو جائیں گے۔'' انس نے بات کے دوران حدید کی طرف دیکھا۔ حدید جو اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ گڑبڑا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔
''آپ لوگوں کو اب کچھ بھی کہنے کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں خود بات کر لوں گا ان سے۔ صاف صاف پوچھوں گا کہ بھئی آپ لوگ چاہتے کیا ہیں آخر.....''
''اس کی ضرورت نہیں۔'' انس کی بات ادھوری رہ گئی۔ عفت کمرے میں آ چکی تھی۔
''پہلے میں خود معراج سے..... بات کروں گی۔'' وہ جتنی بھی پر اعتماد سہی۔ لیکن یہ بات کرتے ہوئے اس کا لہجہ لڑکھڑا سا گیا۔
''تم.....'' انس کو حیرت ہوئی۔ ''تم معراج سے بات کرتی ہو۔''
''جی.....'' اس نے نظریں جھکا کر درمیانی میز پر ٹرے رکھ دی۔ انس اب الجھے الجھے انداز میں اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ جبکہ تائی اماں اور رضوانہ نے انس اور حدید کی موجودگی میں نظریں چرا لی تھیں۔

"یہ کوئی قابل اعتراض بات تو نہیں۔ میرا نکاح ہوا ہے ان کے ساتھ۔" ٹرے رکھنے کے بعد اس نے سیدھے ہو کر انس کو اپنی جانب دیکھتا پا کر صفائی پیش کی۔

"نہیں میرا مطلب وہ نہیں تھا۔ بالکل کوئی اعتراض کی بات نہیں لیکن۔۔۔ اس کا کوئی فائدہ بھی ہوگا۔"

"یہ تو بات کرنے کے بعد ہی پتا چلے گا۔"

"اور اگر وہ نہ مانا تو۔۔۔ انس کے دماغ میں جانے کیا چل رہا تھا۔ عفت نے ایک بار پھر نظریں جھکالیں۔ اور دھیرے سے بولی۔

"تو میری قسمت۔۔۔"

وہ بات مکمل کر کے رکی نہیں۔ اگر رک جاتی تو دیکھتی کہ سارا وقت اس کے چہرے کو تکتے ہوئے ایک شخص نے اس کی بات پر کس قدر بے چین ہو کر پہلو بدلا تھا۔

☼ ☼ ☼

واپسی پر حدید ہمیشہ کی طرح خاموشی سے کمرے میں چلا گیا۔ سوہا اسے دیکھ کر انس سے بولی۔ "آپ نے آج عفت کے بارے میں کچھ زیادہ ہی نہیں بول دیا۔" انس نے گہری سانس لے کر پانی کا گلاس خالی کر کے اسے پکڑا دیا۔

"میں نے صرف سچ بولا۔ تم خود دیکھ لو۔۔۔" سوہا جواب دیے بنا سوچ میں پڑ گئی۔ انس کی بات سو فیصد صحیح نہیں تھی تو غلط بھی نہیں تھی۔ لیکن انس کے لہجے میں اتنا یقین کیوں تھا کہ عفت کو اس سے بہتر مل جائے گا۔ کہیں انس حدید کے بارے میں تو نہیں۔۔۔

حدید کے کمرے کا دروازہ نیم وا تھا۔ اندر کوئی حرکت کوئی آواز نہیں تھی۔ اسے شدت سے اس کی تنہائی اور درد کا احساس ہوا۔ یہ تنہائی قید تنہائی اور درد۔۔۔ دردلا دوا لگنے لگا تھا۔

"اگر انس نے ایسا سوچا ہے تو بھلا اس سے اچھی بات اور کیا ہوگی لیکن عفت۔۔۔" اس کے دھیان کی ڈور ٹوٹ گئی۔ انس اوپر سے آواز دے کر کہہ رہا تھا۔

"ماما کو فون تو کرو۔"

"او۔۔۔ ہاں۔" وہ اٹھی اور بڑے اطمینان سے فون ڈائل کرتے ہوئے سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ جانے کہاں سے ایک مسکراہٹ ہنستی کھیلتی آکر اس کے لبوں پر سج گئی تھی۔ حدید نے کمرے سے باہر نکل کر اسے جاتے دیکھا۔ اور سر جھکا کر واپس کمرے میں آگیا۔

"عفت۔۔۔!" بستر پر احتیاط سے لیٹتے ہوئے اس کے لبوں نے ایک بھولا بسرا نام چھوا۔ لیکن اسے حیرت ہوئی۔ اس کا دل اور ذہن کسی بھی قسم کے جذبات سے مکمل عاری تھے۔ اس نے دونوں کو ٹٹولا۔ پھر سرگوشی میں کسی سے پوچھا۔ جذبات سے عاری ایک سپاٹ سوال۔

"عفت۔۔۔ کیا واقعی تم میری ہو سکتی ہو۔"

☼ ☼ ☼

"ہرگز۔۔۔ کیا بکواس کر رہی ہیں آپ لوگ۔" اس کے اس قدر اچانک اتنا بھڑک جانے کی بتول کو امید نہیں تھی۔ وہ تو بری طرح بوکھلا کر رہ گئیں۔ مدد کے لیے اپنی بیٹیوں کی طرف دیکھا۔

"ارے آرام سے بیٹھو اب ایسا بھی کیا ہو گیا۔" سب سے پہلے اس کے سلگتے انداز پر بے نیازی کے چھینٹے ڈالنے والی تبسم ہی تھی۔

"دنیا میں ہزاروں رشتے ٹوٹتے بنتے ہیں۔ ہم نے کون سی نرالی بات کردی ہے۔" معراج نے شدید حیرت سے اپنی بہن کی لاپروائی دیکھی۔

"آپ شاید بھول رہی ہیں۔ آپ دنیا کے کسی رشتے کی نہیں۔ میری بات کررہی ہیں۔"

"مجھے سب یاد ہے۔ اگر کچھ بھول رہے ہو تو تم خود۔"

تبسم بھی اسے بحث اور طنز کرتے دیکھ کر کمر کس کے میدان میں اتری اور اسے ایک کے بعد ایک وہ واقعات یاد دلائے۔ جو نکاح کے بعد اس کے گھروالوں کو بھگتنے پڑے تھے۔

معراج لب بھینچے ان کی باتیں سنتا رہا اور جب وہ اپنی کہہ کر خاموش ہوئیں۔ تو اس کے چہرے پر بڑی تلخ مسکراہٹ تھی۔

"واہ.... واہ کیا بات ہے.... ایک لڑکی مجھ سے نکاح کے بعد نقصان پر نقصان اور حادثے پر حادثہ جھیل رہی ہے۔ اور منحوس کا لیبل بھی اس بے چاری پر ہی لگ رہا ہے۔ ارے اماں! اس لحاظ سے اس کے لیے سبز قدم تو میں ہوا نہ کہ وہ.... بھاری تو اسے میں پڑا نا! وہ تو نہیں۔" اپنی جن دلیلوں کو تبسم بے حد وزنی خیال کررہی تھی۔ معراج نے ہاتھ کے اشارے سے مکھی کی طرح اڑادی تھی۔

"اور وہ جو میں پھسل گئی تھی سیڑھیوں پر سے وہ.... کتنے دن میرا پاؤں سوجا رہا۔" بتول نے ڈھونڈ ڈھانڈ کر اپنا غم نکالا۔ جواب میں معراج نے افسوس سے انہیں دیکھا۔

"اماں مجھے آپ سے اس طرح کی دقیانوسی باتوں کی امید نہیں تھی۔ آپ کا سیڑھیوں سے پھسل جانا اتفاق بھی ہو سکتا ہے۔ اس کا کسی کی نحوست سے کیا تعلق...."

"تم مانو یا نہ مانو...." اب کی بار تبسم کو جلال ہی چڑھ گیا۔

"وہ لڑکی مبارک نہیں۔ نہ اِس گھر کے لیے نہ اُس گھر کے لیے۔" ارے بیٹھے بٹھائے اپنی بہن کو کھا گئی۔ اب اور کیا رہ گیا دیکھنے کو۔"

"بہن کو اس نے نہیں اس کی موت اس کی قسمت میں اسی طرح لکھی تھی۔" اس کی آواز تبسم سے کئی گنا زیادہ بلند تھی۔

"اور مجھے نہ کوئی بحث کرنی ہے۔ نہ کچھ اور سننا ہے۔ آپ لوگ بھول جائیں کہ آپ نے ان سے کوئی فضول اور بے ہودہ بات کی تھی۔ میں خود جا کر ان سے معذرت کرلوں گا۔ اور برائے مہربانی اماں۔ کوئی بھی بات کرنے سے پہلے مجھ سے پوچھا کریں آپ۔ ایسے نہیں کہ جو دل چاہا، کہہ دیا منہ اٹھا کے۔"

شدید ناگواری سے بات مکمل کرکے وہ رکا نہیں۔ لیکن تبسم کا ارادہ بھی اسے بخشنے کا نہیں تھا۔ تبھی پیچھے سے آواز لگا کر بولی۔

"تم لکھ کر رکھ لو ایک دن پچھتاؤ گے۔ نام بدل دینا میرا۔ اگر اس کی نحوست پیچھا کرتی اُس گھر سے اِس گھر تک نہ آئی تو...." سنا تو وہ اپنے بھائی کو رہی تھی۔ لیکن پیچھے سے بتول دہل کر بولیں۔

"ہئے ہئے.... شبھ شبھ بول تبسم!"

☼ ☼ ☼

اس رات عفت معراج کو فون کرنے کا ارادہ ہی کرتی رہ گئی لیکن، اس پر عمل نہیں کرپائی۔ کیونکہ اس نے بظاہر تو سب کے سامنے انس سے کہہ دیا تھا کہ وہ معراج سے بات کرلے گی۔ لیکن ایک دھڑکا بہرالحال اس کے دل کو لگا تھا کہ اگر معراج نے بھی اپنی ماں کی بات کی تصدیق اور تائید کردی تو وہ کس منہ سے انس سے یہ بات کرسکے

گی۔
کوئی بھالے جیسا دکھ کا احساس اس کے دل میں اتر کر درد کی ایک تیز سی لہر پورے وجود میں دوڑا دیتا تھا۔ جب وہ اپنے رشتے کی حقیقت اور پائیداری پر غور کرتی۔
دل ہی دل میں ڈھیروں شکوے شکایات کرلینے کے باوجود خود سے فون کرنے کے لیے جو ہمت درکار تھی۔ وہ اس میں ناپید ہی تھی۔ لیکن صد شکر کہ اس کے خدشات کا خاتمہ دوسرے دن شام کو ہی ہوگیا۔ معراج بمعہ ایک خوب صورت تحفے کے بالکل اچانک ہی گھر چلا آیا۔ اماں نے اس کے سامنے نیر بہانے میں بالکل بھی تکلف نہیں کیا۔
وہ خوش تھا بالکل مطمئن اور اس سب سے بڑھ کر بے حد شرمندہ صاف اور واضح الفاظ میں اماں سے معذرت کرتے ہوئے اس نے عفت کے دل میں سر اٹھاتے سارے خدشات دھو ڈالے۔
اگر عفت نے اس کی خاطر کوئی اسٹینڈ لیا تھا۔ تو اس نے بھی عفت کو تنہا نہیں چھوڑا تھا۔

☼ ☼ ☼

نائلہ کا فون مل چکا تھا۔ سوہا فون ہاتھ میں لے کر سوچ میں پڑگئی۔
"حدید بھائی کتنے دن سے صرف فون کا پوچھ رہے ہیں.... کیوں۔" اس کی چھٹی حس اسے انجانے میں کچھ نہ کچھ کہیں نہ کہیں غلط ہو جانے کا سگنل دے رہی تھی۔ اس نے سوچ بچار کے بعد حدید کے حوالے کرنے سے پہلے فون خود چیک کرنے کا فیصلہ کیا۔ نائلہ کی زندگی میں تو شاید وہ کبھی یہ حرکت نہ کرتی لیکن اب اگر کوئی احساس جرم تھا بھی تو وہ اتنا شدید نہیں تھا۔
یہ ایک قدرے پرانے ڈیزائن کا لیکن اچھا سیٹ تھا۔ اس نے بسم اللہ پڑھ کر آن کیا۔ اور بڑے صبر سے اس کے کھلنے کا انتظار کیا۔ پھر جیسے ہی اسکرین روشن ہوئی۔ ٹک ٹک ٹک....
کی پیڈ پر اس کا انگوٹھا چلتا گیا۔ میسجز۔ کالز.... کال لاگ.... ان کمنگ آؤٹ گوئنگ.... مسڈ کالز.... سینٹ باکس.... بلاک کالر.... کہیں بھی کوئی بھی ایسا مشتبہ نمبر نظر نہیں آیا۔ جس سے وہ حدید کے روز روز استفسار کرنے کی بابت کوئی اندازہ لگا سکتی.... کچھ منٹ اس نے یونہی فون میں آگے پیچھے وقت ضائع کیا۔ پھر کچھ خیال آنے پر ہنس پڑی۔
"میں کیا پاگل ہوں، جو اس کا فون چیک کرنے بیٹھ گئی۔ نائلہ کیا ایسی ویسی لڑکی تھی.... دھت۔"
اس نے خود کو خود ہی ڈپٹ دیا۔ اور فون لے کر حدید کے پاس آگئی۔
"حدید بھائی یہ نائلہ کا موبائل مل گیا۔"
حدید جو آفس سے آکر آرام کی غرض سے لاؤنج کے صوفے پر نیم دراز تھا۔ نائلہ کے موبائل کا سن کر بے دھیانی میں تیزی سے اٹھا اور پھر کراہ رہ گیا۔
"آرام سے حدید بھائی۔" سوہا کی نگاہوں سے موبائل کے لیے اس کی بے تابی چھپی نہ رہ سکی۔

☼ ☼ ☼

ڈزنی جا چکی تھی اور ولید بھی چند دن بعد جانے کی تیاریوں میں تھا۔ اس صورت حال میں ماما کی فکریں اور پریشانیاں کم ہو جانی چاہیے تھیں۔ مگر حسیب کے بے مہر رویے نے تفکرات کو ایک نیا موڑ دے دیا تھا۔

وہ بظاہر بڑا مہربان دکھتا تھا۔ معمول کے انداز میں بات چیت گھر والوں اور بھانجے بھانجی کے ساتھ وقت گزارنا۔ آپی 'بھائی اور بیٹے کے ساتھ ہنسی مذاق اور ساتھ میں ماہا کے ساتھ چھیڑ چھاڑ بھی۔ لیکن ماہا نے جب اس کا وہ روپ دیکھا تھا۔ وہ اس قدر الجھی تھی کہ معمول کے سے انداز میں نہ ہی روٹین نمٹا پا رہی تھی۔ نہ گھر کے کاموں میں حصہ لے رہی تھی۔

مزنہ الگ اس کی غائب دماغی دیکھ دیکھ کر کڑھتی رہتی تھیں۔ انہیں ویسے بھی ماہا اب پہلے کی طرح اچھی نہیں لگتی تھی۔ وہ ان کے دل سے اتر چکی تھی۔ اور یہ دنیا کے آدھے سے زیادہ انسانوں کا المیہ ہے کہ جو شخص ایک بار دل سے اتر جائے۔ وہ کچھ بھی کر لے ہمیشہ برا ہی رہتا ہے۔

ماہا نے شروع کے دنوں میں جب کچن میں ان کی ہیلپ کرنی چاہی تو انہوں نے خوش خلقی سے انکار کیا بعد میں اس کے کام نہ کرنے پر طنز اور فقرے بازی کرنے لگیں۔ ولید کی موجودگی بھی اس کے لیے ڈسٹربنگ تھی۔ ابھی یہ مسئلہ سلجھا نہیں تھا کہ ایک اور مصیبت حبیب نے اپنے دل جلے رویے سے کھڑی کردی تھی۔ تبھی سوہا نے فون کیا تو سب لوگوں سے دور اور الگ تھلگ۔ چھت پر بنے اسٹور روم میں بیٹھ کر وہ آنسوؤں سے رو دی۔

"حبیب نے مجھے امی کے یہاں جانے سے منع کردیا ہے۔ وہ نہیں چاہتے کہ میں وہاں جاؤں۔ ذرا سی دیر کے لیے بھی نہیں۔"

"نہیں... ؟" سوہا کو ایک پل کے لیے تو یقین ہی نہیں آیا۔ "تم رونا تو بند کرو اور انہیں کیا ہوا کہیں وہ پاگل تو نہیں ہوگئے۔"

"انہیں ان کے گھر والوں نے پاگل کردیا ہے۔" وہ بدقت تمام اپنی آواز دبا رہی تھی۔

"لیکن ان کی گھر والی تو تم ہو۔"

"نہیں ہوں میں کچھ بھی۔" وہ خود پر تمام تر ضبط کرتی بھنچی ہوئی آواز میں چیخ پڑی۔

"یہی وہ بات تھی جو میں سال بھر سے سمجھا رہی ہوں تم سب کو۔ کوئی اہمیت نہیں ہے ان کی میرے نزدیک۔ جھوٹ ہے سب..... ڈراما ہے۔" بالآخر اس کی برداشت جواب دے گئی۔ اور وہ فون پھینک کر زور زور سے رو پڑی۔

دوسری جانب سوہا خاموشی سے سنتی رہی۔ پھر بات کرنے کی کوشش کی تو کوئی جواب ہی نہیں آیا۔ مجبوراً "اسے لائن ڈس کنکٹ کرنی پڑی۔ جبکہ ماہا اس طرف سے مکمل بے نیاز دل ہلکا کرنے کے بعد چہرہ اور آنکھیں صاف کر رہی تھی۔ جب دہلیز پر کھٹکا ہوا۔ اس نے سر اٹھایا تو دھک سے رہ گئی۔

"کس سے باتیں ہو رہی تھیں.... بلکہ باتیں کیا۔ میری برائیاں ہو رہی تھیں۔" پتا نہیں اس نے کیا سنا تھا اور کیا نہیں۔ لیکن ماہا اس قدر تھک چکی تھی کہ اس نے پروا نہیں کی اور وہاں سے اٹھ کر پیر پٹختی ہوئی باہر نکل گئی۔

حبیب وہیں کھڑا اسے جاتا ہوا دیکھتا رہا۔ پھر دھیرے دھیرے چلتا ہوا زمین پر پڑے سیل فون تک آیا۔ پھینکنے کے باوجود فون کا کوئی خاص نقصان نہیں ہوا سوائے گرد آلود ہونے کے... اس نے فون اٹھا کر صاف کیا اور کال لاگ چیک کرنے لگا۔

اس سارے منظر میں سب سے ناقابل فہم وہ مسکراہٹ تھی جو اس وقت اس کے ہونٹوں پر کھیل رہی تھی۔

==

پندرھویں اور آخری قسط اگلے ماہ ملاحظہ فرمائیں

اماں

امی اس کے سامنے بیٹھی تھیں وہ انہیں ٹھوڑی پر ہاتھ رکھے دیکھے جارہا تھا۔ وہ امی کے کچھ اور قریب ہوا اور اس نے امی کو دیکھا۔

"وہ آپ کو بہت یاد آتا ہے نا۔" امی کی آنکھوں میں ایک اس بات پر اتنی جلدی آنسو آتے کہ شاید ہی کسی بات پر آتے۔ ابا کی روز کسی نہ کسی بات پر ان سے کہا سنی ہوجاتی' لیکن امی کی آنکھ میں ایک آنسو نہیں آتا... وہ اگر ان کے لیے آگے آنے کی کوشش کرتا تو وہ اسے کسی سپہ سالار کی سختی سے پیچھے کردیتیں۔

"معاف کرنا اجو... بیمار آدمی ہے پانچ بچوں کی ذمہ داری اٹھانا کوئی آسان کام ہے... برداشت ختم ہوجاتی ہے... معاف کردیا کر۔" وہ ناراضی سے امی کو دیکھتا... مگر ان کا صبر ابا کے غصے سے کہیں بڑا تھا۔ وہ اب امی کے اور قریب ہوا تھا۔

"کتنا بڑا تھا جب اس نے آنکھیں موندھی؟" امی سال انگلیوں پر نہیں دل پر گنا کرتیں پھر ایسے سانس لیتیں جیسے ابھی کے ابھی وہ اس کے ساتھ مرکر اٹھی ہیں۔

"پورے 14 سال کا ہوتا یہ اونچا قد تھا اس کا جو ملنے والا آتا یہی کہتا پورے آٹھ برس کا لگتا ہے۔" وہ پھر لمبی سانس لیتیں جس میں حسرت ہوتی اور گلہ بھی 'وہ گلہ جو وہ اکثر خود سے کیا کرتیں۔

"اماں کہا کرتی تھیں شادے سب کے سامنے منڈے کی عمر نا بتایا کر' منڈے کو نظر لگ جاتی ہے۔ کوئی بولے آٹھ سال کا لگتا ہے تو بول کہ ہاں تو ہے آٹھ سال کا' لگنے کا مطلب۔ میں پاگل سمجھی نہیں جب سمجھ لگی ہنستا کھیلتا اجو میری گود میں آنکھیں بند کیے لیٹا تھا۔ اتنی اونچی اونچی چیخیں' آوازیں دیں... پر جانے والے آتے ہیں کوئی مڑ کے۔" وہ اسے ایسے دیکھتی جیسے وہ انہیں کوئی جھوٹا دلاسہ دے کر ان کے دل کی اس پھانس کو نکال دے گا۔ وہ ان کے سامنے بیٹھا تھا اچانک ابا کھانستے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے تھے۔

"شادے کچھ خبر بھی کیا وقت لگا ہے... چل مجھے روٹی ٹکر دے میں اپنے کام پر جاؤں۔" امی ایک دم سے کھڑی ہوگئیں وہ وہیں بیٹھا انہیں جاتے دیکھتا رہا وہ گم صم بیٹھا تھا جب امی نے دروازے سے جھانکا تھا۔

"اجو چل تو بھی ناشتا کرلے پھر مجھے اسپتال چھوڑ آ۔" وہ باہر نکل کر آیا تو ابا کو ناشتا کرتے دیکھ کر خود بھی بیسن پر ہاتھ منہ دھونے لگا' لیکن اس کی حسیات بتارہی تھیں ابا کی آنکھیں امی کے اندر تک کا اسکیننگ کرنے بیٹھ گئی ہوں گی۔ انہیں امی کی ہر بات سے اختلاف کرنے کی عادت تھی اس لیے امی بہت کم ان کے سامنے کوئی بات کرتیں' مگر اس وقت ان سے غلطی ہوگئی تھی' وہ پلٹا تو ابا کو امی کی طرف گھورتے دیکھا۔

"پھر کہیں درد اٹھا ہے... دیکھ مہینے کے آخر میں میرے پاس اتنے پیسے نہیں کہ تجھے ڈاکٹر کے چکر لگواؤں۔" امی کی آنکھوں میں اپنے دردوں کو چھپا لینے کی اتنی صلاحیت تھی کہ وہ ہمیشہ مسکراتی ہوئی بات کو گھمانے میں لگ جاتیں' لیکن آج وہ مسکرائی تھیں تو ان کی آنکھوں میں چمک تھی۔

"وہ زیبو ہے نا رات ہی اس کے ہاں منڈا ہوا ہے

"کسے دیکھنے جارہی ہوں اجو کے ابا۔" ابا نے ناشتا کرنا چھوڑ دیا تھا وہ امی کو دیکھنے لگے تھے۔
"خبردار جو کوئی الللے تللے کیے ہوں۔" امی تخت پر ان کے لیے ناشتا رکھتے ہوئے تجھے ٹھنڈا رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے نرمی سے بولیں۔
"میرے پاس کہاں ہے کچھ۔۔ اور فیروز زیبو کا شوہر بڑی ناک والا ہے وہ کچھ لے۔ ہی نہ لے مجھ سے۔" ابا کے اٹھنے بڑے ہونے لگے ان کی ناک زیبو کے شوہر سے بھی زیادہ بڑی ہوگئی۔
"اتنی ناک ہے تو تجھے جانے کی کیا ضرورت ہے گھر بیٹھ۔۔۔" ناک سکوڑ کر امی کو دیکھتے ہوئے "پرانے وقتوں سے چلا چلی آرہی ہے کیا کوئی اپنی بیٹی کو کچھ دیتا نہیں ہے۔" امی نے اسے جلدی جلدی ناشتا کرنے کا اشارہ کیا ساتھ ہی زباں بندی کے ساتھ۔ ابا ناشتا کرکے گھر سے چلے گئے تھے ابا کے گھر سے نکلتے ہی امی کمرے میں گئیں اور ایک شاپر اٹھا کے لے آئیں۔
"اس میں کیا ہے؟" اس نے سوال پوچھا اور امی شاپر سے کپڑے نکال کر بیٹھ گئیں۔۔۔ یہ چھوٹی چھوٹی فراکیں تھیں کالے موتیوں کی ہاتھ بند تھی اسے ہنسی آگئی۔
"وہ تو منڈا ہے اور یہ سب؟" امی پاگلوں کی طرح ایک فراک منہ پر لے کر ہنسنے لگیں۔
"مجھے کیا پتا تھا مجھے لگا پہلی بیٹی ہوگی۔۔۔ ہمارے گاوں میں تو ایسے ہی ہوتا تھا۔" وہ چیزوں کو شاپر میں ڈالنے لگی تھیں تب اس نے نیا سوال کیا۔
"امی کیا گاوں میں پہلا کسی کا منڈا نہیں ہوتا تھا۔" امی نے اس کے سر پر دھپ لگایا تھا۔
"ہوتا تھا، لیکن پھر اسے وی فراکیں ورگے کپڑے پانے پڑتے تھے۔" وہ ہنس کر چپ ہو کر کھڑا ہو گیا تھا۔ امی اس کے ساتھ باہر نکلی تھیں اور اس کی بائیک پر جا بیٹھی تھیں ان کے چہرے پر وہ خوشی تھی جو زیبو باجی کی شادی پر آنسوؤں میں دب گئی تھی۔۔۔ امی اس کے پیچھے بیٹھی تھیں اور اس کے کندھے کو زور سے دبا کر اپنی طرف متوجہ کر رہی تھیں۔ اور یہ ان کی وہ مخصوص عادت تھی جو وہ اس وقت کرتی تھیں جب وہ ایک وقت میں کوئی دس باتیں سوچ رہی ہوتیں۔
"بولیں امی۔۔۔" امی ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے اسے دیکھنے لگی تھیں۔
"وہ راستے میں شبنا کے ہاں ہوتے ہوئے جائیں گے۔" اس نے پلٹ کر امی کو دیکھا۔
"شبنا کے ہاں کیوں؟" امی کے چہرے پر چوری پکڑے جانے کے تاثرات پیدا ہوئے۔
"وہ رمضان نے کمپیوٹر لیا ہے شبنا بتا رہی تھی وہ اس سے روز شام میں شاہین اور دبئی میں بیٹھے جواد سے بات کرتی ہے۔۔۔ اجو' ان کی آواز بھی سن سکتی ہے' بڑے دن ہوگئے شاہین کو ہاسٹل گئے۔۔۔" اس نے سر ہلا دیا۔
"وہ ٹھیک ہے چلیں گے۔" باتوں میں راستے کا اندازہ ہی نہیں ہوا وہ چونکا اس وقت جب اسپتال کے سامنے رکا امی اس کے ساتھ خوشی خوشی اتریں۔ زیبو اس کے گلے لگ کر بہت بلک کر روئی امی زیبو کے قریب آئیں تھیں اس ۔۔۔ کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے خود سے لگا لیا تھا۔
"نہ رو پگلی تیری نانی اور اسے اس کی نانی نے بتایا تھا چھلے میں اگر ماں روئے نا تو اس کی آنکھیں نمی ہو جاتی ہیں۔" زیبو امی کو دیکھ کر بھی روئے جا رہی تھی امی نے اس کے کندھے کو دبایا تھا۔
"پاگلی ہے۔ اب پتا چلنا سی۔۔۔ ماں بننا کی ہوتا ہے تے ساری قدر آجاتی ہے۔ چل اب مجھے شبنا کے ہاں لے چل۔" وہ حکم ملتے ہی زیبو کے شوہر سے ہاتھ ملاتا ہوا کمرے سے باہر نکل آیا پھر وہ آدھے راستے میں تھا جب امی کے موبائل پر فون آیا۔ یہ اس کا منجلا بھائی زبیر تھا جو انگلینڈ میں گاڑی چلا چلا کے ایک دن پاکستانی امیر لڑکی کا شوہر بن کر اس کا ذاتی ڈرائیور بن گیا۔ امی نے فون چک لیا تھا زبیر روئے جا رہا تھا ادھر امی کے

آنسو تھے چلے آرہے تھے چلے آرہے تھے۔
"کھانا وی کوئی دیتا ہے تجھے کہ بس کھوتے کی طرح کام لیتے ہیں۔" زبیر کی آواز بہت نمی تھی۔
"سب کچھ ہے اماں۔۔۔ اچھا گھر' بچے ان کا شور پر تیرے ہاتھ کی بیسن دی روٹی اور پودینے والی چٹنی نہیں۔۔۔ ناہید سے ایک دن بولیا سی۔۔۔ وہ ہنسنے لگ پڑی واٹ پودینہ۔۔۔ اس دن تو بہت یاد آئی اماں۔۔۔ جب بارش ہوتی ہے میں اکیلا کھڑا تجھے یاد کرتا ہوں۔۔۔ تیرے ہاتھ کے پکوڑے تے املی والی چٹنی۔۔۔ اماں تو بڑی یاد آندی ہے۔۔۔ گاؤں کا کوٹھا' تیری چارپائی' تیرے دبے قدموں چلتے چلتے سارے کام کرنا۔۔۔ ابا کی مار بھل گیا بس تیرا اپنے آگے پیچھے کرکے ابا کی مار سے بچانا آج تک نہیں بھلا۔۔۔" امی نے فون اسے پکڑا دیا تھا وہ اپنے آنسو صاف کرنے لگی تھیں۔
"تیرا ابا گاؤں کا تھا پر شہر آکر شہری ہو گیا کوئی نوکری نہیں ملی تھی' ٹیچر بن گیا اردو پڑھا پڑھا کے بابا اردو بن گیا۔" وہ ہنسنے لگا مگر رو رہا تھا۔

"شبنا کے ہاں چلوں امی۔" امی نے سر ناں میں ہلایا۔
"بس اب گھر چل میری طبیعت چنگی نہیں لگدی۔۔۔" اس نے اپنی بائیک کو یوٹرن دیا گھر آگیا' لیکن گھر کے باہر لگے ٹینٹ دیکھ کر وہ پریشان ہو کر سب کو دیکھنے لگا تھا زبیر نے اسے گلے لگالیا تھا۔ وہ دھاڑے مار مار کر رو رہا تھا۔
"اجو اماں چلی گئی اجو۔" اس نے بڑے ہونے کے باوجود اجو کو دھکا مار کر خود سے دور کر دیا تھا۔
"امی تو صبح سے میرے ساتھ۔۔۔" وہ زبیر کی آنکھوں میں بے یقینی دیکھ کر اندر کی طرف دوڑا تھا امی شبنا کے ساتھ کھڑی تھیں جگ میں شربت گھولتے ہوئے اسے دیکھنے لگی تھیں وہ ان کے پاس آگیا تھا۔
"امی کیا کر رہی ہو۔" اس کا سارا صبر ہل کر چور ہوا پھر ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گیا تھا لیکن امی کی مسکراہٹ۔
"ایسے ناں دیکھ چار لوگ جمع ہوں تو مہمان داری تو کرنی پڑتی ہے ناں۔ رات میں کرلوں گی ناں آرام تو میرے پیر دبا دینا' ساری تھکن دور ہو جائے گی۔" امی نے قورمے کے پتیلے کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اس نے امی کا ہاتھ پکڑ لیا۔
"بس کرو امی۔ آپ کو پتا ہے آپ مر چکی ہو۔" امی نے اس کی طرف دیکھا پھر سامنے۔ سامنے دھولے میں ان کی کفنائی ہوئی میت پڑی تھی انہوں نے اسے دیکھا اور اپنی میت کے سرہانے بیٹھ کر دھاڑے مار مار کر رونے لگیں وہ بھی ان کی گود میں سر رکھ کر اونچی اونچی رونے لگا تھا اسے روتے دیکھ کر امی نے اپنے آنسو پونچھ لیے تھے۔
"پاگلے۔ کیوں روتا ہے میں دیکھ کہیں گئی تھوڑی ہوں تیرے پاس ہوں ناں۔" اس نے اثبات میں سرہلایا اپنے آنسو امی کی طرح روکنے کی کوشش کی لیکن وہ ان کی طرح بہادر نہیں تھا وہ پھر سے دھاڑے مار مار کر رونے لگا تھا۔
"میت پر بین ڈالنا حرام ہے۔" اس نے سنا لیکن اس وقت اس کا نطق اس کا شعور کوئی بات سننے کو تیار نہیں تھا اس لیے وہ روتا رہا۔ دنیا میں اس کا ایک ہی دوست تھا اور آج وہ مرگیا تھا۔ وہ روتا بھی نہیں تو خود بھی مر جاتا' سب نے یہ بات سمجھ لی تھی' اس لیے اسے چپ کرانے کی کوشش چھوڑ دی تھی۔

✡ ✡
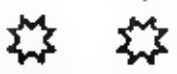
کچھ موتی چنے ہیں

ادارہ

پسندیدگی

مظہر دانش نے پروفیسر کتاؤ کے دفتری کمرے کی اس قدر تعریف کر رکھی تھی کہ اب اس کی زیارت ایک طرح سے ہم پر واجب ہو چکی تھی' اب جو دیکھا تو' جیسا سنا تھا اس سے کچھ بڑھ کر پایا کہ اس میں آگے پیچھے' دائیں بائیں اوپر نیچے ہر طرف کتابیں ہی کتابیں تھیں لیکن اس سے بھی زیادہ دلچسپ بات' چند بھارتی اداکاراؤں کی بڑی بڑی فریم شدہ تصویریں تھیں جو ان کتابوں کے اوپر دیواروں کے ساتھ لگی تھیں' زیادہ تر تصویریں جوہی چاؤلہ کی تھیں جس کے ذکر پر کتاؤ صاحب اس طرح شرماتے تھے کہ ان کا چہرہ لال اور جسم بے تال ہو جاتا تھا۔ ہم نے انہیں جوہی چاؤلہ کے ہرجائی پن کے کچھ سنے سنائے اور فرضی کئی قصے سنائے' مگر ان کی ہنسی کی گرم جوشی اس بات کا واضح ثبوت تھی کہ ہماری کسی بات نے ان کے جذبہ پسندیدگی پر ذرہ برابر بھی اثر نہیں کیا۔ ان کا رویہ اس نوجوان عاشق جیسا تھا جسے اس کے باپ نے اس کی محبوبہ کے کئی منفی خصائل بتائے' مگر اس کی ایک ہی رٹ تھی کہ میں اس لڑکی سے شادی کرنی ہے۔ تنگ آکر اس کے باپ نے کہا کہ میرے پاس پکے ثبوت ہیں کہ اس لڑکی کا گاؤں کے ہر لڑکے کے ساتھ معاشقہ رہ چکا ہے۔ نوجوان عاشق نے بڑی بے پروائی سے جواب دیا۔

"پھر کیا ہوا ابا' چھوٹا سا تو ہمارا گاؤں ہے۔"

(چلو جاپان چلتے ہیں..... امجد اسلام امجد)

سمعیہ سیف' سندس رفیق سندر..... عبدالحکیم

عالموں کے سربراہ

قدرت دونوں پر ہی مہربان رہتی ہے عالموں پر بھی اور بے علموں پر بھی۔ دونوں کو اپنے اپنے انداز سے نوازتی ہے' مگر ایسا نہیں کرتی کہ بمباری سے جن کے فرزند مارے' ان ہی کے بچوں کو گولیوں اور بڑوں کو گالیوں سے نوازے۔ یہ کام اور انصاف صرف آج کے عالم' عالموں کے سربراہ ملک اور وہاں کے دانش مندوں کو ہی زیب دیتا ہے کہ اپنی نسل کے بچوں کو تحفظ اور دوسری قوموں کے بچوں کو بارود کا تحفہ دیں۔ معصوموں اور لاچاروں کی تڑپتی لاشوں کے اوپر امن کی عبارتوں اور خوراک کی سوغاتوں کا چارہ پھینکتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں کہ ہم نے کہکشں پر پھول اگا دیے ہیں۔ انہیں آج نہیں تو کل خبر ہو ہی جائے گی۔ کہ کہکشں پر کبھی پھول نہیں کھلتے صرف کانٹے لگتے ہیں اور وہ اگانے والے کے نصیب کے ہوتے ہیں

اختر عباس

سید نسبت زہرا۔ کہروڑ پکا

پیار امر ہے

دنیا میں پیار سے بڑی سعادت کوئی' دوسری نہیں ہوسکتی۔ ہاں' یہ پیار ہے جو رشتے سے قوی ہے' جو ہر تعلق سے بے نیاز ہے یہ ہر قدر پر بھاری ہے۔ یہ پیار ہی ہے جو ہر دعوے کو جھٹلا دیتا ہے' ہر غرور کو توڑ دیتا ہے اور تہمت کو قبول کر لیتا ہے۔ یہ پیار ہی ہے جو ساگر سے گمبھیر' آکاش سے بلند' کونپل کی طرح نازک اور ننھے بچے کی طرح معصوم ہوتا ہے۔ تم ہزار اجنبی بنے رہو' کروڑوں میل دور چلے جاؤ' پاتال تک اتر جاؤ' آسمانوں کو مسکن بنالو' کہیں بھی چلے جاؤ مگر انسان کو انسان سے جدا نہ کر سکو گے' پیار کو پیار سے دور نہ کر سکو گے۔

(نن تارا..... رحیم گل)

شہنیلا اسلام۔ قائم پور

خسارہ

مذاق میں بھی کسی انسان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ

ان چیزوں کا تمسخر اڑائے جن میں انسان کا اختیار نہیں۔ جب ہم ایسا کر رہے ہوتے ہیں تو ہم بالواسطہ اس ذات کا مذاق اڑا رہے ہوتے ہیں جس نے ان چیزوں کو تخلیق کیا ہے انسان نا سمجھ ہے اور اس چیز کا شعور نہیں رکھتا۔ اس لیے خسارے میں رہتا ہے۔
(دیمک زدہ محبت..... صائمہ اکرام چوہدری)
ثریا راجپوت۔ تحصیل وضلع ننکانہ صاحب

تعاون

ہماری پولیس تعاون پر بڑا بھروسا کرتی ہے۔ ہماری اطلاع کے مطابق ایک بار پولیس نے رات گئے مشاعرے سے واپسی پر ایک شاعر کو دھر لیا۔ شاعر کے پاس ہوتا ہی کیا ہے جو وہ پولیس سے تعاون کرتا، لیکن پولیس بغیر تعاون کے کسی کو نہیں چھوڑتی چنانچہ واردات پر ہی پولیس نے شاعر سے اپنی شان میں ایک قصیدے کا تاوان شکریہ کے ساتھ وصول کیا جسے محکمہ پولیس نے بڑی شدومد سے اپنی کمپین میں استعمال کیا۔ شاعر غریب کا یہ تاوان آپ کی سماعت سے بھی گزرا ہوگا کہ۔

پولیس کا ہے فرض مدد آپ کی
کریں ان کی دل سے مدد آپ کی

اس کمپین کے بعد ان پڑھ اور سادہ لوح پولیس والے تعاون اور تاوان میں کوئی فرق محسوس نہ کر سکے چنانچہ انہوں نے کھل کر تاوان وصول کیا۔
(گستاخیاں..... محمد یعقوب غزنوی)
حورین زینب۔ کہروڑپکا

دل

وقت اور حالات عادتیں بدل دیتے ہیں، لیکن اس کا مطلب نہیں کہ عادتیں بدلنے سے دل بوجھل ہونا چھوڑ دے۔ دل تو اپنی مرضی پر چلتا ہے۔
(ماہ تمام..... آمنہ ریاض)
ام ہانیہ۔ گجرات

میچورٹی

دنیا میں لڑکیوں سے زیادہ احمق کوئی اور نہیں ہوتا۔ خوش فہمی کا آغاز اور اختتام ہم پر ہی ہوتا ہے۔ ساری عمر ہم محبت کی بیساکھیوں کا انتظار کرتی رہتی ہیں تاکہ زندگی کی ریس شروع کر سکیں۔ ہمیں ہر مرد کے بارے میں یہ خوش فہمی ہوتی ہے کہ وہ آئے گا، ہمیں دیکھے گا اور ہمارا ہو جائے گا۔ کوئی ہم سے ہمدردی کرے تو ہمیں خوش فہمی ہونے لگتی ہے۔ کوئی ہمیں سراہے تو ہمیں وہ مٹھی میں قید نظر آنے لگتا ہے۔ کوئی ہمارے ساتھ وقت گزارے تو ہمارے ہوش و حواس اپنے ٹھکانے پر نہیں رہتے۔ عمر کا خیال ہے مجھ میں میچورٹی نہیں ہے۔ یہ تو کسی لڑکی میں نہیں ہوتی کبھی لڑکیاں بھی میچور ہوتی ہیں؟۔
ہم میں میچورٹی صرف تب آتی ہے جب ہمیں ریجیکٹ کیا جاتا ہے
(امر بیل..... عمیرہ احمد)
طلعت ثنا۔ سیال شریف

خود پرست

عاشق ہونا اپنے آپ میں ہی ایک بڑی مصیبت ہے۔ بڑی تباہی۔ سراسر بربادی۔ عشق کسی اور سے ہو تو ناموری۔ کہ بدنام ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا۔
عشق اپنے آپ سے ہو تو بیڑا ہی غرق
خود اذیتی اپنی جان پر عذاب ہوتی ہے اور خود ستائشی۔ دوسروں پر۔ خود کو چاہنے والے پھر کسی کو نہیں چاہ سکتے....
خود پر نچھاور ہوتے خود پرست لوگ....
خود پرستوں کے دل نہیں ہوتے، خود پرستوں کی آنکھ بھی نہیں ہوتی۔
اپنے آپ میں مست ملنگ یہ لوگ پھر کس کے دل میں بھی نہیں ہوتے۔ پھر کسی کی آنکھ میں بھی نہیں ہوتے.... ہوتے ہیں.... مگر نہیں ہوتے ہیں۔
(خالی آسمان..... سائرہ رضا)
شاہدہ عامر۔ کراچی

شعاع عنبر

نیت نیک تھی"

القرآن

(ان سے) پوچھو کہ تم کو آسمان اور زمین میں رزق کون دیتا ہے۔ یا (تمہارے) کانوں اور آنکھوں کا مالک کون ہے اور بے جان سے جان دار کون پیدا کرتا ہے اور جان دار سے بے جان کون پیدا کرتا ہے اور دنیا کے کاموں کا انتخاب کون کرتا ہے؟ جھٹ کہہ دیں گے کہ اللہ۔ تو کہو کہ پھر تم (اللہ سے) ڈرتے کیوں نہیں۔

امینہ ملک.... کراچی

نیت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور کہنے لگا۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں فلاں کنویں کے پاس سے گزر رہا تھا کہ میں نے محسوس کیا کہ اس کنویں کے پاس ایک کھونٹا ہونا چاہیے تاکہ لوگ اپنے مویشیوں کو باندھ سکیں۔ میں وہاں ایک کھونٹا گاڑھ آیا ہوں۔"

تھوڑی دیر بعد ایک اور شخص آیا اور کہنے لگا۔

"اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے فلاں کنویں کے پاس ایک کھونٹا گڑا ہوا دیکھا۔ میں نے اس لیے اسے اکھیڑ دیا کہ کوئی ٹھوکر کھا کر کنویں میں نہ گر جائے۔" آپ نے فرمایا "تو نے نیک کام کیا۔"

صحابہ رضی اللہ نے عرض کیا۔ "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! دونوں نے متضاد کام کیا لیکن آپ نے دونوں کو پسند فرمایا۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "دونوں کی نیت نیک تھی"

حمدا واجد.... کراچی

لفظوں کی مالا

☆ جو لوگ شوق میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ ان کی عبادت تاجرانہ ہے۔ جو خوف میں عبادت کرتے ہیں۔ ان کی عبادت غلامانہ اور جو شکر نعمت کے طور پر عبادت کرتے ہیں۔ ان کی عبادت آزادانہ ہے۔ (حضرت علی رضی اللہ عنہ)

☆ کسی کو اپنا کہنے سے پہلے سوچ لو۔ کیا تم اسے اپنائیت کا بھرپور احساس دلا سکو گے۔ (خلیل جبران)

سدرہ وزیر.... خوشاب

حقیر نہ سمجھو

موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ تھے، روزانہ اپنے رب سے ہم کلام ہوتے تھے ایک دن حکم ہوا کہ "موسیٰ جاؤ اور اپنے سے کمتر کو تلاش کر کے لاؤ۔" موسیٰ علیہ السلام نے حکم خدا سے ساری کائنات چھان ماری مگر اپنے سے کمتر کسی کو نہ پایا۔ شام کو خالی ہاتھ لوٹے اللہ عزوجل نے فرمایا!

"اے موسیٰ اگر آپ ایک بکری کے بچے کو ہی لے آتے تو ہم آپ کو نبوت سے محروم کر دیتے۔"

"اسی لیے کہتے ہیں کہ کسی کو اپنے سے حقیر نہ سمجھو۔"

ثمینہ کوثر عطاری.... ڈوگر گجرات

گوہر آبدار

☆ چیزوں کی محبت دلوں میں مستقل بس جائے تو

اندر ہی دیواروں جیسی ہو جاتی ہے۔ باقی عمران سے رہائی نہیں ملتی۔

☆ ہم اکثر اتنے اچھے نہیں ہوتے جتنا وہ محبت ہمیں اچھا کر دیتی ہے جو ہمارے دلوں میں اپنے پیاروں سے ہوتی ہے۔

☆ اچھی کتابوں سے محبت دل سے چاہے بنا نہیں ہو سکتی جیسے نیکی کی توفیق بنا طلب کے نہیں ملتی۔

☆ محبت چہروں سے نہیں دلوں سے روحوں سے کی جاتی ہے۔ چہرے روپ بدل سکتے ہیں مگر روح روپ نہیں بدلتی۔

☆ غلط فہمی اگر دل میں زیادہ دیر رہے تو بدگمانی کو جنم دیتی ہے اور بدگمانی فاصلوں کا باعث بنتی ہے۔

☆ اعتدال بہترین راہ ہے کیونکہ پاؤں آگ کے الاؤ میں ہو یا برف کی سیل پر دونوں صورتوں میں تپش ہمارا مقدر بنتی ہے۔

☆ خوشی میں کوئی دوست شامل ہو تو خوشی بڑھ جاتی ہے اور غم میں اگر دوست ساتھ دے تو غم گھٹ جاتا ہے۔

☆ برا وقت وہ شفاف آئینہ ہے جو بہت سے چہرے واضح کر دیتا ہے۔

☆ کائنات میں کوئی اتنی شدت سے کسی کا انتظار نہیں کرتا جتنا اللہ اپنے بندے کی توبہ کا کرتا ہے۔

فوزیہ تمریٹ۔۔۔۔ گجرات

ذہانت

"بیٹا! یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟" اپنے چھوٹے بیٹے کے ہاتھ میں ایک کتاب دیکھ کر مامون الرشید نے پوچھا۔

"ابا جان! یہ ایک چیز ہے جس سے ذہانت میں اضافہ ہوتا ہے اور غفلت کی چادر آنکھوں سے اتر جاتی ہے، وحشت سے لگاؤ ہوتا ہے۔"

بیٹے کی بات سن کر مامون رشید نے کہا۔

"میں اپنے رب کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے مجھے ایسے بچے عطا فرمائے ہیں جو جسم کی آنکھ کی نسبت عقل کی آنکھ سے زیادہ دیکھتے ہیں۔"

فردوس فہیم۔۔۔ کراچی

انمول موتی

☆ آپ کسی انسان سے سب کچھ چھین سکتے ہیں لیکن اس کے جذبے نہیں۔

☆ سچ میں صرف ایک ہی خرابی ہے کہ یہ کسی کا بھرم نہیں رکھتا۔

☆ لوگوں پر ظلم نہ کرنا بھی سخاوت ہے۔

☆ کامیابی کا راز خود اعتمادی میں ہے۔ اپنی خوشی کے لیے کسی کی مسرت خاک میں نہ ملاؤ۔

☆ جن کے ذہن میں اچھے خیالات آباد ہوں وہ کبھی تنہا نہیں ہوتے۔

☆ رشتے خون کے نہیں ہوتے رشتے احساس کے ہوتے ہیں اگر احساس ہو تو اجنبی بھی اپنے۔ اگر احساس نہ ہو تو اپنے بھی اجنبی۔

نشا نورین، صائقہ نورین۔۔۔ بوتالہ جھنڈا سنگھ

بولنے والی مشین

کسی عورت نے ایک بار ایڈیسن سے کہا کہ "آپ عظیم ہیں، جو آپ نے بولنے والی مشین بنائی۔"

تو ایڈیسن نے کہا۔ "محترمہ دنیا کی پہلی بولنے والی مشین تو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ اسلام کی پسلی سے بنائی تھی البتہ جو مشین میں نے بنائی ہے اسے بند کرنے کے لیے تو سوئچ موجود ہے۔"

شہنیلا اسلام۔۔۔ قائم پور

دعا

اے نئے سال کے ابھرتے ہوئے سورج
تمہیں اپنی کرنوں کی قسم
میری ایک بات مان لو
کہ اس نئے سال میں

دل کی راہوں پر چلنے والوں کے
راستوں کو روشنیوں سے بھر دینا

حورین زینب۔۔۔ کہروڑ پکا

پیغام

نئے سال کی صبح کے سورج
جو جاؤ ادھر
تو ان سے کہنا کہ تمہارے
تمام عمر کے دکھ
اپنے نام کرنے کا سمجھوتہ کرکے
خوشیوں کی روپہلی کرنوں سمیت
کوئی محو انتظار ہے

روبینہ شاہ۔۔۔ چکوال

حسرت

کنوارہ :
تقدیر ہے مگر قسمت نہیں کھلتی
تاج محل بنانا چاہتا ہوں مگر ممتاز نہیں ملتی

عاشق :
تقدیر ہے مگر قسمت نہیں کھلتی
ممتاز مل گئی ہے مگر شادی نہیں کرتی

شادی شدہ :
تقدیر ہے مگر قسمت نہیں کھلتی
تاج محل بنانا چاہتا ہوں مگر ممتاز نہیں مرتی

روبینہ یاسمین۔۔۔ چکوال

"بڑے لوگ بڑی باتیں"

☆ زندگی کا سفر نہایت قلیل ہے لیکن اگر مصیبت ہو تو یہ کافی طویل ہے (سقراط)

☆ ایک شخص کی اس دنیا میں دلچسپی اس کے ذاتی مفاد تک محدود ہے (برنارڈ شاہ)

☆ جب ہم اپنی پسند کی اشیا سے محروم ہوں تو موجودہ اشیا ہی کو پسند کر لینا چاہیے۔ (پیوٹن)

☆ تمام دنیا گھوم کر دیکھو، مفلس کے لیے کوئی بھی دروازہ کھلا ہوا نہیں۔ (جارج سینڈ)

☆ جو شخص زیادہ سوچنے والا ہوتا ہے وہ سب سے زیادہ صحیح کام کر سکتا ہے (روزویلٹ)

☆ ضمیر ہمارے اندر اس آواز کا نام ہے جو ہمیں متنبہ کرتی ہے کہ کوئی دیکھ رہا ہے (میکلن)

☆ کسی کے مغرور ہونے کا مطلب ہے کہ وہ ان نتائج سے مطمئن ہے جو وہ دوسروں سے اخذ کرنا چاہتا ہے (بیکن)

طاہرہ ملک، رضوانہ ملک۔ جلالپور پیروالا

لائٹ

جب لائٹ جائے تو
امریکی پاور ہاؤس کال کرتے ہیں
جاپانی فیوز چیک کرتے ہیں
اور
پاکستانی گلی میں جھانک کر کہتے ہیں
آہو ساریاں دی گئی اے

حمد اواجد۔۔۔ کراچی

عقل مند

عقل مند آدمی جب کوئی خاص اور اہم فیصلہ کرتا ہے تو بہت سوچتا ہے۔ دل و دماغ کی سنتا ہے، حالات کو پرکھتا ہے دلیل کو زیر غور لاتا ہے، مثبت اور منفی پہلو کا جائزہ لیتا ہے اپنے والدین اور بہن بھائیوں سے رائے لیتا ہے اور آخر میں وہی کرتا ہے جو اس کی بیوی کہتی ہے۔

ریحانہ۔۔۔ سکھر

انسانی ذہن

کوئی انسان اتنا بڑا نہیں ہوتا کہ اسے شکست نہ دی جاسکے۔
اور
کوئی انسانی ذہن اتنا چھوٹا نہیں ہوتا جس سے شکست نہ کھائی جاسکے۔

☆ ☆

بشریٰ محمود

آمنہ ولید، کی ڈائری میں تحریر
آصف شہزاد کی نظم

انجام

وہ کہتی ہے مجھے تتلی کے رنگوں سے محبت ہے
مگر معصوم تتلی کے وہ پر بھی نوچ لیتی ہے
وہ کہتی ہے مجھے ہے پیار پھولوں اور خوشبو سے
مگر اکثر کچل دیتی ہے وہ پیروں تلے ان کو
وہ کہتی ہے حنائی ہاتھ پیارے مجھ کو لگتے ہیں
مگر مہندی لگاتے ہی وہ دھو دیتی ہے ہاتھوں کو
وہ کہتی ہے بھلی لگتی ہے ساون کی مجھے بارش
مگر بارش کے ہوتے ہی وہ چھپ جاتی ہے کمرے میں
وہ کہتی ہے ہواؤں سے مرا جنموں کا ناطہ ہے
ہوا چلتے ہی ساری کھڑکیاں وہ بند کرتی ہے
وہ کہتی ہے ستارے اچھے لگتے ہیں، اگر کوئی
ستارا آسماں سے ٹوٹ کر سوئے زمیں آتے ہوئے دیکھے
تو خوش ہوتی ہے یوں جیسے کہ اس نے خواب کی تعبیر
پالی ہو
وہ کہتی ہے پرندوں سے بڑا ہی پیار کرتی ہوں
مگر پنجروں میں ان کو قید بھی کرتی ہے وہ ظالم
وہ کہتی ہے کہ خط لکھنے سے تو جاناں محبت اور بڑھتی
ہے
مگر وہ میرا خط ملتے ہی ابو کو بتا دیتی ہے چپکے سے
وہ جس لمحے مجھے کہتی ہے تم سے پیار ہے جاناں
پریشانی کے ساگر میں مرا من ڈوب جاتا ہے
کہ میرے ساتھ کیا ہوگا
میرا انجام کیا ہوگا

روبینہ لیاقت، کی ڈائری میں تحریر
شاہین مفتی کی نظم

زمین گول ہے

بچھڑتے سمے
اس نے مجھ سے کہا تھا
زمین گول ہے
اور ہم
زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پر پھر ملیں گے
میں اس دن سے
اب تک
اسی موڑ پہ ہی
کھڑی سوچتی ہوں
کہ سب گردشیں اب نئے مرکز کے تعاقب میں ہیں
کوئی لمحہ پلٹ کر
نہیں آئے گا
کیا ہوا جو زمین گول ہے

نمرہ، اقرا، کی ڈائری میں تحریر
نعمان فاروق کی غزل

جب جب اس کو سوچا ہے
دل اندر سے مہکا ہے

صحرا پر موقوف نہیں
دریا بھی تو پیاسا ہے

ابھی تیرے روپ کا سایا
سیدھا دل پر پڑتا ہے

سب سے اس کی باتیں کرنا
کتنا اچھا لگتا ہے

یہ چوٹ لگے اک عمر ہوئی
زخم ابھی تک رستا ہے

شام کی باہوں میں نعمان
کس کو سوچیا رہتا ہے

سیدہ نسبت زہرا، کی ڈائری میں تحریر
فیضان عارف کی غزل

وقت گزرا تو یہ ملال ہوا
ختم زندگی کا ایک سال ہوا

آج زندگی کو عروج ملا
آج لمحات کو زوال ہوا

یاد کرکے وصال کے لمحے
دل یہ پاگل بہت نڈھال ہوا

سوچ کی جھیل میں گرا پتھر
بے سبب منتشر خیال ہوا

اتنی شدت سے کوئی یاد آیا
آج جینا بڑا محال ہوا

لوگ دیکھے بہت مگر اب تک
کوئی تیری کہاں مثال ہوا

کوئی جاکر ذرا اسے کہہ دے
ہجر میں کیا ہمارا حال ہوا

رفعت جبیں، کی ڈائری میں تحریر
پروین شاکر کی نظم

نیا سال، پرانے خواب،

یہ ماہ و سال تو گزرتے چلے جاتے ہیں
ہم ہر نئے سال کی آمد پر
یہ سوچا کرتے ہیں گے
اب کے برس جدائی کا طویل موسم ختم ہو جائے گا
شاید
لیکن ہر گزرتے برس کی طرح
موسم ہجر ہمارے دروازے پر
دستک دے گا
ہم ہنستے آنسوؤں کے ساتھ
ایک بار پھر
روتی ہوئی بہاروں کو
خوش آمدید کہیں گے

فردوس فہیم، کی ڈائری میں تحریر
ناز کنول نازی کی نظم

بھیگی جنوری پھر لوٹ آئی ہے
گزرتے ماہ و سال کے کنارے پر کھڑا
اداس دسمبر الوداع کہہ رہا ہے
جان گل
اس اداس موسم میں
آؤ ہم بھلا دیں ساری رنجشیں
گلے شکوے، ناراضیاں بھلا کر
ایک دوسرے کے لیے یہ دعا کریں
کہ آنے والا یہ نیا سال
ہمارے لیے خوشیوں کے ڈھیروں پیغام لائے
ہمارے ہونٹوں پر بکھرنے والی ہر مسکراہٹ
سچی مسکراہٹ ہو
اور ہمارے دلوں میں موجزن
ایک دوسرے کے لیے موجود
یہ خلوص و محبت کے جذبے
ہمیشہ یونہی پھلتے پھولتے رہیں
اور ہر سال کے آغاز پر یونہی
ایک دوسرے کے لیے دعائیں کرتے رہیں

شگفتہ سلیمان

افشاں ______ کراچی

سال نو میں اک ایسی بارش ہو میرے شہر پہ جو
سارے دل، سارے دریچے دھو جائے

سیّدہ نسبت زہرہ ______ کہروڑ پکا

ہو سال نو پہ عطا رب کائنات ہمیں
وطن میں ہر طرف رنگین بہار کا موسم
کبھی نہ رنج والم کا ملے کوئی لمحہ
ہر طرف ہی رہے صرف پیار کا موسم

آسیہ جاوید ______ گجرات

نئی رتیں، نئے خواب ہیں اور چاہتوں کے سلسلے
سال نو کے سنگ ہیں تیری گلاب رفاقتوں کے سلسلے
کبھی دن بھر تجھے سوچنا، کبھی رات بھر بے جاگنا
تیری یاد ہے میں ہوں اور جنوری کی شاموں کے سلسلے

انجل ______ ڈبرکی

جنوری کی سردیوں میں اک آتش دان کے پاس
گھنٹوں تنہا بیٹھنا، بجھتے شرارے دیکھنا
جب کبھی فرصت ملے تو گوشۂ تنہائی میں
یاد ماضی کے پرانے گوشوارے دیکھنا

صائمہ جبیں ______ کراچی

محبت ہی محبت کاشت اب کے سال کرنے ہیں
چلو پھر آنے والی رت کا استقبال کرتے ہیں
کہ اب ہم سب کو سہاروں کی ضرورت ہے
نئے سال میں آنے والی بہاروں کی ضرورت ہے

گڑیا شاہ ______ کہروڑ پکا

گو کہ تم بہت دور بس رہے ہو مگر
ان ہواؤں پہ اعتبار کر لینا
نئے سال کی ابتدا ہے جان جاناں
تھوڑی دیر ہم کو بھی یاد کر لینا

صدف عمران ______ کراچی

مسئلے تو پچھلے سال کے اپنی جگہ رہے
سب سوچتے رہے کہ نیا سال آ گیا
خوشیاں جو بانٹتا تو کوئی نئی بات تھی
گزرا ہوا یہ سال بھی عمریں بڑھا گیا

حنا قریشی ______ پتوکی

تم کیا جانو محبت کے میم کا مطلب
اگر مل جائے تو معجزہ اور نہ ملے تو موت

رباب راجپوت ______ پھول نگر

آج جس کو مجھ میں ہزاروں عیب نظر آتے ہیں
کبھی وہی کہتا تھا تم جیسے بھی ہو صرف میرے ہو

فوزیہ ثمر بٹ ______ گجرات

جانے کس راہ سے آ جائے وہ آنے والا
میں نے ہر سمت سے دیوار گرا رکھی ہے

رضوانہ شکیل راؤ ______ لودھراں

موت تو نام ہے بدنام ہوئی ورنہ
تکلیف تو زندگی بھی دیا کرتی ہے

کوثر خالد ______ جڑانوالہ

کہتے ہیں جسے پیار سے ہم لوگ محبت
ہر شخص کے دامن کو یہی آگ لگائی ہے

نوشابہ منظور ______ بھریا روڈ

کتنی اچھی لگتی ہے کسی سے محبت کی ابتدا
درد تو تب ہوتا ہے جب کوئی اپنا بنا کے چھوڑ دے

عذرا ناصر، اقصیٰ ناصر ______ کراچی

ریزہ ریزہ بکھرا ہوں میں جن کی چوٹوں سے
مجھ کو پتھر دل کہتے ہیں پتھر جیسے لوگ

انعم ———— فیصل آباد

یونہی ختم ہجر کا باب ہو نئے سال میں
کوئی خواب ہی تیرا خواب ہو نئے سال میں
کبھی یوں بھی ہو کسی شب تو مجھ سے آ ملے
گئے رتجگوں کا حساب ہو نئے سال میں

مسرت ———— مظفر آباد

بتا ذرا کون سی بہار لے کے آیا ہے جنوری
تم تو کہتے تھے کہ بہت ویران ہے دسمبر

عائشہ اسلم ———— گجرات

ہمیشہ ایک ہی تصویر رہ جاتی ہے آنکھوں میں
یہ پہلا ہجر ہے اور ایسا منظر کب بدلتا ہے
کسی کو سال نو کی کیا مبارک باد دی جائے
کیلنڈر کے بدلنے سے مقدر کب بدلتا ہے

صبا نوشاہی ———— گجرات

ٹھہر گئی ہے زندگی ایک ہی مقام پر
ہندسے بدل جانے کو سال نو کہتے ہیں

نمرہ، عائشہ ———— کراچی

سال کی پہلی کرن کے ساتھ پھر جاگا ہے دل
پھر مری وہی طلب اب کے برس مل جائے تو

صائمہ جبیں ———— کراچی

ملے گا پھر کبھی اس وہم سے نکل گیا
وہ شخص اب کے یہ اندازِ ماہ و سال گیا

بیا اسامہ انجم ———— فیصل آباد

آیا ہے نیا سال دل میں آئے خیال کئی
جو گزر چکے انہیں بھول جا، دل میں بسائی ترنگ
شاید کہ یہ سال تیرے ملنے کی نوید لے آئے
ہر بات نئی ہوگی وہی، پر یہ بات تو ہوگی نئی

عاصمہ ———— کراچی

سال نو میں ڈھیروں گلاب کھلنے ہیں
روٹھے ہوئے دوست سارے منانے ہیں
بند آنکھوں میں جو چبھ رہے ہیں ریت کی طرح
پلکوں کو کھول کر آنسو سارے گرانے ہیں

عذرا ناصر، انقی ناصر ———— کراچی

پھول کھلنے کا جو موسم ہے دل میں اترا
تیرے بچھتے ہوئے زخم عجب یاد آئے
یہ خنک رت پہ نئے سال کا پہلا لمحہ
دل کی خواہش ہے کہ حسن اب کوئی یاد آئے

نمرہ، اقرا ———— کراچی

یاد کر کے مجھے تکلیف ہی ہوتی ہو گی
ایک قصہ ہوں پرانا سا بھلا دے مجھ کو

اریبہ شمشاد، منیبہ شمشاد ———— آزاد کشمیر

کبھی تو سمجھیں عبادات کے اصل معنی کو
کبھی تو ٹوٹے انسان کو جوڑ دیکھیں

نوال افضل گھمن ———— لاہور

گزر جائے گی زندگی اس کے بغیر فراز
وہ حسرت زندگی ہے شرطِ زندگی تو نہیں

حرا قریشی ———— ملتان

جس نگر بھی جاؤ قصے ہیں کمبخت دل کے
کوئی لے کے رو رہا ہے کوئی دے کے رو رہا ہے

خودین زینب ———— کہروڑ پکا

اب کے برس کچھ ایسی تدبیریں کرتے ہیں
مل کے اک شہر محبت تعمیر کرتے ہیں
خزاں کی اجاڑ شامیں نہ آئیں اگلے سال
اس بہار رت کو زنجیر کرتے ہیں

اریبہ شمشاد، منیبہ شمشاد ———— کراچی

ہر سال تیری یاد کے صحرا کے نام تھا
ہر سال تیری دید کی چاہت رہی ہمیں

آمنہ ناز محمد ———— میرپور ساکرو

پتھر بنا دیا مجھے رونے نہیں دیا
دامن بھی تیرے غم نے بھگونے نہیں دیا
دل کو تمہاری یاد کے آنسو عزیز تھے
کوئی بھی درد اور سمونے نہیں دیا

کرن کا دستر خوان

خالدہ جیلانی

فش فنگرز

اجزا:

رہو/ سرمئی مچھلی — ایک کلو
(کھال صاف کروا کے فنگرز بنوالیں)
سفید سرکہ — دو کھانے کے چمچے
سفید زیرہ — ایک چائے کا چمچہ
(بھنا ہوا۔ پیس لیں)
گرم مسالا پاوڈر — ایک چائے کا چمچہ
لال مرچ پاوڈر — ایک چائے کا چمچہ
نمک — حسب ذائقہ
انڈا (سفیدی) — ایک عدد
تیل/ گھی (تلنے کے لیے) — حسب ضرورت
چاٹ مسالا — دو کھانے کے چمچے
لیموں — دو عدد
بیسن — ایک پیالی
ڈبل روٹی کا چورا — ایک پیکٹ

ترکیب:

فش فنگرز کو اس آمیزے میں ملا دیں اور فرائی کریں۔
سفید سرکہ لگا کر 10 منٹ کے لیے رکھ دیں۔ پھر اچھی طرح دھولیں تاکہ بساند ختم ہو جائے۔
پھر فش فنگرز کو لیموں کا رس اور نمک لگا کر دو سے تین گھنٹوں کے لیے فریج میں رکھ دیں۔
ایک پیالے میں بیسن' انڈے کی سفیدی اور سفید زیرہ گرم مسالا پاوڈر' لال مرچ پاوڈر اور ڈبل روٹی کا چورا اچھی طرح ملا کر گاڑھا آمیزہ بنالیں۔
جب گولڈن براون ہو جائیں تو نکال کر چاٹ مسالا چھڑک کر گرم گرم پیش کریں مزے دار فش فنگرز تیار ہیں۔

چائنیز کباب

اجزا:

مرغی کا قیمہ — ایک کلو باریک
ڈبل روٹی کے سلائس — چار عدد
سویا سوس — چار کھانے کے چمچے
سرکہ — ایک کھانے کا چمچہ
کالی مرچ — پسی ہوئی ایک چائے کا چمچہ
ہرا دھنیا — باریک کٹا ہوا' آدھا کپ
ہری مرچ — چار عدد باریک کٹی ہوئی
کارن فلور — ایک کھانے کا چمچہ

انڈا	ایک عدد
ہری پیاز	دو عدد باریک کٹی ہوئی
اجینو موتو	آدھا چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ

کوکنگ آئل تلنے کے لیے حسب ضرورت

ترکیب :

سب سے پہلے قیمہ میں سلائس کو سرکہ اور سویا سوس میں چورا کر کے ملا دیں اور قیمہ کو آٹے کی طرح گوندھیں۔ اس کے بعد باقی مسالا ملا کر تھوڑی دیر یعنی 30 منٹ کے لیے رکھ دیں۔ پھر کباب بنا کر فرائی کر لیں اور ٹماٹو کیچپ کے ساتھ کھائیں۔ نوٹ! ان کباب کو ڈیپ فرائی نہیں کرنا ہے۔

سیسمی فرائیڈ چکن

اجزا :

مرغی	ایک کلو (4 پیس کرلیں)
دہی	آدھ پاؤ
لیموں	تین (رس نکال لیں)
کالی مرچ	آدھا چائے کا چمچہ (پسی ہوئی)
سرخ مرچ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
نمک	ایک چائے کا چمچہ
تلی ہوئی پیاز	آدھا کپ (پیس لیں)
سرکہ	ایک کپ
آئل	حسب ضرورت (تلنے کے لیے)
لہسن	ایک چائے کا چمچہ
تل	چار کھانے کے چمچے
بریڈ کرمب	دو کپ
انڈے	دو عدد

ترکیب :

مرغی کے ٹکڑوں کو سرکہ لگا کر دو گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ دو گھنٹے بعد دہی میں کالی مرچ، لہسن، نمک، سرخ مرچ، مسٹرڈ پاؤڈر اور لیموں کا رس مکس کر لیں۔ اب اس مکسچر کو مرغی کے ٹکڑوں پر لگا کر دو گھنٹے کے لیے ریفریجریٹر میں رکھ دیں۔ ایک پیالی میں بریڈ کرمب اور تل مکس کر لیں اور دوسری طرف ایک پیالی میں انڈے پھینٹ لیں۔ ریفریجریٹر سے مرغی نکال لیں پہلے انڈے میں رول کریں۔ پھر اسے بریڈ کرمب اور تل میں رول کریں۔ تیل گرم کر کے ان ٹکڑوں کو ڈیپ فرائی کریں۔ گرما گرم ٹماٹو کیچپ کے ساتھ پیش کریں۔

گاجر کا سرائیکی اچار

اجزا :

گاجر	بارہ۔ دس عدد
نمک	حسب ذائقہ
چائنیز نمک	ایک چائے کا چمچہ
چینی	دو چائے کا چمچے
مکئی کا آٹا	دو کھانے کے چمچے
تیل	ایک کھانے کا چمچہ

سویا ساس | ایک چائے کا چمچہ
سرکہ | ایک کھانے کا چمچہ
پانی | ایک کپ
مکئی کے آٹے کو تھوڑے سے پانی میں گھول لیں

ترکیب :

گاجریں دھولیں ان کا چھلکا اتاریں' انہیں لمبے / گول کاٹ لیں۔ تیل گرم کریں تیل گرم ہونے پر گاجریں ڈال دیں۔ ایک منٹ کے بعد نمک اور چائنیز نمک ملا دیں۔ کچھ دیر کے بعد اس میں ایک کپ پانی ڈال دیں۔ 7-6 منٹ گاجریں ابالیں۔ اس میں چینی' سرکہ' مکئی کا آٹا' سویا ساس ملا دیں اور دو منٹ مزید پکائیں۔ خوب صورتی سے گارنشنگ کے ساتھ پیش کریں یہ ڈش ابلے ہوئے چاولوں یا نان روٹی کسی کے بھی ساتھ پیش کریں بہت مزا دے گی۔

دیسی گھی کی چوری

اجزا :

دیسی گھی | ایک کپ
دیسی آٹا | چار کپ
چینی | آدھا کپ
الائچی | پسی ہوئی ایک چٹکی
پانی | گوندھنے کے لیے
نمک | حسب ذائقہ

ترکیب :

سب سے پہلے آٹے میں حسب ذائقہ نمک ڈال کر گوندھیں اور ایک گھنٹے کے لیے رکھ دیں پھر اس سے موٹی دو روٹیاں بنائیں اور بڑے بڑے ٹکڑوں میں کاٹ لیں' پھر دیسی گھی اور چینی ڈالیں اور ہاتھوں سے زور زور سے ملیں۔ یہاں تک کہ بالکل ہی چھوٹے ذروں پر مشتمل ہو جائے اور آخر میں الائچی پاؤڈر ڈال کر مسلیں اور پھر دوبارہ گرم کریں۔ مزے دار چوری دیسی گھی کی تیار ہے۔

لیمن بریڈ پڈنگ

اجزا :

انڈے' تھوڑے پھینٹے ہوئے تین عدد
کاسٹر شوگر | 1/4 کپ
ونیلا ایسنس | ایک چائے کا چمچہ
لیمن کا چھلکا کٹا ہوا | دو چائے کے چمچے
دودھ | ڈھائی کپ
سفید ڈبل روٹی کے سلائس بارہ عدد
کاسٹر شوگر۔ ایکسٹرا | چائے کا 1/4 چمچہ
دار چینی | چائے کا 1/4 چمچہ
لیمن جوس | 1/4 کپ

ترکیب :

باؤل میں انڈے' چینی' ایسنس اور لیمن چھلکا ڈال دیں۔ پھر آہستہ آہستہ دودھ انڈیل دیں۔ ڈبل روٹی کے سلائسوں کو 9 سینٹی میٹر کے گول ٹکڑوں میں کاٹ لیں۔ ہر ٹکڑے پر لیمن جوس لگا دیں اوون پروف ڈش میں سلائس ترتیب سے رکھ دیں۔ ڈش میں بڑی احتیاط سے نصف کسٹرڈ پھیلا دیں اور دس منٹ تک پڑے رہنے دیں۔ پھر باقی مکسچر بھی بکھیر دیں۔ ایکسٹرا کاسٹر شوگر اور دار چینی پھیلا دیں اب ڈش کو بیکنگ پن میں رکھیں اور کھولتا ہوا پانی بیکنگ ڈش میں اتنا ڈالیں کہ پڈنگ ڈش نصف ڈوب جائیں۔ اوون کی دھیمی آنچ پر 40 منٹ تک بیک کریں کہ سیٹ ہو جائے۔ اوون سے نکال لیں اور ٹھنڈا ہونے پر پیش کریں۔

حسن و صحت

ادارہ

کھائیں ایسی چیزیں جن سے آئے جلد پر نکھار

پانی' جلد کی قدرتی چمک اور صحت کے لیے کتنا ضروری ہے یہ تو سب ہی جانتے ہیں۔ روزانہ آٹھ سے دس گلاس پانی پینے سے نا صرف جسم کے اندر موجود مضر اجزا کا خاتمہ ہو جاتا ہے بلکہ جلد نرم وملائم اور چمک دار نظر آتی ہے۔ لیکن صرف پانی ہی جلد کی صحت کے لیے اہم کردار ادا نہیں کرتا بلکہ بہت سے پھل اور غذائیں بھی ایسی ہیں جن کے استعمال سے جلد کی چمک اور تازگی میں اضافہ کیا جاسکتا ہے۔ ذیل میں چند ایسی ہی غذائیں اور ان کے فوائد بتائے جارہے ہیں جن کے روزانہ استعمال سے آپ پہلے سے زیادہ خوب صورت اور نکھری نکھری نظر آئیں گی۔

اسٹرابیری

اسٹرابیری' جلد کی صحت اور نکھار میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اس میں پائے جانے والے اجزا جلد کی بہتر نشوونما کرتے ہیں اور اسے بڑھتی عمر کے اثرات سے محفوظ رکھتے ہیں۔ الفا ہائیڈرو آکزل ایسڈ جلد کے بے جان خلیوں کا خاتمہ کرتا ہے اور وٹامن سی جلد پر موجود داغ دھبوں اور دانوں کی نشوونما روک دیتا ہے۔ اس کے علاوہ اسٹرابیری کا استعمال' سورج کے مضر اثرات سے بھی بچاتا ہے۔

ٹماٹر

روز مرہ غذا میں ٹماٹر' ٹماٹر کے جوس یا ٹماٹر کی چٹنی کا استعمال چہرے پر موجود کیل مہاسوں اور دانوں کو ختم کرتا ہے اور چہرے پر موجود شکنوں اور جھریوں کو بڑھنے سے روکتا ہے۔ ٹماٹر میں اینٹی آکسیڈنٹ کی کثیر مقدار موجود ہوتی ہے جو جلد پر موجود ناپسندیدہ داغ دھبوں کا خاتمہ کرتا ہے۔

کینو' نارنگی

اسٹرابیری کے علاوہ کینو جلد کی صحت کے لیے نہایت مفید پھل ہے۔ یہ آپ کی جلد کو نکھار کر چمک

رنگت نکھارنے کے لیے یہ نسخہ بہت ہی مفید ہے

دو چمچے دودھ میں آدھا چمچہ پسے ہوئے بادام ملا کر چہرے پر دس منٹ کے لیے لگائیں پھر ٹھنڈے پانی سے منہ دھولیں۔ یہ نسخہ ہفتے میں تین دفعہ آزمائیں اور دوسروں کو بھی بتائیں۔

رنگت نکھاریں

چہرے کا رنگ نکھارنے کے لیے رات کو سوتے وقت بادام روغن پانچ ملی لیٹر گلیسرین پانچ ملی لیٹر لیموں ایک عدد لیموں نچوڑلیں اس میں گلیسرین اور بادام روغن ملائیں اس مرکب کو سوتے وقت چہرے پر لگائیں صبح اٹھتے ہی چہرے کو تازہ پانی سے دھوئیں۔

سیاہ ہونٹ

بعض خواتین کے ہونٹ سیاہ ہو جاتے ہیں انہیں دوبارہ گلابی کرنے کے لیے ناریل کے تیل میں لیموں ملا کر دن میں کئی مرتبہ ہونٹوں پر لگائیں ہونٹ گلابی ہو جائیں گے۔

آنکھوں کی چمک کے لیے

رات کو سونے سے پہلے اگر شہد کے چند قطرے آنکھوں میں ڈالے جائیں تو اس کے استعمال سے آنکھوں میں چمک اور خوب صورتی پیدا ہوتی ہے اور پلکیں بھی گھنی ہوتی ہے۔

نوٹ :۔ جن لوگوں کو شہد سے الرجی ہو تو وہ ہرگز آنکھوں میں شہد مت ڈالیں۔

داغ دھبے دور اور چہرہ صاف

بار یک پسے ہوئے سفید تل اور خشک دودھ ایک ایک چمچہ، عرق گلاب میں ملا کر گاڑھا پیسٹ بنالیں۔ پندرہ منٹ تک چہرے پر لگائیں اور پھر ٹھنڈے پانی سے چہرہ دھولیں۔ یہ عمل ایک ہفتہ کرنے سے آپ کا چہرہ صاف اور داغ دھبے دور ہو جائیں گے۔

چہرے پر کڑوے بادام پیس کر لگائیں داغ دھبے دور ہو جائیں گے۔

☆ ☆

دار بناتا ہے۔ کینو میں موجود وٹامن سی اور اینٹی آکسیڈنٹ جلد کو صحت مند رکھنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں اور وٹامن ای اور آئرن کے جذب ہونے میں مدد فراہم کرتے ہیں۔ جلد کے لیے کینو بہت فائدہ مند ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسکن کیئر پروڈکٹس میں بھی اس کا استعمال عام ہے۔

انڈے

غذا میں انڈوں کا استعمال جلد کو نرم و ملائم بنانے کے ساتھ ساتھ ان کی موئسچرائزیشن کا بھی مناسب انتظام کرتا ہے۔ اس میں پائے جانے والا **امائنو ایسڈ** نئے خلیے بنانے میں مدد دیتا ہے۔ تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ انڈوں میں پائے جانے والے 2 اہم اینٹی آکسیڈنٹ جلد کو نقصان پہنچانے والی UV شعاعوں، کیل مہاسوں اور کینسر سے محفوظ رکھتے ہیں۔ روزانہ ایک انڈا کھانے سے خون میں موجود اینٹی آکسیڈنٹ کی مقدار بڑھ جاتی ہے۔

روبینہ شریف

سادگی

کالج کے پروفیسر کو کسی وجہ سے مکان چھوڑ کر دوسری جگہ فلیٹ میں منتقل ہونا پڑا۔ فلیٹ چوتھی منزل پر واقع تھا اور لفٹ نہیں تھی۔ مزدور کتابوں کے بنڈل چوتھی منزل پر پہنچاتے پہنچاتے تھک گیا ساتویں پھیرے میں وہ سر پکڑ کر عاجزی سے بولا۔

"پروفیسر صاحب! یہاں منتقل ہونے سے پہلے اگر آپ یہ سب کتابیں پڑھ لیتے تو مجھے اتنی مصیبت نہ اٹھانی پڑتی۔"

حورین زینب۔۔۔ کروڑپکا

نیا سال

مارک ٹوین نے نئے سال کا آغاز ہوتے ہی اپنے ملنے جلنے والوں سے کہا۔

"میں نے پختہ ارادہ کرلیا ہے کہ اس سال کم از کم میں اپنی آمدنی اور وسائل کے اندر رہتے ہوئے زندگی بسر کروں گا چاہے اس کے لیے کہیں سے قرض ہی کیوں نہ لینا پڑے۔"

عائشہ خان۔۔۔ پتوکی

انتقام

شادی کی پانچویں سالگرہ پر بیوی نے اپنے شوہر سے کہا۔

"ڈربے میں وہ بڑا سا مرغا موجود ہے۔ اسے نکال کر ذبح کر دو تاکہ شادی کی سالگرہ کی خوشی میں اچھے کھانے پکا سکیں۔"

شوہر نے سخت لہجے میں کہا۔ "پانچ سال پہلے جو کام ہوا تھا۔ اس کا انتقام تم بے چارے اس مرغے سے کیوں لینا چاہتی ہو؟"

غنوی اکرم۔۔۔ لیاری

حفاظت

ایک ڈاکو کی بیوی جیل میں اس سے ملنے آئی۔ ادھر ادھر کی باتوں کے بعد ڈاکو نے سرگوشی کرتے ہوئے پوچھا۔

"وہ جو ڈاکوں کا اسی لاکھ روپیہ بچا رکھا تھا' جسے پولیس بھی مجھ سے برآمد نہ کرواسکی' وہ تو محفوظ ہے نا؟"

بیوی نے جواب دیا۔ "ہاں۔۔۔ وہ جتنا محفوظ ہے اتنا شاید کسی بینک میں بھی نہیں تھا۔"

ڈاکو نے مونچھ مروڑتے ہوئے پوچھا۔ "کیا مطلب"

بیوی نے سرگوشی میں جواب دیا۔ "جس خالی پلاٹ میں تم نے رقم دفن کی تھی' اس پہ دس منزلہ پلازہ بن گیا ہے۔"

شہلا اسلام۔۔۔ قائم پور

شکر

ایک خربوزے والا چلا چلا کر خربوزے بیچ رہا تھا۔ شکر سے میٹھا خربوزہ لے لو۔"

ایک گاہک خربوزہ خریدنے کے بعد اسے وہیں کھانے لگا۔ اگلے ہی لمحے اس گاہک نے غصے سے کہا۔ "ارے۔۔۔ یہ تو بالکل پھیکا ہے۔"

خربوزے والے نے کہا۔ "ارے صاحب! کہہ تو رہا ہوں کہ شکر سے میٹھا لگے گا' شکر تو لگاؤ۔"

ندا فضہ..... فیصل آباد

پتا

ایک ٹھیکے دار نے کچھ سرنگوں کی کھدائی کا ٹھیکا لیا تھا' کام کا معائنہ کرنے گیا' اس نے دیکھا مزدوروں کو جہاں کھدائی کرنا چاہیے تھی وہ اس جگہ سے کافی ہٹ کر کھدائی کر رہے تھے۔ اس نے کار روکی اور سخت لہجے میں پوچھا۔ "یہاں کیا ہو رہا ہے۔"

ایک مزدور نے جواب دیا "سرنگ بیٹھ گئی ہے' اس کی کھدائی کر رہے ہیں۔"

ٹھیکے دار نے پوچھا۔ "کیا فورمین کو اس سرنگ سے متعلق پتا ہے؟"

مزدور نے کام جاری رکھتے ہوئے جواب دیا۔

"اسے اگر نہیں پتا تو کیا ہوا' ہم بتا دیں گے لیکن اسے پہلے ہم کھود کر نکال تو لیں۔"

افشاں شریف..... کراچی

مرمت

ایک نوجوان اپنے جوتے مرمت کروانے کے لیے موچی کی دکان پر گیا۔ موچی نے اسے رسید دی اور چند دن بعد آنے کو کہا۔ نوجوان نے رسید گھر جا کر میز کی دراز میں رکھ دی۔ تیسرے روز اسے فوجی ملازمت کے لیے طلب کر لیا گیا۔ دو سال بعد وہ گھر آیا تو میز کی دراز میں وہ رسید پڑی ہوئی دیکھی۔ نوجوان رسید لے کر بازار گیا۔ موچی کی دکان کھلی تھی۔ اس نے ہچکچاتے ہوئے اپنے جوتوں کے بارے میں دریافت کیا۔

موچی نے جواب دیا۔ "جی ہاں آپ کے جوتے موجود ہیں۔ میں آئندہ ہفتے ان کی مرمت کروں گا۔"

حنا فرحان..... راجن پور

راز

ایک دوست نے اپنے دوسرے دوست سے کامیاب شادی کا راز پوچھا۔ دوست نے کہا۔

"بھائی! سیدھا سا فارمولا ہے ہم نے اپنے اپنے اختیارات بانٹ رکھے ہیں۔"

پہلے دوست نے پوچھا۔ "اچھا۔ وہ کیسے؟"

دوسرے دوست نے کہا۔ "بات یہ ہے کہ بڑے اور اہم فیصلے میں کرتا ہوں اور چھوٹے موٹے فیصلے میری بیوی کرتی ہے۔"

پہلا دوست بولا "واہ لیکن اس بات کی مزید کچھ وضاحت کر دو۔"

دوسرا دوست بولا۔ "دیکھو یار! چھوٹے موٹے فیصلے مثلاً" گاڑی کون سی خریدنی ہے' بچے کو کون سے اسکول میں داخل کروانا ہے۔ گھر کا رنگ و روغن' فرنیچر کب اور کیسا ہونا چاہیے؟ میری تنخواہ کہاں کہاں خرچ ہونی چاہیے مجھے برتن پہلے دھونے چاہییں یا کپڑے وغیرہ۔ یہ سارے چھوٹے فیصلے میری بیوی کرتی ہے اور میں بالکل اعتراض نہیں کرتا۔"

پہلے دوست نے پوچھا "اچھا اور بڑے فیصلے کون سے ہیں جو تم کرتے ہو؟"

دوسرے دوست نے کہا۔ "بڑے فیصلے مثلاً" امریکا کو ایران پر حملہ کرنا چاہیے یا نہیں۔ عالمی منڈی میں ڈالر کا ریٹ کیا ہو گا۔ شاہد آفریدی ٹاس جیتے گا یا نہیں۔ ملک کا اگلا حکمران کون ہو گا۔ ان سارے امور پر میری رائے چلتی ہے اور ایک مزے کی بات بتاؤں؟ میری بیوی نے ان معاملات پر کبھی مجھ سے اختلاف نہیں کیا۔"

الماس شہزادی..... بھائی پھیرو

✽ ✽ ✽

نیوز رپورٹ

اخبار کے ایک ایڈیٹر نے فون پر ایک علاقے کے نامہ نگار کو اچھی ڈانٹ پلائی۔

"آپ جو بھی رپورٹ بھیجتے ہو اس میں نام اور مقامات گول کر جاتے ہو' اپنی ہر رپورٹ میں نام اور مقامات ضرور لکھا کریں۔"

"جی بہت بہتر۔" نامہ نگار نے سعادت مندی سے کہا۔ نامہ نگار کی طرف سے آئندہ موصول ہونے والی رپورٹ کچھ یوں تھی۔

"گزشتہ رات آسمانی بجلی گرنے سے مقامی زمیندار بخش ڈانو کا ڈیرہ جل گیا۔ تین بھینسیں جل کر مر گئیں جن کے نام بھوری' رانی اور وسائی تھے۔ ایک کتا بھی ہلاک ہوا' جس کا نام ٹمی تھا۔ پر ابھی تک آٹھ مرغیاں ہلاک ہوئیں' ان کے نام معلوم نہ ہو سکے' پر تفتیش جاری ہے۔"

شفیق... خان پور

بریک

شہر کے اندر کپڑے کی ایک بڑی مل کو آگ لگ گئی شہر بھر کی تمام فائر بریگیڈ کی گاڑیاں آگ بجھانے کی بھرپور کوشش کر رہی تھیں مگر آگ بے حد شدید تھی ہر گاڑی دور سے آگ بجھا رہی تھی کہ اتنے میں فائر بریگیڈ کی ایک گاڑی مل کے اندر چلی گئی اور آگ پر قابو کر لیا مل کا مالک بہت خوش ہوا اس نے فائر بریگیڈ والوں کو بیس ہزار روپے انعام میں دیے اور پوچھا کہ۔

"آپ اس بیس ہزار کا کیا کریں گے؟"

فائر انجن کا ڈرائیور بولا۔

"گاڑی کا بریک درست کروائیں گے۔"

طاہرہ ملک' رضوانہ ملک۔ جلالپور پیروالا

قدردان

ایک صاحب فلم دیکھنے پہنچے تو ان کا بلا بھی ساتھ تھا۔ فلم کے دوران بلے کی حرکتوں سے ایسا ظاہر ہو رہا تھا جیسے اسے فلم دیکھنے میں بہت لطف آ رہا ہو۔ مزاحیہ سین پر اس کی باچھیں کھل جاتیں۔ ولن کو دیکھتے ہی غرانے لگتا اور ہیروئن کو دیکھ کر دم ہلاتا۔

قریب بیٹھے ایک صاحب نے کہا۔ "لگتا ہے آپ کے بلے کو فلم بہت بہت پسند آئی ہے۔ مجھے تو حیرت ہو رہی ہے۔"

وہ صاحب بولے۔ "حیرت تو مجھے ہو رہی ہے... کیونکہ فلم جس ناول پر بنی ہے وہ تو اسے بالکل پسند نہیں آیا تھا۔"

یسری ندیم... میرپور خاص

عزت

گاؤں سے عامر اپنے رشتے دار شاہد کے گھر بڑے شہر آئے ہوئے تھے۔ رات کو گپ شپ کے دوران نوکروں کا ذکر چلا تو گاؤں سے آئے ہوئے عامر بولے۔

"بھئی... گاؤں میں اول تو عام طور سے لوگوں میں نوکر رکھنے کا رواج نہیں ہوتا۔ اور اگر کسی گھر میں نوکر یا نوکرانی رکھ بھی لی جائے تو اس کے ساتھ گھر کے فرد جیسا سلوک کرنا پڑتا ہے۔"

"اچھا...؟" بڑے شہر میں رہنے والے شاہد صاحب قدرے حیرت سے بولے۔ "بھئی... یہاں نوکر رکھو تو اس کی بڑی عزت کرنی پڑتی ہے۔"

ہری مرچیں

لڑکا... "کیا تم پاکیزہ محبت پر یقین رکھتی ہو؟"

لڑکی... "ہاں! شروعات اسی طرح کرنی پڑتی ہے۔"

☼ ☼ ☼

"ہیلو شبانہ! کیا میں آج تمہارے گھر آجاؤں؟"

"ہاں رضوان آجاؤ۔"

"لیکن میں رضوان تو نہیں بول رہا ہوں۔"

"میں بھی شبانہ بات نہیں کر رہی ہوں۔"

☼ ☼ ☼

میاں بیوی مارکیٹ جا رہے تھے تو ایک فقیر نے کہا۔ "شہزادی دس روپے دے دو' میں اندھا ہوں۔"

شوہر نے کہا۔ "بیگم پیسے ضرور دے دو' تمہیں شہزادی کہہ رہا ہے تو یقیناً اندھا ہوگا۔"

☼ ☼ ☼

پولیس والے نے موٹر سائیکل پر سوار چار نوجوانوں کو رکنے کا اشارہ کیا۔ موٹر سائیکل چلانے والے نے بڑی عاجزی اور اپنائیت سے کہا۔ "ہم پہلے ہی بڑی مشکل سے بیٹھے ہیں' ورنہ آپ کو ضرور بٹھا لیتے۔"

☼ ☼

محمود بابر فیصل نے یہ شگفتہ سلسلہ 1978ء میں شروع کیا تھا۔ ان کی یاد میں یہ سوال و جواب شائع کیے جا رہے ہیں۔

ذوالقرنین

فیروز جہاں... خانیوال

س۔ اس انسان کی کیا سزا ہو جو گزرا ہوا وقت بھول جائے؟

ج۔ اس کو سزا خداوند خود ہی دے دے گا۔ آپ اس چکر میں نہ پڑیں۔

صائمہ گل... بہاول پور

س۔ اگر کوئی مرد شادی کے دن سہرے کے پیچھے روئے تو کیا سمجھنا چاہیے؟

ج۔ نکاح کے وقت اس نے اپنی مرضی سے نہیں بلکہ اس کے والد بزرگوار نے زبردستی کروائی ہے "ہاں"

آنسہ شفق رحمن... بہاول پور

س۔ سنا ہے تم نے ماسی مصیبتے کا "ککڑ" چرا لیا ہے

ج۔ کھا بھی لیا۔

س۔ جلدی کا کام شیطان کا دیر کا کام؟

ج۔ انسان کا

عبیرہ ارم... راولپنڈی

س۔ "احمق مرد تو وہ ہے جو صرف عورت کی خوبصورتی پر مرمٹے اور احمق عورت؟"

ج۔ "اس میں یہی خامی ہے کہ بس صورت دیکھی اور گئی کام سے۔"

تبسم زہرا... کراچی

س۔ "کیا کبھی آپ نے اپنے آپ کو خواب میں دیکھا ہے۔ اور اگر دیکھا تو ڈر تو نہیں گئے؟"

ج۔ "نہیں کبھی نہیں ڈرا بلکہ عام زندگی سے بہتر پایا ہے خواب میں۔"

ارم ناہید... کراچی

س۔ "ذوقی بھیا! بیماری سے بچاؤ کے ٹیکے تو کمیٹی والے لگاتے ہیں۔ رشوت سے بچاؤ کے ٹیکے کہاں لگتے ہیں؟"

ج۔ "رشوت اپناؤ کے ٹیکے' ہیں ہمارے پاس۔ مگر اس کی کسی کو ضرورت ہی نہیں۔"

صائمہ عنبرین... جھمرہ سٹی

س۔ "توبہ یا اللہ! ذرا سے بیمار کیا ہوئے' رائی کا پہاڑ بنا دیا۔ حالانکہ تصویر میں تو ہٹے کٹے نظر آ رہے ہیں؟"

ج۔ "بیماری کے درمیان کی دکھاوں تو سکتہ ہو جائے گا' جناب پر۔"

بشریٰ فضل الٰہی... چونڈہ

س۔ اوئے ہوئے... آخر نہ رہ سکے اور تصویر چھپوا دی۔ مگر حیرت ہے کہ تصویر کے "سر" پر کافی بال ہیں۔ جبکہ بقول آپ کے سر پر فقط "دس" بال ہیں۔ سچ سچ بتائیں یہ تصویر کس کی ادھار لی ہے؟

ج۔ اپنے پڑوسی کی۔

اس ماہ کا خط
روبینہ لیاقت... ملتان

دسمبر کا شمارہ 13 کو ملا جو کہ خاصا لیٹ ملا - دو دن میں پڑھ ڈالا - بھئی تبصرہ بھی تو کرنا تھا - سوچا جاتے دسمبر کو "الوداع" اور آتی جنوری کو "خوش آمدید" کہا جائے - تو جناب کافی عرصے بعد دوبارہ آپ کی محفل میں حاضر خدمت ہیں غیر حاضری کی وجہ مصروفیت اسکول ٹیوشن گھر بس ٹائم ہی نہیں ملتا اور آخر کار اپنے مصروفیت کے ٹوکرے کو سمیٹا اور قلم تھاما -

اب آتے ہیں "کرن" کی طرف جو اپنی آب و تاب کے ساتھ ہمارے سامنے ہے - سرورق دلکش تھا - سب سے پہلے حمد و نعت سے مستفید ہوئے -

"علی محمد سے ملاقات ٹھیک رہی - سوبر سی خاتون نمرہ بچہ کو "میری بھی سنیے" میں سنا - "مقابل ہے آئینہ" میں "ثنا شہزاد" سے ملاقات خوب رہی اور ماشاءاللہ ثناء شہزاد کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ ہوگا - یقیناً" -

تنزیلہ ریاض کا ناول "راپنزل" جوان کے وسیع و عریض تجربے کا منہ بولتا ثبوت انہوں نے بڑی ہی خوب صورتی سے اپنے کرداروں کو پیش کیا - ناول پڑھتے وقت ایسا لگا جیسے ہم بھی ناول کے کردار ہیں اور اپنی آنکھوں سے وہ سب دیکھ رہے ہیں جو انہوں نے تحریر کیا اور آپ اپنے کرداروں سے انصاف ضرور کریں گی - "ردائے وفا" فرحین جی ہم آپ کی بے ساختگی اور انداز کے دیوانے ہیں عفت بے چاری کے ساتھ اچھا کیجیے گا - ماہا کی سمجھ نہیں آ رہی وہ کیوں نہیں ولید کے لیے اپنا دل بڑا کر لیتی اچھا ہے زندگی سہل ہو جائے گی - چلو شکر ہے انس کو جاب مل گئی -

"تم ہنستی اچھی لگتی ہو" سے نکل کر "چلو اقرار کرتے ہیں" میں داخل ہوئے - ویسے توقع نہیں کر رہے تھے کہ مینو اتنی کم عقل نکلے گی وہ تو قسمت اچھی تھی جو بچ نکلی -

ہلکا پھلکا سا ناولٹ "چلو اقرار کرتے ہیں" میں کچھ جملوں نے بے ساختہ ہنسنے پر مجبور کر دیا - "پھول موسم کا سود بھر کر" مصباح علی ویل ڈن جس خوب صورتی سے شروع کیا ایسی خوب صورتی سے ختم کیا -

بشریٰ سیال کا ناولٹ "یہ تغافل ہے یار" اچھا تھا ویل ڈن پر کیا برہان کا خودکشی کرنا لازمی تھا قلم پر تو آپ کا اختیار تھا نا کچھ بھی کرتیں آپ پر برہان کے ساتھ ایسا نہ کرتیں -

اور ایک اور بات آپ نے میری سوچ کو الفاظ دیے بہت شکریہ حالانکہ آپ کی سوچ مجھ سے ملتی ہے - برہان کے الفاظ "مجھے اگر زندگی میں محبت اور عزت میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا پڑے تو میں عزت کو منتخب کرتی - کیونکہ محبت کے بغیر انسان جی سکتا ہے عزت کے بغیر زندگی کا ہر لمحہ موت سے بدتر ہوتا ہے -

فائزہ افتخار کا ناولٹ "شاید" اف اللہ! سالار میاں کیا کیا ہانی کے ساتھ، بے حسی کی انتہا کس چیز کا بدلہ لے رہے ہو اب تو بخش دو - فائزہ جی پلیز اب تو گتھی سلجھائیے سالار ایسا کیوں ہے - تانیہ کے ابا جی کا کردار بہت پسند آیا - چلو جی ماہ پارہ کی جوڑی تو مکمل ہوئی -

اب آتے ہیں نایاب جیلانی کے ناول "دل ٹوٹ کے ہارا" پڑھنا شروع کیا - (بغیر جائزہ لیے کیونکہ جیسے ہی کرن آتا ہے ہم جائزہ ضرور لیتے ہیں کہ کس رائٹرز کی کہانیاں ہیں اور باقی آئندہ تو نہیں) دلچسپ لگا سوچا تھا جلدی ختم کرتے ہیں - پڑھتے پڑھتے اچانک ہی ایسا لگا کڑوا بادام منہ میں آ گیا ہو یہ کیا "باقی آئندہ" منہ چڑا رہا تھا - اب کیا کیا جا سکتا ہے آئندہ ماہ تک کڑوا گھونٹ پینا پڑے گا -

افسانوں میں جو افسانہ بازی لے گیا وہ ہے رابعہ افتخار کا "سچا ساتھی" ویل ڈن رابعہ جی امینہ کو صبر کا پھل ملا اظفر کو تبدیل کرنے میں امینہ کا ہاتھ، زبردست ہلکا پھلکا "زن مرید" بھی اچھا تھا - "دسمبر لوٹ جاؤ" بنت سحر کیوں اداس کر دیا یار آنکھیں بھیگ گئی ماریانا کی محبت پر - اب ہمیشہ ایسا تھوڑی ہوتا کہ ہر کہانی کا اینڈ خوشگوار ہی ہو -

کرن کے سب سلسلے بہت پسند آئے آخر میں ادنیٰ سی ایک گزارش میری امی لاسٹ منتھ سے علیل ہیں آپ سب سے

التماس ہے میری امی کے لیے دعا کریں کہ وہ جلد صحت یاب ہو جائیں۔
ج روبینہ جی! یقین کریں کہ آپ بہنیں اپنی بے انتہا مصروفیت میں سے وقت نکال کر ہمیں خط لکھتی ہیں اور اپنی رائے کا اظہار کرتی ہیں تو ہماری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہتا۔ ''آئندہ بھی ہمیں آپ کے خط کا انتظار رہے گا کیونکہ یہ محفل تو سجتی ہی آپ بہنوں کے خطوط سے ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی امی کو صحت کامل عطا فرمائے (آمین)۔
سب بہنوں سے گزارش ہے کہ وہ بھی روبینہ جی کے والدہ کے لیے دعا کریں۔

نشانورین صائقہ نورین...... بوتالہ جھنڈا سنگھ

سب سے پہلے تو سب کو ہماری طرف سے دل سے خلوص سے چاہت سے بہت ساری دعاؤں کے ساتھ نیا سال مبارک ہو خدا کرے یہ نیا سال سب کے لیے خوشیاں لائے اور سب کو نیا سال راس آئے (آمین)
''نامے میرے نام'' میں چار ماہ بعد انٹری ماری ہے یہ سلسلہ ہی تو ہے جس میں ہم شکوے شکایت اچھا برا جو بھی دل میں آئے کر دیتے ہیں قلم کے ذریعے۔
اس دفعہ ناول بس ایویں ایویں سی ناول ابھی پڑھ نہیں پائی اور مکمل ناول میں نایاب جیلانی نمبر لے گئیں اور ناولٹ میں فائزہ جی کا ''شاید'' ہمیشہ کی طرح اے ون تھا ویسے بھی فائزہ آپی جب بھی لکھتی ہیں لاجواب لکھتی ہیں۔
افسانے ابھی پڑھ نہیں پائی باقی ابھی کوئی سلسلہ ہی پڑھ نہیں پائی۔ ٹائم کم ہونے کی وجہ سے اور یہ امید ہے سب اچھی ہی ہوں گے ہمیشہ کی طرح۔
فرحت اشتیاق تسی وی اک مکمل ناول اوہ وی مزے والا لے کر آجاؤ......
ج نشانورین' صائقہ نورین جی! آپ نے خط لکھا ہمیں بہت خوشی ہوئی لیکن خط پڑھ کر کچھ تشنگی سی محسوس ہوئی اگر اور ذرا کھل کر اپنی رائے کا اظہار کرتیں تو زیادہ مزا آتا۔

عاصمہ ابراہیم...... تلمبہ

دسمبر کا شمارہ 12 کو ملا ٹائٹل بہت زیادہ پسند آیا۔ میں دو ماہ بعد کرن میں شرکت کر رہی ہوں بہت کوشش کرنے کے بعد بھی فرصت ہی ملی کیونکہ نومبر میں میرے بھائی کی شادی تھی اور میں نے ایک تحریر بھیجی تھی مہربانی فرما کر بتا دیں قابل اشاعت ہے یا نہیں'' راپنزل'' ناول پسند تو بہت آیا۔ مگر نینا اپنے باپ سے ناراض کیوں رہتی ہے اور کاشف کتنا بدتمیز انسان ہے ایک بچی کا باپ ہونے کے باوجود حبیبہ کو بے وقوف بنا رہا ہے مکمل ناول ''پھول موسم کا سود بھر کر'' ''بس گزارے لائق ہی تھا'' ''دل ٹوٹ کے ہارا'' نایاب جیلانی کا مکمل ناول پسند تو بہت آیا لیکن باقی آئندہ پڑھ کر بہت افسوس ہوا اور عون عباس کا ساتھ کس کو ملتا ہے معلوم نہیں نایاب جی پلیز اینڈ ذرا اچھا کرنا اور تھوڑا رومانٹک کرنا پلیز۔ ''تم ہنستی اچھی لگتی ہو'' ''گزارے لائق ہی تھی۔ ''شاید'' اس دفعہ بھی بہت پسند آیا۔ سالار اتنا ظالم ہے۔ کتنا ام ہانی پر ظلم کرتا ہے۔ فائزہ جی ام ہانی سعد کو ہی ملنی چاہیے سعد اب بھی کتنا پیار کرتا ہے۔ مجھے سعد کا کردار بہت پسند ہے اب تو سعد کی زندگی میں ثانیہ بھی آگئی ہے۔ مگر پھر بھی ام ہانی سعد کو ہی ملنی چاہیے۔
بشریٰ سیال کا مکمل ناول ''تغافل دل یار'' پسند تو بہت آیا مگر پریسان کے ساتھ بہت برا ہوا۔ پریسان کتنی جلد باز نکلی تھوڑا سا تو انتظار کرتی۔ یشب کا اعتماد تو کرتی۔ پریسان کی خودکشی پر بہت افسوس ہوا۔ آغا جان اور کمال شاہ نے بہت ظلم کیا دونوں پر باقی افسانے اور ناولٹ بھی اچھے تھے۔
ج عاصمہ آپ کی کہانی قابل اشاعت ہوئی تو ضرور شائع کی جائے گی۔ آپ کو بھائی کی شادی بہت بہت مبارک ہو۔ کہانیوں پر تبصرہ کا شکریہ آئندہ بھی تبصرہ کرتی رہیے گا۔

ثمینہ کوثر عطاری...... ڈوگر گجرات

اس ماہ کا میرا خط تبصرے سے خالی ہے تو اس کے لیے معذرت۔ وجہ یہ ہے کہ کرن ملا ہی نہیں جب ملا نہیں تو پڑھا نہیں اور جب پڑھا نہیں تو تبصرے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔
کرن ملے گا اٹھارہ کو اور تب تو میری شادی ہے تو اس وقت نہ میں منگوا سکوں گی نہ پڑھ سکوں گی البتہ بعد میں منگوانے کی بھرپور کوشش کی جائے گی۔ شادی کی اطلاع دے رہی ہوں تو اس کا مطلب ہے کہ مجھے اس نئے سفر پہ آپ سب کی دعاؤں کی ضرورت پڑے گی۔
''ہو سکتا ہے میرے نصیب کی ڈھیر ساری خوشیاں آپ

سب کے صرف آمین کی منتظر ہوں" اگر شوہر نے اجازت دی تو نئے نام نئے شہر کے ساتھ آپ کی خدمت میں پھر حاضر ہوں گی۔

ج ثمینہ کوثر کرن کی طرف سے آپ کو ڈھیروں مبارک باد ہماری بہت سی دعائیں آپ کے لیے بلکہ ہماری تمام پڑھنے والی بہنوں کے لیے ہر دم ہمارے لبوں پر رہتی ہیں۔

غموں کی دھوپ کا سایہ پڑے نہ تم پر بھی
تمہارے دل میں ہر اک سمت پھول کھل جائیں
لیکن اس دعا کے ساتھ ساتھ ہماری اک دعا یہ بھی ہے

کہ آپ اور ہمارا ساتھ ہمیشہ رہے اور آپ کے شوہر کی طرف سے کوئی پابندی نہ ہو۔

شہنیلا اسلام..... ضلع بھاول پور

کرن سے وابستگی تب سے ہے جب ہم میٹرک کی اسٹوڈنٹ کہلائی جاتی تھیں درمیان میں کچھ عرصہ اس سے دوری بھی ہوئی لیکن اتنے پیارے رسالے سے کون جدا رہ سکتا ہے بھلا۔ جب اس کا ایک دفعہ چسکا لگ چکا ہو۔

ہمارے اسکول میں 8 ٹیچرز بہت شوق سے یہ ڈائجسٹ پڑھتی ہیں۔ جن میں کرن میرے ذمے ہے۔ کیونکہ شعاع ماریہ اور خواتین الماس لیتی ہے اور کرن تو ہمارے علاقے میں 12 کے بعد ملتا ہے بس جی 12 کے بعد 12 ہونے دیں اور پھر ماریہ کا انتظار کہ کب کرن آئے گا کب ہمیں ملے گا۔

کرن کے تمام سلسلے ہمیں بہت پسند ہیں۔ اس میں "2 کا پہاڑہ" یہ سلسلہ کیوں ختم کر دیا بہت دلچسپ تھا۔

"میں گمان نہیں یقین ہوں" واہ نبیلہ جی کیا کہنے آپ کے مزا آگیا اینڈ پڑھ کے تو.... رنم کی حقیقت تو معاذ شروع میں ہی جان گیا تھا۔ ایک کو جلد ہی عقل آگئی تھی وہ بھی معاذ کے سمجھانے سے۔ "ردائے وفا" میں سب سے مظلوم کردار حدید کا لگتا ہے جس کو رفعت بھی نہ ملی اور نائلہ کی بے رخی بھی برداشت کرنی پڑی سوہا ماہا دونوں بہنوں کی زندگی میں اب کوئی ٹریجڈی نہ لانا فرحین اظفر جی اور ہاں رفعت کے ساتھ بھی کچھ برا نہ کروا دینا بے چاری کو کن لوگوں میں پھنسا دیا آپ نے۔

"شاید" فائزہ افتخار کا ناول بہت زبردست جا رہا ہے۔ "شاید" بہت دلچسپ جا رہا ہے۔ اس میں سالار کو ام ہانی کے لیے اب صحیح راستے پہ لا دیں بہت اچھا ہو جائے گا پھر

ہمیں کچھ پرانے ڈائجسٹ چاہئیں جو ہمیں آس پاس کے کسی بھی علاقے سے نہیں مل رہے۔ پلیز آپ لوگوں سے گزارش ہے کہ کوئی سیل نمبر دیا کریں ڈائجسٹ پر تاکہ ہمیں پتا کرنے میں آسانی ہو ہمیں کرن میں جگہ ضرور دیجیے گا کیونکہ بہت مشکل سے خط پوسٹ کروانا پڑتا ہے۔ ہمارے علاقے سے ڈاک کم ہی جاتی ہے سو جب بھی کسی کا حاصل پور کا پروگرام بنتا ہے اس کی باقاعدہ منتیں کرنی پڑتی ہیں۔ تب کہیں جا کر وہ ہمارا کام کرتے ہیں۔

پہلے بھی 2 خط اور مستقل سلسلوں کے لیے تحریر کر چکے ہیں ہم' ہمارے لیے جگہ نہیں تھی یا آپ تک نہیں پہنچے پلیز سب بہت محنت سے لکھا ہے درخواست پہ غور کیا جائے گا۔ اور ہمیں بھی اپنے پیارے رسالے میں جگہ ملے گی۔

ج : شہنیلا جی! جب آپ بہنیں کرن سے اتنی محبت کرتی ہیں تو ہم اپنی بہنوں کو مایوس کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتے جو خطوط ہمیں مل جاتے ہیں ہم ان کو اس محفل میں ضرور شامل کرتے ہیں۔ کرن کو پسند کرنے ---- اور کہانیوں پر تبصرہ کرنے کا بہت شکریہ۔ کرن پر دیے گئے کسی بھی نمبر پر فون کر کے آپ معلومات حاصل کر سکتی ہیں۔

رابعہ عمران چوہدری..... رحیم یار خان

دسمبر کا کرن ملا سرورق اچھا لگا۔ انٹرویو خاص طور پر بہت پسند آئے "نمرہ بچہ سے ملاقات بہت اچھی لگی۔ اور تحریریں ابھی صرف افسانے ہی پڑھے۔ راشدہ رفعت' رابعہ افتخار' بنت سحر' دیا شیرازی نے اچھا لکھا۔ میں نے پوچھنا تھا کچھ۔ کہ شادی کا احوال عزیز و اقارب' بہن بھائی کے علاوہ اپنی شادی کا احوال بھی لکھ سکتے ہیں کیا۔ پلیز ضرور بتائیے گا سروے میں حصہ لیا ہے اچھا لگے تو شائع کیجیے گا۔ سب کے لیے دعائیں۔

اور دلہا' دلہن دونوں کی تصاویر بھجوا سکتے ہیں۔ شادی کے احوال والے سلسلے میں۔

ج : رابعہ جی! افسانے پسند کرنے کا شکریہ ذرا تفصیل سے اپنی رائے کا اظہار کرتیں تو ہمیں اور خوشی ہوتی کیونکہ آپ بہنوں کی آرا کی روشنی میں ہی ہم کرن کو ترتیب دیتے ہیں۔ جی بے شک! آپ اپنی شادی کا احوال بھی لکھ سکتی ہیں۔ تصویر دلہا اور دلہن دونوں کی بھجوا سکتی ہیں۔

بانیہ کاشف..... گجرات

ہر بار رسالہ خریدنے پر بھرپور ارادہ ہوتا ہے کہ اس بار خط ضرور لکھوں گی۔ مگر وہ کیا کہتے ہیں کہ ایک تو سستی آڑے آجاتی ہے دوسرے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کس تاریخ تک خط ارسال کردینا چاہیے۔ کہیں باوجہ تاخیر چھپے ہی نہ اور خطوں کے جوابی کالم میں تقریباً" سارے ہی تسلی بخش جواب ملے، ہم پھر بیٹھ ہی جاتے ہیں مگر اس بار ہیں نے ہمت پکڑ ہی لی اس کی اصل وجہ ناول "پھول موسم کا سود بھر کر ہے" بھئی لسٹ میں مصنفہ کا نام مصباح علی ہے اور ناول پر مصباح خالد۔ دراصل یہی جاننا تھا یہ ناول ہے کس کا....؟ خیر جس مصباح نے بھی لکھا مگر لکھا خوب جم کر کہانی، الفاظ، منظر کشی، کردار اور خاص کر یہ بیت کے ڈائیلاگ واہ، واہ.... اور ہاں وہ جالے والی مثال واقعی بہت متاثر کن تھی شاباش نمبرون۔ اگلی کہانی کا ہمیں انتظار رہے گا، جلدی لکھیں مصباح۔ اب آتے ہیں تنزیلہ ریاض کی کہانی "راپنزل" کی طرف بھئی یہ تو مجھے پہلی قسط سے ہی بہت پسند آئی ہے۔ میرا خیال ہے نیناہی راپنزل ہوگی، کیونکہ تنزیلہ جی؟ اور کاشف جیسے دوغلے انسان کو اچھی خاصی سزا ملے.... ردائے وفا اچھا خاصا الجھتا جارہا ہے جلدی سمیٹیں پلیز فرحین جی، نایاب جیلانی کی کہانی مخصوص انداز لیے بھی مجھے لگتا ہے بدل جائے گا۔ خیر ایسا ہی ہوتا ہے۔ عام طور پر، آئندہ پڑھ کر باقی تبصرہ آئندہ ہی کروں گی۔

افسانوں میں راشدہ رفعت بازی لے گئیں عالیشان جیسے باتونی مرد ہی اصل میں زن مرید بنتے ہیں۔ ہاہاہا بہت ہنسی آئی "سچا ساتھی" اور "بازی مات ہوتی ہے" بس اچھی ہی لگیں اور ناولٹ میں بشریٰ سیال کا یہ "تغافل دل یار" پسند تو بہت آیا ریہان پر ترس اور یشب احمد پر غصہ بھی مگر دیکھیں نا آپی اگر باباجان کو جائیداد ہی چاہیے تھی تو پھر ریہان کو یشب کے پاس شہر ضرور بھیجنا تھا۔ بیچارہ یشب آہ باقی سلسلے بھی بہت اچھے تھے۔ ایک نیا سلسلہ ہی شروع کریں نئے سال میں رائٹرز کے انٹرویوز کا اور عاطف اسلم اور ماہرہ خان کا انٹرویو بھی شامل کریں۔

ج : ہانیہ اور کاشفہ! "پھول موسم کا سود بھر کر" مصباح علی نے لکھا ہے معذرت خواہ ہیں کہ ان کا نام غلط شائع ہو گیا۔ آپ کا کہانیوں پر تبصرہ پسند آیا اور آپ کی فرمائش ہم نے نوٹ کرلی ہے۔ آپ اپنا خط اس طرح بھیجیے کہ 26-28 تاریخ تک بھی ہم کو مل جائے تو شائع کر دیا جائے گا۔ امید ہے کہ آئندہ سستی کو چھوڑ کر خط لکھتی رہیں گی۔

وثیقہ زہرہ..... سمندری

کرن 17 تاریخ کو ملا "حمد و نعت" سے دل کو منور کیا "علی محمد" سے ملاقات اچھی رہی "نمرہ بچہ" اور "نادیہ ایمینو ئیل" کے انٹرویو پسند آئے "مقابل ہے آئینہ" ثنا شہزاد کے جواب اچھے لگے۔

"راپنزل" کاشف اور حبیبہ کا تعلق ختم ہونے پر شکر ادا کیا اور "ردائے وفا" کی طرف چل پڑے جہاں نائلہ کے سدھرنے پر خوش ہوئی وہی معراج کے بدلنے پر حیرت زدہ ہو گئے "زن مرید" عالیشان بھی زن مرید ہی ثابت ہوا "پھول موسم کا سود بھر کر" کا آخر پریزے کے صبر و حوصلہ محنت کا صلہ مل گیا بچی کی صورت "سچا ساتھی" ہر بیوی کو امینہ کی طرح ہونا چاہیے اظفر پر لگے کنجوسی کے لیبل کو اپنی محنت اور محبت سے اتار ہی دیا دل ٹوٹ کے ہارا تبصرہ اینڈ پر ہوگا۔

"یہ تغافل دل یار" جب یشب ریہان کی محبت میں مبتلا ہوا تو وہ دنیا ہی چھوڑ گئی بہت دکھی ناول تھا "دسمبر لوٹ جاؤ تم" پانچ سال گزرنے کے بعد بھی ماریانا، جمال کی محبت میں گرفتار رہی اتنی سچی محبت۔ "تم ہنستی اچھی لگتی ہو" طلال اور مینو کی ہی شادی ہونی چاہیے تھی۔ فیروز بالکل پسند نہیں آیا "چلو اقرار کرتے ہیں" عفان اور میراب کی نوک جھونک اچھی لگی۔ "بازی مات" ہوئی سبق آموز تحریر تھی سب کا پسندیدہ بننے کے لیے اس "میں" کو ختم کرنے کی ضرورت ہے۔

ج : وثیقہ جی! کرن کو پسند کرنے کا شکریہ۔ آئندہ بھی اپنی رائے کا اظہار ضرور کیجیے گا۔ آپ کی رائے سے آگاہ ہوں گے تو کرن کو آپ کے معیار کے مطابق بنائیں گے۔

ثناء شہزاد..... کراچی

دسمبر کا شمارہ 12 تاریخ کی سرد شام میں میرے ہاتھ میں آیا اب مجھے کرن منگانے کی ٹینشن نہیں ہوتی کیونکہ یہ ذمہ داری نوشین نبھا رہی ہے بہت اچھے طریقے سے۔ ماڈل اچھی لگی۔ اداریہ پڑھا اس کے بعد نیچے بڑھے تو ایک نیا سلسلہ دیکھا میرے پاس فوزیہ آنٹی کی شادی کا تمام احوال لکھا ہے مگر میں کیسے بھیجوں وہ تو اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔ انٹرویوز اس بار سب کے پڑھے اچھے لگے "مقابل ہے آئینہ" میں مجھے شامل کرنے کے لیے شکریہ افسانے

چاروں بیسٹ تھے راشدہ رفعت صاحبہ کا ''زن مرید'' سو فیصد حقیقت پر مبنی تھا۔ رابعہ افتخار نے ''سچا ساتھی'' میں صبر کے ذریعے امینہ کو اچھا انعام دیا۔ ''دسمبر لوٹ جاؤ تم'' میں محبت میں جدائی دکھائی جو زیادہ تر لوگوں کے حصے میں آتی ہے۔ دیا شیرازی کی ''بازی مات ہوئی'' میں مریم کی میں اس کی بیٹی کے مستقبل کے آڑے آگئی ہر بات میں ''میں '' اچھی نہیں ہوتی ''یہ تغافل یار'' میں بشریٰ سیال نے بہت رلایا پر یمان کو مار کیوں دیا جس وقت یشب شاہ ماں کے سامنے رویا اور کہا مجھے سکون نہیں مل رہا اسے واپس لے آئیں بس اس وقت آنسو نہیں رک رہے تھے آغا جان بہت ظالم لگے ''چلو اقرار کرتے ہیں'' میرب کو کچھ زیادہ اوور اسمارٹ دکھایا مگر عفان نے بھی ٹھیک کر دیا۔ ''شاید'' اس پر آکر قلم رک جاتا ہے الفاظ نہیں ملتے تعریف کے لیے ''شاید'' ہر قسط پر دل نچھاور ہو جاتا ہے۔

''تم ہنستی اچھی لگتی ہو'' طلال کا کریکٹر اچھا لگا جس لڑکی سے محبت کر رہا تھا اسے اس کے محبوب سے ملانے تک کو تیار ہو گیا وہ تو امینہ کا نصیب اچھا تھا شازل کے چنگل سے نکل گئی اور اینڈ میں طلال کی خاموش محبت کی جیت ہوئی۔ ''مصباح علی'' اس بار چھا گئیں۔ مجھے پریزے پر حیرت ہوئی کوئی عورت صبر اور حوصلے میں اس حد تک بھی جا سکتی ہے واقعی میں کس مٹی سے بنی تھی پریزے اتنی برداشت کہاں سے آئی اس میں سیلوٹ کرتی ہوں میں پریزے کو اور اس نے حسام کو سمجھانے کے لیے جو مکڑی کے جالے کی مثال دی وہ زبردست تھی۔ ''نایاب جیلانی'' کے ناول پر تبصرہ اگلے ماہ کروں گی۔ ''ردائے وفا'' میں معراج تو ابھی سے بدل گیا ابھی تو عفت اس کے پاس گئی بھی نہیں ہے نائلہ اور حدید کی اسٹوری ٹھیک ہو گئی حسیب اور ماہا کی بھی ٹھیک کر دیں اور پلیز اب اس کہانی کا جلدی سے ہیپی اینڈ کر دیں۔ ''رابنزل'' میں تنزیلہ ریاض کسی اور کو رابنزل بنا کر لائیں گی نہ نینا ہو گی نہ شہرین جہاں تک مجھے لگ رہا ہے۔ تمام مستقل سلسلے اچھے لگے۔ آپ سب کو نئے سال کی بہت بہت مبارک باد قبول ہو میری طرف سے۔

ج : ثنا جی! آپ کا خط پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی آپ اپنے خط سے ہمیشہ اس محفل کو سجاتی رہیں (آمین) ہماری دعا بس یہی ہے۔ آسیہ فاطمہ ..... ڈنگہ

... سے پہلے تو ایک شکوہ ہے کہ ہمیں کرن آخر دیر سے کیوں ملتا ہے۔ 15۔ 13 کو اور بڑھتے بڑھتے 20۔ 21 ہو جاتی ہے۔ اب بتائیں ہم خط کیسے لکھیں اور اگر لکھیں تو شامل نہ ہو گا کہ لیٹ ملا۔ ہمارا جوائنٹ فیملی سسٹم ہے اور سب کزنز کرن شوق سے پڑھتی ہیں۔ کچھ تو میسنیاں ہیں 12'12 کو ہی ڈاؤن لوڈ کر لیتی ہیں۔ مگر آپ ہی بتائیں جو رسالہ ہاتھ میں پکڑ کر پڑھنے کا مزا ہے وہ لیپ ٹاپ پر کہاں۔ 60 روپے کے چپس شام کی چائے کے ساتھ ہڑپ کر جاتے ہیں تو کیا ایک رسالہ خریدتے دم نکلتا ہے 'میں تو ہمیشہ ہی خرید کر پڑھتی ہوں' پھر وہ مانگنے آجاتی ہیں۔ ہونہہ۔

اس دفعہ کا کرن زبردست تھا سرد موسم میں گرم گرم۔ سب کزنز کی فیورٹ تنزیلہ ریاض کو بہت سلام اور نائس لکھنے پر مبارکاں' ہمارے اندازے میں نیناں اور ماہین دونوں ہی رابنزل ہیں اپنی اپنی ذات میں ''شاید'' میں ام ہانی اور سالار ایک دم فٹ۔ مصباح کا ''پھول موسم کا سود بھر کر'' نے میدان مار لیا۔ پریزے جیسے بہو سب کو مل جائے تو گھر جنت بن جاتے ہیں۔ ان کا ایک پیرا ''ضدی بیوی میں ہوتا ہوا تا کچھ نہیں ہے.... بالکل سچ کہا اور مکڑی کے شفاف اور گندے جالے کی مثال زبردست۔ افسانوں میں ''سچا ساتھی'' نمبر ون اور ''دسمبر لوٹ جاؤ'' شاباش اور رہی پیاری سی راشدہ رفعت۔ اللہ پڑھ کر بہت ہنسی آئی عالیشان کا بہت ہی عالیشان انجام ہوا۔ بڑا بنتا تھا دوسروں کو ٹائٹل دینے والا۔

ج : آسیہ فاطمہ جی! کرن سے اتنی محبت آپ ہماری خوشی کا اندازہ نہیں کر سکتیں۔ کرن پڑھ کر ہمیں اپنی رائے سے ضرور آگاہ کر دیا کیجیے ہم انتظار کرتے ہیں آپ سب بہنوں کی آرا کا اور اپنی آرا کی روشنی میں کرن کو بہتر سے بہتر کرنے میں مصروف رہتے ہیں۔

کرن شمشاد ..... اسلام پورہ

رسالے پر تبصرہ کرنے کو دل تو میرا بھی کرتا ہے پر کیا کروں' گھر کی ذمہ داریوں سے فرصت نہیں ملتی۔ بہرحال خط سارے شوق سے پڑھتی ہوں۔ اس بار نعت اور حمد بہت اچھی تھی اور اداریہ بھی پسند آتا ہے نمرہ بچہ نے روایتی سا انٹرویو دیا۔ ناولز میں ''ردائے وفا'' بہت پسند ہے اور تنزیلہ ریاض ہمیشہ اچھا لکھتی ہیں۔ مکمل ناول میں زرین قمر زد کا ''تم ہنستی اچھی لگتی ہو'' بہت اچھا لگا مینو جیسی لڑکیاں کی کمائی تو چاہیے ہوتی ہے۔ چلیں اچھا ہوا

بروقت بچ گئی۔ مصباح کا "پھول موسم کا سود بھر کر" سب میں اول رہا خاص کر پریزے کا کردار اور اس کے دعائیہ جملے شاباش۔ بشریٰ سیال اور حمیرا نوشین شاید نیا اضافہ ہیں۔ میں پہلی بار خط لکھ رہی ہوں جلدی جلدی گندا لکھا گیا مہربانی سے تھوڑی سی جگہ دے دینا۔

ج : کرن نشاد جی! آپ نے اپنی مصروفیت میں سے وقت نکال کر ہمیں خط لکھا ہمیں بہت خوشی ہوئی امید ہے آئندہ بھی تھوڑا سا زیادہ وقت نکال کر ہمیں اپنی رائے سے آگاہ ضرور کریں گی۔ یقین جانیے ہمیں آپ سب بہنوں کے خطوط کا بے حد انتظار رہتا ہے۔

فائزہ بھٹی ...... پتوکی

نئی بات بتاؤں ٹائٹل مجھے زرا برابر بھی اچھا نہیں لگا۔ دسمبر کا شمارہ ہو اور ٹائٹل ایسا ...... نہ بھئی ہم نہیں قبول کرنے والے۔

حمد و نعت سے لطف اندوز ہوئے ' ایک تفصیلی نظر فہرست پر دوڑائی اور اپنی پسندیدہ کہانیوں کو موجود دیکھ کر سکون کا سانس لیا۔

"شاید" فائزہ افتخار کی بہت جاندار اسٹوری ہے ' سالار سائیکو کیس معلوم ہوتا ہے مگر اس کی حالت پر ترس بھی آتا ہے۔

"راپنزل" تنزیلہ ریاض ایک بہت اچھی لکھاری ہیں۔ جن کا نام ہی ان کی گواہی ثابت ہوتا ہے۔ یہ کرن کے والدین تو نہ ہی آتے تو اچھا تھا۔ اگر کسی دوسری جگہ جا کر بھی آگ ہی لگانی ہے تو گھر میں اچھا تھا کر رہے تھے مسیح بے چارے کا کیا قصور وہ تو ہر بار ایویں باتیں سنتا رہتا ہے۔

نیناں کی تو اپنے ابا سے لگتا ہے کوئی پرانی دشمنی ہے اسلم کو بھی کیسے کھری کھری سنا کر آتی ہے وہ تو بے چارا محبت کے ہاتھوں مجبور ہے ورنہ اپنی بیساکھی سے ایک آدھ ہٹ تو ضرور لگاتا یہ جو نیناں کی وجہ سے اس کی اماں کی آنکھوں میں آنسو آتے ہیں نا اس بات پر دکھ ہوتا ہے ' باقی تو سب چلتا رہتا ہے۔

"ردائے وفا" یہ کیا عفت اور معراج کی رخصتی سے پہلے ہی ان کے رشتے میں لکیری کھینچی جا رہی ہے ' فرحین اظفر ایسے تو نہ کریں۔ نائلہ کی تو لگتا ہے ابھی سزا پوری نہیں ہوئی مشکل ہے اس کے اور حدید کے بیچ کچھ اچھا ہونے کی توقع تھی مگر یہ توقع بھی کھٹائی میں پڑتی دکھائی دے رہی ہے۔

ماہا نے بھی آخر سمجھوتہ کر ہی لیا۔ لڑکیاں جتنی بھی بڑکیں مار لیں آخر میں سمجھوتے کا دامن ہی پکڑنا پڑتا ہے۔

مکمل ناول "دل ٹوٹ کے ہارا تھا" نایاب جیلانی بہت اچھی اور اپنی اپنی سی ہیں یہ تو ان کا تو نام پڑھ کر ہی ذہن میں سادہ الفاظ پر مشتمل ' محبتوں میں گندھی ایک خوب صورت سی تحریر کا تصور ابھرتا ہے۔

"مقابل ہے آئینہ" ثنا شہزاد کو پڑھا اچھا لگا۔ خدا پاک اس کی سب جائز خواہشات کو پورا کرے اور دنیا و آخرت میں سرخرو کرے۔ (آمین)

"آسٹرولوجی سے مجھے دلچسپی نہیں ' تو پھر تبصرہ رہنے دیتی ہوں۔ اور نمرہ بچہ کو بھی ہم پی ٹی وی دیکھنے والے لوگ بہت کم جانتے ہیں ' نادیہ ایمنیویل کا تو نام بھی پہلی بار سنا اور دیکھا ہے۔ اب آپ بتائیں اس صورت حال میں کیا ہو سکتا ہے۔ "کرن کرن خوشبو" حدیث کے بعد ' ناز شریف کی لکھی گئی امتیاز ساجد کی "اگر نیند آئی" اور اس کے بعد ثمینہ کوثر عطاری کا "اکیلا دسمبر"

"کچھ موتی چنے ہیں" سمیرا نصیر ' ام ایمن اور سیدہ نسبت زہرہ کا انتخاب اچھا لگا۔

مجھے یہ شعر پسند ہے " فرزانہ جاوید ' حنا کرن ' ام ایمن ' ثمینہ کوثر کے اشعار اچھے لگے۔

"یادوں کے دریچے سے" اس بار تو دسمبر چھایا ہوا تھا تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اس نے ہم پر اثر نہ ڈالا ہو۔ "نامے میرے نام" سب نے اپنی اپنی کوششیں کی اور خوب کی مگر آسیہ ارم کو جب مدیرہ نے عزت بخشی تو ہم کیوں پیچھے رہیں۔ آپ کا خط واقعی اچھا تھا۔

اب یہ نہ کہیے گا اتنا لیٹ خط ملا۔ بتائیں ذرا جب کرن اتنا دیر سے ملے گا تو خط بھی تو اتنا تاخیر کا شکار ہو گا۔ اب یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ ہم دل برداشتہ ہو کر لکھنا چھوڑ دیں۔

ج : پیاری فائزہ! آپ بہنوں کے خط 27۔26 تاریخ کو بھی ہمیں مل جائیں تو ضرور شامل کیے جائیں گے۔ کرن کو پسند کرنے کا شکریہ آپ کبھی بھی دل برداشتہ ہو کر خط لکھنا مت چھوڑیے گا۔ آپ کا کہنا ہے کہ ہم پی ٹی وی دیکھنے والے لوگ "نمرہ بچہ" کو بہت کم جانتے ہیں اور نادیہ ایمنیویل کا نام بھی پہلی دفعہ سنا ہے تو پیاری بہن "کرن" میں اسی لیے تو ان سیلبریٹیز کے انٹرویو شائع کیے جاتے ہیں کہ آپ ان کے بارے میں جانیں۔

☆ ☆